قرض سے متعلق تقریبا1000 سوالات کا انمول ذخیرہ بنام

قرض کے احکام

مع جدید مسائل

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

فقہ کے تمام ابواب میں موجود قرض کی صورتیں، قرض کے جدید مسائل، لیزنگ، بینک اور قرض، c,c (کیش کریڈٹ) حج وعمرہ بذریعہ بینک، چیک، انشورنس، تکافل، سکیورٹی وایڈوانس، ملکی معاملات اور قرض، انعامی بانڈز، اسکیمیں، ٹیکس، گروی، کمیٹی، بولی والی کمیٹی، U,Fone Lone، Mony Exchangers (ہنڈی) کنسلٹنٹ (consultant)، ایزی پیسہ، ادائیگی قرض کے وظائف

اس کے علاوہ اور بہت کچھ

ابو اطہر مفتی محمد اظہر العطاری المدنی

المتخصص فی الفقہ الاسلامی، شہادۃ العالمیہ

WhatsApp.0321-4061265

E.Mail.azharmadani85@gmail.com

f.b.Mufti muhammad azhar madani

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ آلك واصحابك یا حبیب اللہ

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔قرض کے احکام مع جدید مسائل

مصنف ۔۔۔۔۔۔۔۔ابو اطہر مفتی محمد اظہر عطاری المدنی بن غلام رسول عطاری

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ فیضان شریعت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

صفحات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔640

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔600

اشاعتِ اول ۔۔۔۔۔۔۔محرم الحرام 1439ھ، ستمبر 2017ء

فہرست

انتساب

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے نام۔ انہی کی کتاب مستطاب بہارشریعت کے مطالعہ کے دوران راقم الحروف کا اس موضوع پر مسائل اکٹھے کرنے اور انہیں فقہی ترتیب کے مطابق ابواب بندی کرنے کا ذہن بنا۔

پھر

اُس عظیم محسن وشفیق ومحترم استاد کے نام جن کی دواء ودعا کی بدولت فقیر آج اس قابل ہوا، دینی مقام وخدمات کی ہزاروں سیڑھیاں بھی طے کرلوں تو میری کامیابی کی ابتداء وانتہاء میں ایک نام ضرور جڑا ہوگا اور وہ ہے

حضرت علامہ مولانا شیخ الحدیث مفتی محمد سجاد رضا قادری صاحب

اللہ عزوجل صدرالشریعہ بدارالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مزار پرانوار پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے اور ہمیں ان کی فقیدالمثال کتاب ''بہار شریعت'' سے برکتیں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے استادمحترم کوشاد و آباد رکھے۔ آمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

پیش لفظ

ہر دور میں تقریباً ہر انسان کو قرض کے ساتھ واسطہ پڑتا رہا ہے، رہتا ہے اور رہے گا۔ زمانہ جاہلیت میں نوحہ اور پیٹنے کا بھی قرض ہوتا تھا اگر ایک عورت دوسرے کے ہاں موت پر پیٹ آتی تھی تو یہ اس کے ہاں موت کے وقت پیٹنے ضرور جاتی تھی۔ اسلام کیونکہ دین فطرت ہے اس نے جہاں جاہلیت کی فضول رسم ورواج کا خاتمہ کیا وہی قرض کے متعلق بھی بہترین احکامات وضع فرمائے تاکہ معاشرہ فتنہ وفساد سے محفوظ رہے۔

قرض کی تعریف

قرض کا لغوی معنی: اردو میں ادھار، مانگا ہوا، مستعار چیز کو قرض کہتے ہیں۔

(فیروز اللغات، ق،ر،صفحہ 954،فیروز سنز، اردو بازار لاہور)

مغنی المحتاج میں لکھا ہے کہ اہل حجاز اسے ادھار کا نام دیا کرتے تھے" و تسمیه أهل الحجاز سلفًا۔" ترجمہ: اہل حجاز اسے سلف کا نام دیتے تھے۔ (سلف یعنی ادھار۔)

(مغنی المحتاج،جلد2،صفحہ 153،دار المعرفۃ،بیروت،محمد بن خطیب)

اہل عرب بھلائی واحسان پر بھی قرض ہی کا اطلاق کرتے تھے۔"والعرب تقول لکل من فُعل إليه خيرًا قد أحسنت قرضي وقد أقرضتني قرضًا حسنًا" ترجمہ: عرب میں جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جاتی تو وہ کہتا تو نے مجھے قرض حسن دیا۔

(تاج العروس من جواہر القاموس،جلد8،صفحہ 75،الطبعة الخيرية، مصر)

اصطلاحی تعریف:۔ کسی سے کوئی شے لینا اور واپسی میں اس کی مثل دینا قرض کہلا

تا ہے۔القاموس المحیط میں ہے"اوّلا:القرض لغة :القطع، قرضتَ الشیء أقرِضُهُ بالکسر قرضاً:قطعتهُ،والقرض:ما تعطیه من المال لتقضاهُ" ترجمہ:قرض کالغوی معنی کاٹنا ہے۔اور اصطلاح میں قرض اس مال کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کے بعد واپسی کا تقاضا کیا جائے۔

(القاموس المحیط،مجدالدین بن احمدفیروز آبادی،جلد3،صفحہ 840،بیروت)

قرض کا مقصد

قرض کا مقصد لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے جیسا کہ فتاوی کبری میں ہے" فإن مقصود القرض إرفاق المقترض " ایک اور مقام پر ہے "شرع عقد البیع لنقل الملك بالعوض،وعقد القرض لإرفاق المقترض " ترجمہ:خرید وفروخت کے جواز کا مقصد عوض کے بدلے ملک کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے اور قرض سے مقصود قرض لینے والے کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے۔

(فتاوی کبری، کتاب الاقرار،الطریق الاول بطلان الحیل،جلد08 ،صفحہ494 ،مکتبہ شاملہ)

قرض کو قرض کیوں کہتے ہیں؟

قرض کا ایک معنی کاٹنا بھی ہے جو تخریج کے ساتھ آگے مذکور ہوگا،قرض خواہ اپنے مال سے کچھ مال کاٹ کر یعنی مال کا ایک ٹکرا دیتا ہے،اس لئے قرض کو قرض کہتے ہیں۔خلیل میں ہے"سمی القرض قرضًا لأنه قطعة من المال المُقرض"

(خلیل علی الخرشی،الخرشی علی مختصر خلیل،جلد5،صفحہ 299،بیروت)

قرض کے لئے استعمال ہونے والے دیگر الفاظ

عربی زبان میں لفظ قرض کے علاوہ مزید اور ایسے الفاظ بھی ہیں جو بعض مقامات

پر عقد و معنی قرض کے لئے استعمال ہوتے۔جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:۔

(1) سلف: جیسا کہ لسان العرب9/158 پر ہے۔

(2) دین: جیسا کہ کشاف القناع3/313 پر ہے۔

(3) القراض: فِعال کے وزن پر ہے۔اس کے اور قرض کے استعمال میں فرق ہے۔ہاں! معنی لغوی میں مشارکت ہے۔الصحاح3/1102 پر ہے۔سلف اور دین عام ہیں جبکہ قرض خاص ہے۔

قرض سے پناہ

اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ حتی الامکان قرض لینے سے بچا جائے۔حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرض سے پناہ مانگتے تھے۔چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یوں دعا کیا کرتے "اللھم إنی أعوذ بك من المأثم والمغرم "ترجمہ:الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔

(صحیح بخاری، کتاب صفة الصلوة ،باب الدعاء قبل السلام،جلد1،صفحہ286،بیروت)

جب عرض کی گئی کہ حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)قرض سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں تو اس کی وجہ کچھ یوں ارشاد فرمائی" إن الرجل إذا غرم حدث فکذب ووعد فأخلف " ترجمہ: آدمی جب مقروض ہوتا ہے بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔(جیسا کہ آج کل اس کی کثرت ہے)

(صحیح بخاری ، کتاب صفة الصلوة، باب الدعاء قبل السلام،جلد01،صفحہ286،دار ابن کثیر ، الیمامة،بیروت)

قرض برائیوں کی جڑ ہے

قرض کی وجہ سے کئی ایک گناہوں کا دروازہ کھلتا ہے۔حدیث میں ہے کہ قرض

رات کا غم اور دن کی ذلت ہے۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: '' قرض بہت سے گناہوں کا ذریعہ ہے عموماً مقروض قرض خواہ کے تقاضے کے وقت جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ گھر میں چھپ کر کہلوا دیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں اور اگر پکڑے گئے تو کہہ دیا ہمارا مال آنے والا ہے،جلدی دیں گے۔وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں کہ کل لے جانا مگر دیتے نہیں'' (مراۃ المناجیح، جلد2،صفحہ109،نعیمی کتب خانہ، گجرات)

قرض بربادی آخرت کا سبب

ایک حدیث میں کفر کو قرض کے برابر کہا گیا کہ مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے چنانچہ **مشکوٰۃ شریف** میں ہے "عن أبی سعید قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول أعوذ بالله من الكفر و الدين فقال رجل يا رسول الله أتعدل الكفر بالدين ؟ قال نعم" ترجمہ:روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں:میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ کہتے سنا:میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے۔ایک شخص نے عرض کیا:یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ قرض کو کفر کے برابر سمجھتے ہیں؟فرمایا:ہاں۔

(مشکاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ،باب الا ستعاذۃ،جلد1،صفحہ221،مطبوعہ،لاہور)

اعتراض:حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود بھی تو قرض لیا تھا اس کے باوجود اس کو کفر کے برابر کیوں قرار دیا؟

جواب:رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس قرض کی مذمت بیان فرمائی اس سے مراد وہ قرض ہے جو مقروض پر غالب آجائے اور اسے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ رکھے اور اس کی وجہ سے ذلیل ورسوا ہو جیسا کہ مراۃ میں اسی حدیث کی شرح مفتی

احمد یار خان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''قرض سے وہ قرض مراد ہے جو مقروض پر غالب آجائے جسے مقروض ادا نہ کرسکے اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور رسواء ہو، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرض تو لیا ہے کیونکہ جس قرض سے پناہ مانگی ہے، وہ اور قرض ہے، اور جو لیا وہ اور ہے۔ الخ

اس حدیث سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ قرض کو کفر جیسی بلا کے برابر کیوں قرار دیا؟ تو اس کا جواب بھی مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مجبور مقروض اکثر جھوٹے وعدے کرتے ہیں، جھوٹے وعدے منافق کی علامت ہیں، نیز کافر کا مسلمان مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے، جیسا کہ ضلع متھرا اور ضلع آگرہ کے ملکھانہ راجپوتوں میں دیکھا گیا، شدھی کا فتنہ زیادہ تر قرض سے پھیلا، کیونکہ فقیر بے صبرے عموماً چوری، جھوٹی گواہی دے کر گناہ تو کیا ہی کرتے ہیں مگر کبھی رب تعالیٰ کی ایسی شکایتیں کر ڈالتے ہیں جو صریح کفر ہوتیں ہیں، یہاں وہی فقر مراد ہے، جس کے ساتھ بے صبری ہو۔'' الخ

ہجرت سے پہلے اہل مدینہ قرض لینے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ اس کے وہ عادی تھے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے قرض کی عادت نکالنے کے لئے مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھی دوسروں سے پڑھوا دی تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور قرض حتی الامکان نہ لیں۔

قرض کی تاریخ

قرض کی تاریخ بہت پرانی ہے پچھلی امتوں میں بھی اس کا وجود تھا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تلقت الملائکۃ روح رجل

ممن کان قبلکم فقالوا أعملت من الخیر شیئا ؟ قال لا قالوا تذکر قال کنت أداین الناس فآمر فتیانی أن ینظروا المعسر ویتجوزوا عن الموسر قال قال اللہ عز و جل تجوزوا عنہ " ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی فرشتے روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہا: کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: یاد کرو۔ اس نے کہا: میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور اپنے نوکروں کو کہتا تھا کہ تنگدست کو رخصت اور غریب آدمی سے درگزر کرو، پس اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: آج تم اس سے درگزر کرو۔

(مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل انظار المعسر، جلد 3، صفحہ 1194، بیروت)

جائز قرض

قرض لینا جائز ہے جبکہ سودی وغیرہ نہ ہو "أما المعاملات المشروعۃ التی ھی حلال ومباحۃ فھی البیع والشراء بصدق وأمانۃ، والقرض بدون فائدۃ" ترجمہ: وہ معاملات جو حلال اور جائز ہیں ان میں دیانتداری سے خرید وفروخت اور بغیر سودی قرض شامل ہیں۔

(الاحکام الفقہ الاسلامی وماجاء فی المعاملات الربویۃ، الاقتصاد فی النفقات، صفحہ 14)

قرض لینا کبھی مستحب، سنت اور کبھی فرض وواجب بھی ہے

بلکہ بعض قرض کی شرعی حیثیت سنت و مستحب کی سی ہے بلکہ فرض واجب کی سی ہے۔ جیسے نکاح ودوسری دینی اور گھریلو ضرورتوں کے لیے قرض لینا جبکہ ادا کی پوری نیت ہو۔ خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرض لے کر اسکے جائز ہونے کو ثابت کیا۔ بخاری میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے" رھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعا لہ

بالمدینة عند یهودی" ترجمہ: نبی کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) نے مدینہ میں یہودی کے پاس قرض لینے کی غرض سے ذرہ گروی رکھی۔

(صحیح بخاری ، کتاب البیوع، باب شراء النبی، جلد02، صفحہ 729، بیروت)

ناپسندیدہ وناجائز قرض

بلا ضرورت قرض لینا ناپسندیدہ عمل ہے اور اگر فضول رسم ورواج کے لئے لیا جائے تو اور زیادہ بُرا ہے۔ اگر سودی قرض لیا جائے تو ناجائز وحرام ہے۔ لوگ بے ضرورت باتوں کو ضرورت ٹھہرا لیتے ہیں مثلاً شادی میں کثیر خرچ درکار ہے، کچے مکان میں رہتے ہیں پختہ مکان بنانا منظور ہے، گزر کے لائق تجارت کر رہے ہیں اور بڑا سوداگر بننا مقصود ہے، ان اغراض کے لئے سودی قرض لیتے ہیں، یہ حرام ہے۔ اس کا اور سود دینے کا ایک حکم ہے۔ البتہ اگر سخت ضرورت ہو تو سودی قرض لینا جائز ہے۔

سودی قرض لینے کے لئے ضرورت کی حد

سودی قرض لینے کی ضرورت ایسی ہو کہ بے اس کے گزر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً:۔

(1) کھانے پینے کے لئے پاس کچھ نہیں اور نہ ہی کسب پر قادر ہے۔

(2) نہ حاجاتِ ضروریہ سے زائد کوئی چیز قابل بیع پاس ہے کہ جسے بیچ کر ضرورت پوری کرلی جائے۔

(3) یا ایسا مقروض ہے کہ اب قرض ادا نہ کرے گا تو رہنے کا مکان یا ذریعہ معاش کی دکان نیلام کردی جائے گی۔

(4) قرض خواہ مزید مہلت نہیں دیتا اور عزت خراب ہونے کا یا پولیس کیس کردے گا اور سوائے سودی قرض کے اور کوئی راہ نہ ہو تو بھی لے سکتے ہیں۔

(5) یا قرض خواہ (مکان یا دوکان) چھین لے گا تو ایسی مجبوریوں میں سودی قرض لے سکتا ہے۔الاشباہ والنظائر میں ہے "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا"
ترجمہ: ضرورت منداور مجبور کو سودی قرض لینا جائز ہے۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ، جلد1، صفحہ126، ادارۃ القرآن، کراچی)

قرض ادا کرنے کے لئے سوال کرنا یعنی بھیک مانگنا

اگر قرض خواہ مہلت نہ دے اور حالات بھی قرض چکانے کے نہ ہوں اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ہو جسے بیچ کر قرض ادا کرسکیں تو سوال کرنے کی اجازت ہے۔مشکوٰۃ میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" ان المسئلۃ لاتصلح الا لثلثۃ لذی فقر مدقع او لذی عزم مفظع او لذی دم موجع " ترجمہ: تین شخصوں کے سوا کسی کو مانگنا جائز نہیں۔

(1) کمر توڑ فقیری

(2) یا رسوا کن قرض

(3) یا تکلیف دہ خون سے (یعنی دیت لازم ہو اور مال نہ ہو۔)

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من لاتحل لہ المسئلۃ و من تحل لہ، جلد1، صفحہ165، رحمانیہ، لاہور)

قرض دینے کے فضائل

امام اعظم وشافعی ومالک واحمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرض دینا نیکی وباعث ثواب ہے۔اختلاف آئمۃ العلماء میں با تصریح ہے "واتفقوا علی أن القرض قربۃ ومثوبۃ" ترجمہ: آئمہ کا قرض دینے کے نیکی وقربت ہونے پر اتفاق ہے۔

(اختلاف الآئمۃ العلماء، کتاب البیوع، باب القرض، جلد01، صفحہ402، دار الکتب العلمیۃ -لبنان، بیروت)

قرض دینے کی فضیلت کے متعلق حلیۃ الاولیاء و سنن ابن ماجہ میں انس بن مالک سے مروی ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت لیلۃ أسری بی علی باب الجنۃ مکتوبا الصدقۃ بعشر أمثالھا والقرض بثمانیۃ عشر فقلت یا جبریل ما بال القرض أفضل من الصدقۃ قال لأن السائل یسأل وعندہ والمستقرض لا یستقرض إلا من حاجۃ" ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے معراج کی رات جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا، کہ صدقے کا ثواب دس گناہ ہے اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گناہ۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا: قرض صدقے سے افضل کیسے ہوا؟ اس نے عرض کیا: سوال کرنے والا جس سے سوال کرتا ہے اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے جبکہ قرض مانگنے والا قرض اس وقت مانگتا ہے جب اسے ضرورت ہوتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، باب یزید بن عبدالملک، جلد 08، صفحہ 333، دارالکتاب عربی، بیروت)

قرض بھی صدقہ ہی ہے

ہر قرض صدقہ ہے۔ معجم اوسط لطبرانی میں "عن عبد اللہ بن مسعود، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل قرض صدقۃ" ترجمہ: عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ہر قرض صدقہ ہے۔

(معجم اوسط لطبرانی، باب الھاء، من اسمہ الحسین، جلد 04، صفحہ 17، دار الحرمین، القاھرۃ)

قرض صدقہ سے افضل ہے

قرض دینا صدقہ دینے سے افضل ہے۔ السنن الکبری للبیھقی میں ثابت

بن انس سے مرفوعا روایت ہے کہ "قرض الشيء خير من صدقته۔"کوئی شے قرض میں دینا صدقہ میں دینے سے بہتر ہے۔

(السنن الکبری للبیہقی، کتاب البیوع،باب فی فضل الاقراض،جلد 05،صفحہ354،مکتبۃ دار الباز،مکۃ المکرمۃ)

مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

نورالعرفان حاشیہ کنزالایمان میں لکھتے ہیں"بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حاجت مند کو بوقت ضرورت قرض دینا بھی ثواب ہے بلکہ بعض صورتوں میں قرض دینا صدقے سے بہتر ہے کیونکہ صدقہ غیر ضرورت مند بھی لے لیتا ہے مگر قرض ہمیشہ حاجت مند ہی لیتا ہے۔

(نورالعرفان)

ایک روپیہ قرض دینے کا ثواب دو روپے صدقہ کرنے سے زیادہ

الترغیب والترھیب میں ابن مسعود سے مروی" ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال مامن مسلم یقرض مسلماقرضامرۃ الاکان کصدقتھا مرتین" یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:ایک دفعہ قرض دینے کا ثواب دو مرتبہ صدقہ دینے کی طرح ہے۔

(الترغیب والترہیب،الترغیب فی القرض،جلد01،صفحہ230،وحیدی کتب خانہ، پشاور)

بلکہ اوپر حلیہ کی حدیث میں گزرا کہ قرض کا ثواب صدقہ سے اٹھارہ گناہ زیادہ ہے۔نیز مسند ابی داؤد طیالسی میں ابو امامہ سے مروی" قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم انطلق برجل الی باب الجنۃ فرفع رأسہ فإذا علی باب الجنۃ مکتوب" الصدقۃ بعشر امثالھا والقرض الواحد بثمانیۃ عشر" لأن صاحب القرض لا یأتیك الا وھو محتاج وان الصدقۃ وضعت فی غنا" ترجمہ:نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:ایک شخص جنت کے دروازے کے پاس آیا،اس نے اپنا سر اٹھایا تو جنت

کے دروازے پر یہ لکھا پایا کہ صدقہ کا ثواب دس گنہ ہے اور قرض کا ثواب اٹھارہ گنہ ہے۔ کیونکہ قرض وہی لیتا ہے جسے ضرورت ہوتی ہے اور صدقہ بعض دفعہ غیر محتاج کو بھی چلا جاتا ہے۔

(مسندابی داؤدطیالسی،حدیث ابی امامۃ،جلد01،صفحہ 155،دارالمعرفۃ،بیروت)

قرض میں رخصت اور درگزر کرنے کی فضیلت

تنگ دست مقروض کو قرض لوٹانے کی مزید مہلت دینا صدقہ کرنے کے برابر ثواب اور روز حشر نجات کا سبب ہے۔سنن ابن ماجہ میں بریدہ اسلمی سے روایت ہے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أنظرہ بعد حلہ کان لہ مثلہ یوم صدقۃ" ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو تنگدست مقروض کو مہلت دے تو ہر روز اُتنا مال (جتنا قرض دیا ہے) صدقہ کر دینے کا ثواب پائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ، کتاب الصدقات، باب إنظار المعسر،جلد02،صفحہ808،دار الفکر، بیروت)

حدیث میں تنگ دستی سے بچنے کا نسخہ

یہ ہے کہ مقروض کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔روایت ابوہریرہ سے ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ" ترجمہ: جس نے تنگ دست کے لئے آسانی پیدا کی اللہ دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے گا۔ (مواردالظمآن،جلد1،صفحہ 281)

قیامت کی سختیوں سے نجات کا نسخہ

مسلم میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "من سرہ أن ینجیہ اللہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر أو یضع عنہ" ترجمہ: جو چاہے کہ اللہ

عزوجل اسے قیامت کی سختیوں سے نجات دے، تو اسے چاہئے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی دے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل انظار المعسر، جلد03، صفحہ1196، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

دوسری حدیث راوی ابن مسعود "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حوسب رجل ممن کان قبلکم فلم یوجد له من الخیر شیء إلا أنه کان یخالط الناس و کان موسرا فکان یأمر غلمانه أن یتجاوزوا عن المعسر قال قال اللہ عز وجل نحن أحق بذلك منه تجاوزوا عنه" ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کا حساب لیا گیا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں پائی گئی ماسواء اس کے کہ وہ لوگوں سے گھل مل کر رہتا تھا، وہ امیر شخص تھا اور اس نے اپنے نوکروں کو یہ حکم دیا تھا کہ غریب مقروض سے نرمی و درگزر کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس سے زیادہ درگزر کرنے کا حقدار ہوں، (آج تم) اس سے درگزر کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب فضل انظار المعسر، جلد03، صفحہ1195، بیروت)

قرض دینے میں اولیاء اللہ کا طریقہ

اس طرح کی احادیث کے پیش نظر بزرگانِ دین جب کسی کو کچھ دیتے تو بطور قرض دیتے تاکہ قرض دینے، رخصت و معاف کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ سیدی امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) سے کسی نے عرض کیا: حضور میرے کچھ روپے ایک شخص پر ہیں، وہ نہیں دیتے۔

ارشاد فرمایا: اس زمانہ میں قرض دینا اور یہ خیال کرنا کہ وصول ہو جائے گا، ایک مشکل خیال ہے۔ میرے پندرہ سو روپے لوگوں پر قرض ہیں۔ جب قرض دیا، یہ خیال کر لیا

کر دے دے، تو خیر ورنہ طلب نہ کروں گا۔ جن صاحبوں نے قرض لیا، دینے کا نام نہ لیا۔ (پھر خود ہی فرمایا) جب یوں قرض دیتا ہوں تو ہبہ کیوں نہیں کر دیتا؟ (یعنی تحفہ کیوں نہیں دے دیتا) اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: جب کسی کا دوسرے پر دین (یعنی قرض) ہو اور اس کی میعاد گزر جائے تو ہر روز اسی قدر روپیہ کی خیرات کا ثواب ملتا ہے جتنا دین (یعنی قرض) ہے۔ اس ثواب عظیم کے لئے میں نے قرض دیئے، ہبہ نہ کئے کہ پندرہ سو روپے روز میں کہاں سے خیرات کروں گا۔

(ملفوظات، صفحہ 92، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بزرگوں کے قرض معاف کرنے کا عجیب طریقہ

حضرت سیدنا شقیق بلخی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں: میں حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا اور دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا، تو آپ نے اسے پکارا، وہ آیا تو پوچھا کہ تم نے راستہ کیوں بدل دیا؟ اور کیوں چھپ گئے؟ اس نے عرض کی: "میں آپ کا مقروض ہوں، میں نے آپ کو دس ہزار دینے ہیں جس کو کافی عرصہ ہو چکا ہے اور میں تنگ دست ہوں، آپ سے شرماتا ہوں"

امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا: سبحان اللہ! میری وجہ سے تمہاری یہ حالت ہے، جاؤ! میں نے سارا قرض تمہیں معاف کر دیا۔ اور میں نے اپنے آپ کو اپنے نفس پر گواہ کیا۔ اب آئندہ مجھ سے نہ چھپنا اور سنو! جو خوف تمہارے دل میں میری وجہ سے پیدا ہوا مجھے معاف کر دو۔" (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ، جلد 01، صفحہ 260)

مہلت دینا اور قرض حسنہ کا تقاضہ کرنا

اگر مقروض کے پاس مال نہیں تو مہلت دینا فرض ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''قرض حسنہ دے کر مانگنے کی ممانعت نہیں، ہاں مانگنے میں بے جا سختی نہ ہو۔(قرآن پاک میں ہے)﴿وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة ﴾
ترجمہ:اگر مقروض تنگدست (اور نادار) ہوتو اسے آسانی تک مہلت دو۔

اوراگر مدیون نادار (تنگ دست مقروض) ہے جب تو اسے مہلت دینا فرض ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ پہنچے۔اور جو دے سکتا ہے اور بلاوجہ لیت ولعل (ٹال مٹول) کرے وہ ظالم ہے اوراس پر تشنیع وملامت جائز"قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مطل الغنی ظلم، ولیّ الواجد یحل مالہ وعرضہ"ترجمہ:حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:مالدار کا ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے،اور پانے والے کا کتراتا اور پہلو بچانا اس کے مال اور عزت کو مباح کر دیتا ہے(یعنی جو قرض واپس کرسکتا ہے مگر نہیں کرتا تو اسے ذلیل کیا جاسکتا ہے)۔'' (فتاوی رضویہ،جلد23،صفحہ585،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

قرض دینے سے قبل اپنے گھر والوں کے اخراجات کا لحاظ رکھا جائے

حکم ہے کہ اولا اپنے گھر والوں کے لئے بقدر کفایت چھوڑا جائے پھر قرض دیا جائے بلکہ یہ حکم صدقہ خیرات ومہمان نوازی وبھلائی تمام امور میں ہے کہ پہلے گھر کے لئے بقدر کفایت چھوڑے پھر کسی اور جگہ خرچ کرے۔صحیح حدیث میں یہ حکم موجود ہے۔راوی عبدالرحمٰن بن عوف عن ابیہ "عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال یا ابن عوف،إنك من الأغنیاء ، ولن تدخل الجنة إلا زحفا ، فأقرض اللہ یطلق قدمیك قال فما أقرض اللہ قال: تتبرأ مما أنت فیه قال:یا رسول اللہ من کله أجمع فقال:نعم،فخرج ابن عوف وھو یھم بذلك،فأرسل إليه رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فقال:أتاني جبريل،فقال:مر ابن عوف فليضف الضيف،وليطعم المسكين،وليعط السائل،وليبدأ بمن يعول،فإنه إذا فعل ذلك كان تزكية ما هو فيه ۔ هذا حديث صحيح الإسناد" ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اے ابن عوف! بے شک تو مالدار ہے اور تو جنت میں بھی جائے گا لیکن گھسٹتا ہوا ۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اپنے پاؤں پر چل کر جنت میں داخل ہو تو اللہ کو قرض دے۔ حضرت عبد اللہ بن عوف نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اللہ کو کیا قرض دوں؟ حضور نے فرمایا: جو کچھ تیرے پاس ہے سب اس کی راہ میں خیرات کردے۔ ابن عوف نے عرض کی: یارسول اللہ! اپنی تمام پونجی؟ فرمایا: ہاں۔ پس ابن عوف اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قصد سے چل پڑے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو واپس بلوایا اور فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور کہا: ابن عوف کو حکم دیں کہ وہ مہمان نوازی کرے، غریبوں کو کھانا کھلائے، سائل کو خالی نہ لوٹائے اور سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے خرچے کی فکر کرے۔ پس جب یہ ان امور کو بجالائیں گے تو یہ اس کے مال کو پاک کردیں گے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(مسند البزار، جلد 01، مسند عبد الرحمن بن عوف، جلد 02، صفحہ 67، بیروت)

مفتی شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں "وہ صدقہ پسند نہیں کہ اس کے ذمہ قرض رہے یا نان ونفقہ کی حاجت رہے اور صدقہ کر کے مقروض رہ جائے۔ خود بھوکا رہے یا خود اس کے اہل وعیال بھوکے رہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں صدقہ نفل ہوگا اور قرض کی ادائیگی یا اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نان ونفقہ واجب اور واجب کی ادائیگی مقدم ہے۔ اس کو حکیم بن حزم کی حدیث میں واضح فرمایا کہ اپنی آمدنی کو سب سے پہلے

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ یہ عقلمندی نہیں کہ خود اور اس کے اہل وعیال بھوکے مریں اور دوسروں کو کھلایا جائے۔ ہاں اگر کوئی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا توکل رکھنے والا ہو تو الگ بات ہے۔"

(نزہۃ القاری،شرح بخاری، کتاب الزکوۃ،جلد02،صفحہ15-914،فریدبک سٹال،لاہور)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ گھر میں بیوی بچوں کو ضروری کھانا و کپڑا مہیا نہیں کرتے اور باہر لوگوں میں حاتم طائی بننے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں عقل عطا فرمائے۔

استطاعت ہونے کے باوجود بلاوجہ قرض نہ دینے کا نقصان

بغیۃ الحارث میں ہے "ومن احتاج إليه اخوه المسلم فی قرض فلم يقرضه وهو عنده حرم الله عليه الجنة يوم يجزی المحسنين۔" ترجمہ: جس سے اس کے مسلمان بھائی نے قرض مانگا اور اس نے استطاعت ہونے کے باوجود قرض نہ دیا تو اللہ تعالیٰ اسے نیکوکاروں کو جزا دینے کے دن جنت سے محروم کردے گا۔

(بغیۃ الحارث،جلد01،صفحہ75،مکتبہ شاملہ)

قرض دیتے وقت دستاویز بنانا

قرض دیتے وقت قرض خواہ ومقروض دونوں کے لئے دستاویز یعنی اشٹام لکھ لینا بہتر ومستحب ہے تاکہ مقروض کے انکاری ہونے کی صورت میں قرض خواہ کے کام آسکے۔

دستاویز یعنی اشٹام لکھنے کا اسلامی طریقہ

جس کا طریقہ کچھ یوں ہو کہ قرض دو گواہوں کے سامنے دیا جائے، دینے ولینے

والے اور گواہوں کے دستخط ہوں۔اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا تَدَایَنتُم بِدَیْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے۔

(سورۃ البقرۃ،سورۃ نمبر02،آیت 12)

قرض دینے کے بعد احتیاطیں

عموما لوگ قرض دینے والے کو تحفے تحائف دینا شروع ہو جاتے ہیں۔حدیث میں اس سے بچنے کا حکم دیا گیا چنانچہ بیہقی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی "قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا أقرض أحدكم قرضا فأهدى له أو حمله على الدابة فلا يركبها ولا يقبله إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك۔" ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب کوئی قرض دے اور اس کے پاس وہ ہدیہ کرے تو قبول نہ کرے اور اپنی سواری پر سوار کرے تو سوار نہ ہو، ہاں اگر پہلے سے ان دونوں میں (ہدیہ وغیرہ) جاری تھا تو لینے دینے حرج نہیں۔

(السنن الکبری للبیہقی، کتاب البیوع، باب کل قرض ۔۔۔، جلد5، صفحہ350، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ)

قرض پر نفع

قرض دے کر نفع لینا سود ہے جس پر قرآن وحدیث میں شدید ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! سود دونا دون نہ کھاؤ، اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے۔

(سورۃ آل عمران،سورت 3،آیت 130)

دوسری آیت میں سود لینے کو خدا سے جنگ قرار دیا گیا چنانچہ فرمایا﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔

(سورۃ البقرہ، سورت 2، آیت 279)

سود بدسے بدترین گناہ ہے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا "الربوا سبعون جزء ا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ" ترجمہ: سود ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

(مشکوۃ شریف، کتاب البیوع، باب الربا، جلد 01، صفحہ 251، رحمانیہ کتب خانہ، لاہور)

سود اور عصر حاضر

عصر حاضر میں سود اس طرح لوگوں میں رچ بس گیا ہے کہ اب تو کئی لوگ اسے حلال سمجھنا شروع ہو چکے ہیں۔ سودی نوکری کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم محنت کا کھاتے ہیں اس لئے حلال ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد پینشن کو بینک میں رکھ کر سود لیا جاتا ہے اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ اب کمانے کے قابل نہیں۔ کاروبار اگر لاکھوں میں ہے تو اسے کروڑوں میں کرنے کے لئے سودی قرض لئے جارہے ہیں۔ بیمہ پالیسی والے لوگوں کی غلط رہنمائی کرکے سودی پالیسی پر لگا رہے ہیں۔ کئی بینک والے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو نفع دیں گے جو فکس نہ ہوگا، ہم آپ کے پیسے کو آگے کاروبار میں لگاتے ہیں، جس حساب سے نفع ہوگا اس

حساب سے آپ کو نفع دے گے۔لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سود نہیں جبکہ یہ بھی سود ہی ہے۔الغرض لوگوں نے جہاں اور ناجائز وحرام کاموں کو جائز سمجھ لیا وہیں سود کو بھی حلال سمجھنا شروع ہو گئے ہیں۔اسی کے متعلق حدیث میں پیشین گوئی فرمائی گئی چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "اذا استحلت هذه الامة الخمر بالنبيذ والربا بالبيع والسحت بالهدية واتجروا بالزكوٰة فعند ذلك هلاكهم ليزدادوا اثما۔" ترجمہ اس امت کا شراب کو اور سود کو کاروبار میں حلال بنالینا ، رشوت کو تحفہ اور زکوۃ کے مال سے تجارت کرنا ان کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا کیونکہ (ان کے سبب) وہ دن بدن گناہ میں بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

(کنز العمال، کتاب القیامۃ،قسم الاول، حرف قاف ،جلد14،صفحہ 102،بیروت)

قرض پر جس انداز سے جتنا بھی نفع ملے وہ سود ہوتا ہے چنانچہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا"كل قرض جر منفعة فهو ربا" ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب البیوع ،باب کل قرض ۔۔جلد06،صفحہ 180،دار سلفیہ، ہند)

جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔ صحیح مسلم میں ہے "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا و موكله و كاتبه و قال هم سواء" ترجمہ: رسول اللہ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

(مسلم شریف، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ،باب الربا،جلد 03،صفحہ1219،بیروت)

سود کی حرمت قبل از اسلام

دین عیسوی وموسوی میں بھی سود کی حرمت موجود تھی۔لیکن وہ لوگ باز نہ آئے۔

کتاب الربا میں ہے۔"فھو محرم فی التوراۃ و الانجیل و القرآن لافی القرآن وحدہ"ترجمہ: سود کی حرمت فقط قرآن ہی میں نہیں بلکہ تورات اور انجیل میں بھی ہے۔

(کتاب الربا، صفحہ 3، دار الفکر العربی، القاہرۃ)

افلاطون سود کے خلاف تھا جبکہ ارسطو نے لوگوں میں جو کاروبار کے طرق جاری کیے ان میں سے تیسرا سودی نظام تھا۔ جس کی تفصیل مذکورہ کتاب "الربا" میں موجود ہے۔

اولیاء اللہ کا سود سے بچنے کا ذہن

سیدنا امام اعظم امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک جنازہ پڑھنے تشریف لے گئے، دھوپ کی بڑی شدت تھی اور وہاں کوئی سایہ نہ تھا، ساتھ ہی ایک شخص کا مکان تھا، جس کی دیوار کا سایہ دیکھ کر لوگوں نے امام اعظم سے عرض کی: حضور! اس مکان کے سایہ میں کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: اس مکان کا مالک میرا مقروض ہے اور اگر میں نے اس کی دیوار سے کچھ نفع حاصل کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے نزدیک کہیں سود لینے والوں میں شمار نہ ہو جاؤں۔ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس قرض سے نفع لیا جائے وہ سود ہے۔ چنانچہ آپ دھوپ ہی میں کھڑے رہے۔

(تذکرۃ الاولیاء، صفحہ 188)

قرض سے تنگدستی کیسے آتی ہے؟

قرض لیتے ہوئے اگر یہ نیت ہے کہ بعد میں قرض خواہ کو ذلیل کروں گا، اسے واپس نہ کروں گا تو یہ قرض آدمی کے کاروبار و مال وغیرہ کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ" أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من أخذ أموال الناس یرید إتلافھا أتلفہ اللہ۔" ترجمہ: حضور نے فرمایا: جو

کسی سے مال لے کہ ضائع کرے گا یعنی واپس نہیں کرے گا اللہ عزوجل اس کا مال ضائع کرے گا۔

(سنن ابن ماجہ ، کتاب الصدقات، باب من ادان دینا،جلد 02، صفحہ 806 ، بیروت)

قرض اور نیت

قرض لینے میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ بروقت بلکہ وقت سے پہلے لوٹانے کی پوری کوشش کروں گا۔اگر اچھی نیتیں کی جائیں تو مدد باری تعالیٰ بھی شامل حال رہتی ہے۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا"ما من مسلم یدان دینا یعلم اللہ منہ أنہ یرید أداء ہ إلا أداہ اللہ عنہ فی الدنیا۔"ترجمہ: جومسلمان قرض لے اوراللہ عزوجل کو پتہ ہے کہ یہ لوٹانے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ عزوجل دنیا میں اس کے قرض کوادا کروادے گا۔

(سنن ابن ماجہ ، کتاب الصدقات، باب من ادان دینا،جلد02،صفحہ805،بیروت)

قرض اور نیک لوگ

نیک آدمی کا قرض ادا ہو ہی جاتا ہے،خواہ زندگی میں خود ادا کرے یا بعد موت اس کے وارث ادا کریں۔ظاہر ہے کہ ایسا آدمی بغیر ضرورت قرض لے گا ہی نہیں۔رب تعالیٰ کا خوف رکھنے والا قرض سے حتی الامکان بچتا ہے۔

مقروض بروز قیامت چوروں کی صف میں

اگر قرض لیتے وقت لوٹانے کی نیت نہ ہو تو دنیا میں بھی اس کا نقصان اُٹھائے گا آخرت میں بھی۔ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طور پر بھی۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا"أیما رجل یدین دینا وھو مجمع أن لا یوفیہ إیاہ لقی اللہ سارقا" ترجمہ: جو قرض لے اوراس کی نیت لوٹانے کی نہ ہو تو وہ اللہ عزوجل سے

بحالت چور ملے گا۔

(سنن ابن ماجه ، کتاب الصدقات، باب من ادان دینا، جلد02،صفحه805،بیروت)

آخرت میں رسوائی

قرض حق العبد ہے، بغیر ادا کیے یا قرض خواہ کے معاف کیے ساقط نہیں ہوتا اور اللہ بچائے کسی کا مال دبانے سے کہ کتب میں تصریح ہے کہ کسی کے تین پیسے دبا لینے کے عوض سات سو با جماعت نمازیں دینا ہوں گی۔ چنانچہ امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) فرماتے ہیں: ”اگر اس حالت میں مر گیا اور دَین (قرض) لوگوں کا اس پر باقی رہا، اس کی نیکیاں ان کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیونکر (کس طرح) دی جائیں گی تقریباً تین پیسہ دَین (قرض) کے عوض سات سو نمازیں باجماعت ”کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذباللہ العزیز الغفار۔“ (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔) جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی ان کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں گے ”ویلقی فی النّار“ اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔

(فتاوی رضویه، جلد25،صفحه69،رضا فائونڈیشن،لاہور)

قرض لوٹانے کے احکام

موجودہ دور میں لوگ مصیبت کے وقت عاجزی کرتے ہوئے قرض لے لیتے ہیں لیکن جب دینے کا وقت آتا ہے تو قرض خواہ کو عاجز کر دیتے ہیں۔ قرض خواہ عدالتوں اور پنچائیتوں کے ذریعے اپنا قرض واپس لیتا ہے اور جو بے چارہ کوٹ کے ذریعہ قرض واپس لیتا ہے اگر اسے قرض مل بھی جائے پھر بھی پچھتاتا ہے کیونکہ اتنا قرض نہیں ہوتا

جتنا بذریعہ کوٹ لینے میں خرچہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اب مسلمان ایک دوسرے کو قرض نہیں دیتے۔ اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ قرض بروقت اور اچھے طریقے سے لوٹایا جائے ۔ابن ماجہ میں ابوہریرہ سے مروی" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن خيركم أو من خيركم احسنكم قضاء۔ " ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض کو اچھے طریقے سے لوٹائے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الصدقات، باب حسن القضاء، جلد02، صفحه809، بيروت)

قرض لوٹانے کا اچھا طریقہ

(1) قرض لوٹانے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ قرض جلد واپس کیا جائے۔

(2) واپس کرتے وقت قرض خواہ کے جان و مال میں برکت کی دعا کرے.

(3) اس کا شکریہ ادا کیا جائے.

(4) بلا شروط و بلا نیت سود کچھ اپنے پاس سے زیادہ دیا جائے۔

نسائی شریف میں اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہتے ہیں: مجھ سے حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرض لیا تھا جب حضور کے پاس مال آیا، ادا فرمادیا اور دعا دی کہ ((بارك الله لك في أهلك ومالك إنما جزاء السلف الحمد والأداء صحيح)) ترجمہ: اللہ تعالی تیرے اہل و مال میں برکت کرے اور فرمایا: قرض کا بدلہ شکریہ ہے اور ادا کر دینا۔

(سنن نسائي، كتاب البيوع، باب استقراض، جلد7، صفحه314، مطبوعه، حلب)

مصنف عبد الرزاق میں ہے" عن شعبة قال سألت الحكم وحمادا عن الرجل يقبض الرجل الدراهم فيرد عليه خيرا منها قالا إذا كان ليس من نيته فلا

بأس۔ " ترجمہ: حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے حضرت حکم وحماد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو دراہم قرض لے کر بعد میں زیادہ لوٹاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ قرض دینے والے نے قرض سے زیادہ لینے کی نیت سے نہ دیا ہو۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب قرض جر منفعة۔۔، جلد8، صفحہ147، المکتب الاسلامی، بیروت)

" عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے قرض لیا پھر اس سے بہتر واپس کیا، وہ شخص کہنے لگا آپ کے درہم میرے دیئے ہوئے سے عمدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے۔" ولکن نفسی بذلك طیبة۔ "ترجمہ: لیکن قرض اچھے انداز سے لوٹانے میں مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ (موطا الإمام مالك، صفحه 367، دار الکتب العلمیة، بیروت)

قرض دینے میں قرضخواہ کے مقاصد

مصنف عبد الرزاق میں بروایت امام مالک ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر عرض کی: میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے اور دیئے سے نفیس لینے کی شرط رکھی ہے۔ اُنہوں نے کہا: یہ سود ہے۔ اُس نے پوچھا تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: قرض کی تین صورتیں ہیں "سلف ترید به وجه الله فلك وجه الله وسلف ترید به وجه صاحبه فلیس لك إلا وجهه وسلف اسلفته لتأخذ به خبیثا بطیب قال فکیف تأمرني قال أری أن تشق صکك فإن أعطاك مثل الذي أسلفته قبلته وإن أعطاك دون الذي أسلفته فأخذته أجرت وإن أعطاك أفضل مما أسلفته طیبة بها نفسه فذلك شکره لك وهو أجر ما أنظرته۔"

(1) ایک وہ قرض ہے جس سے مقصود اللہ عزوجل کی رضا حاصل کرنا ہے، اس

میں تجھے اللہ عزوجل کی رضا ملے گی۔

(2)دوسرا وہ قرض ہے جس سے مقصود کسی شخص کی خوشنودی ہے اس قرض میں صرف اُس کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

(3)اور تیسرا وہ قرض ہے جو تو نے اس لئے دیا ہے کہ طیب دیکر خبیث حاصل کرے، اُس شخص نے عرض کی: اب مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: سودی دستاویز پھاڑ ڈال پھر اگر وہ قرضدار ویسا ہی ادا کرے جیسا تو نے اُسے دیا تو قبول کر اور اگر اُس سے کم ادا کرے اور تو نے لے لیا تو تجھے ثواب ملے گا اور اگر اُس نے اپنی خوشی سے بہتر ادا کیا تو یہ شکریہ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب قرض جر منفعة، جلد8، صفحہ146، المکتب الإسلامی، بیروت)

قرض واپس کرتے وقت کی دعا

جب کسی کو قرض واپس کریں تو اسے یہ دعا دیں "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ تیرے گھر اور مال میں برکت دے جیسا کہ حدیث میں ہے: عبداللہ بن ربیع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے چالیس ہزار روپے قرض لئے پھر جب آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے قرض لوٹا دیا اور یوں دعا دی "بارك الله لك في أهلك ومالك"

(سنن کبری للنسائی، کتاب البیوع، باب الاستقراض، جلد04، صفحہ57، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مقروض ہونے کی حالت میں مرنا

مقروض کو چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے قرض سے آزاد ہو جائے خصوصاً بیماری کی حالت میں کیونکہ بیماری موت کا پیغام ہوتی ہے۔ تکبر، غرور اور قرض سے بری مرنے پر

جنت کی بشارت ہے۔چنانچہ ابن ماجہ میں ہے"من فارق الروح الجسد وھو بریء من ثلاث دخل الجنة من الکبر و الغلول و الدین"ترجمہ:جس کی روح جسم سے اس حالت میں جدا ہوئی کہ وہ تکبر،غرور اور قرض سے بری ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ ،کتاب الصدقات، باب التشدید فی الدین،جلد02،صفحہ806،دار الفکر، بیروت)

ریاض الصالحین میں ابو ہریرہ سے حدیث مروی ہے کہ" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفس المومن معلقة بدینه حتی یقضی عنه" ترجمہ:رسول اللہ نے فرمایا:مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے جب تک اس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

(ریاض الصالحین ،باب تعجیل قضاء الدین۔۔جلد02،صفحہ30،الفاروق فاؤنڈیشن،لاہور)

نسائی میں ہے حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے فرمایا"و الذی نفسی بیدہ لو أن رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم أحیی ثم قتل ثم أحیی ثم قتل وعلیه دین ما دخل الجنة حتی یقضی عنه دینه حسن۔"ترجمہ:اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر بندہ راہ خدا میں شہید ہو پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو اور اس پر قرض ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا جب تک اس کی طرف سے اچھی طرح قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

(سنن نسائی، کتاب البیوع،باب التغلیظ فی الدین،جلد7،صفحہ314،حلب)

لہٰذا ورثہ کو چاہیے کہ اپنے والدین اور عزیز و اقارب کا فورا قرض اتاریں ،اور اچھی طرح اتاریں بلکہ شریعت میں تو مرنے والے کے مال سے کفن دفن کے بعد قرض نکالنے کا حکم ہے پھر تہائی وصیت پر عمل ہے جو بچ جائے اس کی ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

موضوع اختیار کرنے کا سبب

ایک عرصہ سے ذہن میں یہ بات تھی کہ کتاب فقط ایسے موضوع پر لکھوں گا جس پر پہلے مارکیٹ میں کوئی کتاب نہ ہو، لیکن ایسی صورت حال کسی بھی موضوع سے متعلق نظر نہ آئی فقہ کے ابواب پر کئی ایک فتاوی جن میں فتاوی رضویہ سرفہرست ۔اور کتب کی طرف جائیں تو بہار شریعت سے بڑھ کر فقہی احکام پر مشتمل اس سے زیادہ کوئی جامع کتاب نہیں وعلی ھذا القیاس ۔بہرکیف ایک دن میں بہار شریعت کی فہرست دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر قرض کے مسائل کے بیان پر پڑی تو ذہن میں آیا کہ اس موضوع پر باقاعدہ طور پر مارکیٹ میں کوئی کتاب نہیں فتاوی و کتب میں بھی ایک جگہ اس کے گنتی کے ناکافی مسائل مذکور ہوتے ہیں حالانکہ قرض کے مسائل کی حالت یہ ہے کہ طہارت سے لے کر وراثت تک جگہ جگہ اس کی ضرورت پڑتی ہے، ذہن بنا کہ قرض کے مسائل جو ہر باب میں یقینی طور پر استعمال ہوتے ہیں کیوں نہ ہو کہ انہیں ایک جگہ اکٹھا کردوں اور مثل "احکام الصغار" بنادوں تاکہ قرض سے متعلق اکثر درپیش مسائل کو جگہ جگہ ڈھونڈنے کی بجائے محتاج کو ایک جگہ باسانی مل سکیں، چنانچہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اب مجھے یہ کرنا ہے چاہے کتنا ہی وقت لگے۔جس دن مفتی امجد علی اعظمی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی فقید المثال کتاب "بہار شریعت" سے قرض کے مسائل پر لکھنے کا ذہن بنا اسی دن سے میں نے دوران مطالعہ قرض کے مسائل کو ہائی لائٹ کرنا شروع کردیا۔سب سے پہلے تو میں نے بہار شریعت میں جہاں جہاں قرض کے مسائل پھیلے ہوئے تھے ان کو ایک جگہ پر اکٹھا کیا، بعدہ فتاوی رضویہ اور تمام اہل سنت کے اردو فتاوی جو شائع ہوچکے ان کا بغور مطالعہ کیا، فتاوی عالمگیری کی تمام جلدوں میں قرض کے احکام کو تلاش کیا، جو مناسب لگا اسے اس کتاب کا

حصہ بنایا نیز اس کے علاوہ سینکڑوں متداول ومعروف وغیر معروف کتب فقہ وحدیث وشروح حدیث میں جہاں بھی قرض ودین سے متعلق کوئی مسئلہ ملتا اس پر نشان لگاتا اور اگر وقت ہوتا تو فوراً اسے پاس لکھ لیتا۔ یہ سلسلہ کئی ماہ بلکہ ایک سال تک ایسے ہی جاری رہا جب میں نے محسوس کیا کہ اب قرض سے متعلق مسائل کا اچھا خاصہ مواد میرے پاس اکٹھا ہو چکا ہے تو پھر ان کو سوال و جواب کی شکل دینا شروع کردی۔ سب سے پہلے بہار شریعت کی طرز پر ایک فہرست تیار کی جیسے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب البیوع وغیرہ تو جو مسئلہ جس باب سے تعلق رکھتا تھا اسے اس باب میں ڈال دیا تاکہ قاری کو اگر خرید وفروخت میں قرض کے مسئلہ کی ضرورت پڑے تو وہ اس کتاب کے کتاب البیوع یعنی خرید وفروخت کے باب میں دیکھے اور جسے زکوۃ وقربانی وصدقہ فطر کے موقعہ پر قرض سے متعلق مسئلہ کی ضرورت ہو کہ آیا مجھ پر زکوۃ قربانی وفطرہ لازم ہے یا نہیں وہ اپنے مسئلہ کو اسی باب میں دیکھے۔

موضوع کی اہمیت

اس کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ فقہی موضوع ہے۔ فقہی کتب میں ہر موضوع پر الگ کتاب ہے جیسے کتاب الطہارت، کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ، حج، بیوع وغیرہ اور ہر موضوع میں کسی نہ کسی صورت میں قرض کے احکام مذکور ہیں، اس لئے فقہ کے کئی موضوعات کو نقل کر کے اس میں قرض کے احکام کو لکھا ہے۔ قرض کے موضوع پر اس انداز میں لکھی گئی یہ پہلی کتاب ہے۔ اب قرض کے ان مسائل کو بیان کیا جاتا ہے کہ جو فقہ کے ابواب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف اللہ عزوجل کی بارگاہ میں انبیاء وصحابہ واولیاء کے وسیلہ سے دعا گو ہے کہ وہ عزوجل میری اس دینی خدمت کو اپنی بلند بارگاہ میں قبول

فرمائے اور اسے مقبول ومفید ہر عام وخاص بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسلم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اظہار تشکر

الحمد اللہ یہ الفاظ لکھتے وقت میں سرور کی ایک کیفیت کو محسوس کر رہا ہوں اور ایک نظر اپنی طرف کرتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں بھی کوئی دین کی ایسی خدمت کرسکوں گا۔ یہ اللہ عزوجل اور پیارے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاص کرم ہے۔ اور میں اللہ عزوجل کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علماء ومفتیان کرام کی صحبت سے نوازا جن کی برکتوں اور فیض سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ اس حدیث کہ " من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ "جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ عزوجل کا بھی شکر ادا نہ کیا۔ کے تحت میں سب سے پہلے اپنے پیارے بھائی مولوی مبارک علی عطاری کا شکریہ ادا کروں گا کہ جن کی کوششوں سے میں پنجاب کے شہر گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے اٹھ کر کراچی درس نظامی عالم کورس کرنے کے واسطے گیا اور وہاں جا کر بانی دعوت اسلامی حضرت علامہ مولینا محمد الیاس عطار قادری رضوی کے بنائے ہوئے گلشن جامعۃ المدینہ گلستان جوہر کراچی میں داخل ہوا، چند دن وہاں ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد کثیر تعداد کی وجہ سے ہمیں قریبی شاخ جامعۃ المدینہ جیلانی گلشن اقبال میں منتقل کر دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں یہی میری کامیابی کی شاہراہ تھی۔

عظیم محسن شیخ الحدیث مفتی محمد سجاد عطاری آف تونسہ شریف

ابتدائی تین سال کی جملہ کتب میں نے مفتی سجاد عطاری المدنی سے پڑھیں

اور میں برملا کہتا ہوں کہ درس نظامی کے دوران علمی فیضان جو میں نے ان سے پایا کسی سے نہ پایا اسی لئے میں انہیں اپنا سب سے بڑا استاد سمجھتا ہوں۔

ضروری نوٹ

چونکہ پوری کتاب فقہی مسائل وانداز فقہی پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے جگہ جگہ فقہی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے جیسے مثلی ،عددی ،دین ،مستقرض ،مقرض ،دین حالی ،مؤجل ،میعادی ،حوالہ ،کفالہ وغیرہ۔لہٰذا قارئین کی آسانی کے پیش نظر حتی المقدور کتاب میں موجود فقہی اصطلاحات کو ایک جگہ اکٹھا کرکے ان کی آسان تعریف ومعانی لکھ دیئے گئے تاکہ قاری کو کتاب سمجھنے اور سمجھ کر مسائل کو یاد رکھنے میں آسانی ہو اور مقصود کتاب پورا ہو۔ جیسے ایک ہی سوال میں محیل محتال اور محتال الیہ اور مقرض ومستقرض کے لفظ استعمال ہوں اور پڑھنے والا سوچتا رہے کہ یہ کیا چیزیں ہیں ،انہی کے چکر میں وہ نفس مسئلہ کو نہ سمجھ پائے اور کتاب کو بند کرکے رکھ دے اور مقصود پورا نہ ہو لہٰذا میرا ہر وہ بھائی جو اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ ان اصطلاحات کے پڑھے بغیر آگے نہ چلے ،معذرت کے ساتھ درس نظامی پڑھنے والے ،مفتی کورس کرنے والے بھی خود کو ان اصطلاحات کے مطالعہ سے مستغنی نہ سمجھیں۔ان شاء اللہ عزوجل میں پر امید ہوں کہ جو ان اصطلاحات کو سمجھ کر کتاب پڑھے گا وہ خود محسوس کرے گا کہ میں نے قرض کے احکام پر کچھ پڑھا ہے اور سمجھ کر پڑھا ہے۔علماء بالخصوص اپنے اساتذہ سے عرض کروں گا کہ میری اس کتاب میں کوئی غلطی دیکھیں تو میری رہنمائی ضرور بضرور فرمائیں۔

۔۔۔فقہی اصطلاحات کا بیان۔۔۔

اس کے ضمن میں کتاب میں استعمال ہونے والی فقہی اصطلاحات کے فقہی معانی اور بعض جو آسان ہیں کہ عموی طور پر لوگوں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں ان کے آسان معانی کو بیان کیا گیا ہے۔

قرض کی تعریف

مقاییس اللغۃ میں ہے"(قرض)وھو یدل علی القطع .یقال:قرضت الشیء بالمقراض،والقرض:ما تعطیه الإنسان من مالك لتقضاه۔" ترجمہ:قرض کاٹنے پر دلالت کرتا ہے۔کہا جاتا ہے میں نے قینچی سے اس شے کو کاٹا۔انسان کا اپنے مال سے کسی کو کچھ دینا اور بعد میں واپس لینا قرض کہلاتا ہے۔

(مقاییس اللغۃ،باب القاف والراء،قرض،جلد05،صفحہ71،دارالفکر،بیروت)

سودی قرض

تہذیب اللغۃ میں ہے"فالحرامُ کُلّ قَرْض یُؤخذ بِهِ أَكثر مِنْهُ، أَو تجرُّ بِهِ مَنْفعة، فَحَرَام۔" ترجمہ:ہر وہ قرض سودی و ناجائز ہے جس میں دیے سے زیادہ لیا جائے یا اس کے ذریعے سے کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

(تہذیب اللغۃ،باب الراء والباء،جلد15،صفحہ196،داراحیاء التراث العربی)

مقرض

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے"مگر"ر"پر زیر پڑھیں تو قرض دینے والا اور جہاں"ر"پر زبر لکھی ہو اس وقت اس کا معنی جس کو قرض دیا جائے یعنی مقروض۔

مستقرض

مقروض کو کہتے ہیں۔ جو شے دی جائے اس کو بھی قرض کہتے ہیں۔ جو قرض دیتا ہے اسے قرض خواہ، مُقرِض کہتے ہیں۔ اور جو قرض لیتا ہے اسے مقروض، مُقتَرِض، مُستَقرِض کہتے ہیں۔ (موسوعہ فقہیہ کویتیہ، جلد33، صفحہ111، مطابع دار الصفوۃ -مصر)

اِستِسلاف اور اِسلاف

"اِستِسلاف" کا معنیٰ قرض لینا ہوتا ہے اور اِسلاف قرض دینے کو کہتے ہیں اور ان کا معنیٰ ادھار دینا بھی ہے۔

قرض اور دَین میں فرق

امام نسفی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں "دَیْنٌ وَالدَّیْنُ غَیْرُ الْقَرْضِ ذَاکَ اسْمٌ لِمَا یُقْرَضُ فَیُقْبَضُ وَھَذَا اسْمٌ لِمَالٍ یَصِیرُ فِی الذِّمَّۃِ بِالْعَقْدِ۔" یعنی دین کسی شے کا عوض ہوتا ہے مثلاً کوئی شے آپ نے ادھار خریدی تو اس کا ثمن گویا آپ پر قرض ہے۔ جسے شرع میں دَین کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ آپ نے زید سے ہزار روپے بوجہ ضرورت لئے یہ دین نہیں حقیقت میں قرض ہے۔ (طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیۃ، کتاب المکاتب، صفحہ 64)

أحکام القرآن میں ہے "أن الدین عبارۃ عن کل معاملۃ کان أحد العوضین فیھا نقدًا والآخر فی الذمۃ، فإن العین عند العرب ما کان حاضرًا، والدین ما کان غائبًا۔" ترجمہ: دین سے مراد ہر وہ معاملہ جس میں ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو۔ عربیوں کے نزدیک عین وہ جو موجود ہو اور دین وہ جو موجود نہ ہو۔ (ابن العربی، أبو بکر محمد بن عبد اللہ: أحکام القرآن، دار الفکر، بیروت، جلد 1، صفحہ 327)

دائن، مدیون

دَین کی تعریف دیکھیں ۔جس نے لینے ہوتے ہیں یعنی قرض خواہ وہ دائن کہلاتا ہے اور جس سے لینے ہوتے ہیں یا جس نے دینے ہوتے ہیں وہ مدیون یعنی (مقروض) کہلاتا ہے۔دوسروں لفظوں میں مدیون مقروض کو کہتے ہیں اور دائن قرض خواہ کو کہتے ہیں۔

دارالاسلام،دارالحرب

دارالاسلام وہ ملک ہے کہ جس میں اسلامی سلطنت ہو، اور دارالحرب وہ ہے جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو جیسے یورپ ۔دارالاسلام میں اور بھی تفصیل ہے جیسے کوئی پہلے تھا اب نہیں اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ وعیدین واذان واقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھا دئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا، اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہوجائے گا، جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔

سفاتج،ہنڈی

کسی کو لاہور میں قرض دینا اور یہ شرط لگانا کہ واپس کراچی میں لوں گا تاکہ راستے میں اس کا مال چوری وغصب سے بچ جائے ۔کتاب التعریفات میں لکھا ہے"وھی اقراض لسقوط خطر الطریق ۔" ترجمہ:راستہ کے خطرے سے بچنے کے لئے قرض دینا۔ (کتاب التعریفات،السفاتج،صفحہ 86،مکتبۃ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور)

میعاد،قرض میعادی اور غیر میعادی

میعاد کا معنی مدت مقرر کرنا ہے۔قرض غیر میعادی وہ جس کا مطالبہ ہر وقت کیا

جا سکتا ہے جیسے عام طور پر کسی ضرورت کے لیے قرض لیتے ہیں اور کچھ دن بعد واپس کر دیتے ہیں یہ قرض غیر میعادی ہے یعنی جسے قرض خواہ جب چاہے جس وقت چاہے کہہ دے کہ میرا قرض واپس کرو اگرچہ مدت مقرر کی ہو۔ اور دین یعنی قرض میعادی جس کا مطالبہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا بلکہ طے شدہ مدت کے بعد ہی کیا جاتا ہے۔

(ملخص از وقار الفتاوی، جلد 02، صفحہ 395، بزم وقار الدین، کراچی)

استدانۃ: اس کا معنی بھی قرض لینا ہے۔

ثمن اور قیمت

مارکیٹ و لوگوں کے مابین ایک شے کی جو ویلیو ہو اسے قیمت کہتے ہیں اور جو بائع و مشتری یعنی خریدنے و بیچنے والے کے درمیان رقم طے ہو جائے کہ اتنے میں لینی و دینی ہے وہ ثمن کہلاتا ہے۔ قیمت چیز کے معیار کے مطابق ہوتی ہے جبکہ ثمن برابر، کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ الفروق اللغویہ للعسکری میں ہے "أن القيمة هي المساوية لمقدار المثمن من غير نقصان ولا زيادة والثمن قد يكون بخسا وقد يكون وفقا وزائدا والملك لا يدل على الثمن فكل ما له ثمن مملوك وليس كل مملوك له ثمن۔" یعنی قیمت وہ ہوتی ہے جو کسی چیز کی مقدار کے برابر ہو۔ کم زیادہ نہ ہو۔ جبکہ ثمن کم برابر، کبھی کم تو کبھی زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

(الفروق اللغویہ للعسکری، الباب التاسع عشر، الفرق بین القیمة والثمن، جلد 01، صفحہ 238، مصر)

عاریت

"وقد عرفها الفقهاء بأنها إباحة المالك منافع ملكه لغيره بلا عوض۔" ترجمہ: فقہاء نے عاریت کی تعریف یہ کی ہے کہ اپنی شے بلا عوض کسی کو نفع حاصل

کرنے کے لئے دے دینا عاریت کہلاتا ہے۔(جیسے کسی کو کتاب پڑھنے کے لئے دینا، گاڑی تھوڑی دیر کے لئے بوقت ضرورت دینا اور کرایہ نہ لینا)

(فقہ السنۃ،جلد03،صفحہ293،دار الکتاب العربی، بیروت،لبنان)

حوالہ

مجمع الضمانات میں ہے:"الحوالة:نقل الدين،أو المطالبة من ذمة إلى ذمة ۔"ترجمہ:قرض کا ذمہ دوسرے پر ڈالنا۔

(مجمع الضمانات الباب الحادی والعشرون،جلد01،صفحہ282،دارالکتاب الاسلامی)

اسے عام زبان میں قرضہ کی اترائی بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی دوسرے کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لیتا ہے تو اصل قرض دار قرض سے بری ہو جاتا ہے اب ذمہ داری لینے والے نے ہی ادا کرنا ہوتا ہے اسے حوالہ کہتے ہیں۔

محیل:مقروض کو کہتے ہیں۔

محتال علیہ:جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔

محتال اور محتال لہ:قرض خواہ کو کہتے ہیں۔

کفالہ

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے"الكفالة ضم ذمة إلى ذمة في المطالبة بشيء يعني أن يضم أحد ذمة آخر ويلتزم أيضا المطالبة التي لزمت في حق ذلك۔"یعنی کفالت کا لفظی معنی ملانا ہے۔اور شرع میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ملا دے۔اور آسان لفظوں میں کسی معاملے میں جو ضامن بنایا جاتا ہے تو اس معاملہ کو کفالت کہتے ہیں۔

(مجلۃ الاحکام العدلیہ، الکتاب الثالث، المقدمۃ فی اصطلاحات، جلد 01، صفحہ 115، نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی)

طالب یا مکفول لہ: قرض خواہ کو کہتے ہیں۔

اصیل یا مکفول عنہ: مقروض کو کہتے ہیں۔

کفیل: ضامن کو کہتے ہیں۔

مکفول بہ: جس شے کی ضمانت لی جائے۔

ودیعت

ملتقی الابحر میں ہے "الإیداع تسلیط المالك غیرہ علی حفظ مالہ، والودیعۃ ما یترك عند الأمین للحفظ وھی امانۃ۔" ترجمہ: کسی کو اپنے مال کی حفاظت کی ذمہ داری دینا ایداع کہلاتا ہے اور کسی امانت دار کے پاس اپنے مال کو حفاظت کے لئے رکھوانا ودیعت ہے جسے ہم امانت بھی کہتے ہیں۔

(ملتقی الابحر، کتاب الودیعۃ، جلد 01، صفحہ 466، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یعنی جس مال کو حفاظت میں رکھوایا اسے بھی ودیعت کہتے ہیں جسے عام طور پر امانت کہا جاتا ہے۔

مودِع: جو امانت رکھواتا ہے اسے مودِع کہتے ہیں۔

مودَع: اور جس کے پاس رکھی جاتی ہے اسے مودَع کہتے ہیں۔

حج بدل

جس شخص پر حج فرض ہوا لیکن وہ کسی وجہ سے نہ کر سکا حتی کہ اس حال کو پہنچ گیا کہ اب خود حج کو نہیں جا سکتا تو اس پر فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی کو اپنی طرف سے حج کرنے کے

لئے بھیجے اسے حج بدل کہتے ہیں۔ملا علی قاری(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتے ہیں"اعلم ان کل من وجب علیہ الحج وعجز عن الاداء بنفسہ یجب علیہ الاحجاج۔" ترجمہ:یادرہے کہ جس پر حج فرض ہوا مگر وہ خود ادا سے عاجز ہوگیا تو اس پر واجب ہے کہ کسی سے حج کروائے۔

(مناسك ملاعلی قاری،باب الحج عن الغیر،صفحہ 476،مکتبۃ فاروقیہ، کوئٹہ)

بیع سلم

کتاب التعریفات میں ہے:"السلم:ھو فی اللغۃ: التقدیم و التسلیم۔فی الشرع:اسم لعقد یوجب الملك للبائع فی الثمن عاجلاوللمشتری فی المثمن آجلا،فالمبیع یسمی مسلم فیہ و الثمن یسمی رأس المال و البائع یسمی مسلماالیہ و المشتری یسمی رب السلم۔" ترجمہ:سلم کالغوی معنیٰ کسی شے کواور پہلے سپرد کرنا ہے۔اورفقہ میں بیع سلم سے مراد یہ ہے کہ وہ خرید وفروخت کہ جس میں بیچنے والے کو پہلے تمام کا تمام ثمن(رقم) دینا ضروری ہواور مبیع یعنی جس چیز کوخریدا ہے وہ کم ازکم ایک ماہ بعد دینی ہو۔اس میں جو بیچتا ہے اسے مسلم الیہ اور جوخریدتا ہے اسے رب السلم اور رقم کوراس المال کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات،سلم،صفحہ 87،مکتبہ رحمانیہ،اردوبازار لاہور)

مسلم فیہ: مبیع کو کہتے ہیں یعنی جس چیز کوخریدا جارہا ہے۔

بیع عینہ

قرض سے نفع حاصل کرنے کا جائز معاملہ۔اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے قرض لینا چاہتا ہے وہ اسے بغیر نفع حاصل کیے قرض دینے پر تیار نہیں۔تو قرض خواہ

کچھ نفع حاصل کرنے کے لئے یوں کرتا ہے کہ قرض مانگنے والے سے کہتا ہے کہ تم میرا یہ سامان مجھ سے خریدلو پھر اسے بازار میں بیچ کر اپنا کام چلاؤ۔اب چیز سو روپے کی تھی تو یہ اسے ایک مقررہ میعاد تک کے لئے ایک سودس روپے کی بیچتا ہے پھر جسے رقم کی حاجت تھی وہ اسے جاکر مارکیٹ میں سو روپے کی بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے اس طرح مقروض کا کام بھی نکل آتا ہے اور جو بلا نفع قرض دینے پر تیار نہیں ہوتے ان کے نفع کمانے کی جائز صورت بھی نکل آتی ہے۔اسے بیع عینہ کہتے ہیں۔امام محمد (رحمة الله تعالٰی علیه) کے نزدیک یہ مکروہ ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

مبیع: یہ بیع سے ماخوذ ہے اور اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے وہ چیز جو بیچی وخریدی جائے۔ (معجم تصحیح لغة الاعلام العربی، مبیع، جلد 01، صفحه 212، مکتبه شامله)

بائع: بیچنے والا

مشتری: خریدنے والا

مثلی: عمومی طور پر مکیلی وموزونی کو کہتے ہیں۔مکیلی سے مراد جسے ناپا جائے اور موزونی سے مراد جس کا وزن کیا جائے۔معجم میں ہے"(مثلی)فهو ما تماثلت آحاده أو أجزاؤه ،بحیث یمکن أن یقوم بعضها مقام بعض دون فرق یُعتد به ، و كان له نظیر فی الأسواق ، وهو فی العادة إما مكیل أو موزون أو مذروع أو معدود۔"ترجمہ:مثلی وہ جس کے افراد تقریبا ایک جیسے ہوں اور تھوڑا بہت فرق ہو جسے لوگ نظر انداز کرتے ہوں جیسے اخروٹ۔عام طور پر مثلی ناپ والی،وزن والی،گزوں والی یا جسے گن کر بیچا جائے اسے کہتے ہیں۔ (حماد،معجم الاصطلاحات الاقتصادیة،صفحه 298)

عددی: جو گن کر بیچی جائے جیسے انڈے۔

عددی متقارب: وہ چیزیں جو وزن سے نہیں بلکہ گن کر بکتی ہیں اور اس کے افراد میں کوئی زیادہ فرق نہ ہو بلکہ سائز میں ایک جیسی ہوتی ہوں جیسے انڈے کہ سائز میں عموما ایک جیسے ہوتے ہیں۔

عددی غیر متقارب: جو ایک جیسے نہ ہو، بڑے چھوٹے ہوں۔

عموم خصوص مطلق

ایسی دو کلیاں کہ جن میں سے ایک دوسری کے تمام افراد پر صادق آئے اور دوسری پہلی کے تمام پر نہیں بلکہ بعض پر صادق آئے۔ جیسے ہر انسان حیوان ہے لیکن ہر حیوان انسان ہو یہ ضروری نہیں۔ (تسہیل المنطق)

ایجاب وقبول

کسی بھی عقد کو کرتے وقت پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کو قبول کہتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے: میں نے بیچی تو یہ ایجاب ہے اور دوسرا کہے: میں نے خریدی، یہ قبول ہے۔

عرف

کتاب التعریفات میں ہے: "ما استقرت النفوس علیه بشهادة العقول وتلقته الطبائع بالقبول وهو حجة ایضا۔" یعنی عقل کے تسلیم کرنے کی وجہ سے جس پر لوگ قائم ہوں اور لوگوں کی طبیعتیں اسے قبول کرتی ہوں اسے عرف کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات، العرف، صفحہ 106 مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

تبرع: احسان کرنا

اجل: مدت

حال یا حالی: فورا

ہبہ: تحفہ

خلع: عورت مال کے عوض جو طلاق لے اسے خلع کہتے ہیں۔

عتق: آزاد کرنا

رہن: گروی

مضاربت: جس کاروبار میں ایک روپیہ لگائے اور دوسرا کام کرے۔

قضا: حکمران کا فیصلے کرنا۔

قاضی: قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کرنے والا۔جج

وصی: مرنے والا جس شخص کو وصیت کرے اسے وصی کہتے ہیں۔

وارث اور مورث: وارث جس کا میت کے مال میں حصہ ہو۔اور مورث وہ جو ترکہ چھوڑ کر مرا ہو۔دوسرے آسان لفظوں میں مورث میت کو سمجھ لیں جو جائیداد وغیرہ چھوڑ کر مرا ہو۔اور ترکہ جائیداد کو کہتے ہیں۔

خیار: اس کا مطلب ہوتا ہے اختیار حاصل کرنا، جیسے کسی نے کوئی چیز خریدی اور کہا کہ مجھے تین دن تک خیار حاصل ہے یعنی تین دن میں واپس کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں اور تمہیں واپس لے کر میری رقم دینی ہوگی۔

مشاع: مشاع کا معنی ہے کہ مشترک، یا غیر تقسیم شدہ۔

ضروری نوٹ نمبر 2

کتاب کی طرز فقہی کتب کے انداز میں بنائی گئی ہے۔ ابتدا میں پہلے کتاب الطہارۃ، پھر کتاب الصلوۃ وعلی ہذا القیاس۔ لیکن بعد دوستوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ "کتاب القرض" کو سب سے پہلے رکھا جائے تاکہ قرض کے اصول وضوابط اول مطالعہ میں ذہن میں بیٹھ جائیں، پھر دوسرے مسائل کو سمجھنا سہل ہوگا۔ لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر "کتاب القرض" کو پہلے لایا گیا۔

❁۔۔۔ کتاب القرض ۔۔۔❁

☆۔۔ باب اول: قرض کی تعریف، حکم اور اقسام۔۔☆

سوال: قرض کی تعریف کیا ہے؟

جواب: کسی سے کوئی شے لینا اور واپسی میں اس کی مثل دینا قرض کہلاتا ہے۔ درمختار میں ہے "ھو لغۃ:ما تعطیه لتتقاضاہ ، و شرعا:ما تعطیه من مثلی لتتقا ضاہ" ترجمہ: قرض کا لغوی معنی کہ جسے واپس لینے کے لئے دیا جائے۔ اور شرعی معنی جسے دے کر واپس اس کی مثل لی جائے۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد 07، صفحہ 406، مطبوعہ کوئٹہ)

ردالمحتار میں قرض کی تعریف ایک مثال میں یوں بیان کی گئی کہ "کقوله اعطنی درھما لارد علیك مثله" ترجمہ: جیسے کسی کا دوسرے کو کہنا: تم مجھے درہم دے دو میں تمہیں اتنے ہی درہم لوٹا دوں گا۔

سوال: قرض حسنہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس کی ادائیگی بالکل آسان ہو۔ کوئی مشکل شرط نہ ہو، اسی طرح قسطوں میں واپس کرنا، خواہ دو ہوں یا تین یا اس سے زائد۔ اور بعض نے کہا: جو سود سے پاک ہو وہ قرض حسنہ کہلاتا ہے۔ اور بعض علماء نے اس کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس کا مقروض سے واپسی کا تقاضا نہ ہو دے دے تو ٹھیک ورنہ معاف جیسا کہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نور العرفان میں لکھتے ہیں "قرض حسن وہ کہلاتا ہے جس کا مقروض پر تقاضا نہ ہو۔ دیدے بہتر ورنہ معاف۔ اس میں چند شرطیں ہیں۔ دینے والے میں اخلاص ہو۔ خوشدلی سے دیا جاوے۔ مال حلال خرچ کرے۔ اس کے بدلہ میں جلدی نہ کرے۔ کبھی ہر صدقہ کو قرض

حسن کہہ دیتے ہیں۔" (نورالعرفان)

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ قرض حسن سے مراد یہ ہے کہ جس کی کتابت ہو اور گواہوں کی موجودگی میں دیا لیا جائے تا کہ بوقت واپسی کتنا لینا ہے کتنا دینا ہے اور کیا لینا و دینا ہے اس میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو سکے۔ جبکہ بعض کا فرمانا ہے کہ جس قرض سے مقصود فقط اللہ عزوجل کی رضا ہو وہ قرض حسن ہے۔ تفسیر قشیری میں ہے "القرض الحسن ما یکون من وجه حلال ثم عن طيب قلب ، و صاحبه مخلص فيه ، بلا رياء يشوبه ، و بلا منّ على الفقير ، و لا يكدره تطويل الوعد و لا ينتظر عليه كثرة الأعواض ، و المضاعفة۔" یعنی قرض حسن وہ ہے کہ جو حلال مال سے ہو، مجبور ہو کر نہ دے بلکہ خوشی سے دے، محض اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر دیا جائے، مقروض کو دے کر احسان نہ جتلایا جائے، مقروض کی طرف سے واپسی کے لمبے لمبے وعدے نہ ہوں (یعنی یوں نہ ہو کہ جس طرح آج کل مقروض کہتا ہے کل دے دوں گا، کل آئی پرسوں دے دوں، پرسوں آئی فلاں دن دے دوں گا، ایسی صورتحال نہ ہو۔) اور قرضخواہ قرض دے کر زیادہ نہ لے اور نہ ہی اس کی حرص رکھے۔ (تفسیر القشیری (لطائف الإشارات)، جلد 1، صفحہ 90-287)

سوال: کسی کے قرض مانگنے کے اعتبار سے شرع کا حکم کیا ہے کہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کو قرض دینا ضروری بمعنی فرض واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ مغنی میں ہے "لا خلاف بين الفقهاء (حسب قول الإمام ابن قدامة) فی أن الأصل فی القرض فی حق المقرض أنه قربة من القرب لما فيه من إيصال النفع للمقترض وقضاء حاجته وتفريج كربته، وأن حكمه من حيث ذاته (القرض الحسن الندب۔" ابن قدامہ کے کہے کے مطابق قرض دینے کے قربت ہونے میں فقہاء کا کوئی

اختلاف نہیں کیونکہ اس میں دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچایا جارہا ہے اوراس کی پریشانی کودور کیا جارہا ہے جو کہ مستحب ہے۔(اور اس کے بارے احادیث بھی مقدمہ میں گزرچکیں ہیں۔) (ابن قدامة،المغنی، جلد 6، صفحه 429)

سوال: مشاع (غیر تقسیم شدہ) قرض سے کیا مراد ہےاورایسا قرض لیناودینا کیسا ہے؟

جواب: مشاع قرض لینا جائز ہے۔اورمراداس سے یہ ہے کہ ایک چیز کے دوشخص مالک ہوں۔درمختار میں ہے"أو ینتفع باللبن بمقدارمعلوم استقراضالنصیب صاحبه اذقرض المشاع جائز" یعنی دوشخص ایک دودھ دینے والی بکری کے مالک تھے۔چنددن بکری کا دودھ ایک استعمال کرے اور چنددن دوسرااستعمال کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جس کے پاس رہے وہ روزانہ دودھ کووزن کرلے اورشریک کے حصہ کا جتنا دودھ ہو اس سے قرض لے لے،جب مدت پوری ہوجائے اور جانوردوسرے کے پاس جائے اس زمانہ میں جو کچھ دودھ اس کے حصہ کا ہو،قرض میں اداکرتا رہے یہاں تک کہ جتنا قرض لیا تھا وہ مقدار پوری ہوجائے ،اس طرح کرنا جائز ہے کہ مشاع کوقرض دینا ہے جو کہ جائز ہے۔ (درمختار، کتاب القسمة،مطلب لکل من الشرکاء،جلد9،صفحه40، مطبوعه کوئٹه)

اورایک مشاع کی صورت یہ بھی ہے کہ کسی نے پانچ سوروپے قرض مانگے اس نے ہزارکا نوٹ دیااورکہا کہ پانچ سوقرض میں رکھ لینااور پانچ سومیرے اپنے کاروبار میں لگالینا۔مفتی امجدعلی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"مشاع کوقرض دے سکتا ہے مثلاً ہزار روپے دئے اورکہہ دیا ان میں سے پانچ سوقرض ہیں پانچ سوشرکت کے طورپر یہ جائز ہے۔
(بہارشریعت،حصه 14،جلد3،صفحه 73،مکتبة المدینه، کراچی)

سوال: قرض کا حکم بیان فرمادیں۔

جواب: قرض کا حکم یہ ہے کہ مقروض قرض کی رقم کا مالک بن جاتا ہے، اب جیسے، جہاں چاہے خرچ کرے اور اُس پر مثل (یعنی اس طرح کی شے اسی قدر واپس کرنا) لازم ہوجاتی ہے۔ علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "واما حکم القرض فھو ثبوت الملك للمستقرض فی المقرض للحال ،و ثبوت مثله فی ذمة المستقرض للمقرض للحال ، و ھذا جواب ظاھر الروایة۔" ترجمہ: قرض کا حکم یہ ہے کہ اس پر قرض لینے والے کی ملکیت فوراً ثابت ہوجاتی ہے اور اسکے ذمے اس کا مثل لوٹانا لازم ہوجاتا ہے، اور یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے۔

(بدائع الصنائع ، کتاب القرض، جلد نمبر 6، صفحہ 519، مطبوعہ، کوئٹہ)

سوال: قرض اور دَین میں فرق بیان کردیں۔

جواب: قرض اور دین میں فرق عموم خصوص مطلق کا ہے یعنی جو دین ہوگا اسے قرض کہا جا سکتا ہے لیکن جو قرض ہو اسے دَین کہا جائے یہ ضروری نہیں کہ دین کسی شے کا عوض ہوتا ہے مثلاً کوئی شے آپ نے ادھار خریدی تو اس کا ثمن گویا آپ پر قرض ہے جسے شرع میں دین کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ آپ نے زید سے ہزار روپے بوجہ ضرورت لئے یہ دین نہیں حقیقت میں قرض ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 577، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

تفسیر رازی میں ہے "أھل اللغة:القرض غیر الدین،لأن القرض أن یقرض الإنسان دراھم،أو دنانیر ،أو حباً،أو تمراً، أو ما أشبه ذلك ،ولا یجوز فیه الأجل والدین یجوز فیه الأجل،ویقال من الدین أدان إذا باع سلعته بثمن إلی أجل،ودان یدین إذا أقرض ، ودان إذا استقرض وأنشد الأحمر" یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ قرض دین کا غیر ہے کیونکہ قرض یہ ہے کہ انسان کسی کو درہم و دنانیر دے اور اس

میں مدت مقرر نہ کرے کہ اس میں مدت کی تعیین جائز نہیں۔جبکہ دین میں تعیین مدت کا جواز ہے اور دین کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جیسے ہم کسی کو کوئی شے فروخت کریں اور اس کے دام بعد میں لیں یعنی ادھار خرید وفروخت کریں اور دام لینے کی کوئی مدت مقرر کردیں تو اسے دَین کہا جائے گا۔ (تفسیر رازی ،فی التفسیر سورۃ البقرۃ،آیت نمبر282)

سوال: قرض کی کیا اقسام ہیں؟

جواب: قرض کی تین اقسام ہیں:۔

(1) قرض قوی

(2) قرض متوسط

(3) قرض ضعیف

امام علاء الدین أبي بکر بن سعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"جملة الكلام في الديون أنها على ثلاث مراتب في قول أبي حنيفه رحمة الله تعالى عليه :"دين قوى ،و دين ضعيف،و دين وسط۔" یعنی قرض کی تین اقسام ہیں: (1) قوی (2) متوسط (3) ضعیف (قوی وہ قرض ہے جسے عرف میں دست گردان کہتے ہیں یا تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ وغیرہ ، دوم متوسط جو کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، تیسرا ضعیف جو کسی مال کا بدل نہ ہو جیسے عورت کا مہر)

(بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، جلد02،صفحہ 90 ،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اس کی تفصیل کتاب الزکوۃ میں آئے گی۔

یہاں پر قرض قوی کی تین مثال بیان ہوئیں ہیں ،یعنی کیش، کرایہ اور کسی چیز کو خریدنے کی وجہ سے جو ادائیگی لازم ہو،اب ان تین میں سے زیادہ قوی کون سا ہے یعنی

پہلے کس کو ادا کرنا مقدم ہے اس کی تفصیل بھی اس کتاب میں موجود ہے۔

سوال: دین حقیقی اور حکمی سے کیا مراد ہے؟

جواب: دین حقیقی تو یہی ہے جو اوپر دین کی تعریف میں لکھ آئے (جیسے ہم کسی کو کوئی شے فروخت کریں اور اس کے دام بعد میں لیں یعنی ادھار خرید وفروخت کریں اور دام لینے کی کوئی مدت مقرر کر دیں تو اسے دَین کہا جائے گا) اور جب کسی عین شے کا ضمان مثل یا قیمت سے دینا پڑے تو اسے دَین حکمی کہتے ہیں: ''مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر حقیقۃً دَین نہ ہو حکماً دین ہو تو اس کے مقابل میں بھی رہن صحیح ہے جیسے اعیان مضمونہ بنفسہا یعنی جہاں مثل یا قیمت سے تاوان دینا پڑے جیسے مغصوب شے کہ غاصب پر واجب یہ ہے کہ جو چیز غصب کی ہے بعینہ وہی چیز مالک کو دے اور وہ نہ ہو تو مثل (یعنی اس طرح کی) یا قیمت تاوان دے۔'' (دین حکمی کو مزید آسان یوں سمجھیں کہ جیسے ہم کسی کا نقصان کریں تو اس نقصان کو پورا کرنا ہم پر لازم ہوتا ہے، اس کو دین حکمی کہتے ہیں)

(بہار شریعت، رہن کا بیان، جلد 03، حصہ 17، صفحہ 696، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆۔۔۔باب دوم: قرض کے ارکان وشرائط۔۔۔☆

سوال: قرض کے ارکان کیا ہیں؟

جواب: قرض کے دو رکن ہیں:۔(1) ایجاب (2) قبول۔ بدائع میں ہے۔'' (أما رکنه فهو الإيجاب والقبول'' ترجمہ: قرض کے دو رکن ہیں:۔ ایجاب اور قبول۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 517، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوال: نکاح وبیع وغیرہ میں کوئی بھی ایجاب وقبول کے لئے متعین نہیں، جو پہل کرے اس کی طرف سے ایجاب ہوتا ہے کیا یہی حال قرض کا بھی ہے یا یہاں جس نے ایجاب کرنا

ہے وہ متعین ہے؟

جواب: قرض میں ایجاب کرنے والا متعین ہے اور وہ قرض دینے والا ہے۔لہذا ایجاب کرنے والا قرض دینے والا ہوگا۔قرض لینے والا ہرگز ایجاب نہیں کرسکتا بلکہ وہ صرف قرض قبول کرے گا۔بدائع میں ہے:"والإیجاب قول المقرض۔۔۔و القبول هو أن یقول المستقرض ۔"ترجمہ:ایجاب قرض دینے والا کرے گا اور قبول قرض لینے والا۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض،جلد06،صفحہ517،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوال: قرض میں ایجاب وقبول کی کوئی مثال بیان کردیں تاکہ اچھی طرح سمجھ آجائے۔

جواب: قرض دینے والا کہے:میں نے یہ شے تجھے قرض دی یا تم یہ شے مجھ سے قرض لے لو۔قرض لینے والا کہے:میں نے قرض لیا یا میں نے آپ کا دیا ہوا قرض قبول کیا یا میں اسے لینے پر راضی ہوں۔مختصر یہ کہ ایسا کرے کہ معلوم ہو کہ وہ قرض دے رہا ہے اور یہ لے رہا ہے۔بدائع میں ہے"والإیجاب قول المقرض أقرضتك هذا الشيء،أو خذ هذا الشيء قرضا،ونحو ذلك۔والقبول هو أن یقول المستقرض استقرضت، أو قبلت،أو رضیت، أو ما یجری هذا المجری۔" عبارت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر جواب میں لکھ دیا گیا۔

(بدائع الصنائع ،کتاب القرض ،جلد 06،صفحہ517،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس میں لیتے ودیتے وقت زبان سے یوں کہنا جیسا اوپر مذکور ہوا کوئی ضروری نہیں بلکہ اگر یہ دے اور دوسرا لے اور دونوں کو معلوم ہو کہ قرض لیا دیا جارہا ہے تو پھر بھی مطلوب ومقصود حاصل ہے۔

سوال: کیا ہر کوئی قرض دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا دینے والے میں کسی شرط کا ہونا

ضروری ہے؟

جواب: ہر کوئی قرض نہیں دے سکتا بلکہ قرض دینے والے کے لئے شرط ہے کہ وہ تبرع یعنی احسان کرنے کا اہل ہو۔ بدائع میں ہے" أما الذی یرجع إلی المقرض فهو أهلیته للتبرع فلا یملکه من لا یملك التبرع "ترجمہ وہی ہے جو جواب ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 517، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نہایۃ المحتاج میں ہے "لا وجود للخلاف بین الفقهاء فی أنه یُشترط فی المُقرض أن یکون من أهل التبرع "ترجمہ: قرض دینے والے کا اہل تبرع میں سے ہونا ضروری ہے اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(نهایة المحتاج إلی شرح المنهاج، مکتبة البابی الحلبی، ج 4، ص 219، القاهرة)

سوال: باپ اپنے بچے کا مال کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: باپ اپنے بچے کا مال قرض نہیں دے سکتا، ناجائز و گناہ ہے۔ بدائع میں ہے "(أما الذی یرجع إلی المقرض فهوا أهلیته للتبرع، فلا یملکه من لا یملك التبرع من الأب۔۔۔الخ "ترجمہ: قرض دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ تبرع کا اہل ہو لہٰذا جو تبرع کی اہلیت نہیں رکھتا، اسے قرض دینے کی بھی اجازت نہیں جیسے کہ باپ (کا اپنے بچے کے مال کو قرض دینا) کیونکہ تبرع احسان ہے اور احسان اپنے مال سے کیا جا سکتا ہے، دوسرے کے پیسے سے نہیں۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 517، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوال: قرض لینے والے میں کسی شرط کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: قرض لینے والے کا قولی تصرفات کا اہل ہونا ضروری ہے۔ یعنی عاقل، بالغ،

آزاد ہونا۔اور قولی تصرفات کا عام فہم مطلب یہ ہے کہ جو وہ کہے وہ شرعاً نافذ ہو جیسے بالغ طلاق دے تو ہو جاتی ہے اور نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق نہیں ہوتی کہ شریعت اس کے کہے کا اعتبار نہیں کرتی ۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ہیں "أما بالنسبة للحنفية فلم ينصوا على شروط خاصة للمُقترض،والذي يُستفاد من فروعهم الفقهية اشتراطهم أهلية التصرفات القولية فيه، بأن يكون حراً بالغاً عاقلاً۔"یعنی فقہ حنفی میں اس کی شرائط کے بارے کوئی تصریح موجود نہیں ،ہاں البتہ فروعات فقہیہ سے یہ سمجھ آتی ہے کہ قرض لینے والے کا تصرفات قولیہ کا اہل ہونا ضروری ہے ۔یعنی اس کا عاقل ،بالغ ،آزاد رہونا ضروری ہے۔

(موسوعہ فقہیہ کویتیہ،جلد33،صفحہ 117،الطبعۃ الأولی، مطابع دار الصفوۃ ،مصر)

سوال: جو چیز قرض میں دینی ولینی ہے اس میں کسی شرط کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: جو چیز قرض میں دی، لی جارہی ہے اس میں بھی ایک شرط کا ہونا ضروری ہے اور وہ ہے اُس شے کا مثلی ہونا۔بدائع میں ہے"ومنها أن يكون مما له مثل "ترجمہ:قرض میں وہ چیز دی جائے جو مثلی ہو۔

(بدائع الصنائع ، کتاب القرض ،جلد 06،صفحہ517،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ذخیرہ میں ہے" القرض فإن من شرطه التماثل "ترجمہ:قرض کی شرائط میں سے ایک شرط مثلی ہونا ہے۔

(الذخیرۃ،جلد05،صفحہ 97،الناشر:دارالغرب)

سوال: کوئی ایسی بھی شرط ہے جس کا تعلق خاص نفس قرض ہی سے ہو؟

جواب: جی ہاں!ایسی شرط بھی ہے کہ جس کا تعلق خاص قرض سے ہی ہے اور وہ یہ کہ قرض سودی نہ ہو۔بدائع صنائع میں ہے"(وأما)الذي يرجع إلى نفس القرض:فهو أن لا

یکون فیہ جر منفعۃ "ترجمہ:وہ شرط جس کا تعلق خاص نفس قرض سے ہے وہ یہ ہے کہ قرض منفعت لانے والا نہ ہو۔

(البدائع الصنائع ،کتاب القرض ،جلد 06،صفحہ518،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوال: جو چیز قرض میں لینی و دینی ہے،اس پر قبضہ کرنا شرط بھی ہے یا نہیں؟

جواب: جو چیز قرض میں لینی و دینی ہے اس کا مثلی ہونا اور اس پر قبضہ کرنا شرط ہے کہ عقد قرض اسی صورت میں مکمل ہوگا جب قرض لینے والا اس شے پر قبضہ کر لے جس کو قرض میں لینا ہے۔بدائع میں ہے "(وأما)الذی یرجع إلی المقرض:فمنھا القبض "ترجمہ:قرض کی شرائط میں سے قبضہ کرنا بھی ہے۔

(بدائع الصنائع ،کتاب القرض ،جلد 06،صفحہ517،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

☆۔۔ مثلی وغیر مثلی کی تعریف وضاحت واحکام ۔☆

سوال: معاملہ قرض میں مثلی سے کیا مراد ہے؟

جواب: جو چیز مکیلی و موزونی و عددی متقارب میں سے ہو،باب قرض میں اسے مثلی کہتے ہیں۔چنانچہ بدائع صنائع میں ہے "کالمکیلات،والموزونات،والعددیات المتقاربۃ." (بدائع الصنائع ،کتاب القرض ،جلد 06،صفحہ517،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مکیلی سے مراد جس کو ماپ کر دیا جائے (جیسے دودھ گڑوی کے ساتھ)۔موزونی سے مراد جسے وزن و تول کر دیا جائے۔اور عددی سے مراد جن کو گن کر دیا جاتا ہو۔اور متقارب سے مراد جس میں زیادہ تفاوت نہ ہو اور زیادہ تفاوت نہ ہوسے مراد کہ ان میں زیادہ چھوٹے بڑے چیں نہ ہو،اکثر متوسط ہوں۔جیسے اخروٹ اور انڈے ہوتے ہیں۔

سوال: کیا اگر وہ شے مکیلی و موزونی وغیرہ نہ ہوئی تو اس کا قرض میں دینا و لینا کیسا؟

جواب: جی ہاں! اگر وہ شے مکیلی وموزونی نہیں اور نہ ہی عددی متقارب سے ہے تو اس کو قرض میں دینا ولینا جائز نہیں۔ بدائع صنائع میں ہے "فلا یجوز قرض ما لا مثل له۔" جس کی مثل نہیں، اس کا قرض جائز نہیں۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 517، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوال: جس کی مثل نہیں اس کو قرض میں لینا و دینا ناجائز کیوں ہے؟

جواب: جو شے مثلی نہیں اس کا قرض میں دینا اور لینا ناجائز اس وجہ سے ہے کہ قرض میں مثل لوٹانے کا حکم ہے تو جب اس کی مثل (اس طرح کی کوئی چیز) ہی نہیں تو مثل کیسے واپس کی جائے۔ مثلاً بھینس ہی کو لیجئے کہ ہر بھینس ایک طرح کی نہیں ہوتی کوئی موٹی ہوتی ہے تو کوئی دبلی پتلی) قرض خواہ کہے گا: میں نے یہ بھینس لینی ہے، مقروض کہے گا: نہیں! آپ کی اس طرح کی تھی، اسی طرح قیمت بھی واپس کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ قرض خواہ کہے گا: میری بھینس کی قیمت ایک لاکھ تھی جبکہ مقروض کہے گا: نہیں! وہ تو اسی ہزار کی تھی۔ نتیجہ: دونوں میں جھگڑا جو شریعت کو سخت ناپسند ہے، اس وجہ سے ناجائز ہے۔ بدائع صنائع میں ہے "لأنه لا سبیل إلی إیجاب رد العین ولا إلی إیجاب رد القیمة ؛ لأنه یؤدی إلی المنازعة لاختلاف القیمة باختلاف تقویم المقومین ؛ فتعین أن یکون الواجب فیه رد المثل فیختص جوازه بما له مثل۔"

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 517، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نوٹ: اگر کوئی کہے کہ ہم جھگڑا نہیں کریں گے، پھر بھی ان کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ اس کو ہماری شریعت نے جب ناجائز کہہ دیا تو وہ ناجائز ہی رہے گا۔ اور پھر جھگڑا اس کی ایک حکمت تھی اگر کسی ایک جگہ حکمت نہ پائی جائے تو حکم جواز نہیں ہو جاتا، اسی طرح

تو جو شراب کا عادی ہے وہ کہے گا: شراب نشہ کی وجہ سے حرام ہے اور مجھے نشہ نہیں آتا، تو کیا اس کے لئے جائز ہو جائے گی؟ معاذ اللہ۔ آج کل جہال ایک حکم کی حکمت یا علت کہیں سے پڑھ یا سن لیں تو اپنی جہالت کی وجہ سے کئی ایک ناجائز تاویلیں کرنے لگ جاتے ہیں اور حرام کاموں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل عقل عطا فرمائے۔

سوال: جو شے مثلی نہیں اس کا قرض دینا صحیح نہیں۔ اگر کسی نے لے لیا، تو کیا حکم شرعی ہے؟

جواب: جس نے غیر مثلی شے قرض لی تو لینے والا اس کا مالک ہو جائے گا، لیکن اسے استعمال کرنا حرام ہے۔ لینے والے پر لازم ہے کہ فوراً واپس کرے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولا یجوز فیما لیس من ذوات الأمثال۔۔۔ویملك المقبوض بالقرض الفاسد لأن الإقراض الفاسد تملیك بمثل مجهول فیفسد وملكه بالقبض كالمقبوض فی البیع الفاسد والمقبوض بحكم قرض فاسد یتعین للرد" غیر مثلی کا قرض جائز نہیں (اگر اُس کو کسی نے قرض لیا) تو قبضہ کرنے سے قرض فاسد کا مالک ہو گا۔ کیونکہ قرض مثل مجہول کی تملیک ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے اور اس پر قبضہ بیع فاسد پر قبضہ کرنے کی طرح ہوتا ہے جسے رد کرنا لازم ہو جاتا ہے لہٰذا اس پر بھی ضروری ہوتا ہے کہ قرض واپس کرے۔ (اسے استعمال کرنا حرام ہے۔)

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع، جلد 03، صفحہ 201، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: ماپنے و تولنے میں تو چیز برابر برابر جتنی لی اتنی دینا ممکن ہے، جبکہ جو اشیاء گن کر دی جاتیں ہیں، ان میں بعض چھوٹی بعض بڑی ہوتی ہیں۔ ان میں برابری کا حساب کس طرح لگائیں گے؟

جواب: ان میں برابری کا حساب نہیں لگائیں گے کہ گن کر لینے و دینے والی اشیاء میں

قرض میں اسی کو دینا جائز ہے جن میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔لیکن اگر ان میں تفاوت زیادہ ہو جس کی وجہ سے قیمت میں کمی وزیادتی ہوتی ہو تو ایسی شے کو قرض میں دینا و لینا جائز نہیں ہے جیسے انڈہ واخروٹ کا قرض جائز ہے کہ ان میں زیادہ تفاوت (فرق) نہیں ہوتا لہٰذا واپسی کے وقت جتنے لئے تھے اتنے ہی دیں اور جو تھوڑا بہت فرق چھوٹے بڑے سائز کا ہے اس کی طرف نظر نہ کریں گے۔پہلے دور میں اخروٹ کی خرید گنتی سے ہوتی تھی اب ہمارے زمانے میں وزن سے ہوتی ہے،کنفیوزن کا شکار نہ ہوں۔نفس مسئلہ کو سمجھنے پر توجہ دی جائے۔

درمختار وردالمحتار میں ہے"(وصح)القرض(فی مثلی)ھو کل ما یضمن بالمثل عند الاستھلاك(لا فی غیرہ)من القیمیات کحیوان وحطب وعقار وکل متفاوت لتعذر رد المثلی۔" ترجمہ:مثلی چیزوں میں قرض صحیح ہے۔یعنی ہر اس شے کو قرض میں لینا و دینا جائز ہے کہ جس کے ہلاک ہونے کی صورت میں اس جیسی چیز ضمان میں دی جاسکتی ہو۔اس کے علاوہ کسی شے کا قرض بھی جائز نہیں۔یعنی قیمی چیزوں میں جیسا کہ حیوان،لکڑی،غیر منقولی اشیاء جیسے زمین اور ہر وہ چیز جس میں تفاوت ہو کہ اس جیسی واپس کرنی مشکل ہو۔ (ردالمحتار،کتاب البیوع،فصل فی القرض،جلد7،صفحہ8-407،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: قیمی شے یعنی جس کا اعتبار قیمت سے ہو،اس کا قرض میں دینا کیسا ہے؟

جواب: قیمی شے کو قرض دینا جائز نہیں۔درمختار اور ردالمحتار میں ہے"(لا فی غیرہ)من القیمیات کحیوان وحطب وعقار وکل متفاوت لتعذر رد المثلی"ترجمہ:قیمی چیزوں میں جیسا کہ حیوان،لکڑی،غیر منقولی اشیاء جیسے زمین اور ہر وہ چیز جس میں تفاوت ہو کہ اس جیسی واپس کرنی مشکل ہو،اسے قرض میں دینا جائز نہیں۔

(ردالمحتار،کتاب البیوع،فصل فی القرض،جلد07،صفحہ8-407،مطبوعہ،کوئٹہ)

سوال: مکان یا زمین قرض میں دینا کیسا ہے؟

جواب: مکان یا زمین قرض میں دینا جائز نہیں کہ مثلی نہیں۔ ردالمحتار میں ہے "(لا فی غیرہ)۔۔۔ کحیوان وحطب وعقار" ترجمہ: غیر مثلی کا قرض جائز نہیں جیسے حیوان، لکڑی اور زمین وغیرہ۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد07، صفحہ8-407، مطبوعہ، کوئٹہ)

☆ باب سوم: افلاس، مدت ومہلت دینے کے احکام ☆

سوال: مفلس کی تعریف کیا ہے؟ بعض لوگوں کے پاس نقدی نہیں ہوتی، گھر ضرورت سے زائد سامان سے بھرا ہوتا ہے، پلاٹ خالی چھوڑے ہوتے ہیں، وہ مفلس ہیں یا نہیں؟

جواب: جس کے پاس نہ نقدی ہو اور نہ ہی سامان کہ بیچ کر قرض ادا کر سکے وہ مفلس (غریب، تنگدست) ہے۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم میں ہے "والمفلس فی عرف العرب: من لا مالہ عینا، ولا عرضا، ولا غیرہ ولذلک قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم "أتدرون من المفلس؟" قالوا: ماھو المعروف عندھم، فاجابوہ بقولھم: من لا درھم لہ، ولا متاع وھو فی عرف الشرع" ترجمہ: عرف اہل عرب میں مفلس وہ ہے جس کے پاس کسی طرح کا بھی سامان ونقدی وغیرہ نہ ہو۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ نے استفسار فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے وہی جواب دیا جو ان کے ہاں معروف تھا یعنی انہوں نے کہا: مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و کسی اور طرح کا ساز و سامان نہ ہو۔ اور یہی شرعاً مفلس کہلاتا ہے۔

(المفہم، باب من ادرک مالہ۔۔جلد04، صفحہ344، مکتبہ توقیفیہ، مصر)

ہمارے ہاں لوگ مقروض ہوتے ہیں اور قرض ادا نہیں کرتے اور وجہ تنگ دستی بیان کرتے ہیں حالانکہ گھر میں ٹی وی، کمپیوٹر سونا وچاندی وغیرہ بہت کچھ ہوتا ہے لیکن نقدی نہیں ہوتی۔ زیوارت بیچ کر قرض ادا کرنے کا کہا جائے تو کہتے ہیں: لو! اب سونا بیچیں، گھر کی اشیاء بیچیں۔ بانی دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس عطار قادری فرماتے ہیں: ''یادر کھئے! اگر آپ نے کسی سے قرض لیا اور ادائیگی قرض کے لئے رقم پاس نہیں ہے مگر گھر کے اسباب، فرنیچر، ٹی وی وغیرہ بیچ کر قرض ادا کیا جاسکتا ہے تو یہ بھی کرنا ہی پڑے گا۔ قرض ادا کرنے کی ممکن صورت ہونے کے باجود قرضدار سے مہلت لئے بغیر آپ قرض کی ادائیگی میں جب تک تاخیر کرتے رہیں گے گناہ گار ہوتے رہیں گے۔ اب خواہ آپ جاگ رہے ہو یا سو رہے ہو، ایک ایک لمحے کا گناہ لکھا جاتا رہے گا۔ گویا ادائیگی قرض تک مسلسل آپ کے گناہوں کا میٹر چلتا رہے گا۔ الامان والحفیظ۔ جب قرض کی ادائیگی کی تاخیر میں یہ وبال ہے تو جو پورا قرض ہی دبا لے اس کا حال کیا ہوگا۔''

(ماخوذ از فیضان سنت، فضائل رمضان شریف، جلد 01، 899، مکتبۃ المدینہ)

سوال: دیوالیہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جس پر قرضے ہوں اور واپس کرنے کے لئے پاس کچھ نہ ہو اسے کہتے ہیں کہ فلاں کا دیوالیہ ہوگیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں ''(دیوالیہ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی حد کو پہنچ گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں اس کے پاس کچھ نہیں۔''

(اشعۃ اللمعات، باب الافلاس ـــ جلد 04، صفحہ 131، فریدبک سٹال، لاہور)

سوال: مفلس کو قرض خواہ کی طرف سے تقاضا نہ ہو، صرف مواخذہ آخرت کے خیال سے قرض کی ادائیگی کے واسطے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

جواب: سخت حرام ہے۔

سوال: بکر نے زید کو پانچ من گندم قرض میں دی، بعد میں بکر کو پتہ چلا کہ زید تو اس قدر غریب ہے کہ واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو کیا بکر اپنی پانچ من گندم واپس لے سکتا ہے؟

جواب: جب قرضدار کا مفلس یعنی غریب ہونا ظاہر ہو جائے اور قرض میں دی ہوئی شے اس کے پاس رکھی ہو تو اسے بعینہ واپس لینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس کے گھر سے اٹھا کر ہی کیوں نہ لائی جائے۔ فتاوی کبری میں ہے "وإذا ظهر المقترض مفلسا او وجد المقرض عين ماله فله الرجوع بعين ماله بلا ريب" ترجمہ: جب معلوم ہو چکا کہ مقروض بہت زیادہ غریب ہے اور قرض دینے والے کے پاس وہی مال رکھا ہے تو قرض خواہ کو بلا شک وشبہ اسے واپس لینا جائز ہے۔

(فتاوی کبری، کتاب البیع، باب القرض، جلد 08، صفحہ 148، مکتبہ شاملہ)

سوال: کسی سے کوئی چیز خریدی ابھی اس کے پیسے نہیں دیے کہ خریدنے والے کا دیوالیہ ہو گیا، آگ لگ گئی یا کچھ ایسا ہوا کہ سب جمع پونجی ختم ہو گئی اور یہ شخص مقروض بھی ہے اب بس یہی چیز باقی ہے جو خریدی ہوئی ہے تو اس پر کس کا حق ہے؟

جواب: ایک شخص مفلس ہو گیا یعنی اس کا دیوالیہ ہو گیا اور اس کے پاس کچھ وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے خریدا ہے اور ثمن یعنی پیسے ابھی بائع کو نہیں دیے تو یہ چیزیں تنہا بائع کو نہیں ملیں گیں بلکہ اس میں دیگر قرض خواہ جن کے قرض کی مدت پوری ہو چکی بھی شریک ہیں، جتنی بائع کے حصہ میں آئے گی اتنی ہی لے سکتا ہے اور اگر اس نے اب تک اس چیز پر قبضہ ہی نہیں کیا ہے یا بغیر اجازت بائع قبضہ کر لیا ہے تو تنہا بائع اس کا حقدار ہے۔ (بہار شریعت)

(ھندیہ، کتاب الحجر، الباب الثالث، جلد5، 64، دار الفکر، بیروت)

سوال: دین کی ادائیگی کی جو مدت مقرر تھی اس سے پہلے ہی مدیون یعنی مقروض مفلس ہوگیا تو کیا اب وہ مدت ختم ہو جائے گی یا برقرار رہے گی؟

جواب: مفلس ہونے سے مدت پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ وہ بدستور برقرار رہے گی اور قرضخواہوں کو اس مدت سے قبل مطالبہ کا بھی کوئی حق نہ ہوگا۔امام نیشاپوری کی کتاب الاجماع میں ہے"واجمعوا علی ان ما کان من دین للمفلس الی اجل ان ذلك لاجله لایحل بافلاسه" ترجمہ:فقہاء کا اجماع ہے کہ مدیون مفلس کی مدت بوجہ افلاس ختم نہ ہوگی۔

(الاجماع، کتاب التفلیس، صفحہ 143، مکتبۃ الفرقان، دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ)

سوال: مفلس کو مہلت دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: قرض خواہ پر مفلس کو مہلت دینا واجب ہے، مہلت نہ دینا گناہ کا کام ہے۔ قرآن پاک میں ہے﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ترجمہ قرآن کنزالایمان: اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک، اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لئے اور بھلا ہے اگر جانو۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 280)

حدیث میں ہے"عن حذیفه رضی الله تعالیٰ عنه قال:سمعت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول:مات رجل فقیل له :ما كنت تقول؟قال: كنت ابایع الناس فاتجوز عن الموسر واخفف عن المعسر فغفرله۔" ترجمہ:حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

سنا: ایک شخص کو مرنے کے بعد پوچھا گیا کہ تو کچھ کہنا چاہتا ہے؟ تو وہ بولا: میں لوگوں سے خرید وفروخت کرتا، مالدار کی تاخیر پر چشم پوشی کرتا اور تنگ دست ومفلس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا، پس اسی وجہ سے اس کی مغفرت کردی گی۔

(ارشادالساری، کتاب الاستقراض،باب حسن التقاضی،جلد4،صفحہ464 ،دارالفکر،بیروت)

سوال: مفلس سے قرض کا تقاضا کرنا کیسا ہے؟

جواب: جس کا مفلس ہونا معلوم ہو چکا ہو، جب تک اس کے بارے پتا نہ چل جائے کہ اب وہ قرض لوٹا سکتا ہے، اُس وقت تک اسے مہلت دینا واجب ہے اور مہلت نہ دینا اور قرض کا فوراً فوراً مطالبہ کرنا حرام ہے۔ مفہم میں ہے "واما المعسر بالافلاس فتحرم مطالبته الی ان یتبین یسارہ" ترجمہ: تنگ دست کی تنگی کا ختم ہونا جب تک ظاہر نہ ہو اس سے قرض واپس مانگنا حرام ہے۔

(المفہم،باب من ادرك مالہ،جلد04،صفحہ344،مکتبہ توقیفیہ ،مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "جس کا دیوالیہ ہونا ظاہر چکا ہے، اسے اُس وقت تک مہلت دینا واجب ہے جب تک کہ ان کے پاس مال نہ آجائے۔"

(اشعۃ اللمعات،باب الافلاس،جلد04،صفحہ3-132،فریدبك سٹال ،لاہور)

مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں "قرضدار اگر تنگ دست یا نادار ہو تو اس کو مہلت دینا یا قرض کا جز و یا کل معاف کردینا سبب اجرِ عظیم ہے مسلم شریف کی حدیث ہے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنا سایہ رحمت عطا فرمائے گا جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔" (سورۃ البقرۃ،تحت آیت 280)

سوال: ایک شخص واقع میں غریب ہے اور کسی کا مقروض ہے۔اس نے اپنے قرض خواہ سے کہا: فی الحال میرے پاس اتنے ہیں یہ لے لو، باقی بعد میں دے دوں گا۔کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بضد ہو جاتے ہیں کہ میں تو پورا ہی لوں گا۔ان کے لئے بہتر اور اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟

جواب: جتنا غریب مقروض دے فی الحال اتنا رکھ لینا چاہیے کہ اس میں نرمی کا برتاؤ ہے جس کا اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقروض سے برتنے کا حکم دیا ہے۔

بلکہ ایسا واقعہ تو خود ایک حدیث میں بھی ملتا ہے کہ کسی کے پاس قرض چکانے کے لئے تھوڑا سا مال تھا، پورا نہ تھا۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرض خواہ سے فرمایا: جتنا ملا ہے وہ رکھ لو جیسا کہ شرح طیبی میں ہے "فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لغرمائه خذوا ما وجدتم وليس لكم الا ذلك۔" یعنی جو ملا ہے وہ رکھو۔فی الحال اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ (شرح طیبی، کتاب البیوع، باب الافلاس، جلد6، صفحہ106، کراچی)

سوال: تنگ دست سے قرض مانگنے میں سختی کرنا کیسا ہے؟

جواب: تنگ دست سے قرض وصول کرنے میں سختی کرنا کم از کم منافی اخلاق تو ضرور ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز ہے۔

یاد رہے کہ جہاں تنگ دست کو مہلت دینا واجب، اور اس کی تنگ دستی معلوم ہونے کے باوجود اس سے قرض کے مطالبہ کو ناجائز کہا، یہاں تنگ دست، مفلس سے مراد وہی ہے جس کی تعریف اس باب کی ابتداء میں کر دی کہ اس کے پاس نقدی بھی نہ ہو اور کوئی گھر میں اشیاء بھی نہ ہو کہ جنہیں بیچ کر قرض کی ادائیگی کی جا سکے۔

سوال: قرض میں مدت متعین کردی کہ چھ ماہ بعد قرض واپس کروں گا اس مدت کی پاسداری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا پھر قرض خواہ جب چاہے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

جواب: حسن اخلاق یہی ہے کہ مدت رکھی تھی تو اس کی پاسداری کرلی جائے۔ اور فتوی یہ ہے کہ قرض خواہ جب چاہے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے، مدت رکھنے کے باوجود قرض خواہ مدت کا پابند نہیں، جب قرض مانگے گا مقروض کو واپس کرنا ہوگا۔ بدائع میں ہے "والأجل لا یلزم فی القرض سواء کان مشروطا فی العقد أو متأخرا عنه " ترجمہ: مدت کی تعیین قرض میں لازم نہیں ہوتی خواہ قرض دیتے وقت شرط رکھیں یا بعد میں رکھیں۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، جلد 06، صفحہ 519، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں "(وَصَحَّ تَأْجِیلُ کُلِّ دَیْنٍ)۔۔۔(إلّا الْقَرْضَ) وھو ما ثبت فی الذّمة باستقراضٍ، فإنّه لا یصحّ تأجیله حتی لو أجلّه مدةً معلومةً عِنْد الإقراض أو بعده لا یثبت الأجل وله المطالبة فی الحال۔" یعنی ہر دین کی مدت متعین کرنا جائز ہے، قرض کی نہیں حتی کہ عقد قرض کے وقت یا بعد میں مدت معین کربھی دی پھر بھی وہ ثابت نہ ہوگی اور قرضخواہ کو مطالبہ کا حق ہوگا۔

(شرح الوقایۃ، فصل فی بیع المنقول، جلد2، صفحہ 397)

دَین میں مدت کی پاسداری ضروری ہے۔ دین کی تعریف شروع میں دیکھ لیں۔

سوال: قرض میں مدت کی پاسداری ضروری کیوں نہیں؟

جواب: قرض خالصتاً ایک احسان ہے اور جیسے ہی کوئی قرض لیتا ہے تو شرعاً لینے والے اسے واپس کرنا اسی وقت ثابت ہوجاتا ہے اور مدت و وقت دینا تو قرض دینے والے کی طرف سے مزید ایک احسان ہے جبکہ احسان کرنا یا احسان کرنے کا وعدہ کرکے اس وعدہ

کو وفا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

إن عوض القرض يثبت في الذمة حالاً، والتأجيل تبرع من المقرض فلا يلزم الوفاء به (كذلك الأمر في العارية وسائر الديون الحالة. (1) قرض لینے والے پر اسے واپس کرنا اسی وقت ثابت ہوجاتا ہے اور مدت تو قرض خواہ کی طرف سے ایک احسان ہے اور احسان کرنا یا اس احسان کو وفا کرنا اس پر لازم نہیں۔

قال الكاساني في البدائع" :إن القرض يُسلك به مسلك العارية، والأجل لا يلزم في العارية، (2) امام کاسانی نے بدائع میں کہا کہ قرض عاریت کی طرح ہے اور عاریت میں مدت لازم نہیں۔

إن القرض تبرع بدليل أنه لا يقابل الأصل عوض، وإنما يرد المقترض مثل ما أخذه ولأنه (لا يملك القرض من لا يملك التبرع، فلو لزم الأجل لم يبق تبرع. (3) قرض سو فیصد تبرع ہے یعنی احسان ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس قرض کے مقابل میں کوئی عوض نام کی چیز ہے ہی نہیں، مقروض تو وہی واپس کرتا ہے جو اس نے لیا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ شرعاً جسے دوسروں پر احسان کرنے کی اجازت ہے قرض بھی وہی دے سکتا ہے، تو اگر اس میں مدت کی بجا آوری لازم ہو تو پھر یہ تبرع ہی نہ رہے۔

سوال: دَین (قرض) مؤجل (جس کی مدت مقرر ہو) میں مدت قرض خواہ کا حق ہے یا مقروض کا؟

جواب: مدت مقروض کا حق ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے "الأجل حق المديون"

ترجمہ: مدت مقروض کا حق ہے۔

(الاشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، جلد02، صفحه48، كراچى)

ذخیرہ میں ہے"لا یجبر علی القول فی الأجل فی السلم لکن الأجل حق لهما بخلاف القرض لأنه حق المقترض فله إسقاطه" یعنی مدت مقروض کا حق ہے اور وہ اسے ختم کرسکتا ہے۔

(الذخیرہ،الباب الاول فی السلم،جلد5،صفحہ 283،دارالغرب)

سوال: مقروض مدت سے پہلے قرض ادا کرنے گیا لیکن قرض خواہ لینے سے انکار کردے اور کہے: جب مدت پوری ہوگی،تب لوں گا۔اب کیا کیا جائے؟

جواب: مقروض مدت سے پہلے قرض ادا کرے تو قرض خواہ کو لینا ہی ہوگا کہ مدت مقروض کا حق تھا جسے وہ ساقط (ختم) کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔لہٰذا اگر نہ لے تو اُس کے پاس رکھ کر آجائے،قرض ادا ہوجائے گا۔فتاوی عالمگیری میں ہے "المدیون ولو کان الدین موجلا فقضاہ قبل حلول الأجل یجبر علی القبول" ترجمہ:قرض واپس کرنے کی کوئی تاریخ مقرر کی گئی،مقروض تاریخ سے پہلے ہی قرض واپس کرنے چلا گیا،قرض خواہ نے کہا:جو تاریخ مقرر کی تھی اُسی دن واپس لوں گا،تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ اسے ابھی قرض لینا ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ،کتاب البیوع،الباب التاسع،جلد03،صفحہ204،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: مدت سے پہلے قرض خواہ قرض کو نہ رکھے تو کیا پنچائت یا حکومت کی مدد کے ذریعے اسے قرض واپس لینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟

جواب: ماقبل میں ذکر ہوکہ "الاجل حق المدیون"یعنی مدت مقروض کا حق ہے اور انسان اپنے حق کو ساقط کرسکتا ہے۔لہٰذا اگر یہ مدت سے قبل دینا چاہے اور قرض خواہ نہ لے تو قرض خواہ کو لینا ہی پڑے گا حتی کہ حکم ہے کہ اسے حاکم لینے پر مجبور کرے،لہٰذا پنچائت و

حکومت کی مدد سے بھی قرض خواہ کو قرض واپس لینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔الاشباہ والنظائر میں ہے:" الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ۔" ترجمہ:مقروض دین مؤجل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ادا کرے تو قرض خواہ کو لینے پر مجبور کیا جائے گا کہ مدت مقروض کا حق ہے اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

(الاشباہ والنظائر،الفن الثانی،کتاب المداینات،جلد02،صفحہ48،کراچی)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں قرض خواہ جب چاہے،قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ مدت کی بجا آوری ضروری ہے۔وضاحت کردیں۔

جواب: اصل میں قرض دو طرح کا ہوتا ہے:۔

(1)وہ قرض جو ہمارے ہاں رائج ہے جیسا کہ زید نے بکر سے دس ہزار روپیہ کسی وجہ سے لیا۔اس میں قرض دینے والا جب چاہے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے،اس میں کسی بھی طرح کی مدت صحیح نہیں،دونوں نے مدت مقرر کی پھر بھی اس مدت کی پاسداری لازم نہیں۔ البتہ بعض صورتوں میں اس قرض میں بھی مدت متعین ہوتی ہے اور اس کی پاسداری لازمی ہوتی ہے،جس کا بیان آئے گا۔

(2)اور دوسرے کی صورت یوں کہ جیسے ادھار مال خریدا تو یہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہے جسے دَین کہا جاتا ہے،اس کی جو مدت متعین ہوئی اُس سے قبل مطالبہ نہیں کرسکتے ،اسی طرح بیوی کا مہر بھی ایک طرح کا قرض ہے اس کی جو مدت متعین ہوئی بیوی اس سے قبل مطالبہ نہیں کرسکتی۔ہاں!البتہ جس نے دینے ہیں وہ مدت سے قبل دے دے تو اُس کی مرضی ہے۔تبیین الحقائق میں ہے"تاجیل کل دین غیر القرض"

(تبیین الحقائق، کتاب البیوع،باب التولیہ،فصل: بیع العقار،جلد04، صفحہ84،القاہرۃ)

بعض صورتوں میں قرض کے متعلق بھی میعاد ہے۔(1) قرض سے قرض دار منکر تھا اور ایک رقم پر صلح ہوئی اور اس کی ادائیگی کے لئے میعاد مقرر ہوئی یہ میعاد صحیح ہے مثلاً ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہیں اور سو روپے پر ایک ماہ کی مدت قرار دیکر صلح ہوئی ہزار کے سو ملیں یعنی نوسو معاف ہیں یہ صحیح ہے مگر میعاد صحیح نہیں یعنی فی الحال دینا واجب ہے اور اگر اس صورتِ مذکورہ میں قرضدار انکاری ہو تو میعاد صحیح ہے۔(2) یونہی قرضدار نے قرض خواہ سے تنہائی میں کہا اگر تم مہلت نہ دو گے تو میں اس قرض کا اقرار ہی نہیں کروں گا اُس نے گواہوں کے سامنے میعادی دین کا اقرار کیا۔(3) قرضدار نے قرض خواہ کے مطالبہ کو کسی دوسرے شخص پر حوالہ کر دیا اور اُس کو قرض خواہ نے مہلت دی تو یہ میعاد صحیح ہے(4) یا ایسے پر حوالہ کیا کہ خود قرضدار کا اس پر میعادی دین تھا تو یہ قرض بھی میعادی ہو گیا۔(5) کسی شخص نے وصیت کی میرے مال سے فلاں کو اتنا روپیہ اتنی میعاد پر قرض دیا جائے اور ثلث مال سے قرض دیا گیا۔(6) یا یہ وصیت کی کہ فلاں شخص پر جو میرا قرض ہے میرے مرنے کے بعد ایک سال تک اُسکو مہلت ہے ان صورتوں میں قرض میعادی ہو جائے گا۔

(بہارشریعت،مبیع و ثمن میں تصرف کا بیان،جلد2،حصہ 11،صفحہ 4-753،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: اس کے علاوہ اور کون سی وجہ ہے جس کی بناء پر قرض کی مقرر کردہ مدت ساقط ہو جاتی ہے اور فوراً لینے کا اختیار ہوتا ہے؟

جواب: مقروض مرجائے تو ادائیگی قرض یعنی جس قرض کی مدت جائز ہوتی ہے جسے دین کہتے ہیں اس کی بھی مدت ختم ہو جاتی ہے اور فوراً مال لینے کا قرض خواہ کو اختیار ہوتا ہے کہ اس کے ترکہ سے لے لے۔تنویر الابصار میں ہے "(قضی المدیون الدین المؤجل

قبل الحلول أو مات)فحل بموته (فـأخذ من تركته لا يأخذ من المرابحة التى جرت بينهما إلا بقدر ما مضى من الأيام وهو جواب المتأخرين) قنية وبه أفتى المـرحـوم أبو السعود أفندى مفتى الروم وعلله بالرفق للجانبين وقد قدمته قبل فـصـل الـقـرض والله أعلم۔" یعنی مقروض کی موت کے سبب قرض حالی (یعنی مدت ختم اور فوراً لے سکتا) ہو جاتا ہے اور مدت ساقط ہو جائے گی۔

(تنویر الابصار مسائل شتی ،قبیل کتاب الفرائض ،جلد10،صفحہ524،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: قرض خواہ مرجائے تو کیا مدت ختم ہو جائے گی اور فوراً اس کے گھر والوں کو رقم واپس دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: مدت مقروض کا حق ہے تو قرض خواہ کے مرنے سے مدت ختم نہ ہوگی اور فی الفور قرض واپس دینا بھی لازم نہ ہوگا بلکہ جب مدت پوری ہوگی اُسی وقت دینا لازم آئے گا۔ البدائع الصنائع میں ہے"ومـوت مـن لـه الدين لا يبطل" ترجمہ: اصول یہ ہے کہ قرض خواہ کے مرنے سے دَین کی مدت باطل نہیں ہوتی۔

(بدائع صنائع ،کتاب البیوع،فصل فی الشرط،جلد04،صفحہ449،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: بعض دفعہ دو افراد کے مابین لین دین کا کوئی وقت متعین ہوتا ہے تو لینے والا بروقت نہ پہنچ سکے تو اسے بعد میں رقم نہیں دی جاتی ،یا بعد میں جب کہا جاتا ہے کہ جب ہوں گے تب دیں گے۔یا کہا جاتا ہے کہ اب اتنے عرصے بعد دیں گے کیونکہ غلطی آپ کی ہے آپ کو جو وقت دیا تھا،آپ اس وقت پر کیوں نہیں پہنچے ہم نے تو فلاں فلاں کو دے دیئے۔اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: جو اس طرح قرض خواہ کو ذلیل کرتا ہے ،اسے چاہیے کہ تنہائی میں بیٹھ کر خود ہی

غور کرے کہ درست کر رہا ہوں یا نہیں؟اس کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ سوچے کہ اگر میں نے پیسے لینے ہوتے اور وقت پر نہ پہنچ پاتا پھر مجھے اس طرح کے جہالت پر مبنی جملے و دلیلیں دی جاتی تو مجھ پر کیا گزرتی؟ بہر کیف اس طرح کرنا جائز نہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ تم مقررہ وقت پر نہیں آئے لہذا اب نہ ملیں گے۔سراسر ظلم وزیادتی اور اپنی قبر بھاری کرنا ہے۔ فوراادا کیا جائے۔العدۃ فی اصول الفقہ میں ہے"الدين المؤجل وهو :إذا باع بثمن مؤجل إلى شهر، ثم انقضى الشهر؛ فإن الحق لا يسقط"ترجمہ:دین مؤجل کی وصولی کے لئے اگر دائن بروقت نہ پہنچ سکا تو اس سے لینے والے کا حق ساقط نہ ہوگا۔"

(العدة في أصول الفقه،باب الاوامر،لايسقط بفوات وقته،جلد1،صفحه 295،رياض)

اللہ عزوجل ایسے لوگوں کو عقل عطا فرمائے۔سوائے اس کے راقم الحروف مزید کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سوال: جس قرض میں مدت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تو اس میں مدت کب سے شروع ہوگی؟

جواب: میعاد اُس وقت سے شروع کی جائے گی جب کہ بائع (بیچنے والے) نے مبیع (جس چیز کو بیچا) مشتری (خریدار) کو دیدی اور اگر مثلاً ایک سال کی میعاد (مدت) تھی مگر سال گزر گیا اور ابھی تک مبیع ہی نہیں دی ہے تو دینے کے بعد ایک سال کی میعاد ملے گی۔(درمختار)

(بہار شریعت،خرید وفروخت کا بیان،جلد2،حصہ 11،صفحہ 627،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

☆...باب چوتھا:ٹال مٹول او رقرض واپس نہ کرنا...☆

شرح السنۃ للبغوی میں ہے"عن البراء بن عازب، قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:صاحب الدين مأسور بدينه، يشكو إلى ربه الوحدة يوم

القیامۃ۔" ترجمہ: شرح سنہ میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحب دَین اپنے دَین میں مقید ہے قیامت کے دن خدا سے اپنی تنہائی کی شکایت کریگا۔

(شرح السنۃ للبغوی، کتاب البیوع،باب التشدید فی الدین،جلد8،صفحہ 203،بیروت)

سوال: ٹال مٹول کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: جو قرض ادا کرنے پر قادر ہے،اس کا ٹال مٹول کرنا حرام ہے۔التلخیص فی اصول الفقہ میں ہے"فلا یجوز لہ تأخیر قضاء الدین مع القدرۃ علیہ"ترجمہ:ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود تاخیر کرنا جائز نہیں۔

(التلخیص فی اصول الفقہ،جلد1،صفحہ 485،الناشر دار البشائر الإسلامیۃ)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"قولہ:مطل الغنی"المطل منع قضاء ما استحق أداءہ وھو حرام من المتمکن" یعنی ادائیگی کرنے میں خواہ مخواہ تاخیر کرنا ادائیگی کی قدرت رکھنے والے کو حرام ہے۔

(شرح طیبی،کتاب البیوع،باب الافلاس،جلد6،صفحہ109، کراچی)

سوال: ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے مقروض فاسق ہوگا یا نہیں؟

جواب: جس کی ٹال مٹول کی عادت ہوجائے وہ فاسق ہے اور اگر لوگوں میں مشہور ہو جائے تو فاسق معلن ہے مگر شرط ہے کہ وہ مفلس نہ ہو،ٹال مٹول کی وجہ سے فاسق وہی ہوگا جو ادائیگی قرض کی طاقت رکھتا ہے۔علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" وقد اختلفوا فی أن الماطل المتمکن ھل یفسق وترد شھادتہ بمرۃ واحدۃ ام لا،حتی یتکرر ذلک منہ ویصیر عادۃ ومقتضی مذھبنا اشتراط التکرار"ترجمہ:اس میں

اختلاف ہے کہ ایک دفعہ سے ٹال مٹول کرنے والا فاسق و مردود الشہادۃ ہوگا یا اس میں فسق کا حکم تکرار و عادت کی بناء پر لگے گا۔ ہمارے مذہب کے مطابق اس میں تکرار شرط ہے۔

(شرح طیبی، کتاب البیوع، باب الافلاس، جلد06، صفحہ109، کراچی)

سوال: "مطل الغنی ظلم" جو حدیث میں آیا، یہاں غنی سے کیا مراد ہے؟

جواب: غنی سے مراد یہ نہیں کہ وہ امیر کبیر ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ قرض دینے پر قادر ہو اگرچہ معاشرے میں اس کی حیثیت مزدور کی سی ہو۔ حاشیہ سندی میں ہے "أراد بالغنی القادر علی الأداء ولو کان فقیرا و مطلہ منعہ أداء ہ و تأخیرہ" ترجمہ: غنی سے مراد یہ ہے کہ وہ قرض ادا کرنے پر قادر ہو اگرچہ بظاہر فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کے ٹال مٹول کرنے سے مراد اس کا ادائیگی میں تاخیر کرنا ہے۔

(حاشیہ سندی علی ابن ماجہ، کتاب الحوالہ، جلد05، صفحہ94)

سوال: ایک بندہ کروڑ پتی ہے لیکن فی الحال اس کے پاس ادائیگی قرض کے واسطے رقم نہیں، وہ کہتا ہے: چار دن بعد دوں گا یا وہ کروڑ پتی کسی دوسرے شہر ہے وہاں سے دس دن بعد آنا ہے، قرض خواہ نے قرض کا مطالبہ کیا، وہاں اتنی رقم پاس نہیں کہ قرض ادا کر دے، اس نے کہا: دس دن بعد آؤں گا تو دے دوں گا، تو کیا یہ بھی ٹال مٹول ہی کے زمرے میں داخل ہے؟

جواب: یہ ٹال مٹول کے زمرہ میں نہیں، حدیث میں جو آیا مالدار کا ٹالنا ظلم ہے اس سے مراد ایسا مالدار جس کے پاس رقم رکھی ہو اور وہ ادائیگی پر قادر ہو اس کے باوجود نہ دے وہ ظالم ہے نہ کہ وہ جو امیر تو ہے لیکن فی الوقت وہ ادا کرنے پر قادر نہیں۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں "ولو کان غنیا ولکنہ لیس متمکنا جازلہ التاخیر الی الامکان"

(شرح طیبی، کتاب البیوع، باب الافلاس، جلد 06، صفحہ 109، کراچی)

سوال: مقروض کے پاس مال یعنی روپیہ ہے۔ دینے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ اگر موقعہ ملے تو اس سے چھیننا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! قرض دینے پر قدرت ہونے کے باوجود قرض نہ دینے کی صورت میں چھین کر لینا بھی جائز ہے۔ مثلاً آپ نے کسی کو ہزار روپے قرض دئے تھے اب اس کے پاس ہزار روپے ہیں اور وہ دینے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو آپ چھین کر بھی لے سکتے ہیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "ولو امتنع المدیون مدیدہ وأخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ۔" یعنی اگر مدیون نہیں دے رہا اور اس کے ہاتھ میں رقم ہے تو چھین کر لے سکتے ہیں۔

(درمختار، کتاب الزکوۃ، جلد 03، صفحہ 226، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: اگر روپیہ ہونے کے باوجود مقروض قرض نہیں دے رہا، تو کیا اس کی کسی چیز کو قابو میں لا کر قرض میں منہا کرنا جائز ہے؟

جواب: یہ ضروری نہیں کہ مقروض کے پاس روپیہ و نوٹ ہی ہوں تو پھر چھیننے کی اجازت ہے، اگر مقروض کے پاس کوئی بھی ایسی چیز ہے وہ کرنسی ہو یا کچھ اور جسے بیچ کر قرض ادا کر سکتا ہے اس کے باجود بھی وہ خواہ مخواہ تاخیر کر رہا ہے تو اس کی کسی بھی چیز کو قابو میں لا کر قرض میں کاٹ لینا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے "قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الأشقر عن شرح القدوری للأخصب إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق، والفتوی الیوم علی جواز الأخذ عند القدرۃ من أی مال کان لا سیما فی دیارنا

لمداومتھم العقوق" یعنی خلاف جنس پر قبضہ کرکے اپنا قرض وصول کرنے کے ناجائز ہونے کا فتویٰ ان کے زمانے میں تھا کہ جب لوگ حقوق کی ادائیگی خوش دلی سے کرتے تھے۔اور ہمارے زمانے میں فتویٰ جواز کا ہے کہ خلاف جنس پر بھی قابض ہوکر اپنا قرض وصول کیا جاسکتا ہے کہ اب لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الحجر ،جلد09،صفحہ255،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: اگر معلوم ہو کہ شے اس کی نہیں بلکہ اس کے پاس کسی کی ہے پھر بھی قرض خواہ اس پر قابو پانے کی صورت میں لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ معلوم ہے کہ مقروض کے پاس جو شے یا مال ہے،اس کا اپنا نہیں،تو اب لینا ناجائز وحرام ہے۔معلوم نہیں تھا تو ناجائز بھی نہ ہوگا۔

(فتاوی رضویہ،جلد19،صفحہ153،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ جو جان بوجھ کر قرض ادا نہیں کرتا یا کرنا چاہتا ہے لیکن اس کا دیوالیہ ہوجاتا ہے،اس کے مال کو نیلام کرکے اپنا قرض وصول کیا جاتا ہے۔اور بعض دفعہ کسی سے اپنا قرض زبردستی لیا جاتا۔اس صورت میں قرض لینے میں کس طرح کے مال سے ابتدا کی جائے؟

جواب: سب سے پہلے نقدی سے قرض وصول کیا جائے۔نقدی نہ ہو یا کم ہو تو گھر کے دیگر سامان ٹی وی فریج وغیرہ کو sale کیا جائے۔اس سے بھی نہ ہو تو جائیداد غیر منقولہ کو بیچا جائے یعنی اس کے مکان و پلاٹ وغیرہ کو اور قرض ادا کیا جائے۔الختصر یہ کہ اگر دین ادا نہ ہو تو فقط ایک سوٹ پہننے کا چھوڑا جائے باقی سب کچھ sale کردیا جائے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "مدیون کا دین نقود سے ادا کیا جائے گا،ان سے نہ ادا

ہو تو دیگر سامان سے اور ان سے بھی نہ ہو تو جائیداد غیر منقولہ سے اور صرف ایک جوڑا کپڑے کا اس کے لئے چھوڑ دیا جائے باقی سب اموال ادائے دَین میں صرف کر دیئے جائیں۔“

(بہارشریعت، کتاب الحجر، جلد03، حصہ 15، صفحہ203، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

إذا كان له مسكن ويمكنه أن يجزى بما دون ذلك المسكن يبيع ذلك المسكن ويصرف بعض الثمن إلى الغرماء ويشترى بالباقى مسكنا لنفسه، وعن هذا قال مشايخنا: إنه يبيع ما لا يحتاج إليه للحال، حتى إنه يبيع اللبد فى الصيف والنطع فى الشتاء، وإذا كان له كانون من حديد أو صفر يبيعه ويتخذ كانونا من طين ثم أى قدر يترك للمديون من ماله ويباع ما سواه لم يذكر محمد -رحمه الله تعالى- هذه المسألة فى شيء من الكتب. وقد روى عن عمر بن عبد العزيز ثلاث روايات: قال: يترك ثيابه ومسكنه وخادمه ومركبه؛ لأنه يحتاج إلى ذلك كله، وفى رواية أخرى يترك ثيابه ومسكنه وخادمه، وبهذه الرواية أخذ بعض القضاة وفى رواية قال: يباع جميع ماله ويؤاجر ويصرف غلته إلى غرمائه، وفى ظاهر رواية أصحابنا -رحمهم الله تعالى- لا يؤاجر، إلا رواية رويت عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى- ولكن إن أجر هو نفسه وأخذ الأجرة يترك له قوت يومه وعياله ويصرف ما سوى ذلك إلى رب الدين، ومن القضاة من قال: إنه إن كان فى موضع الحر يباع ما فوق الإزار وإن كان فى موضع البرد يترك له ما يدفع به من البرد حتى لا يباع جبته وعمامته ويباع ما سوى ذلك. ومن المشايخ من قال: يترك له دست من

الثیاب ویباع ما سوی ذلك .وبه أخذ“

(فتاوی ہندیہ،الباب السادس والعشرون ،جلد3،صفحہ419-، دار الفکر،بیروت)

سوال: کیا باشرع پنچائت یعنی اس علاقے کے بڑے و نامور علماء یا سرکاری کوٹ قرض ادانہ کرنے والے کی جائیداد کو بیچ کر قرض خواہوں کے قرض ادا کریں،شریعت اسلامیہ اس کی اجازت دیتی ہے؟

جواب: باشرع پنچائت یا کوٹ کا ایسا فیصلہ کرنا اور اس کی جائیداد کو خود ہی فروخت کردینا بھی درست ہے،مگر اس کی کچھ شرائط ہیں کہ قرض خواہ قرض کا تقاضا کریں اور مقروض بلاوجہ قرض نہ دے تو اسے حاکم قرض ادا کرنے کا حکم دے،عمل نہ کرے تو پہلے قید کیا جائے حتی کہ وہ اپنا مال بیچ کر قرض ادا کرنے پر مجبور ہو جائے مگر قید کرنے کے باوجود بھی وہ اپنا مال بیچ کر قرض ادا نہ کرے،قرض خواہوں کے تقاضا کی بنیاد پر اس پر خرید و فروخت وغیرہ کے معاملات کرنے پر پابندی عائد کی جائے حتی کہ وہ قرض ادا کرے،اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اگر وہ قرض ادا نہیں کرتا تو اب اجازت حدیث سے ثابت ہے۔چنانچہ مراسیل ابی داؤد میں ہے”فباع النبی صلی اللہ علیه وسلم ماله کله فی دینه ، حتی قام معاذ بغیر شیء “یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت زیادہ قرض تھا،قرض خواہوں نے مہلت نہ دی اور تقاضا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی ہر چیز کو قرض چکانے کی خاطر بیچ ڈالا حتی کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی چیز نہ بچی۔ (مراسیل ابی داؤد،باب فی المفلس،جلد1،صفحہ 192،مکتبۃ شاملہ)

یہ حدیث مشکوۃ میں بھی موجود ہے اور اس کی شرح میں ملاعلی قاری تحریر فرماتے ہیں”(فأتی غرماؤہ إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم)أی طالبین دیونهم (فباع

النبي صلى الله عليه وسلم ماله كله) : أي حقيقة أو حكما بأن أمره ببيع ماله كله (في دينه) : أي لقضاء دينه (حتى قام معاذ بغير شيء . مرسل) : أي هذا حديث مرسل، قال التوربشتي : هذا الحديث مع قافية الإرسال غير مستقيم المعنى لما فيه من ذكر بيع النبي -صلى الله عليه وسلم- مال معاذ من غير أن حبسه أو كلفه ذلك أو طالبه بالأداء فامتنع وكان حقه أن يحبس بها حتى يبيع ماله فيها إذ ليس للحاكم أن يبيع شيئا من ماله بغير إذنه، أقول : ليس من الحديث أن البيع كان إجبارا من غير رضا معاذ مع أن المرسل حجة عندنا وعند الجمهور، لا سيما وهو معتضد بالحديث المتصل الآتي . وأجاب القاضي عنه : بأن الحديث وإن كان مرسلا لا احتجاج به عندنا، لكنه يلزم به لأنه يقبل المراسيل، وفيه دليل على أن للقاضي أن يبيع مال المفلس بعد الحجر عليه بطلب الغرماء (هذا) : أي قوله وروى إلى قوله مرسل (لفظ المصابيح ولم أجده في الأصول) : أي في صحاح الستة وغيرها (إلا في المنتقى) : وهو كتاب لواحد من أصحاب أحمد."

(مرقاۃ المفاتیح،باب الافلاس،جلد5،صفحہ 1960،بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں" یہ حدیث مختصر ہے، اولاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس روپیہ بالکل نہیں، پھر انکی رضا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال نیلام فرمادیا یا فروخت کردیا، اب بھی اس پر ہی عمل ہے، ہاں اگر مقروض نہ تو ادائے قرض کرے، نہ اپنا مال فروخت کرے تب حاکم اسے قید کردے تا کہ وہ اپنا مال خود فروخت کرے قرض ادا کرے یا

حاکم کو فروخت کی اجازت دے، جبراً حاکم اس کا مال فروخت نہیں کرے گا۔ (مرقات) بعض صورتوں میں قرض خواہوں کے مطالبہ پر حاکم خود بھی فروخت کرسکتا ہے، اور دیوالیہ و مجبور بھی کرسکتا ہے کہ اعلان کردے کوئی اس سے لین دین نہ کرے یہ دیوالیہ ہے۔

(مراۃ المناجیح، کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار)

(قوله والصحيح عندهما بيع عقاره كمنقوله) قال الرملي المنقول في كتاب الحجر أن ماله ودينه لو كانا دراهم قضى بلا أمره، وكذا إذا كانا دنانير ولو دينه دراهم وله دنانير أو بالعكس بيع في دينه، وهذا بالإجماع ولم يبع عرضه وعقاره عند أبي حنيفة وعندهما يباع كذا في تبيين الكنز وفي الاختيار وقالا يبيع وعليه الفتوى، وقال القاضي وفي قول صاحبيه يبيع منقوله ولا يبيع عقاره عندهما وفي رواية يبيع كما يبيع المنقول وهو الصحيح"

(البحر، فصل في الحبس، جلد6، صفحه315، بيروت)

سوال: واپس نہ کرنے کی نیت سے قرض لینا کیسا ہے؟

جواب: واپس نہ کرنے کی نیت سے قرض لینا ناجائز ہے اور وہ اللہ سے بروز قیامت چور ہو کر ملے گا۔ اگر قرض لیتے وقت لوٹانے کی نیت نہ ہو تو دنیا میں بھی اس کا نقصان اٹھائے گا اور آخرت میں بھی۔ ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طور پر بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أيما رجل يدين دينا وهو مجمع أن لا يوفيه إياه لقي الله سارقا" ترجمہ: جو قرض لے اور اس کی نیت لوٹانے کی نہ ہو تو وہ اللہ عزوجل سے بحالت چور ملے گا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الصدقات، باب من ادان۔۔، جلد02، صفحه805، بيروت)

سوال: قرض واپس نہ کرنے کی نیت سے لینے کی وجہ سے دنیاوی نقصان کیا ہے؟

جواب: قرض لیا اور نیت یہ ہے کہ واپس نہ کروں گا تو اس کا دنیاوی نقصان یہ ہے کہ اللہ عزوجل اس کی مال ودولت وکاروبار کو تباہ وبرباد کردے گا۔سنن ابن ماجہ میں ہے "عن أبی هريرة أن النبی صلی الله عليه وسلم قال من أخذ أموال الناس يريد إتلافها أتلفه الله۔" ترجمہ:جو کسی سے مال لے کہ ضائع کرے گا،واپس نہیں کرے گا۔اللہ عزوجل اس کا مال ضائع کرے گا۔

(سنن ابن ماجه ،كتاب الصدقات، باب من ادان دينا،حديث:2411،جلد02،صفحه 806،بيروت)

سوال: جس کو استطاعت تھی پھر بھی قرض ادا نہ کیا،بلاوجہ تاخیر سے کام لیتا رہا،حتی کہ مر گیا اور ادائیگی کی وصیت بھی نہ کی تو اس کے لئے آخرت میں کیا عذاب ہے؟

جواب: بلاوجہ قرض ادا نہ کیا آخرت میں اس کی ادائیگی انتہائی مشکل ومہنگی پڑے گی۔آخرت میں ادائیگی قرض کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کی نیکیاں اِن کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیونکر(کس انداز سے)دی جائیں گی تقریباً تین پیسہ دَین(قرض)کے عوض سات سو نمازیں باجماعت کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔اللہ عزیز غفار کی پناہ۔ت)

(فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ69،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

یعنی تین پیسے دبا لینے کا وبال یہ ہے کہ بروزِ قیامت جس کے تین پیسے بھی دبائے ہوں گے اُسے سات سو باجماعت نمازیں دینی ہوں گی۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں"وعن أبی هريرة عن النبی قال من أخذ أموال الناس يريد إداء ها أی من استقرض احتياجا وهو يقصد اداء ه ويجتهد فيه أدی الله عنه أی أعانه علی

إدائه في الدنيا أو أرضى خصمه في العقبى ومن أخذ يريد إتلافها أى ومن استقرض من غير احتياج ولم يقصد إداء ه أتلفه الله عليه أى لم يعنه ولم يوسع عليه رزقه بل يتلف ماله لأنه قصد إتلاف مال مسلم۔" یعنی ابو ہریرہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے لوگوں سے قرض لئے اور ان کو واپس کرنے کی نیت رکھی۔۔۔الخ۔ اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ضرورت کی وجہ سے قرض لیا اور ادا کی کوشش بھی رکھے تو اللہ اس کی طرف سے ادا کر دے گا یعنی اللہ عزوجل دنیا میں مقروض کی مدد کرے گا اور آخرت میں قرض خواہ کو راضی فرما دے گا۔ اور جس نے بلاضرورت قرض لیا اور واپس کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے گا اور اس کی روزی میں برکت نہ ڈالے گا بلکہ کسی مسلمان کے مال کو دبانے کی وجہ سے اللہ جل جلالہ اس کا مال ضائع کر دے گا۔

(مرقاۃ المفاتیح ،کتاب البیوع،باب الافلاس ،جلد06،صفحہ110،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: بروز قیامت اگر مقروض کے پاس نیکیاں ہی نہ ہوئیں تو پھر کیا ہوگا؟

جواب: جب مقروض کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی تو قرض خواہوں کے گناہ مقروض کے سر پر رکھے جائیں گے "ویلقی فی النّار" اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلف صالحین کے احوال طیبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دین متین پر جرأت ہے، اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دُیون (قرضوں) سے پاک ہو، موت کو دور نہ جانے، آگ کا عذاب سہانہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

(فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ69،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: بعض لوگ قرض واپس نہیں کرتے تو بے چارہ قرضخواہ کہتا ہے کہ دنیا میں نہ دو گے تو آخرت میں ضرور وصول کروں گا۔اس کے جواب میں بد بخت مقروض کہتا ہے کہ چلواب قیامت کے دن ہی لینا۔یہ کیسا ہے؟

جواب: سخت حرام اور طریقہ کفار ہے۔کافر اس طرح کرتے ہیں۔اللہ عزوجل قرآن مجید فرقان حمید میں اس کے بارے کچھ یوں ارشاد فرماتا ہے ﴿اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا﴾ ترجمہ: تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور مال واولاد ملیں گے۔ (سورۃ مریم،آیت نمبر77)

مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں"شانِ نزول: بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت خباب بن ارت کا زمانہ جاہلیت میں عاص بن وائل سہمی پر قرض تھا وہ اس کے پاس تقاضے کو گئے تو عاص نے کہا کہ میں تمہارا قرض نہ ادا کروں گا جب تک کہ تم سیدِ عالم محمدِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر نہ جاؤ اور کفر اختیار نہ کرو حضرت خباب نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ تو مرے اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھے، وہ کہنے لگا: کیا میں مرنے کے بعد پھر اٹھوں گا؟ حضرت خباب نے کہا: ہاں! عاص نے کہا: تو پھر مجھے چھوڑ یئے یہاں تک کہ میں مرجاؤں اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں اور مجھے مال واولاد ملے جب ہی آپ کا قرض ادا کروں گا۔اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازِل ہوئیں۔"

سوال: ایک بندہ ٹال مٹول کرتا رہا یعنی جان بوجھ کر قرض میں تاخیر کی حتی کہ قرض ادا کئے بغیر مرگیا بعد میں ورثاء نے اس کا قرض ادا کردیا تو کیا وہ بری الذمہ ہوگیا؟

جواب: یہاں اگرچہ قرض کا بھار ختم ہوگیا مگر اپنی زندگی میں خوامخواہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کی وجہ سے جس طرح اس نے بندے کا حق مارا اسی طرح اس نے اللہ عزوجل کے فرمان کے بھی خلاف کیا، تو قرض اگرچہ ادا ہوگیا مگر تاخیر کا گناہ اس کے سر ابھی بھی باقی ہے جسے اللہ چاہے تو معاف کردے کیونکہ اب یہ خاص اللہ کا حق ہے۔ شامی میں ہے "أقول :لا مانع من كون المراد به سقوط المطالبة عن الميت بالصوم في الآخرة وإن بقي عليه إثم التأخير كما لو كان عليه دين عبد وماطله به حتى مات فأوفاه عنه وصيه أو غيره ويؤيده تعليق الجواز بالمشيئة" (شامی)

☆پانچواں باب: قید اور قیدی مقروض کے مسائل۔☆

سوال: غریب مقروض جو ابھی ادائیگی قرض کی استطاعت نہیں رکھتا اسے حوالہ پولیس کرنا اس وجہ سے کہ قرض نہیں دے رہا، جائز ہے یا نہیں؟

جواب: غریب مقروض کو پولیس کے حوالے کرنا جائز نہیں کہ خلاف حکم قرآنی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ﴾ ترجمہ قرآن کنزالایمان: اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔

(سورۃ البقرۃ، آیت 280)

کیونکہ حوالہ پولیس کرنا منافی مہلت وبلا مفید ہے۔ "ولأن الحبس لدفع الظلم بإيصال حقه إليه ولو ظلم فيه لعدم القدرة ولأنه إذا لم يقدر على قضاء الدين لا يكون الحبس مفيدا ؛ لأن الحبس شرع للتوسل إلى قضاء الدين لا لعينه" یعنی قید اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ قرضدار اپنے حق کو وصول کرلے اور جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں اسے قید میں ڈالنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ

نہیں کہ قید کا جواز اس لئے رکھا گیا تا کہ مقروض اس کے خوف سے قرض ادا کر دے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الحجر، الفصل الثانی، جلد06، صفحہ179، مطبوعہ کوئٹہ)

شرح طیبی میں ہے: "قولہ: ولیس لکم الاذلك" ای لیس لکم زجرہ وحبسہ لانہ ظھر افلاسہ واذاثبت افلاس الرجل لایجوز حبسہ بالدین بل یخلی ویمھل الی أن یحصل لہ مال فتأخذالغرماء" ترجمہ: تمہیں اس پر سختی کرنے اور قید کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس کا مفلس ہونا معلوم ہو چکا اور جب کسی کا افلاس (غربت) ثابت ہو جائے تو اسے قید کروانا جائز نہیں بلکہ اسے مہلت دینا لازم ہے حتی کہ ادائیگی پر قادر ہو جائے۔

(شرح طیبی، کتاب البیوع، باب الافلاس، جلد06، صفحہ106، کراچی)

سوال: مقروض کو قید کرنے میں قرض کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: مقروض کو قید کرنے کی شرط یہ ہے کہ دین مؤجل نہ ہو۔ اور اگر مؤجل تھا تو اس کی مدت مکمل ہو چکی ہو۔ علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "(أما) الذی یرجع إلی الدین فھو أن یکون حالا فلا یحبس فی الدین المؤجل؛ لأن الحبس لدفع الظلم المتحقق بتأخیر قضاء الدین، ولم یوجد من المدیون؛ لأن صاحب الدین ھو الذی أخر حق نفسہ بالتأجیل؛ وکذا لا یمنع من السفر قبل حلول الأجل سواء بعد محلہ أو قرب؛ لأنہ لا یملك مطالبتہ قبل حل الأجل، ولا یمکن منعہ ولکن لہ أن یخرج معہ حتی إذا حل الأجل منعہ من المضی فی سفرہ إلی أن یوفیہ دینہ۔" ترجمہ: جس کی شرائط میں وہ شرط جس کا تعلق خاص قرض کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ قرض حالی ہو مؤجل نہ

ہو، لہٰذا دَین کے مؤجل ہونے کی صورت میں مدیون کو قید نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قید ثابت شدہ ظلم کے ازالہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور ظلم کا ثبوت تاخیر سے ہوتا ہے اور یہاں ابھی تاخیر ہوئی نہیں، کیونکہ دائن یعنی قرض خواہ نے دین کی مدت طے کر کے اپنے حق کو مؤخر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدیون کو مدت پوری ہونے سے پہلے سفر کرنے سے نہیں روکا نہیں جا سکتا کیونکہ دائن مدت پوری ہونے سے پہلے دین کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ دائن کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ مدیون کے ساتھ سفر اختیار کرے تاکہ جب مدت پوری ہو جائے تو اسے مزید سفر جاری رکھنے سے روک سکے حتی کہ اپنا دین وصول کر لے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، فالفصل الثانی، جلد 7، صفحہ 173، بیروت)

سوال: مقروض کو قید کرنے سے متعلق کوئی ایسی شرط بھی ہے جس کا تعلق خاص مدیون (مقروض) کے ساتھ ہو؟

جواب: جی ہاں! مقروض کو پولیس کی قید میں دینے سے متعلق دو شرطیں ایسی ہیں کہ جن کا مقروض میں نہ ہونا ضروری ہے۔

(1) مقروض کو ادائیگی قرض پر قدرت ہو اور نہ دے تو اسے قید کر سکتے ہیں۔

(2) دوسرا یہ کہ جس مقروض کو قید کرنا ہے وہ قرض خواہ کا والد وغیرہ نہ ہو۔ یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو کہ اس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال نہیں تو اب اسے قید نہیں کر سکتے اور اسی طرح اگر مقروض قرض خواہ کا باپ وغیرہ ہے تو اسے بھی قید نہیں کر سکتے۔

علامہ علاء الدین ابی بکر بن سعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "(واما الذی یرجع إلی المدیون فمنها القدرة علی قضاء الدین حتی لو کان معسرا لا یحبس لقوله سبحانه وتعالی (وإن کان ذو عسرة فنظرة إلی

میسرۃ)(البقرۃ، 280)ترجمہ:وہ شرط جس کا تعلق خاص مدیون کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ مدیون ادائیگی پر قادر ہو لہٰذا اس کے تنگ دست ہونے کی صورت میں اسے قید نہیں کیا جائے گا کہ اللہ عزوجل کا حکم ہے"تنگ دست کو آسانی تک مہلت دو۔"

(بدائع صنائع، کتاب الحضروالحبس،فالفصل الثانی ،جلد7،صفحہ 173،بیروت)

اس صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں" ومنھا، أن یکون من علیہ الدین ممن سوی الوالدین لصاحب الدین فلا یحبس الوالدون وإن علوا بدین المولودین وإن سفلوا لقولہ تبارك وتعالی (وصاحبھما فی الدنیا معروفا) (لقمان15 :) وقولہ تعالی (وبالوالدین إحسانا) (الإسراء 23 :) ولیس من المصاحبۃ بالمعروف والإحسان حبسھما بالدین إلا أنہ إذا امتنع الوالد من الإنفاق علی ولدہ الذی علیہ نفقتہ فإن القاضی یحبسہ لکن تعزیرا لا حبسا بالدین"ترجمہ:جس مقروض کو قید میں ڈالنا ہے اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قرض خواہ کا والد نہ ہو لہٰذا مقروض باپ ،دادا اوپر تک کسی کو اپنے قرض کی وجہ سے قید نہیں کر سکتے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضروالحبس،الفصل الثانی ،جلد7،صفحہ 173،بیروت)

قرض کی وجہ سے کس کس کو قید کر سکتے ہیں اور کسے نہیں کر سکتے؟

مقروض اگر بلاوجہ قرض نہ دے تو اسے پولیس کے حوالے کرنا شرعاجائز ہے۔حقیقی بھائی یعنی سگا بھائی ،بہن، چچا،خالو،شوہر،بیوی ،مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر،ہاتھ پاؤں سلامت ہوں یا معذوران سب کو پولیس کے حوالے کرایا جا سکتا ہے اگر یہ قرض واپس نہ دیں۔"قال محمد -رحمہ اللہ تعالی- فی کتاب الحوالۃ: ویحبس فی الدیون کلھا کائنا من کان من أخ أو عم أو خال أو زوج أو زوجۃ أو امرأۃ أو رجل مسلما کان أو ذمیا أو حربیا مستأمنا أو صحیحا أو زمنا أو

مقعدا أو مقطوع الید" عبارت کا ترجمہ وہی جو اوپر لکھ دیا گیا۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس والعشرون، جلد3، صفحہ413، دار الفکر، بیروت)

سوال: کتنے اور کون سے افراد ہیں کہ انہیں قرض کی وجہ سے قرض خواہ قید نہیں کروا سکتا؟

جواب: پانچ افراد ایسے ہیں کہ وصولی قرض کے واسطے شرعا ان پر مقدمہ نہیں کر سکتے۔ وہ یہ ہیں:۔

(1) والد---(2) دادا---(3) ماں---(4) دادی، نانی---(5) بوجہ دیت---۔ان کے علاوہ افراد پر مقدمہ کرنا اور اپنا قرض وصول کرنے کے واسطے حوالہ پولیس کرنا جائز ہے۔النتف میں ہے"ویحبس فی الدین کل أحد الاخمسة نفر:۔

﴿1﴾ أحدھم الوالدلایحبس فی دین ولدہ

﴿2﴾ الجدلایحبس فی دین ولدولدہ

﴿3﴾ لاتحبس الام فی دین ولدھا

﴿4﴾ الجدة لاتحبس فی دین ولدولدھا

﴿5﴾ لاتحبس العاقلة فی الدیة۔ جواب ہی اس کا ترجمہ ہے۔

(النتف فی الفتاوی، کتاب الحجر، باب من لایحبس فی الدین، صفحہ 460، کراچی)

سوال: باپ اپنے بیٹے کا مقروض تھا اور اس قرض میں باپ کا کوئی ضامن بھی ہے اب قرض واپس نہیں مل رہا تو والد صاحب کو پولیس کے حوالے کرنا جائز نہیں تو کیا جو ان کا ضامن بنا تھا اسے پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں تاکہ کسی طرح اپنا قرض وصول ہو؟

جواب: جب مقروض باپ کو قید نہیں کر سکتے جو کہ اصل ہے تو ضامن کو بھی قید نہیں کر سکتے کیونکہ اصل مقروض تو باپ ہے اور ضامن ضمنا، جب اصل کو قید نہیں کیا جا سکتا تو جو ضمنا ہے

اسے بھی قید نہیں کرایا جاسکتا۔ ردالمحتار میں ہے"(قوله:هذا إذا كفل بأمره إلخ) تقييد لقول المصنف فإن لوزم لازمه إلخ، وقيده أيضا في البحر بحثا بما إذا كان المال حالا على الأصيل كالكفيل وإلا فليس له ملازمته اهـ، وقيده في الشرنبلالية أيضا بما إذا لم يكن المطلوب من أصول الطالب، فلو كان أباه مثلا ليس له حبس الكفيل لما يلزم من فعل ذلك بالمطلوب وهو ممتنع، أي لأنه لا يحبس الأصل بدين فرعه، وإذا امتنع اللازم امتنع الملزوم"

(ردالمحتار، کتاب الکفالۃ،مطلب في تعليق الكفالة،متى ادى بكفالة فاسدة، جلد5 ،صفحہ 316)

سوال: بچے کو قید کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:"وأما الصبي الحر فبعض المشايخ رحمهم الله تعالى مالوا إلى الحبس وجعلوه كالبالغ، وبعضهم قالوا :إذا كان له وصي يحبس تأديبا حتى لا يعود لمثله وليضجر الوصي فيتسارع إلى إلقاء الدين، وإن لم يكن له أب أو وصي لم يحبس، فأما إذا كان محجورا عليه فقد ذكر في بعض المواضع أنه إن كان له أب أو وصي يحبس بدينه يعني الأب أو الوصي وإن لم يكن له أب أو وصي نصب القاضي قيما لبيع من ماله بقدر الدين ويوفي الغرماء حقهم، كذا في الملتقط" بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ اسے بھی قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے قید کیا جائے گا اور بعض نے کہا اگر اس کا باپ یا وصی ہے تو پھر اسے تادیبا قید کیا جائے گا تا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے اور باپ ووصی کو مجبور کیا جائے کہ جلد سے جلد قرض ادا کریں اور اس کا باپ یا وصی نہیں ہے تو پھر اسے قید نہیں کیا جائے گا، اور اگر وہ محجور ہے تو پھر اس کی جگہ اس کے باپ یا وصی کو قید کیا جائے گا اور اگر یہ ان دونوں میں سے کوئی

نہیں تو قاضی اسلام کسی کو مقرر کرے گا کہ وہ بچے کا مال اتنا بیچ دے کہ جس سے قرض ادا کیا جا سکے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس والعشرون، جلد3، صفحہ413، دار الفکر، بیروت)

سوال: کافر کو مسلم اور مسلم کو کافر کے قرض کے عوض قید کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر مسلمان کسی ذمی کافر کا قرض نہیں دے رہا تو مسلمان کو بھی اس وجہ سے قید کیا جائے گا اور اسی طرح ذمی کو بھی مسلمان کا قرض نہ دینے کی وجہ سے قید کیا جائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "ویحبس المسلم بدین الذمی والذمی بدین المسلم وکذا المستأمن، کذا فی الخلاصة" ترجمہ: ذمی کے قرض کی وجہ سے مسلمان کو اور مسلمان کے قرض کی وجہ سے ذمی کو قید کیا جا سکتا ہے اور یہی حکم مستامن کا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس والعشرون، جلد3، صفحہ414، دار الفکر، بیروت)

سوال: قرض خواہ کے لئے مقروض کو قید کروانے کے جائز ہونے میں قرض کی کتنی مقدار ہونا ضروری ہے؟

جواب: قید کروانے میں درہم شرعی کے چھٹا حصہ برابر (جسے دانق کہتے ہیں) قرض کی مقدار کا ہونا ضروری ہے۔ "(قولہ وضیاع ما قیمتہ درهم) قال فی مجمع الروایات: لأن ما دونہ حقیر فلا یقطع الصلاة لأجلہ؛ لكن ذكر فی المحیط فی الکفالة أن الحبس بالدانق یجوز، فقطع الصلاة أولی، وهذا فی مال الغیر، أما فی مالہ لا یقطع .والأصح جوازہ فیهما۔"

(ردالمحتار، کتاب الصلوة، فروع اشتمال الصلاة)

المنجد میں ہے "الدانق: درہم کے چھٹے حصہ کا ایک سکہ۔"

آج کل دس درہم شرعی پاکستانی کرنسی کے مطابق 3240 روپے کے برابر ہے۔ اور ایک درہم شرعی 324 روپے کا ہوا اور ایک درہم کا چھٹا حصہ تقریباً 54 روپے کے برابر ہوا۔ اس سے کم قرض ہونے کی صورت میں قید کرانا شرعاً درست نہیں۔

سوال: باپ اپنے بیٹے کو قرض کی وجہ سے قید کرواسکتا ہے یعنی پولیس کے حوالے کرواسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! باپ اپنے بچے کو قدرت ہونے کے باوجود قرض نہ دینے کی وجہ سے پولیس کے حوالے کرسکتا ہے۔ بدائع میں ہے "(وأما) الولد فيحبس بدين الوالد؛ لأن المانع من الحبس حق الوالدين،" خلاصہ عبارت یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو قرض کی وجہ سے قید کراسکتا ہے۔ کیونکہ مانع حبس حق والدین ہے اور وہ یہاں ہے نہیں۔"

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، فالفصل الثانی ، الحبس، جلد 7، صفحہ 173، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال: رشتے دار بعض دفعہ خواہ مخواہ قرض واپس نہیں کرتے کیا انہیں پولیس کے حوالے کراسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! سوائے والدین کے بلاوجہ قرض میں تاخیر کی وجہ سے قریبی رشتے دار کو پولیس کے حوالے کراسکتے ہیں۔ بدائع میں ہے "وكذا سائر الأقارب يحبس المديون بدين قريبه كائنا من كان،" ترجمہ: تمام قریبی رشتہ داروں کو قرض کی وجہ سے قید میں ڈال سکتے ہیں خواہ کتنا ہی قریبی ہو۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، فالفصل الثانی ، الحبس، جلد 7، صفحہ 173، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال: اگر عورت قرض لے اور بعد میں بلا وجہ واپس نہ کرے تو اسے بھی قید کروا سکتے ہیں؟

جواب: عورت اجنبی ہو یا رشتے دار سوائے اپنی ماں نانی و دادی کے ہر طرح کی عورت کو بلا وجہ شرعی قرض واپس نہ کرنے کی وجہ سے پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں۔ بدائع میں ہے "ویستوی فی الحبس الرجل والمرأة؛ لأن الموجب للحبس لا یختلف بالذکورة والأنوثة۔" خلاصہ عبارت یہ ہے کہ قرض نہ دینے کی وجہ سے قید کرنے میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں کیونکہ جو قید کا موجب ہے وہ مرد و عورت کی وجہ سے مختلف نہیں بلکہ ایک ہی ہے لہذا دونوں کے لئے حکم بھی ایک ہی ہے۔"

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، فالفصل الثانی، الحبس، جلد 7، صفحہ 173، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال: کیا مقروض کو قید کرنے میں ایسی شرط بھی ہے جس کا قرض خواہ کی طرف سے ہونا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! مقروض کو قید کرنے میں ایسی شرط بھی ہے جس کا قرض خواہ کی طرف سے پایا جانا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ قرض خواہ اسے قید کرنے کا مطالبہ کرے۔ یعنی پولیس وغیرہ کو خود یہ اختیار نہ ہوگا کہ منہ اٹھا کر آئے اور مقروض کو سلاخوں کے پیچھے کر دے۔ بدائع میں ہے "(وأما) الذی یرجع إلی صاحب الدین فطلب الحبس من القاضی فما لم یطلب لا یحبس؛ لأن الدین حقه، والحبس وسیلة إلی حقه، ووسیلة حق الإنسان حقه وحق المرء إنما یطلب بطلبه فلا بد من الطلب للحبس۔" ترجمہ: وہ شرط جس کا قرض خواہ کی طرف سے ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ قاضی سے مقروض کی قید کا مطالبہ کرے، اگر اس نے مقروض کی قید کا مطالبہ نہ کیا تو اسے

قید نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرض قرض خواہ کا حق ہے اور قید کرنا اپنے حق کو وصول کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس ذریعے کو اختیار کرنے کا حق بھی صاحب حق ہی کو ہے اور وہ اسی صورت میں ہوگا جب وہ اس کا مطالبہ کرے گا لہٰذا قید کے لئے قرض خواہ کا قید کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، الفصل الثانی، جلد7، صفحہ 173، بیروت)

سوال: قرض خواہ نے مقروض کو پکڑ لیا اور رہائی ادائیگی قرض پر شرط رکھی۔ قرض خواہ سفر میں بھی مقروض کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اب مقروض قرض خواہ کے تابع ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر مقروض تنگ دست ہے یعنی اس کے پاس قرض واپس کرنے کی استطاعت نہیں تو مقروض قرض خواہ کے تابع ہوگا یعنی اگر وہ مسافر ہے تو یہ بھی مسافر ہوگا اور قصر نماز پڑھے گا۔ اور اگر تنگ دست نہیں تو اب یہ تابع نہ ہوگا، اس کی اپنی نیت کا اعتبار ہوگا۔ نیز اگر مقروض یہ پختہ ارادہ کرلے کہ میں نے قرض دینا ہی نہیں تو اب خواہ تنگ دست ہو یا نہ ہو بہر صورت یہ قرض خواہ کے تابع ہوگا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "لمحبوس بالدین والملازم به یعتبر فیه نیة صاحب الدین إن كان المطلوب معسرا أو إن كان موسرا یعتبر فیه نیة المطلوب حتی لو عزم أن لا یقضی دینه فهو كالمعسر، كذا فی المضمرات۔"

(فتاوی عالمگیری، کتاب الصلوۃ، الباب الخامس، جلد 01، صفحہ 141، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک شخص دو افراد کا مقروض ہے، ایک کا قرض زیادہ ہے اور دوسرے کا کم، جس کا قرض کم ہے اس نے مقروض کو پولیس کے حوالے کرا دیا تو کیا زیادہ قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اسے رہا کرا دے؟

جواب: زیادہ قرض والے کوایسا کرنے کی شرعا اجازت نہیں۔اگر چہ دوسرے کا قرض کم ہے پھر بھی اس کی مرضی کے اس کو رہا کرنا جائز نہیں۔فتاوی ہندیہ میں ہے "لھما علی رجل دین لأحدھما القلیل وللآخر الأکثر لصاحب القلیل حبسه ولیس لصاحب الأکثر إطلاقه بلا رضاہ، "ترجمہ:ایک شخص پر دوافراد کا قرض ہے ایک کا کم دوسرے کا زیادہ جس کا کم ہے اس نے قید کرادیا تو زیادہ قرض والے کو اسے رہا کرانے کا اختیار نہیں۔

(فتاوی ہندیہ،الباب السادس والعشرون ،جلد3،صفحہ414-، دار الفکر،بیروت)

سوال: ایک کا قرض کم اور دوسرے کا زیادہ پہلے دونوں نے باہم رضامندی سے اسے پولیس کے حوالے کیا،بعد میں ایک کا ذہن بن گیا کہ اسے رہا کروادیا جائے تو کیا اب وہ ایسا کرسکتا ہے؟

جواب: بالکل نہیں کرسکتا،اس کی رہائی کے لئے دونوں کا راضی ہونا شرط ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے"لھما علی رجل دین لأحدھما القلیل وللآخر الأکثر لصاحب القلیل حبسه ولیس لصاحب الأکثر إطلاقه بلا رضاہ، وان ارادا حدھما اطلاقه بعدما رضیا بحسبه لیس له ذلك"ترجمہ:ایک شخص پر دوافراد کا قرض ہے ایک کا کم دوسرے کا زیادہ جس کا کم ہے اس نے قید کرادیا تو زیادہ قرض والے کو اسے رہا کرانے کا اختیار نہیں۔دونوں نے رضامندی سے اسے قید کرایا اب ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کی رضامندی سے اسے آزاد نہیں کراسکتا۔

(فتاوی ہندیہ،الباب السادس والعشرون ،جلد3،صفحہ414-، دار الفکر،بیروت)

سوال: مقروض نے قرض کے عوض کوئی شے رہن رکھی۔اور اب قرض کی ادائیگی میں

بلا وجہ تاخیر کر رہا ہے اور قرض خواہ کے مانگنے پر کہہ دیتا ہے کہ رہن کس وجہ سے رکھا تھا تو کیا ایسی صورت حال میں قرض خواہ مقروض کو پولیس کے حوالہ کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ضرور اس پر مقدمہ کر سکتا ہے اور اسے پولیس کے حوالہ کر سکتا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''قاضی کے پاس دَین کا دعویٰ کر سکتا ہے اور قاضی کو اگر ثابت ہو جائے کہ مدیون ادائے دَین میں ڈھیل ڈال رہا ہے تو اسے قید بھی کر سکتا ہے کہ ایسے کی یہی سزا ہے۔''

(بہارشریعت،رہن کابیان،جلد03،حصہ 17،صفحہ 701،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مقروض کو قید کیا، پھر معلوم ہوا کہ اب اس وقت یہ ادائیگی کے قابل نہیں تو کیا اسے چھوڑ دیا جائے گا؟

جواب: جی ہاں! جب اس کے پاس ادائیگی قرض کے واسطے کچھ نہیں تو اسے قید میں رکھنا فضول ہے۔ اسے چھوڑ دیا جائے گا اور جب روپے آئیں گے تو وہ ادا کرے گا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''مدیون دین کی وجہ سے قید کیا گیا اور اس کے پاس یہی زمین ہے جو مزارعت پر اٹھا چکا ہے اور زمین میں کچی زراعت ہے جس کی وجہ سے بیچ نہیں کی جا سکتی کہ بیچ کر دین ادا کیا جاتا تو اسے قید خانہ سے رہا کیا جائے گا کہ دین کی ادا میں جو کچھ دیر ہوگی وہ عذر سے ہے۔''

(بہارشریعت،مزارعت کابیان،جلد3،حصہ 15،صفحہ 298،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(فتاوی ہندیہ،الباب السادس والعشرون ،جلد3،صفحہ 417، دار الفکر،بیروت)

سوال: ایک شخص جو کہ چند افراد کا مقروض ہے اسے قید کیا گیا تو اس نے کچھ کا قرض ادا کر دیا اور کچھ کا ابھی باقی تو کیا اسے اب چھوڑ دیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: اسے چھوڑا نہیں جائے گا جب تک کہ سب کے قرض ادا نہ کرے ہاں جن کا قرض ادا کرنا باقی ہے وہ سب اسے چھوڑنے پر راضی ہو جائیں تو پھر اسے چھوڑنا جائز ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے"وإذا كان الرجل محبوسا بدين رجلين فأدى إلى أحدهما لا يخرج من السجن حتى يؤدي حق الآخر، وهذه المسألة دليل على أن للمحبوس أن يؤثر بعض الغرماء على البعض وقد نص في فتاوى النسفي على ذلك .وصورة المسألة المذكورة ثمة :رجل عليه ألف درهم لثلاثة نفر لواحد منهم خمسمائة ولواحد منهم ثلثمائة ولواحد منهم مائتان؛ فاجتمع الغرماء وحبسوه بديونهم في مجلس القضاء وماله خمسمائة كيف يقسم ماله بينهم؟ قال :إذا كان المديون حاضرا فإنه يقضي ديونه بنفسه وله أن يقدم البعض على البعض في القضاء ويؤثر البعض على البعض؛ لأنه يتصرف في خالص ملكه لم يتعلق به حق أحد فيتصرف فيه على حسب مشيئته" ترجمہ: جب کوئی ایک سے زیادہ افراد کا مقروض ہو اور قرضے کی وجہ سے اسے قید کیا گیا ہو، اس نے ایک کا قرض ادا کر دیا تو دوسرے رہا نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ سب کا قرض ادا نہ کر دے، بقیہ عبارت کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقروض جس کا چاہے پہلے قرض ادا کرے اور جس کا چاہے بعد میں ادا کرے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس والعشرون ،جلد3،صفحہ417-، دار الفکر، بیروت)

سوال: زید نے چند افراد سے قرض لیا۔ اب اتنا غریب ہو گیا کہ قرض کی ادائیگی کی فی الحال کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ایک قرض خواہ نے اس پر مقدمہ کیا اسے پولیس نے پکڑ لیا۔ بعد تحقیق اس کا غریب ہونا ثابت ہو گیا اور قرض خواہ نے مقدمہ واپس لے لیا اور پولیس نے

چھوڑ دیا اور اسے مزید مہلت دے دی گئی۔اب دوسرے قرض خواہ اس پر مقدمہ وقید وغیرہ کر سکتے ہیں؟

جواب: جب ایک قرض خواہ کے نزدیک اس کا غریب ہونا ثابت ہو چکا تو اب دوسرے اسے قید نہیں کروا سکتے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "یونہی اگر مدیون کا دیوالیہ ہونا ایک قرض خواہ کے مقابل میں ثابت ہوا تو یہ سبھی کے مقابل ثبوت ہو گیا کہ دوسرے قرض خواہ بھی اسے قید نہیں کرا سکتے۔"

(بہار شریعت،دعوی وشہادت کا بیان،جلد2،صفحہ 600،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: تنگ دست کو قید نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: تنگ دست کو قید نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قید قرض وصول کرنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔اور جب اس کے پاس مال ہی نہیں کہ جس سے وہ قرض ادا کرے تو قید میں ڈالنے کی صورت میں سوائے اپنی ہی پریشانی بڑھ جانے کے کوئی فائدہ نہیں۔علامہ علاء الدین ابی بکر بن سعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" ولأن الحبس لدفع الظلم بإيصال حقه إليه ولو ظلم فيه لعدم القدرة ولأنه إذا لم يقدر على قضاء الدين لا يكون الحبس مفيدا؛ لأن الحبس شرع للتوسل إلى قضاء الدين لا لعينه، ومنها المطل وهو تأخير قضاء الدين لقوله -عليه الصلاة والسلام -مطل الغني ظلم فيحبس دفعا للظلم لقضاء الدين بواسطة الحبس، وقوله -عليه الصلاة والسلام -لي الواجد يحل عرضه وعقوبته والحبس عقوبة، وما لم يظهر منه المطل لا يحبس لانعدام المطل واللي منه "ترجمہ:قید ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اس طرح کہ وہ دائن کا اسے حق واپس کرے گا۔اور جب اسے قدرت ہی نہیں کہ دین واپس

کرے تو اسے قید کرنے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ قید کا جواز شرع نے ادائیگی دین کے واسطے رکھا ہے یعنی مقصود دین کی ادائیگی ہے نہ اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھانا۔ تاخیر کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے کیونکہ سرکار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: قوت والے کا ادائیگی دین میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اور جب اس کے پاس رقم ہے نہیں تو گویا اس کی طرف سے معنی تاخیر بھی نہ پایا۔ (بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، الفصل الثانی، جلد 7، صفحہ 173، بیروت)

سوال: محتال (قرض خواہ) نے محتال علیہ (جس پر قرض کا حوالہ کیا جائے) کو قید کروا دیا یا خود پکڑ لیا تو کیا محتال علیہ اصیل (اصل مقروض) کو قید کروا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! قید کروا سکتا ہے۔ "وإذا حبس كان له أن يحبس الأصيل حتى يخلصه عن ذلك كما في الكفيل كذا في المحيط" ترجمہ: اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قید کرا دیا تو یہ محیل کو قید کرا سکتا ہے۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالة، الباب الثانی، جلد 03، صفحہ 298، دار الفکر، بیروت)

یاد رہے کہ قرض خواہ ضامن کو قید کروا سکتا ہے اور ضامن مقروض کو۔ اس میں شرطیں ساری وہی ہوں گی جو قید کروانے میں ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتاب الکفالۃ میں ضمنا موجود ہے۔

سوال: کسی نے رہن (گروی) رکھ کر قرض لیا۔ یا ضامن دے کر قرض لیا۔ اب قرض خواہ کو اس کے بلا وجہ قرض میں تاخیر کرنے کی وجہ سے قید کرانے کا حق ہوگا یا نہیں؟

جواب: قرض گروی رکھ کر لیا ہو یا ضامن دے کر، بلا وجہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کی بناء پر قرض خواہ قید کروا سکتا ہے کیونکہ رہن و کفالت کی وجہ سے حق حبس ساقط نہیں ہوتا۔ رد المحتار میں ہے "ولا يسقط حق الحبس بالرهن ولا بالكفيل۔" رہن و کفالت کی

وجہ سے حق حبس ساقط نہیں ہوتا

(ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی حبس المبیع لقبض الثمن، جلد7، صفحہ 94، کوئٹہ)

سوال: کیا قرض خواہ مقروض اور مقروض کے ضامن کو یا دونوں کو قید کرا سکتا ہے؟

جواب: جی بالکل کرا سکتا ہے۔"أقول: سيأتي في كتاب القضاء من بحث الحبس أن المكفول له يتمكن من حبس الكفيل والأصيل و كفيل الكفيل وإن كثروا" ترجمہ: قرض خواہ مقروض اور اس کے ضامن اگرچہ زیادہ ہوں سب کو قید کر سکتا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الکفالۃ، مطلب فی تعلیق الکفالۃ، جلد5، صفحہ 316)

فصل ثانی: قرض خواہ ومقروض کے مابین غنا وفقر میں اختلاف ہونے کا بیان

سوال: اگر قرض خواہ کہیں کہ اس کے پاس قرض ادا کرنے کی قدرت ہے جبکہ مقروض کہے کہ میرے پاس فی الحال قرض ادا کرنے کی قدرت نہیں تو کس کی بات مانیں؟

جواب: دونوں میں سے جو گواہ پیش کرے گا اس کی بات قابل قبول ہوگی۔ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کر دیے تو اب قرض خواہ کے گواہ معتبر ہوں گے۔ بدائع میں ہے"ولو اختلفا في اليسار والإعسار فقال الطالب: هو موسر وقال المطلوب: أنا معسر فإن قامت لأحدهما بينة قبلت بينته، وإن أقاما جميعا البينة فالبينة بينة الطالب؛ لأنها تثبت زيادة وهي اليسار" عبارت کا ترجمہ وہی جو جواب میں لکھا ہے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، الفصل الثانی، جلد7، صفحہ 174، بیروت)

ہندیہ میں ہے"إن أقام المحبوس بينة على عسرته وأقام صاحب الحق بينة على يساره أخذ ببينة صاحب الحق" ترجمہ: مقروض قیدی نے اپنے تنگ دست

ہونے پر گواہ پیش کردے اور قرض خواہ نے اس کے تنگ دست نا ہونے پر گواہ پیش کر دیے تو اس صورت میں قرض خواہ کے گواہوں کی بات کو قبول کیا جائے گا۔"

سوال: قید میں ڈالنے سے قبل اگر کوئی عادل (نیک پرہیزگار) شخص خبر دے کہ اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ نہیں تو کیا اب اسے قید میں ڈالنا جائز ہوگا؟

جواب: فتاوی عالمگیری میں ہے "فإن أخبره عدل أو اثنان بإعساره قبل الحبس فيه روايتان في رواية يقبل ولا يحبسه، وفي رواية الخصاف لا يقبل ويحبسه وإليه ذهب عامة مشايخنا -رحمهم الله تعالى -هو الصحيح كذا في محيط السرخسي "ترجمہ: اگر ایک عادل شخص یا پھر دو افراد نے مقروض کو قید کرنے سے پہلے خبر دی کہ وہ تنگ دست ہے ابھی قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے بارے دو روایتیں ہیں:۔ایک روایت یہ ہے کہ اس خبر کو قبول کیا جائے گا اور مقروض کو قید نہیں کیا جائے گا اور خصاف کی روایت ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی اور اسے قید میں ڈالا جائے گا اسی طرف اکثر مشائخ گئے ہیں اور یہی صحیح مسئلہ ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الباب السادس والعشرون، جلد3، صفحہ415، دار الفکر، بیروت)

سوال: قرض خواہ کہے کہ یہ قرض واپس کر سکتا ہے جبکہ مقروض کہتا ہے کہ فی الحال میرے پاس کچھ نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس گواہ ہیں تو اب کسی کی بات مانی جائے گی؟

جواب: بدائع میں ہے "اگر دَین کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہے جیسے کوئی چیز خریدی ہے تو پھر قرض خواہ کی بات کا اعتبار ہوگا۔اور اگر کسی عقد کی وجہ سے نہیں ہوا ویسے ہی قرض لیا تھا تو پھر مقروض کی بات مانیں گے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، الفصل الثانی، جلد7، صفحہ 174، بیروت)

فصل ثالث : قیدی پر پابندیوں کے جواز کا بیان

سوال: جسے قرض کی وجہ سے قید کیا گیا اسے جمعہ پڑھنے کے لئے جانے کی اجازت ہے یا نہیں اور اس پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: قرض کی وجہ سے قید کئے ہوئے کو اپنے ضروری سے ضروری کام کے لئے بھی نکلنے کی اجازت نہ دی جائے گی حتی کہ جمعہ، پنج وقتی نماز، عیدین، جنازہ میں شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ کسی کام کے لئے بھی جانے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ اور اس پر جمعہ فرض بھی نہیں۔ بدائع میں ہے"وأما بيان ما يمنع المحبوس عنه وما لا يمنع فالمحبوس ممنوع عن الخروج إلى أشغاله ومهماته، وإلى الجمع، والجماعات، والأعياد وتشييع الجنائز، وعيادة المرضى، والزيارة والضيافة؛ لأن الحبس للتوسل إلى قضاء الدين فإذا منع عن أشغاله ومهماته الدينية والدنيوية تضجر فيسارع إلى قضاء الدين" ترجمہ: مقروض قیدی کو اپنے ضروری کاموں، جمعہ و عیدین و جماعت، جنازہ کی حاضری، بیمار کی عیادت اور ملاقات وضیافت کے لئے جانے سے روکا جائے گا کیونکہ قید کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے اس کی دینی و دنیاوی مصروفیت سے روک دیا جائے تا کہ یہ مجبور ہو کر ادائیگی قرض میں جلدی برتے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، جلد 7، صفحہ 174، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال: مقروض قیدی سے اس کے رشتہ داروں کو ملنے سے روکنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض قیدی کے رشتہ دار اگر اسے ملنا چاہیں تو انہیں روکنے کی اجازت نہیں۔ اسے خرید و فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ ہبہ کرنے و قبول کرنے کی اجازت ہے۔ صدقہ کرنے کی اجازت ہے۔ اقرار کرنے کی اجازت ہے۔ یعنی مقروض قیدی کے ان کاموں

پر پابندی نہیں لگا سکتے کہ یہ کام بعض دفعہ وصولی قرض میں معاون ومددگار ثابت ہوتے ہیں۔یعنی مقروض قیدی کو تصرفات شرعیہ سے روکنے کی اجازت نہیں کیونکہ قید تصرفات کی اہلیت کو باطل نہیں کرتی۔بدائع میں ہے"ولا یمنع من دخول أقاربه علیه؛ لأن ذلك لا یخل بما وضع له الحبس بل قد یقع وسیلة إلیه، ولا یمنع من التصرفات الشرعیة :من البیع، والشراء ، والهبة، والصدقة، والإقرار لغیرهم من الغرماء حتى لو فعل شیئا من ذلك نفذ ولم یکن للغرماء ولایة الإبطال؛ لأن الحبس لا یوجب بطلان أهلیة التصرفات"

(بدائع صنائع، کتاب الحضروالحبس،جلد7،صفحہ 174،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

سوال: مقروض قیدی کو اپنی ذات پر یا اپنے گھر والوں مثلا بیوی بچوں پر ضروری خرچہ کرنے سے روکا جاسکتا ہے؟

جواب: نہیں روکا جاسکتا۔بدائع میں ہے" وینفق المحبوس علی نفسه وعیاله وأقاربه ولا یمنع من ذلك ولا عن شيء من التصرفات الشرعیة والله سبحانه وتعالی أعلم"ترجمہ:بالکل واضح ہے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضروالحبس،جلد7،صفحہ 175،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

فصل رابع:قرض خواہ ومقروض سے متعلق پولیس والوں کے لئے ضروری معلومات

سوال: پولیس والوں کے لئے کیا حکم شرعی ہے کہ اگر قرض خواہ آکر کہے کہ فلاں میرا قرض نہیں دے رہا تو کیا اسے فورا قید خانہ ڈال دیں یا کچھ تحقیقات کریں؟

جواب: پولیس والوں کے قید کرنے میں یہ ضروری ہے کہ پولیس والوں کے نزدیک اس

کا مقروض ہونا اور قرض واپس نہ ہونے کا ثبوت ضروری ہے۔جب یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں واقعی زید وغیرہ کا مقروض ہے اور زید اب اس کی قید کا طالب ہے تو اب پولیس آفیسر اپنے ماتحتوں کو اسے قید کرنے کا حکم دے گا۔قید کرنے کے بعد اب پولیس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس پر بھی تحقیق کریں گے کہ آیا اس کے پاس قرض ادا کرنے کی طاقت ہے یا نہیں؟ یعنی پولیس والے اس کے پاس نقدی یا گھریلو سامان جیسے فریج، ٹی وی، وغیرہ ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ جسے بیچ کر قرض ادا کیا جانا ممکن ہے تو اسے ادائیگی قرض پر مجبور کریں گے لیکن پولیس والوں جیسی مار نہ ماریں۔اور اگر تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہو کہ ابھی یہ قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تو پولیس والے اسے رہا کر دیں اور اسے وقت دیں کہ اتنے عرصے میں قرض دینے کی کوئی صورت نکالو ورنہ دوبارہ پکڑ لیں گے تا کہ اسے فکر لگی رہے۔بدائع میں ہے" وإذا عرف سبب وجوب الدين و شرائطه .فإن ثبت عند القاضي السبب مع شرائطه بالحجة حبسه لتحقق الظلم عنده بتأخير حقه من غير ضرورة، والقاضي نصب لدفع الظلم فيندفع الظلم عنه، وإن اشتبه على القاضي حاله في يساره وإعساره، ولم يقم عنده حجة على أحدهما وطلب الغرماء حبسه فإنه يحبس ليتعرف عن حاله أنه فقير أم غني، فإن علم أنه غني حبسه إلى أن يقضي الدين؛ لأنه ظهر ظلمه بالتأخير، وإن علم أنه فقير خلى سبيله؛ لأنه ظهر أنه لا يستوجب الحبس فيطلقه"

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت تحقیق کے بعد بھی معلوم نہیں ہوتا کہ مقروض کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں بھی پولیس کا اسے قید کرنا جائز ہے جبکہ قرض خواہ اس کا مطالبہ کرتے ہوں تا کہ اس کے حالات کی جانکاری

میں آسانی ہو سکے پھر جیسا اس کا حال کھلے تو اس کے مطابق اگلے معاملات نمٹانے میں آسانی ہوتی ہے۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ پولیس کے چھوڑ دینے کے بعد عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے پولیس جو وقت مقروض کو دے گی قرض خواہ کو چاہیے کہ اب اس وقت تک مقروض کو تنگ نہ کرے بلکہ اس وقت تک کا انتظار کرے جو پولیس والوں نے دیا ہے تاکہ مزید کسی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔اسی کتاب میں ہے"ولكن لا يمنع الغرماء عن ملازمته عند أصحابنا الثلاثة -رضي الله عنهم -، إلا إذا قضى القاضي بالإنظار لاحتمال أن يرزقه الله سبحانه و تعالى مالا، إذ المال غاد ورائح" (بدائع صنائع، کتاب الحضروالحبس،الفصل الثانی ،جلد7،صفحہ 173،بیروت)

یہاں اگرچہ فقہی مسائل میں قضائے قاضی کی بات ہے،مگر اب جبکہ قضائے قاضی علی وجہ الشرعی منعقد نہیں ہوتی تو اس لئے بعض چیزیں پنچائت وغیرہ پر چھوڑ دی جاتیں ہیں اور اس پنچائت کی بعض باتوں پر عمل کرنے میں معاشرے کا امن پوشیدہ ہوتا ہے۔ہاں اگر صاحب حق کو شریعت مطہرہ کچھ اور حکم دے اور پنچائت کا فیصلہ شریعت کے خلاف نا ہو اور صاحب حق وقتی طور پر کمپرومائز کر کے پنچائت کے اس فیصلے کو تسلیم کر لے تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

سوال: پولیس والوں نے مقروض کو قید کیا۔بعد تحقیق بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غنی ہے یا فقیر یعنی قرض دینے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں تو اب کیا حکم شرعی ہے؟

جواب: پولیس والوں کو چاہیے کہ اس کے قرض دینے کی طاقت رکھنے و نہ رکھنے کی اچھی طرح تحقیق کریں خواہ اس کے لئے مہینہ دو مہینہ ہی کیوں نہ لگ جائیں۔اگر پوری کوشش کے بعد بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے یا نہیں تو اب بھی شرعی

لحاظ سے پولیس والوں کو اسے رہا کرنے کی اجازت ہے۔ بدائع میں ہے" وإذا مضى على حبسه شهر، أو شهران أو ثلاثة ولم ينكشف حاله في اليسار والإعسار خلى سبيله؛ لأن هذا الحبس كان لاستبراء حاله وإبلاء عذره والثلاثة الأشهر مدة صالحة لاشتهار الحال وإبلاء العذر فيطلقه۔ "جواب ترجمہ کا خلاصہ ہے۔

(بدائع صنائع، کتاب الحضر والحبس، فالفصل الثانی، الحبس، جلد 7، صفحہ 174، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

☆۔چھٹا باب: قرض معاف کرنا۔☆

سوال: قرض معاف کرنے کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: اسکی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرض معاف کرنے کو اچھا کہا ہے اور جسے رب اچھا کہے، اُسے برا نہ کہے گا مگر کافر۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ترجمہ قرآن کنز الایمان: (اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔) اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لئے اور بھلا ہے اگر جانو۔

قرض معاف کرنے کی احادیث میں بھی بہت فضیلتیں آئی ہیں چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر أو يضع عنه" ترجمہ: جو چاہے کہ اللہ عزوجل اُسے روز قیامت تکالیف سے نجات دے تو اسے چاہئے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی دے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب فضل انظار المعسر، جلد 03، صفحہ 1196، بیروت)

سوال: اگر کوئی سارا قرض معاف نہ کرے صرف آدھا یا کچھ معاف کرے تو یہ بھی باعث ثواب ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی باعث ثواب ہے اور حدیث میں اس کی بھی ترغیب ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے"قال مسلم وروى الليث بن سعد حدثني جعفر بن ربيعة عن عبدالرحمن بن هرمز عن عبدالله بن كعب بن مالك عن كعب ابن مالك أنه كان له مال على عبدالله بن أبي حدرد الأسلمي فلقيه فلزمه فتكلما حتى ارتفعت أصواتهما فمر بهما رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال يا كعب فأشار بيده كأنه يقول النصف فأخذ نصفا مما عليه و ترك نصفا۔" ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی پر ان کا کچھ مال قرض تھا وہ ان کو ملے تو انہوں نے ان کو پکڑ لیا ان دونوں میں تکرار شروع ہوگئی اور ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے ہاتھ سے آدھا قرض کم کرنے کا ارشارہ کیا اور فرمایا: اے کعب! پھر کعب بن مالک نے آدھا قرض کم دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب استحباب الوضع من الدين، جلد03، صفحه 1192، بیروت)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اس کے تحت لکھتے ہیں: ''اس حدیث کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ قرض کی رقم کو کم کر دینا مستحب ہے۔''

(شرح صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد04، صفحہ275، فرید بک سٹال، لاہور)

صحیح بخاری میں ہے"عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال (كان رجل يداين الناس فكان يقول لفتاه إذا أتيت معسرا فتجاوز عنه لعل

الله أن يتجاوز عنا قال فلقي الله فتجاوز عنه" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا وہ اپنے غلام کو کہا کرتا تھا کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس جائے تو اس سے درگزر کر، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کردیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ام حسبت۔۔۔ جلد03، صفحہ1283، بیروت)

مسلم شریف کی ایک حدیث میں آیا کہ جو قرض معاف کردے یا مقروض کو مہلت دے دے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے غموں سے نجات عطا فرمائے گا۔ اسی میں ہے کہ قرض معاف کرنے والے یا مہلت دینے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا۔

سوال: شہید کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ کیا اس کا قرض بھی معاف ہوجاتا ہے؟

جواب: شہید کا قرض بھی بغیر ادا کئے و قرض خواہ کے معاف کئے معاف نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں ہے "عن أبي قتادة: رجل فقال يا رسول الله أرأيت إن قتلت في سبيل الله تكفر عني خطاياى؟ فقال له رسول الله صلى الله عليه و سلم (نعم إن قتلت في سبيل الله وأنت صابر محتسب مقبل غير مدبر) ثم قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (كيف قلت ؟) قال أرأيت إن قتلت في سبيل الله أتكفر عني خطاياى ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم (نعم وأنت صابر محتسب مقبل غير مدبر إلا الدين فإن جبريل عليه السلام قال لي ذلك۔" ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض

کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ! یہ فرمائیں کہ اگر میں صبر کرتے ، اجر طلب کرتے آگے بڑھتے ہوئے نہ کہ پیٹھ پھیرتے ہوئے اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا اللہ تعالٰی میری خطائیں معاف فرمادے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب وہ چل دئے تو انہیں واپس بلایا اور فرمایا: سوائے قرض کے۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ایسا ہی کہا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قتل فی ۔ جلد 3، صفحہ 1501، بیروت)

المعتصر من المختصر من مشکل الآثار میں ہے"أن الشهادة لا تكفر الدين لأنه من حقوق الناس" ترجمہ: شہادت سے قرض معاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرض حقوق العباد میں سے ہے۔

(المعتصر من المختصر، کتاب الحج، فی حرم مکۃ، جلد 01، صفحہ 198، بیروت)

سوال: مقروض سے کہا: جو میں نے تجھ سے قرض لینا ہے، میں نے وہ معاف کیا تو معاف ہوجائے گا یا نہیں؟

جواب: معاف ہوجائے گا۔ بہار شریعت میں ہے: اگر وہ شرط ایسی ہے کہ ہوچکی ہے تو ابرا صحیح ہے مثلاً اگر تیرے ذمہ میرا دَین ہے تو میں نے معاف کیا معاف ہوگیا۔

(بہار شریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، جلد 03، صفحہ 100، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مقروض سے کہا: اگر میں مرجاؤں تو تجھ پر جو میرا قرض ہے، وہ معاف ہے۔ اب یہ تھوڑی دیر بعد مرگیا۔ قرض معاف ہوگا یا نہیں؟

جواب: یہ قرض معاف کرنے کی وصیت ہے اور قرض معاف کرنے کی وصیت جائز ہے اور اس کا نفاذ ترکہ کے تہائی میں ہوگا۔ بہار شریعت میں ہے: ''اگر یہ کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو دَین سے تو بری ہے یہ جائز ہے اور وصیت ہے۔''

(بہارشریعت،ہبہ کابیان،متفرق مسائل،جلد03،صفحہ 100،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

لہٰذا اگر قرض تہائی مال کی مقدار ہے تو ٹھیک ہے اور اگر تہائی مال دس ہزار ہے اور قرض گیارہ ہزار تھا تو ایک ہزار پھر بھی واپس کرنا ہوگا۔

سوال: مقروض کو قرض معاف کیا تو کیا مقروض کا قرض معافی کو قبول کرنا ضروری ہے یا قرض خواہ کے معاف کرتے ہی معاف ہو جائے گا؟

جواب: قرض خواہ قرض معاف کرے تو مقروض کا قرض معافی کو قبول کرنا ضروری نہیں جیسے ہی قرض خواہ معاف کرے گا،قرض معاف ہو جائے گا۔بہارشریعت میں ہے''ابرا یعنی معاف کرنے میں قبول کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

(بہارشریعت،ہبہ کابیان،متفرق مسائل،جلد03،صفحہ 99،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

سوال: مقروض فوت ہوگیا،قرض خواہ نے ورثاء کو قرض معاف کردیا تو کیا قرض معاف ہو جائے گا؟

جواب: جی ہاں!مقروض فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کو قرض معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:وارث سے ابرا کیا یعنی معاف کردیا،یہ بھی صحیح ہے۔

(بہارشریعت،ہبہ کابیان،متفرق مسائل،جلد03،صفحہ 100،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

سوال: قرض خواہ کو کسی نے بتایا کہ تمہارا مقروض مر گیا۔اس نے رحم کھا کر کہا: میں نے اپنا قرض معاف کردیا۔بعد کو معلوم ہوا کہ مقروض زندہ ہے۔اب اس سے اپنا قرض وصول کرسکتا ہے؟

جواب: جب قرض بغیر کسی شرط کے معاف کردیا جائے تو معاف ہو جاتا ہے،لہٰذا وہ

معاف ہوگیا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''دائن کو خبر ملی کہ مدیون مرگیا اس نے کہا: میں نے اپنا دَین معاف کردیا، ہبہ کردیا، بعد میں پھر پتا چلا کہ وہ زندہ ہے، اُس سے دین کا مطالبہ نہیں کرسکتا کہ معافی بلا شرط تھی۔''

(بہارشریعت،ہبہ کابیان،متفرق مسائل،جلد03،صفحہ 100،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

سوال: مقروض نے قرض خواہ سے کہا: تمہارے جتنے حقوق مجھ پر ہیں وہ سب کے سب معاف کردو یا قرض خواہ نے خود ہی اعلان کیا کہ میں نے اپنے تمام چھوٹے بڑے حقوق معاف کردیئے۔ تو کیا قرض بھی معاف ہوگیا؟

جواب: جی ہاں! کسی کو اپنے تمام چھوٹے بڑے حقوق معاف کرنے کا کہہ دیا تو قرض بھی معاف ہوگیا، اب تقاضا نہیں کرسکتا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''کسی سے یہ کہا کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے ذمہ ہیں، معاف کردو، اُس نے معاف کردیا، صاحبِ حق کو اپنے جتنے حقوق کا علم ہے وہ تو معاف ہو ہی گئے اور جن کا علم نہیں قضاءً وہ بھی معاف ہوگئے اور فتویٰ اس پر ہے کہ دیانۃً بھی معاف ہوگئے۔''

(بہارشریعت،ہبہ کابیان،متفرق مسائل،جلد03،صفحہ 100،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

سوال: قرض خواہ نے کہا: دنیا میں تمہارا قرض معاف کرتا ہوں۔ آخرت میں نہیں کروں گا بلکہ تمہاری نیکیاں لوں گا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے کیا آخرت میں واقعی نیکیاں دینی ہوں گی یا نہیں؟

جواب: اس طرح کرنے سے قرض دنیا میں بھی معاف ہوگیا اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں کوئی نیکی نہیں دینی پڑے گی۔ اور اب قرض خواہ واپس بھی نہیں لے سکتا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''کسی سے یہ کہا کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے

ذمہ ہیں معاف کردو، اس نے معاف کر دیا۔ صاحب حق کو اپنے جتنے حقوق کا علم ہے وہ تو معاف ہو ہی گئے اور جن کا علم نہیں قضاءً وہ بھی معاف ہو گئے اور فتوی اس پر ہے کہ دیانۃً بھی معاف ہو گئے۔" (یعنی اگر معلوم نہیں تھا کہ اس سے قرض بھی لینا ہے اور معاف کر دیا تو معافی ہو گئی۔)

(بہارشریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، جلد03، صفحہ 101، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: کیا مقروض قرض خواہوں سے کہہ سکتا ہے کہ قرض معاف کر دیں، اور کیا یہ سوال میں آتا ہے؟

جواب: تنگ دست کا قرض داروں سے قرض معاف کرنے کی عرض کرنا جائز ہے۔ ہر قرض دار سے کہے کہ آپ کو جتنا بھی میں نے قرض دینا ہے آپ معاف کر دیں۔ اس طرح قرض معاف کروانا اُس سوال میں نہیں آتا جس کی شرعاً ممانعت ہے بلکہ اس صورت میں لوگوں سے سوال کرنا جائز ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" ان المسئلة لاتصلح الا لثلثة لذی فقر مدقع او لذی عزم مفظع او لذی دم موجع۔" ترجمہ: تین شخصوں کے سوا کسی کو سوال جائز نہیں کمر توڑ فقیری یا رسوا کن قرض یا تکلیف دہ خون سے (یعنی دیت لازم ہو اور مال نہ ہو۔)

(مشکوۃ، کتاب الزکوۃ، باب من لاتحل له المسئلة، جلد 1، صفحہ 165، لاہور)

قرض معاف کرنے کی بھی احادیث میں بہت فضیلتیں آئی ہیں چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر أو يضع عنه" ترجمہ: جو چاہے کہ اللہ عزوجل اسے روز قیامت تکالیف سے نجات دے تو اسے چاہئے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا

معافی دے۔

(صحیح مسلم ، کتاب المساقاة،باب فضل انظارالمعسر، جلد03، صفحہ 1198 ،بیروت)

لیکن یہ صرف تنگ دست کے واسطے ہے وہ معافی کی عرض کرسکتا ہے جو دینے پر قادر ہے اس کا یوں کہہ کرمعاف کروانا جائز نہیں کہ خودکوذلت پر پیش کرنا ہے۔اسی وجہ سے شریعت میں سوال حرام قرار دیا گیا۔

قرض معاف نہ ہونے کی صورتیں

بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں قرض معاف نہیں ہوتا جنہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:۔

(1) اگرتو آدھا قرض دے تو باقی آدھا معاف ہے۔

(2) اگرتو مرجائے تو قرض معاف ہے۔

(3) بیمار سے کہا کہ اگرتو اسی بیماری میں مرجائے تو قرض معاف ہے۔

ان میں سے کسی صورت میں بھی قرض معاف نہ ہوگا۔

☆ساتواں باب :ادائیگی قرض مین اختلاف کے احکام ☆

سوال: مقروض کہتا ہے: میں نے قرض ادا کردیا ہے جبکہ قرض خواہ کہتا ہے: نہیں ادا کیا،تو کس کی بات مانی جائے؟

جواب: مقروض اگر دو گواہ پیش کردے اور وہ گواہی دیں کہ قرض ادا ہو چکا تو مقروض بری الذمہ ہے اگر گواہ نہ پیش کرسکا تو قرض خواہ قسم کھائے کہ میں نے اپنا قرض وصول نہیں کیا،اگر قسم کھالے تو مقروض کو قرض ادا کرنا ہوگا اور اگر قسم نہ کھائے تو کچھ بھی نہ ملے گا۔

شرح مسند امام اعظم میں حدیث ہے"البینۃ علی المدعی والیمین علی من

أنكر۔ "ترجمہ: جو دعویٰ کرے وہ دو گواہ لائے اور جو انکار کرے وہ قسم کھائے۔

(شرح مسند امام اعظم، المدعی علیه اولی بالیمین، صفحه 77، بیروت)

نوٹ: آج کل لوگوں میں معروف یہ ہے کہ قسم کسی اور سے لیتے ہیں مثلاً زید نے چوری کی، زید کہتا ہے میں نے نہیں کی تو اسے کہا جاتا ہے کہ اگر فلاں فلاں شخص تمہاری طرف سے قسم دے تو ہم مانیں گے، یہ طریقہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

سوال: مقروض نے قرض ادا کر دیا لیکن ادائیگی پر گواہ نہ بنائے بعد میں پھر قرض خواہ نے جان بوجھ کر کیس کر دیا اور وکیلوں کے ذریعے ثابت کر دیا کہ قرض ادا نہیں کیا گیا حالانکہ تنہائی میں وہ کہتا ہے کہ اس نے دے دیا ہے بس کسی رنجش کی وجہ سے دوبارہ اتنی رقم وصول کر لی۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسا کرنا حرام قطعی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھاؤ، جان بوجھ کر۔

(سورۃ البقرۃ، آیت 188)

اس پر واپس کرنا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی الید ما اخذت حتی تردها" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی۔

(جامع الترمذی، ابواب البیوع، باب ان العاریة مؤداة، جلد 03، صفحه 566، بیروت)

سوال: رقم دینے میں اختلاف ہو گیا، دینے والا کہتا ہے: میں نے تجھے قرض دیا تھا جبکہ

لینے والا کہتا ہے:نہیں!تم نے مجھے رقم امانتاً دی تھی تو کس کی بات کا اعتبار ہوگا؟

جواب: جس نے رقم دی تھی وہ قسم اٹھا کر کہہ دے کہ میں نے اس مد میں دی تھی تو جس مد پر وہ قسم کھالے وہ معتبر ہوگی۔فتاوی رملی میں ہے:"(سئل) عما لو اختلفا فی أن المقبوض قرض أو قراض أو وديعة أو غصب أو أمانة فمن المصدق منهما ؟ (فأجاب) بأن القول قول المالك بيمينه في مسائل الاختلاف المذكورة وإن خالف بعضهم في بعضها۔"اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ قرض ہے یا امانت یا کیا ہے تو ان میں سے مالک کی بات مانی جائے گی یعنی جس کے پیسے ہیں اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ (فتاوی رملی،باب القراض،جلد03،صفحہ267،مکتبہ شاملہ)

اسی طرح ایک بندے نے اپنے مقروض کے پاس ہزار روپے امانت رکھوائے ،کچھ دنوں بعد مقروض نے ہزار روپے اسے واپس کر دئے ،اب کچھ دنوں بعد دونوں میں اختلاف ہوا مقروض کہتا ہے کہ میں نے جو ہزار تمہیں دیا تھا وہ قرض واپس کیا تھا اور جو ہزار تم نے میرے پاس امانت رکھوائی وہ تو ضائع ہوگئی جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں،آپ نے مجھے جو ہزار روپے واپس کیے وہ امانت کے تھے اور ہزار روپے قرض کے باقی ہیں تو اب مقروض کی بات مانی جائے گی اور اب دوسرے کو مزید کچھ نہ ملے گا۔مجمع الضمانات میں ہے"رَجُلٌ أَوْدَعَ رَجُلًا أَلْفَ دِرْهَمٍ وَلَهُ عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ أَلْفُ دِرْهَمٍ دَيْنٌ فَأَعْطَاهُ الْمُسْتَوْدَعُ أَلْفَ دِرْهَمٍ ثُمَّ اخْتَلَفَا بَعْدَ أَيَّامٍ فَقَالَ الطَّالِبُ :أَخَذْتُ الْوَدِيعَةَ فَالدَّيْنُ عَلَيْك وَقَالَ الْمُسْتَوْدَعُ :أَعْطَيْتُ الْقَرْضَ فَضَاعَتْ الْوَدِيعَةُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُسْتَوْدَعِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الدَّافِعُ مِنْ قَاضِي خَانْ۔"

(مجمع الضمانات،جلد02،صفحہ192،مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

سوال: اور اگر یہ اختلاف ہوگیا کہ قرض خواہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں 5000 ہزار قرض دیا تھا مقروض کہتا ہے کہ نہیں چار ہزار دیا تھا تو اب کسی کی بات معتبر ہوگی؟

جواب: مقروض کی بات معتبر ہوگی۔جو عدد مقروض بیان کرے گا وہ قابل قبول ہوگا۔

شرح القواعد الفقہیۃ میں ہے"ما لو أقرض إنسان آخر ثم اختلف هو والمستقرض في مبلغ القرض فالقول للمستقرض" کسی نے دوسرے کو قرض دیا اور پھر دونوں میں قرض کی مقدار میں اختلاف ہوا تو جو مقروض کہے گا اس کا اعتبار ہوگا۔

(شرح القواعدالفقهية ،جلد1،صفحه 114،مطبوعه دارالقلم)

☆۔۔آٹھواں باب :نابالغ ویتیم کا قرض دینا۔۔☆

سوال: بچہ اپنا مال کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بچہ کسی کو قرض نہیں دے سکتا۔بچے سے قرض لینا بھی ناجائز ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے"ولا يجوز إقراض ---والصبي والمعتوه لأنه تبرع وهؤلاء لا يملكون التبرع"ترجمہ:بچہ و معتوہ کا قرض دینا جائز نہیں کہ قرض تبرع ہے اور یہ تبرع کے اہل نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع،الباب التاسع ،جلد03،صفحه206،مطبع کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:"نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں:۔

(1) نافع محض یعنی وہ تصرف جس میں صرف نفع ہی نفع ہے جیسے اسلام قبول کرنا۔ کسی نے کوئی چیز ہبہ کی اس کو قبول کرنا اس میں ولی کی اجازت درکار نہیں۔

(2) ضار محض جس میں خالص نقصان ہو یعنی دنیوی مضرت ہو اگرچہ آخرت کے اعتبار سے مفید ہو جیسے صدقہ وقرض،غلام کو آزاد کرنا۔زوجہ کو طلاق دینا۔اس کا حکم یہ ہے کہ ولی اجازت دے تو بھی نہیں کرسکتا بلکہ خود بھی بالغ ہونے کے بعد اپنی نابالغی کے ان

تصرفات کو نافذ کرنا چاہے نہیں کرسکتا۔اس کا باپ یا قاضی ان تصرفات کو کرنا چاہیں تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔

(3) بعض وجہ سے نافع بعض وجہ سے ضار جیسے بیع ،اجارہ، نکاح یہ اذن ولی پر موقوف ہیں۔نابالغ سے مراد وہ ہے جو خرید وفروخت کا مطلب سمجھتا ہو جس کا بیان اوپر گزر چکا اور جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہو اس کے تصرفات نا قابل اعتبار ہیں۔معتوہ (نیم پاگل) کے بھی یہی احکام ہیں جو نابالغ سمجھدار کے ہیں۔"

(بہارشریعت،ماذون کابیان،حصہ 15،صفحہ204،مکتبۃ المدینہ کراچی)

سوال: باپ کا نابالغ اولاد کی رقم بطور قرض اپنے استعمال میں لانا کیسا ہے؟یعنی ابھی استعمال کرلے بعد میں بچے کو دے دوں گا۔

جواب: باپ کا اپنے بچے کا مال بطور قرض استعمال کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ احتیاط بچنا ہے۔ادب الاوصیاء میں ہے"فی العمدۃ لواستقرض الوصی من مال الصبی یضمن، وعند محمد لا یضمن کالاب، وفی قضاء الجامع اخذ الاب مال صغیرہ قرضاً جاز، وفی الخلاصۃ انہ ذکر فی رھن الاصل ان الاب یضمن کالوصی، وفی الخانیۃ لیس للوصی قضاء دینہ بمال الیتیم وللاب ان یقضی بہ وذکر شمس الائمۃ السرخسی عدم الجواز للاب ایضا۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔عمدہ میں ہے اگر وصی نے نابالغ بچے کے مال سے قرض لیا تو اس کا تاوان دے گا۔اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی باپ کی طرح تاوان نہیں دے گا۔قضاء الجامع میں ہے باپ کا بطور قرض اپنے نابالغ بیٹے کا مال لینا جائز ہے۔خلاصہ میں ہے کہ مبسوط کی کتاب الرھن میں مذکور ہے بے شک باپ وصی کی طرح تاوان دے گا۔اور خانیہ میں ہے کہ وصی کو یہ

اختیار نہیں کہ یتیم کے مال سے اپنا قرض ادا کرے اور باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے باپ کے لئے بھی عدم جواز کو ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

(آداب الاوصیاء، فصل فی القرض، جلد 02، صفحہ 75-174، ماخوذ از فتاوی رضویہ)

سوال: آپ نے لکھا کہ علماء کو نابالغ کا مال باپ کو بطور قرض خرچ کر لینے کے جواز میں اختلاف ہے اگر کوئی کر لے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب: نہیں! باپ اگر اپنے بچے کا مال بطور قرض استعمال کر لے تو ہم اسے گناہ نہیں کہیں گے۔ ہاں! باپ کو یہ ضرور کہیں گے کہ بعض علماء اس کے جواز کے قائل نہیں تا کہ وہ حتی الامکان اس سے بچے۔ قصہ مختصر ضرورت کے وقت اپنے بچے کا مال استعمال کر لے اور بعد میں لوٹا دے۔

سوال: باپ نے نابالغ کا مال استعمال کیا تھا۔ کیا وہ نابالغ بالغ ہو کر معاف کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بالغ ہو کر اگر معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ اور کرنا بھی چاہیے۔

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 646، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کسی نے بچے کو قرض دیا اور بچے نے خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ بچے سے واپس لے سکتا ہے؟

جواب: بہار شریعت میں ہے: "بچہ کے باپ یا جس کی وہ پرورش میں ہے اس کی اجازت سے دیا تو واپس لے سکتا ہے۔ ورنہ کسی سے نہیں لے سکتا، نہ بچہ سے نہ اس کے باپ و پرورش کرنے والے یا کسی گھر کے افراد سے۔" دوسری جگہ ہے: "بچہ نے کسی سے قرض لیا۔۔۔ ولی کی بغیر اجازت۔۔۔ اور بچہ نے وہ چیز تلف کر دی تو ضمان واجب نہیں۔"

(بہار شریعت، حجر کا بیان، حصہ 15، صفحہ 19، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

جواب: جی لے سکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے"وإذا أقرض الرجل صبيا أو معتوها فاستهلكه لا ضمان عليه هكذا أطلق في نسخ أبي حفص -رحمه الله تعالى - وفي نسخ أبي سليمان -رحمه الله تعالى -قال وهذا قول أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى -أما في قول أبي يوسف -رحمه الله تعالى -فهو ضامن لما استهلك وهو الصحيح، وإن أقرض عبدا محجورا عليه فاستهلكه لم يؤاخذ به حتى يعتق وهو على الخلاف الذي بينا، وإن لم ينص عليه وعند أبي يوسف -رحمه الله تعالى -يؤاخذ به في الحال كما في الوديعة۔"

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ 206، بیروت)

کسی نے بچے کو قرض دیا اور ابھی بچے نے خرچ نہیں کیا اسی کے پاس ہے تو دینے والا اس سے فوراً واپس لے لے، اسے جائز ہے۔

"وإن وجد المقرض ماله بعينه عند أحد من هؤلاء فهو أحق به كذا في المبسوط۔" (ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ 206، بیروت)

☆۔۔نواں باب:سودی قرض۔۔☆

سوال: سودی قرض لینے والے کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب: ایسا شخص فاسق ولعنتی ہے۔سودی قرض لینا دینا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔حدیث میں ایسے کو ملعون فرمایا۔مسلم شریف میں ہے"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء"ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سود کھانے والے، اس کی وکالت کرنے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

(مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا، جلد 05، صفحہ 50، بیروت)

سوال: قرض میں سود کی پہچان کیا ہے؟

جواب: قرض میں سود کی پہچان یہ ہے کہ قرض خواہ کو نفع حاصل ہو جیسا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد 06، صفحہ 180، الدار السلفیۃ الھندیۃ)

سوال: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے۔ اس آیت میں ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ترجمہ: دونا دون۔ سے کیا مراد ہے؟

جواب: "دونا دون" کا معنی و مطلب بیان کرتے ہوئے مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں "اس آیت میں سود کی ممانعت فرمائی گئی مع توبیخ کے اس زیادتی پر جو اس زمانہ میں معمول تھی کہ جب میعاد آ جاتی تھی اور قرضدار کے پاس ادا کی کوئی شکل نہ ہوتی تو قرض خواہ مال زیادہ کر کے مدت بڑھا دیتا۔ اور ایسا بار بار کرتے جیسا کہ اس ملک کے سود خوار کرتے ہیں اور اس کو سود در سود کہتے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ، آیت 130)

سوال: ایک شخص نے دوسرے کو قرض دیا اور کہا: میں تم سے سود نہیں لوں گا ہاں جب تک قرض واپس نہ کرو گے تمہیں میرا فلاں کام کرنا پڑے گا۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب: قرض دے کر مقروض سے بوجہ قرض کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل کرنا ناجائز ہے کہ

یہ بھی سود ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "قرض دیکر یہ ٹھہرالینا کہ جب تک ادا نہ کرے میرا کام کرنا ہوگا یہ سود ہوا کہ یہ کام اسی روپیہ کے نفع میں لے رہا ہے اس کا یہ کہنا کہ سود نہ لیگا مہمل (بے کار) ہے۔ آخر یہ کام کس چیز کے عوض میں لیتا ہے۔ حدیث میں ہے:"کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔" ترجمہ: قرض کے ذریعے سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔

(فتاوی امجدیہ، جلد03، صفحہ 212، دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ، کراچی)

سوال: اور اگر قرض دینے سے پہلے وہ کام کرالیا تو پھر کیا حکم ہے؟ یعنی زید سے بکر نے قرض مانگا تو زید نے کہا کہ پہلے میرا فلاں فلاں کام کرو، جب تم میرا فلاں فلاں کام کردو گے تو پھر تمہیں قرض دوں گا، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: قرض اس شرط پر دینا کہ مقروض قرض خواہ کو انعام یا کوئی منفعت دے گا یہ بالاتفاق ناجائز اور سود ہے اور منفعت اس شرط پر دینا کہ منفعت لینے والا بعد میں اسے قرض دے گا یہ جائز ہے لیکن خلاف اولی ہے البتہ بعض مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ یہ قرض کے ذریعے نفع حاصل کرنا ہے پھر ان مشائخ میں سے بعض نے ایک مجلس اور دو مجلس کا فرق کیا ہے یعنی منفعت دے کر قرض لینا اگر ایک مجلس میں تو ممنوع اور اگر منفعت ایک مجلس میں دی اور قرض دوسری مجلس میں تو جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بغیر کسی تفصیل کے جائز ہے کیونکہ قرض کے ذریعے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جا رہا بلکہ یہ ایک انعام یا منفعت ہے جس کے ذریعے قرض حاصل کیا جا رہا ہے۔ اسے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے برقرار رکھا اور اس کے جواز پر ہمارے آئمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمہ کا اتفاق ہے۔ درمختار میں ہے:"

شراء الشي اليسير بثمن غال لحاجة القرض يجوز و يكره" سستی چیز قرض کی حاجت کی وجہ سے مہنگے داموں خریدنا جائز اور مکروہ ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار،ج7،ص396،مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ)

بحرالرائق میں ہے:"شراء الشيء اليسير بثمن غال اذا كان له حاجة الى القرض يجوز و يكره" سستی چیز مہنگے داموں خریدنا جب اسے قرض کی حاجت ہو جائز ہے اور مکروہ ہے۔ (بحرالرائق،ج6،ص206،مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ)

محیط برہانی میں ہے:" قال شيخ الاسلام خواهر زاده : ما نقل عن السلف محمول على ما اذا كانت المنفعة و هي شراء المتاع بثمن غال مشروطة في الاستقراض ، و ذلك بلا خلاف ، وما ذكر محمد رحمه الله تعالى محمول على ما اذا لم تكن المنفعة و هي الهدية مشروطة في القرض، و ذلك لا يكره بلا خلاف .هذا اذا تقدم الاقراض على البيع ، فاما اذا البيع على الاقراض، و صورة ذلك : رجل طلب من رجل ان يعامله بمائة دينار ، فباع المطلوب منه المعاملة من الطالب ثوباً قيمته عشرون ديناراً باربعين ، ثم اقرضه ستين ديناراً حتى صار للمقرض على المستقرض مائة دينار، و حصل للمستقرض ثمانون ديناراً ، ذكر الخصاف ان هذا جائز ، و هذا مذهب محمد بن سلمة امام بلخ رحمه الله تعالى ، فانه روى انه كان له مبلغ، و كان اذا استقرض انسان منه شيئاً كان يبيعه اولاً سلعة بثمن غال، ثم يقرضه بعد الدنانير الى تمام حاجته ، و كثير من المشايخ كانوا يكرهون ذلك، و كانوا يقولون : هذا قرض جر منفعة فانه لو لا ذلك القرض ، كان لا يتحمل المستقرض غلاء ثمن الثوب ، فكان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قرضاً جر منفعة. و من المشايخ رحمهم الله تعالى من قال: ان كانا في مجلس واحد يكره، و ان كانا في مجلسين مختلفين، لا بأس به؛ لان المجلس الواحد يجمع الكلمات المتفرقة، فكانهما وجدا معاً، فكانت المنفعة مشروطة في المقرض، و كان الشيخ الامام الاجل شمس الآئمة الحلواني يفتي بقول الخصاف، و بقول محمد ابن سلمة رحمهما الله تعالى، و كان يقول: ليس هذا بقرض جر منفعة، بل هذا بيع جر منفعة، و هو القرض." شیخ الاسلام خواھرزادہ نے فرمایا: جو سلف سے منقول ہے وہ اس پر محمول ہے جب منفعت یعنی مہنگے داموں سامان خریدنا قرض لینے میں مشروط ہو اور یہ بغیر کسی اختلاف کے مکروہ ہے اور جو امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا وہ اس پر محمول ہے جب منفعت یعنی ہدیہ قرض میں مشروط نہ ہو اور یہ بالاتفاق مکروہ نہیں۔ یہ سابقہ حکم اس وقت ہے جب قرض بیع پر پہلے ہو، بہر حال جب بیع قرض سے پہلے ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے سو دینار کا معاملہ کرے تو قرض دینے والا قرض طلب کرنے والے کو بطور معاملہ میں دینار کی قیمت کا کپڑا چالیس دینار میں بیچے، پھر اسے ساٹھ دینار قرض دے اس طرح قرض خواہ کے مقروض پر سو دینار ہو گئے اور مقروض کو اسی دینار حاصل ہو گئے۔ امام خصاف رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور یہ امام شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مذہب ہے، روایت کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک رقم تھی جب کوئی آدمی ان سے کچھ قرض طلب کرتا تو پہلے وہ مہنگے داموں اسے سامان بیچتے اور پھر بعد میں اسے اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے دینار قرض دیتے۔ کثیر مشائخ نے اسے ناپسند کیا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ قرض ہے جس نے نفع کھینچا کہ اگر یہ قرض نہ ہوتا تو قرض طلب کرنے والا کبھی بھی مہنگے دام برداشت

نہ کرتا تو یہ ایسا قرض ہو گیا جس نے نفع کھینچا۔مشائخ میں سے بعض نے فرمایا کہ اگر یہ دونوں (بیع اور قرض) ایک مجلس میں ہوں تو مکروہ اور اگر دو مختلف مجلسوں میں ہوں تو کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ ایک مجلس متفرق کلمات کا مجموعہ ہوتی ہے گویا کہ یہ دونوں (بیع اور قرض) ایک ساتھ پائے گئے لہذا منفعت قرض میں مشروط ہوگئی اور شیخ امام اجل شمس الآئمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ امام خصاف اور محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالی علیہما کے قول پر فتوی دیتے تھے، آپ فرماتے تھے یہ وہ قرض نہیں جس منفعت کھینچی بلکہ یہ بیع ہے جس نے منفعت کھینچی اور وہ منفعت قرض ہے۔ (المحیط البرھانی، ج10، ص352، مطبوعہ:ادارۃ القرآن)

فتاوی ہندیہ اور ردالمحتار میں ہے"فـان تـقـدم البيـع بان باع المطلوب منه المـعـامـلة مـن الطالـب ثوباً قيمته عشرون ديناراً باربعين ديناراً ثم اقرضه ستين ديـنـاراً اخـرى حتـى صـار له على المستقرض مائة دينار و حصل للمستقرض ثـمانون ديناراً ذكر الخصاف انه جائز، و هذا مذهب محمد بن سلمة امام بلخ ، و كثيـر مـن مشـايخ بلخ كانوا يكرهونه و يقولون: انه قرض جر منفعة ، اذ لو لاه لـم يتحمل المستقرض غلاء الثمن و من المشايخ من قال: يكره لو كانا في مجلس واحد و الا فلا بأس به، لان المجلس الواحد يجمع الكلمات المتفرقة فـكـانهما وجدا معاً فكانت المنفعة مشروطة في القرض و كان شمس الآئمة الـحـلواني يفتي بقول الخصاف و ابن سلمة يقول : هذا ليس بقرض جر منفعة بل هذا بيع جر منفعة و هي القرض اه ملخصاً"ترجمہ اوپر گزرا۔

(ہندیہ، ج3، ص203، : مکتبہ رشیدیہ)(ردالمحتار، ج7، ص397، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ)

طحطاوی علی الدر میں ہے:"مـا نـقـل عـن السـلـف من الحرمة حمله شيخ

الاسلام علی ما اذا کان مشروطاً فی الاستقراض و لو تقدم بیع ھذا المعانی علی القرض ذکر الخصاف جوازہ و ھو مذھب محمد بن سلمۃ و افتی الحلوانی بقولھما و کثیر من المشایخ کرھہ و بعضھم فصل بین المجلس و المجلسین" اسلاف سے جو حرمت منقول ہے اسے شیخ الاسلام نے اس پر محمول کیا جب یہ بیع قرض لینے میں مشروط ہو اور اگر بیع اس معنی پر قرض سے پہلے ہو تو امام خصاف رحمہ اللہ تعالی نے اس کا جواز ذکر کیا اور یہ محمد بن سلمہ کا مذہب ہے اور امام حلوانی نے ان دونوں کے قول پر فتوی دیا۔ کثیر مشائخ نے اسے مکروہ جانا اور ان مشائخ میں سے بعض ایک مجلس اور دو مجلس کا فرق بیان کیا۔ (طحطاوی علی الدر، ج3، ص105، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ)

جد الممتار میں ہے: "قولہ ذکر الخصاف انہ جائز و قال الزنجرلی انہ لا بأس بہ بالاتفاق کما فی مداینات العقود الدریۃ "مصنف کا قول: امام خصاف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ذکر کیا کہ یہ جائز ہے الخ امام زنجرلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا اس میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں جیسا کہ العقود الدریہ کی مداینات میں ہے۔

(جد الممتار، ج4، ص217، مخطوطہ)

العقود الدریۃ میں ہے:" و ذکر البقالی فی تفسیرہ ان عند محمد تکرہ و عند ابی یوسف لا بأس بھا و عند ابی حنیفۃ مثلہ قال الزنجرلی خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراھم لا بأس بالاتفاق" امام بقالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس کی تفسیر میں ذکر کیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک بھی ایسے ہی ہے امام زنجرلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا

کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا اختلاف قرض کے بعد عقدِ بیع میں ہے بہر حال جب وہ بیچے پھر دراہم قرض دے تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں۔

(العقود الدریۃ، ج2، ص386، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ)

سوال: ایک انجمن قرض حسنہ دیتی ہے اور واپسی چندہ کے نام پر کچھ اضافہ لیتی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے کہ یہ بھی سود جس پر صاف وشفاف کپڑا ڈالنے کی ناجائز کوشش کی جارہی ہے۔فتاوی فقیہ ملت میں ہے: ''چندہ اسلامی دینی شرعی ضرورتوں کے لئے لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔لیکن قرض لینے والوں سے سوروپے میں دس روپے لازمی طور پر چندہ لینا سود ہے۔حدیث پاک میں ہے: ''کل قرض جر منفعۃ فھو ربا'' یعنی قرض سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔اور سود حرام ہے۔

(ملخص فتاوی فقیہ ملت باب الربا، جلد02، صفحہ215، شبیر برادرز، لاہور)

سوال: اس نیت سے لوگوں کو قرض دے کر نفع لینا کہ غریبوں کو دوں گا کیسا ہے؟

جواب: غریبوں کی مدد کرنے کے لئے بھی سود پر قرض دینا جائز نہیں بلکہ حقیقت میں کچھ نہ کچھ حرام نفع اپنے پیٹ میں ڈالنے کے حیلے بہانے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''کل قرض جر منفعۃ فھو ربا'' جس قرض کی وجہ سے نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد06، صفحہ180، الدار السلفیۃ الھندیۃ)

سوال: اگر قرض دیتے ہوئے شرط لگائی کہ تو مجھے اس کے عوض فلاں شے دے گا۔اس طرح قرض لینا دینا کیسا ہے؟

جواب: قرض میں ایسی شرط لگانا جو قرض خواہ کے لئے مفید ہونا جائز ہے۔درمختار میں

ہے"القرض بالشرط حرام" ترجمہ: قرض میں شرط لگانا (جس میں قرض خواہ کو فائدہ ہو حرام ہے۔

(درمختار، کتاب البیوع،باب المرابحہ والتولیہ،فصل فی بیان التصرف، جلد06، صفحہ204،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: اس طرح (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) قرض لینا دینا حرام ہے تو جو شرط لگائی مقروض پر اس کی پاسداری ضروری رہی یا نہیں؟

جواب: قرض خواہ کی اپنے لئے لگائی گئی ہر وہ شرط جس میں اس کے لئے ناجائز فائدہ ہو، مقروض پر اُس کی پاسداری ضروری نہیں بلکہ شرط پورا نہ کرنا ضروری ہے۔ "والشرط لیس بلازم" درمختار میں ہے "والشرط لغو" شرط لغو ہے اس کی پاسداری ضروری نہیں۔

(درمختار، کتاب البیوع،باب المرابحہ ،فصل فی بیان التصرف ،جلد06،صفحہ204،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: دکاندار کا اپنے قرض خواہ کو ہول سیل ریٹ پر چیز دینا کیسا؟ اور اگر قرض خواہ قرض دے کر یہ شرط لگائے کہ مجھے سوا ہول سیل ریٹ پر دو گے، پھر کیا حکم ہے؟

جواب: ناجائز ہے کہ قرض دینے والے کو نفع مل رہا ہے اور قرض دے کر مقروض سے نفع لینا جائز نہیں، سود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "کل قرض جزمنفعة فھو ربا۔" جس قرض کی وجہ سے نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب البیوع ، جلد06،صفحہ 180،الدار السلفیۃ الھندیہ)

سوال: اپنے مقروض کے گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) قرض کے دباؤ کی وجہ سے ہے تو کھانا حرام ہے، یعنی مقروض اس وجہ سے کھانا کھلاتا ہے کہ نہیں کھلاؤں گا تو ابھی قرض مانگے گا یا قرض مانگنے میں سختی اختیار کرے

گا، یا پھر اس وجہ سے کھلائے کہ اس سے قرض لیا تھا کھانا نہ کھلایا تو ناراض ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اللہ فرماتا ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ اور آپس میں ایک دوسرے کا ناحق مال نہ کھاؤ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 188)

"اور قرضدار کے یہاں کھانا کھانا اگر قرض کے دباؤ کی وجہ سے ہے تو وہ بھی ناجائز ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد 13، صفحہ 578، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہیں، تو جائز ہے۔

سوال: قرض دار کا قرض خواہ کو رہنے کے لئے مکان دینا کیسا ہے؟

جواب: قرض خواہ اگر معروف کرایہ دے تو جائز ورنہ ناجائز ہے کہ یہ بھی سود ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں: "وهو مقيد أيضا بما قلنا إذا كان يدفع أجر المثل، وإلا كانت سكناه بمقابلة ما دفعه من الدراهم عين الربا كما قالوا: فيمن دفع للمقرض دارا" ترجمہ: جائز تب ہے کہ مالک مکان کو اجرت مثل دے ورنہ مکان کا استعمال قرض کے عوض ہونے کی وجہ سے عین سود ہوگا۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی الکدك، جلد 07، صفحہ 38، مطبوعہ، کوئٹہ)

یہ حکم تب ہے جب کہ وہ قرض کی وجہ سے دیا ہو اگر ان کے مابین آپس میں پہلے سے اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ لین دین، نرمی کا برتاو، دوسرے کی چیز استعمال کرنے کی عادت جاری تھی تو ناجائز نہیں۔ میزان میں ہے "بجواز قبول المقرض هدية ممن اقترض منه شيئا واكل طعامه وغير ذلك من سائر الانتفاعات بمال المقترض اذا جرت عادة بذلك قبل القرض۔" ترجمہ: قرض دینے والے کا قرض لینے والے سے تحائف لینا اور دعوت وغیرہ کھانا اس صورت میں جائز ہے جبکہ قرض لینے و دینے

سے پہلے بھی ان کے درمیان اس طرح کے تحائف ودعوتیں جاری تھیں۔

(میزان الکبری، کتاب البیوع،باب السلم والقرض، جلد02، صفحہ96، بیروت)

سوال: ہنڈی کسے کہتے ہیں۔

جواب: ہنڈی کی تعریف یہ ہے کہ کسی کوقرض دینااس شرط پر کہ واپسی فلاں شہر میں فلاں شخص کواداکرناہوگایایہ کہ فلاں شہر میں مجھے ہی واپس کرنا ہوگا۔عنایہ میں ہے "وصورتها أن يدفع إلى تاجر مالا قرضا ليدفعه إلى صديقه ، وقيل هو أن يقرض إنسانا مالا ليقضيه المستقرض في بلد يريده المقرض وإنما يدفعه على سبيل القرض لا على سبيل الأمانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق ، وهو نوع نفع استفيد بالقرض ، وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قرض جر نفعا ۔"ترجمہ:ہنڈی کی صورت یہ ہے کہ تاجر کوقرض دیااور کہا کہ اسے میرے فلاں دوست کوواپس کردینا۔اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کوقرض دے اور کہے کہ فلاں شہر میں مجھے واپس کرنا جس سے وہ راستے میں مال کے چوری ہونے سے محفوظ ہوجانے کانفع اٹھاتا ہے تو یہ بھی قرض دے کرنفع اٹھانے کی ایک قسم ہی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الحوالہ،جلد07،صفحہ231،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: ہنڈی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کتب وفتاوی میں اسے ناجائز وحرام لکھا ہے،عام کتب میں ہنڈی کے بارے کیالکھا ہے اسے سمجھانے کے لئے پہلے کچھ سوالات وجوابات قائم کروں گا تاکہ قاری کوہنڈی سے متعلق کتب فقہ میں لکھی تفصیلات معلوم ہوجائیں اورآخر میں فی زمانہ ہنڈی

کے بارے فقیر اپنی ذاتی تحقیق ورجحان پیش کرے گا۔لہٰذا قدوری میں ہے:"ویکرہ السفاتج وھو قرض استفاد به المقرض أمن خطر الطريق"ترجمہ:ہنڈی مکروہ تحریمی ہے اور یہ بھی ایک طرح کا قرض ہے جسے قرض خواہ دے کر راستے میں ضائع ہونے سے بچائے جانے کا نفع حاصل کرتا ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ ، کتب الحوالہ،جلد 01،صفحہ 669،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

سوال: ہنڈی کے جواز کی صورتیں ہیں کہ نہیں؟

جواب: ہنڈی کے جواز کی دو صورتیں ہیں:۔

(1)قرض میں یہ شرط ہی نہ ہو کہ مقروض فلاں شہر میں دے گا بلکہ مقروض اپنی مرضی سے فلاں شہر ادا کردے تو جائز ہے۔عنایہ میں ہے"ھذا إذا کانت المنفعة مشروطة ؛ وأما إذا لم تكن فلا بأس بذلك"ترجمہ:یہ ناجائز اسی صورت میں ہے کہ جب سقوط خطر طریق کی منفعت کی شرط رکھی،بلا شرط رکھے جائز ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الحوالہ،جلد 07،صفحہ 232،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

(2)دوسری یہ کہ اس شرط پر قرض کافر کو دیا جائے تو جائز ہے۔یعنی ہنڈی کی سروس کافر سے لی جائے تو شرعا جائز ہے۔

یہ وہ ہنڈی ہے جس کا ذکر پرانی کتابوں میں موجود ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے دور میں بھی یہی ہنڈی تھی۔

ہنڈی کے بارے فقیر کی ذاتی تحقیق

کتب فقہ میں جس ہنڈی کو ناجائز وحرام لکھا ہے فی زمانہ اس انداز سے ہنڈی نہ رہی، ہنڈی قدیم قرض محض تھی جبکہ فی زمانہ ہنڈی جدید دو طرح کی ہے:۔

(1) اندرون ملک ہنڈی

(2) بیرون ملک ہنڈی

فی زمانہ اندرون ملک ہنڈی اجارہ ہے جو مثل ڈاکخانہ کے ہے جس کے جواز کا فتاوی رضویہ میں تفصیلی فتوی موجود ہے۔اور بیرون ملک ہنڈی خرید وفروخت ہے جو کہ جائز ہے۔

ہنڈی کا طریقہ کار

Mony Exchangers یعنی ہنڈی رقم کی ترسیل اندورن وبیرون ملک میں یکساں طور پر کرتے ہیں۔اوراس کی فیس ملک کے اندرفی لاکھ 200 روپے ہے۔ان Mony Exchangers کے ملک وبیرون ملک میں ایجنٹ ہوتے ہیں جو رقم کی ترسیل کرتے ہیں۔اس کا طریقہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ ایک فرد دوسرے کو رقم بھیجنا چاہتا ہے تو وہ Mony Exchangers سے رابطہ کرتا ہے۔اور اسے ایک لاکھ ادھر ہی دے دیتا ہے۔وہ اپنے ایجنٹ کو کہتا ہے کہ وہ فلاں شخص کو رقم پہنچادے۔اوراس سے دوسوروپیہ حق الخدمت لے لیتا۔اوراندرون ملک یہ کام غیرقانونی بھی نہیں۔

تقریبا یہی طریقہ غیرملکی کرنسی میں رقم بھیجنے کا ہوتا ہے۔آپ بیرون ملک امریکہ میں طالب علم کو 1000 ڈالر بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ آپ سے اس دن کے ڈالر کی قیمت کے بدلے چینج کرلیں گے۔اوراس پر اپنی فیس مقرر کردیں گے۔عام طور پر لوگ اس معاملہ کو صرف رقم کی منتقلی کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ خرید وفروخت ہوتی ہے۔ملک کے اندر یہ کام کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔البتہ بیرون ملک سے ڈالر لانا اور گورنمنٹ کی نظروں سے بچ کر یہ کام کرنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔غیرملکی ہنڈی پر گورنمنٹ کی جانب سے پابندی اور جرم

ہے۔

فقہی بحث

ہمارے فقہاء کرام نے جو ہنڈی کے عدم جواز کا فتوی دیا یہ وہ ہنڈی تھی جس کا طریقہ یوں تھا کہ ایک شخص دوسرے کو قرض دے اس شرط پر کہ مجھے یا میرے فلاں کو فلاں شہر میں واپس کرنے ہوگے۔جیسا کہ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں''زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں،اس کا نام ہنڈی ہے۔''
(فتاوی رضویہ،جلد17،صفحہ712،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے''وصورتها أن يدفع إلى تاجر مالا قرضا ليدفعه إلى صديقه ، وقيل هو أن يقرض إنسانا مالا ليقضيه المستقرض في بلد يريده المقرض۔'' (عنایہ شرح ہدایہ،کتاب الحوالہ،جلد7،صفحہ231،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

اور اسی ہی کے متعلق فقہاء نے صراحۃً عدم جواز کی عبارتیں تحریر فرمائیں۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں''یہ ناجائز و گناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے منی کہتے ہیں وہ نرا سود حرام قطعی ہے۔''
(فتاوی رضویہ،جلد17،صفحہ712،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اور وجہ عدم جواز کی یہ فرمائی کہ اس میں مقرض یعنی قرض دینے والے کو سقوط خطر طریق کا نفع حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ عنای شرح ہدایہ میں ہے''إنما يدفعه على سبيل القرض لا على سبيل الأمانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق ، وهو نوع نفع استفيد بالقرض ، وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قرض جر نفعا

۔" (عنایہ شرح ھدایہ، کتاب الحوالہ،جلد07،صفحہ 231،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مروجہ اندورن وبیرون ملک ہنڈی کے حکم سے قبل یہ بات یادرہے کہ اختلاف زمان ومکان وہیئت کی بنا پر حکم میں تبدیلی کوئی تعجب خیز نہیں۔مشہور قاعدہ فقہیہ ہے کہ "لاینکر تغیر الاحکام بتبد الازمان" یعنی تغیر زمانہ کی بنا پر تبدیلی حکم کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔مبسوط کتاب الاجارہ کے باب اجارہ فاسدہ میں "ولا یبعد أن یختلف الحکم باختلاف الأوقات (ألا تری) أن النساء کن یخرجن إلی الجماعات۔الخ۔ یعنی یہ کوئی بعید بات نہیں کہ اختلاف اوقات کے سبب حکم مختلف ہوجائے کیا تمہیں پتہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتیں لیکن اب ممنوع ہیں۔

نیز اسی طرح جب ایک شے کی ہیئت وانداز وطریقہ تبدیل ہوجائے تو حکم میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔جیسا کہ پہلے زمانے میں بیع کی صورت میں مکان کے ایک ہی کمرے کو دیکھنے سے خیار ساقط ہوجاتا تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ عموما لوگوں کے گھر ایک ہی ہیئت پر ہوتے تھے۔لیکن جب زمانہ بدلا لوگوں کے مکانوں کو بنانے کے انداز میں تبدیلی واقع ہوئی تو ہمارے فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے صرف ایک کمرے کو دیکھنے سے خیار کے ساقط ہونے کا فتویٰ نہ دیا بلکہ جب تک اندر سے پورے مکان کو دیکھ نہ لے خیار رویت کے ساقط نہ ہونے کا فتوی دیا۔جیسا کہ شرح المجلہ میں ہے "اثبت الشرع خیار الرؤیۃ لمن اشتری شیئا ولم یرہ فالفقہاء المتقدمون کان فی عصرھم اعتیاد الناس علی بناء الدور علی نسق واحد لاتفاوت بین بیوتھا فقالوا ان رؤیۃ بیت واحد من الدار یغنی عن رؤیۃ الجمیع فی اسقاط الخیار واخیرا لما اختلف

طرز الانشآت و کان الدار یختلف بعض بیوتھا عن بعض بحسب عادتھم ،افتی المتأخرون بأنہ لابد من رؤیۃ جمیعھا فھذا لیس اختلاف حجۃ و برھان بل اختلاف عصر زمان۔ "عبارت کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر درج ہے۔

(شرح المجلہ،جلد01،المادہ39،صفحہ 91،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

اندرون ملک ہنڈی

فی زمانہ اندرون ملک جو ہنڈی رائج ہے وہ فقہاء کے بیان کردہ طریقے پر نہیں بلکہ اس کے خلاف اور ڈاک خانہ کے طریقہ پر مشتمل ہے۔اندرون ملک ہنڈی کی شرعی حیثیت ڈاک خانہ کی طرح قرض بشرط الاجارہ کی ہے۔اور ڈاک خانہ کے متعلق سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جواز کا فتوی دیا جس کی وجہ سے اندرون ملک ہنڈی جائز ہے۔دلیل کے طور پر پہلے ہم اس عبارت کو نقل کرتے ہیں ،بعدہ اس عبارت میں اندرون ملک ہنڈی اور فقہاء کی بیان کردہ ہنڈی میں کیا فرق ہے،اسے وضاحت سے بیان کریں گے ،پھر مروجہ اندرون ملک ہنڈی کے مثل ڈاک خانہ ہونے کی نشاندہی کریں گے،جس سے اس کا جواز بالکل واضح ہو جائے گا۔چنانچہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں"ہنڈی اور منی آرڈر میں فرق بیان کرتے ہوئے سیدی و مرشدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن لکھتے ہیں"ثم اقول:وبہ استعین۔ان مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ و مہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی مگر اس تقریر منیر سے بحمداللہ سبحنہ وتعالیٰ وہ شبہ بھی حل ہو گیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ

کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بر بنائے قرض اس نے حاصل کیا و کل قرض جر منفعة فهو ربا (جو قرض نفع مند ہو وہ ربا ہے۔ بظاہر منی آرڈر و ہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائے تو آفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ ان میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعة فهو ربا بلاشبہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادوستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے، مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علماء نے سفتجہ کی تفسیر ہی یہی فرمائی، ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے: واللفظ للشامی صورتها ان يدفع الى تاجر مالاقرضا ليدفعه الى صديقه وانما يدفعه قرضا لا امانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق ۔شامی کے الفاظ میں ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ تاجر کو قرض دیا کہ وہ یہ قرض میرے دوست کو پہنچا دے اور رقم امانت کی بجائے قرض کی صورت میں دی تا کہ راہ کے خطرہ سے محفوظ رہے۔

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتی بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لئے متکفل، قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلا متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اسکی طرف راجع، فرض کیجئے اگر ڈاکخانہ زرمنی آرڈر بعینہ بھیجا

کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے اور اگر وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہو چکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتا ہے، کہ مصر و عرب و شام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جا کر ازانجا کہ وہاں سکہ سیم نہیں سکہ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹالیا جاتا ہے، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرا یعنی اہالی ڈاک نے اپنے آسائش و تحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ و منی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان، لہذا یہ ٹھہرالیا کہ زر داخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں یدفعہ قرضا یستفید به (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔) صادق نہیں بلکہ یاخذ قرضا یستفید به، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔ قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے، تحقیق یوں چاہئے، اور توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی آرڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر و غور تھا اذہان مفتیان اگر اس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرز فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل۔ اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس محتمل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض و داخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہوا جس میں احد العاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع و فساد عقد کے لئے بس ہے ولکنی اقول وبحول

اللہ تعالیٰ احول (لیکن میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے لکھتا ہوں۔) ہنوز بلوغ شرط تا حد افساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد وامصار واقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر وسائر ہونا تو محتاج بیان نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ76-575، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مذکورہ عبارت میں فقہاء کی بیان کردہ یعنی قدیم اور فی زمانہ یعنی اندرون ملک ہنڈی میں فرق:۔

فرق نمبر1:۔

ہنڈی قدیم یہ ہے جیسا کہ امام احمد رضا خان فرماتے ہیں "زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے۔" اور "ہنڈی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادوستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے۔"

ہنڈی جدید (اندرون ملک کی) مثل ڈاک خانہ اجیر مشترک کی دکان ہے جیسا کہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتیٰ بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی۔"

فرق نمبر2:۔

ہنڈی قدیم قرض محض ہے۔ جیسا کہ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعۃ فھو ربا بلا شبہ صادق۔"

ہنڈی جدید قرض بشرط الاجارہ ہے۔ جو ڈاک کی طرح تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔

فرق نمبر 3:۔

ہنڈی قدیم میں نفع مقرض کا ہے۔ جیسا کہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اس نے حاصل کیا و کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔

جبکہ جدید میں ڈاک خانہ والوں کی طرح نفع مستقرض کا ہے جو کہ شرعاً ممنوع نہیں۔ اور مستقرض یعنی ڈاک خانہ و ہنڈی جدید کرنے والوں نے مال ہلاک ہونے کی صورت میں جب ذمہ داری قبول کر لی جو کہ اس مال کے قرض ہونے کی بین دلیل ہے۔ تو اب انہوں نے کیا کیا کہ کہیں اسی مال کو لے کر جائیں تو کہیں ضائع و ہلاک نہ ہو کہ تاوان دینا پڑے تو انہوں خود کو خطر طریق سے بچایا نہ کہ مقرض کو لہٰذا فائدہ مستقرض یعنی ہنڈی والوں کا ہوا نہ کہ قرض دینے والوں کا (قرض فرض کرنے کی صورت میں)۔ جیسا کہ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرا یعنی اہالی ڈاک نے اپنے آسائش و تحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا،

ذمہ داری بیمہ ومنی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان، لہذا یہ ٹھہرالیا کہ زر داخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں یدفعہ قرضا یستفید بہ (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔) صادق نہیں بلکہ یاخذ قرضا یستفید بہ، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔ قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے"

ڈاک خانہ اور ہنڈی جدید کے ہم مثل ہونے کی نشاندہی:۔

(1) ڈاک خانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے۔ اور ہنڈی (اندورن ملک) کا بھی یہی حال ہے کہ آج کل باقاعدہ اس کے لئے دفاتر قائم ہیں جبکہ ہنڈی قدیم میں ایسا نہیں تھا۔

(2) ڈاک خانہ والوں کے پاس بھی مال بطور قرض ہوتا ہے اور ہنڈی اندرون ملک میں بھی یہی حیثیت ہے۔

(3) ڈاک خانے والے بھی کچھ اجرت لیتے ہیں اور یہی حال مذکورہ ہنڈی والوں کا بھی ہے۔

(4) ڈاک خانے کے مال دوسری جگہ بھجوانے سے سقوط خطر طریق کا نفع مستقرض (ڈاک خانے) کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ مقرض کو اور فی زمانہ بیان کردہ ہنڈی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

(5) ڈاک خانہ میں بھی قرض بشرط الاجارہ ہے جو اپنی اصل وضع میں ناجائز لیکن بسبب تعامل جائز اور یہی تعامل مذکورہ ہنڈی میں بھی ہے۔

نوٹ: ہرگز یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ فتوی فتاوی رضویہ کے خلاف ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جس ہنڈی کو ناجائز وحرام کہا وہ حق ہے اور ہم بھی اسے ناجائز ہی کہتے ہیں۔ لیکن اندرون ملک ہنڈی وہ نہیں کہ معترض اعتراض کرے۔ سائل کے سوال کی ایک شق کہ ہنڈی فی زمانہ جائز ہے تو سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے فتوی کی وضاحت۔۔ وہ بھی ماقبل سے واضح ہوگئی۔

بیرون ملک ہنڈی

یہ بھی جائز ہے۔ ہاں بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ بیرون ملک ہنڈی بھی اندرون ملک ہنڈی کی طرح ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا طریقہ وشرعی حیثیت اندرون ملک ہنڈی سے مختلف ہے۔ وہ یوں کہ اندرون ملک ہنڈی ڈاک خانہ کی طرح قرض بشرط الاجارہ ہے جبکہ خود ہنڈی والوں کے بیان کردہ طریقے کے مطابق غیر ملکی کرنسی کی صورت میں یہ خرید وفروخت ہے جیسا کہ خود سائل نے زبانی کہا کہ جب میں اپنے بھائی کو امریکہ ڈالر پہنچانے کے لئے ہنڈی والوں کے پاس جاتا ہوں تو انہیں کہتا ہوں کہ یہ رقم ڈالر میں امریکہ پہنچانی ہے تو وہ مارکیٹ ریٹ کے مطابق مجھے کہتے ہیں کہ اس کے اتنے ڈالر ہیں اور اتنی ہماری فیس ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔

اگر پاکستانی یا کسی بھی ملک کا قانون ہنڈی کی اجازت دے تو شرعا اس میں کوئی قباحت نہیں اور اگر ملکی قانون اجازت نہ دے تو اجازت نہیں۔ سیدی ومرشدی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفیسہ جلیلہ حفظ کرنے

کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔۔۔ اور اپنے اس حق تک قانوناً نہ پہنچ سکتا ہو تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانوناً ناجائز ہو اور جرم کی حد تک پہنچے شرعاً بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی روا نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 192، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: اگر کوئی کہے کہ بنک سے قرضہ لیں تو واپسی پر زیادہ پیسے دینے پڑتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ آج کا 100 روپیہ پہلے کے 10 روپے کے برابر ہو چکا ہے پیسے کی قیمت کم ہوتی جارہی ہے اگر بنک سے قرضہ 50 ہزار لیا تو دس سال بعد اسکی ویلیو 30 ہزار رہ جاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ سونا آج 100 روپے کا ہے تو 5 سال بعد 1000 روپے کا ہوگا۔ بنک والے سونا قرضہ دیں اور کہیں کہ اتنا ہی سونا دس سال بعد دے دینا تو بات وہی ہے سونا زیادہ قیمت والا واپس کرے گا جبکہ سونے کا وزن اتنا ہی ہوگا۔ یہ قول کیسا ہے؟

جواب: بنک سے اس طرح قرض لینا ربوا بالنسیہ ہے اور ربوا بالنسیہ یعنی ادھار لے کر ایک معین رقم بطور سود اصل رقم کے علاوہ دینا حرام قطعی ہے، سود خور کا حرام قطعی کے مقابلے میں اس طرح قیاس کرنا اس کی جہالت اور سفاہت پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس کا یہ قول بر وجہ انکار ہے تو کفر ہے۔

یاد رہے کہ ربوی اشیاء کی زیادتی جہاں منع ہے وہاں چیز کی مالیت نہیں دیکھی جائے گی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفة﴾ یعنی اے ایمان والو! سود کو دو ہرا چوہرا کر کے نہ کھاؤ۔

(سورۃ آل عمران آیت 130)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" کل قرض جر منفعة فھو ربوا "یعنی ہر وہ قرض جو نفع کھینچے سود ہے۔

(کنز العمال ، کتاب الدعوی،فصل فی لواحق کتاب الدین،جلد06،ص351، بیروت)

قدوری میں ہے "ولا یجوز بیع الجید بالردی مما فیہ الربوا الا مثلا بمثل" جید کی ردی کے بدلے میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہاں برابری کے ساتھ درست ہے۔ (المختصر القدوری ، کتاب البیوع،باب الربا،صفحہ83،مطبوعہ کراچی)

سوال: زید نے بنک سے کئی بار قرض لے کر سود دیا جس کی مالیت پچاس ہزار روپے ہے اب زید کے پاس جائز طریقے سے ایک بڑی رقم آئی اس نے بنک میں رکھوادی، ایک عرصہ بعد جب رقم نکلوائی تو بنک نے پچاس ہزار سود دیا، کیا زید یہ سمجھ کر رکھ سکتا ہے کہ انہوں نے میرے پچاس ہزار ناجائز کھائے تھے وہ واپس لے رہا ہوں نہ کہ سود۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جائز ہے جبکہ بنیت سود نہ لے بلکہ اپنا حق سمجھ کر لے اور صرف اتنا ہی رکھے جتنا اس کا حق ہے زیادہ لینا گناہ وسود ہے۔ مثلاً اس کو اضافہ ساٹھ ہزار دے رہے ہیں جب کہ اس سے جو بنک نے لیا تھا وہ پچاس ہزار ہے تو اب یہ پچاس ہی لے سکتا ہے زیادہ نہیں لے سکتا۔ ہاں اگر بنک کافروں کا ہے تو بلانیت سود جتنا بھی ملے لینا جائز ہے۔

(فتاوی رضویہ،جلد17،صفحہ378،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

ردالمحتار میں ہے"(قوله : لأنه بالتسليم لم يبق له ملك ولا يد) فيه نظر ، لما في الأشباه من أن الربا لا يملك فيجب عليه رد عينه مادام قائما ، حتى لو أبراه صاحبه لا يبرأ منه ؛ لأن رد عينه القائمة حق الشرع .وبه علم أن صاحب الربا في عبارة المصنف وهو الذى قبضه لم يملكه بل بقي على ملك المعطى

فصار المعطی مالکا والقابض ذا ید فتصح مطالبۃ کل منھما بمنزلۃ المغصوب کما ھو صریح عبارۃ المصنف الآتیۃ تبعا للکنز ولصاحب النھر ھنا کلام غیر محرر فراجعہ وتدبر۔" خلاصہ عبارت یہ ہے کہ سود لینے والا سود کی رقم کا مالک نہ ہوگا بلکہ اس کا مالک وہی ہے جس نے سود دیا حتی کہ یہ معاف بھی کر دے تو پھر بھی معاف نہ ہوگا کہ اس کو ختم کرنا اور واپس کرنا حق شرع ہے۔ الختصر یہ کہ سود لینے والے کا قبضہ غاصب کی طرح کا ہے جس سے مطالبہ کیا جانا بالکل درست ہے۔

(ردالمحتار، کتاب السرقۃ باب کیفیۃ القطع واثباتہ، جلد06، صفحہ70-170، مطبوعہ، کوئٹہ)

سوال: سودی قرض لینا حرام ہے لیکن جو اصل رقم ہوتی ہے یعنی زید نے پچاس ہزار قرض لیا اس شرط پر کہ سالانہ ہزار روپیہ زیادہ ہوتا رہے گا۔ تو کیا یہ پچاس ہزار بھی حرام ہے اور اس سے کام کر کے جو نفع کمایا وہ بھی حرام ہے یا حلال؟

جواب: اصل قرض یعنی پچاس ہزار حلال اور اس سے بصورت کاروبار جو نفع کمایا وہ بھی حلال، حرام صرف وہ ہے جو اصل قرض سے زائد دینا طے ہوا۔ "فان الخبث فیما اعطی لافیما اخذ وھذا ظاھر جدا۔" ترجمہ: خباثت اس میں ہے جو اضافی دیا نہ کہ اس میں جو لیا یعنی اصل قرض کی رقم۔ یہ بات بہت ظاہر ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ646، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے بروصلہ زائد ادا کرنا سود ہے یا نہیں؟

جواب: احساناً زیادہ دینا جائز ہے بلکہ خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد شریف میں ہے "فأتینا بہ مکۃ فجاء نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فساومنا بسراویل فبعناہ وثم رجل یزن بالأجر فقال لہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم زن وأرجح۔"یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وزن کرنے والے سے ارشاد فرمایا: تول اور زیادہ دے دے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجحان، جلد 02، صفحہ 265، بیروت)

سوال: اگر سودی قرض لے لیا ہو بعد میں ذہن بنا کہ سود نہ دوں گا لیکن قرض خواہ نہیں چھوڑ رہا بلکہ مسلسل مطالبہ کئے جا رہا ہے تو کیا کیا جائے؟

جواب: پہلے توبہ کی جائے پھر قرض خواہوں سے سودی معاملہ ختم کرنے کا کہا جائے پھر اگر قرض خواہ سود چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے اور سود لینے پر بضد ہیں، نہ دینے پر قانونی کاروائی کر سکتے ہیں تو وبال اُن پر ہے، دل میں برا جانتے ہوئے معاہدے کے مطابق دیتا رہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے پہلے سود کی حرمت وممانعت ارشاد فرمائی۔ پھر فرمایا: "پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہوسکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انہیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیر موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعہ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد ونیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا، شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی ربا ومحرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی۔۔۔۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 312، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بندہ سود دے رہا تھا کہ توبہ کرلی تو جتنا سود دے چکا اسے اپنے قرض کے عوض میں کٹوا سکتا ہے۔

سوال: ضرورت کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: ضرورت کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت ہے لیکن ضرورت ایسی ہو جسے شرع بھی ضرورت قرار دے، لوگ جسے ضرورت بنا لیتے ہیں وہ عموماً ضرورت نہیں ہوتی۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فرمایا: "اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ولہٰذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری (مالدار بننے) کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ

قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت متحقق ہو لی، حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت و مطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم (اہم) سمجھا اور اس کیلئے بعض محظورات (ممنوع کاموں) کو جائز فرمایا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 299، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: ضرورت کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت ہے تو کیا قرض خواہ کو جو سود ملے گا اس کے لئے بھی ضرورت مند کے صدقے جائز ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: نہیں! قرضخواہ کے لئے بدستور حرام قطعی رہے گا کہ ضرورت مجبور کو ہے اس کو سودی قرض دینے کی کوئی مجبوری نہیں کہ اس کے لئے بھی جائز ہو جائے۔ کتاب الآثار میں ہے "محمد قال: اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال: کل قرض جر منفعۃ فلا خیر فیہ۔ وبہ ناخذ۔ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔" امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی ابو حنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے وہ فرماتے ہیں: ہر وہ قرض جس میں نفع ہو اس میں بھلائی نہیں۔

(کتاب الآثار، کتاب البیوع، باب القرض، صفحہ 178، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح سود لینا حرام فرمایا، سود دینا بھی حرام کیا ہے۔ حدیثوں میں دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ دونوں برابر ہیں۔ آج کل سود کی اتنی کثرت ہے کہ قرض حسن جو بغیر سود ہوتا ہے بہت کم پایا جاتا ہے، دولت والے کسی کو بغیر نفع روپیہ دینا چاہتے نہیں اور اہل حاجت اپنی حاجت کے سامنے اس کا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ

سودی روپیہ لینے میں آخرت کا کتنا عظیم وبال ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔لڑکی لڑکے کی شادی۔ختنہ اور دیگر تقریبات شادی وغمی میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں۔برادری اور خاندان کے رسوم میں اتنے جکڑے ہوئے ہیں کہ ہر چند کہیے ایک نہیں سنتے ،رسوم میں کمی کرنے کو اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو اولاً تو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ان رسوم کی جنجال سے نکلیں،چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں اور دُنیا وآخرت کے تباہ کن نتائج سے ڈریں۔تھوڑی دیر کی مسرت یا ابنائے جنس میں نام آوری کا خیال کرکے آئندہ زندگی کو تلخ نہ کریں۔اگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں ،قرض کا بارگراں اپنے سر ہی رکھنا چاہتے ہیں بچنے کی سعی نہیں کرتے جیسا کہ مشاہدہ اسی پر شاہد ہے تو اب ہماری دوسری فہمائش ان مسلمانوں کو یہ ہے کہ سودی قرض کے قریب نہ جائیں۔بنص قطعی قرآنی اس میں برکت نہیں اور مشاہدات وتجربات بھی یہی ہیں کہ بڑی بڑی جائدادیں سود میں تباہ ہو چکی ہیں یہ سوال اس وقت پیش نظر ہے کہ جب سودی قرض نہ لیا جائے تو بغیر سودی قرض کون دیگا پھر اُن دُشواریوں کو کس طرح حل کیا جائے۔اس کے لئے ہمارے علمائے کرام چند صورتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں کہ اُن طریقوں پر عمل کیا جائے تو سود کی نجاست ونحوست سے پناہ ملتی ہے اور قرض دینے والا جس ناجائز نفع کا خواہش مند تھا اُس کے لئے جائز طریقہ پر نفع حاصل ہوسکتا ہے۔صرف لین دین کی صورت میں کچھ ترمیم کرنی پڑے گی۔مگر ناجائز وحرام سے بچاؤ ہو جائے گا۔

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ دل میں جب یہ ہے کہ سود دے کر ایک سو دس لئے جائیں پھر سود سے کیونکر بچے ہم اُس کے لئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شرع مطہر نے جس عقد کو جائز بتایا وہ محض اس تخیل سے ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا۔دیکھو! اگر روپے سے چاندی خریدی

اور ایک روپیہ کی ایک بھر سے زائد لی یہ یقیناً سود وحرام ہے، صاف حدیث میں تصریح ہے "الفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل یدا بید والفضل ربا " اور اگر مثلاً ایک گنی جو پندرہ روپے کی ہو اُس سے پچیس روپے بھر یا اور زیادہ چاندی خریدی یا سولہ آنے پیسوں کی دو روپیہ بھر خریدی اگرچہ اس کا مقصود بھی وہی ہے کہ چاندی زیادہ لی جائے مگر سود نہیں اور یہ صورت یقیناً حلال ہے۔ حدیث صحیح میں فرمایا:"اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔" معلوم ہوا کہ جواز وعدم جواز نوعیت عقد پر ہے۔ عقد بدل جائے گا حکم بدل جائے گا۔ اس مسئلہ کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم دو حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔

صحیحین میں ابو سعید خدری وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا وہ وہاں سے حضور کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لائے، ارشاد فرمایا: کیا خیبر کی سب ایسی ہوتی ہیں؟ عرض کی: نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع لیتے ہیں اور تین صاع کے بدلے میں دو صاع لیتے ہیں۔ فرمایا: ایسا نہ کرو معمولی کھجوروں کو روپیہ سے بیچو پھر روپیہ سے اس قسم کی کھجوریں خریدا کرو اور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے، ارشاد فرمایا: کہاں سے لائے، عرض کی: ہمارے یہاں خراب کھجوریں تھیں اُن کے دو صاع کو ان کے ایک صاع کے عوض میں بیچ ڈالا۔ ارشاد فرمایا:! افسوس یہ تو بالکل سود ہے یہ تو بالکل سود ہے ایسا نہ کرنا، ہاں! اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر پھر انکو خریدو۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ بات وہی ہے کہ عمدہ کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں مگر اپنی کھجوریں زیادہ دیکر لیتے ہیں، سود

ہوتا ہے اور اپنی کھجوریں روپیہ سے بیچ کر اچھی کھجوریں خریدیں یہ جائز ہے۔

(بہارِ شریعت، سود کا بیان، حصہ 11، صفحہ 7-776، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سود سے پیدا ہونے والی خرابیاں

خزائن العرفان میں ہے: اس آیت میں سود کی حرمت اور سود خواروں کی شامت کا بیان ہے سود کو حرام فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں بعض ان میں سے یہ ہیں کہ سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل وعوض کے لینا ہے یہ صریح ناانصافی ہے دوم سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے کہ سود خوار کو بے محنت مال کا حاصل ہونا تجارت کی مشقتوں اور خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارتوں کی کمی انسانی معاشرت کو ضرر پہنچاتی ہے۔ سوم سود کے رواج سے باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرض حسن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا چہارم سود سے انسان کی طبیعت میں درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہوتی ہے اور سود خوار اپنے مدیون کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے اس کے علاوہ بھی سود میں اور بڑے بڑے نقصان ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت ہے مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود خوار اور اس کے کار پرداز اور سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا وہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

(سورۃ البقرۃ، تحت آیت 275)

سوال: اپنا گھر بنانے کے لئے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

جواب: سود حرام قطعی ہے جس سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے، حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے گواہوں

سب پر لعنت آئی سود لینا کسی صورت میں جائز نہیں حرام ہے یونہی سود دینا بھی ناجائز وحرام مگر الضرورات تبیح المحظورات کہ ضروریات ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں، کے پیش نظر علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا کہ محتاج وضرورت مند کو سودی قرض لینا اور سود دینا جائز قرار دیا ہے مگر واقعی سچی حاجت درکار ہے یعنی بغیر سود پر قرض لئے گزارہ بہت دشوار ہو بغیر سودی قرض کسی سے نہ ملتا ہو تو بقدر ضرورت سودی قرض لے لیا جائے اس صورت میں محتاج سود دیگا تو گنہگار نہ ہوگا ہاں لینے والا بہر صورت گنہگار ہے۔

لہٰذا اگر واقعی کسی کے پاس نہ اپنا مکان ہے نہ پلاٹ نہ کوئی سونا چاندی اور نہ ہی اپنے پاس حاجت سے زائد موجود کوئی ایسی چیز کہ جسے بیچ کر مکان خرید لے اور نہ ہی کوئی قرض حسن دینے والا اور نہ ہی سائل کا کوئی ایسا کاروبار ہے کہ جہاں سے اتنی آمدنی کی توقع کہ جس سے مکان کی بقدر روپیہ کما سکے تو بقدر ضرورت سودی قرض لے کر بقدر ضرورت مکان خریدنا جائز ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ضرورتاً ثابت ہو تو وہ بقدر ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ البحر الرائق 88/6 میں ہے "والأصل أن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها" مگر اس صورت میں قرض دینے والے کے لئے سود لینا پھر بھی حرام ہوگا کیونکہ سود حرام ہے اور سائل کے لئے بوجہ حاجت وضرورت رخصت ہے جبکہ سودی قرض دینے والے کے لئے کوئی حاجت وضرورت نہیں کہ جو اس کے لئے سود لینے کو حلال کر دے۔

سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روز مرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تا کہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے، پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟

اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں "سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ اٰکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ۔ اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی کرنیوالے پر۔ مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔۔۔

اقول محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا نوسو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سو دوسو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ولہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا احتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا،

اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس وتحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت (عہ) وملعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کیلئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، باینہمہ شرع نے حفظ آبرو کیلئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 299، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: قرضدار اس وجہ سے قرض دینے سے انکار کرتا ہے کہ ایزی پیسہ کے ذریعے بھیجے گا تو اس کے پیسے لگیں گے۔ مقروض کہتا ہے کہ میں آپ سے قرض لے رہا ہوں اور آپ کو کہتا ہوں کہ آپ یہ پیسے ایزی پیسہ کے ذریعے بھجوا دو اسکی فیس بھی میں دوں گا۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: ایسا جائز نہیں ہے۔ ایزی پیسہ کی فیس قرضخواہ پر ہی ہوگی، مقروض اپنے پاس سے نہیں دے سکتا کہ یہ سود ہے۔ ایزی پیسہ والے اجیر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں جب قرض دینے والا ان کے ذریعے قرض بھیجے گا تو اس کی فیس اس پر ہوگی، اسی طرح مقروض اگر ایزی پیسہ کے ذریعے قرضخواہ کو پیسے بھیجے گا تو اس کی فیس مقروض پر ہوگی۔

اسی طرح بعض لوگ بینک کے ذریعے قرض بھیج دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ

کو پیسے دینے میں ہمیں بنک میں اتنے پیسے فیس دینی پڑی وہ بھی مقروض سے لیتے ہیں تو یہ جائز نہیں، بعض دفعہ مقروض کہہ دیتا ہے کہ آپ بھیج دو جو بینک کو فیس دو گے وہ بھی آپ کو قرض کے ساتھ واپس کروں گا یہ سب جائز نہیں۔

☆۔۔دسواں باب :قرض کے متفرق مسائل۔۔☆

سوال: اللہ کے قرض سے کیا مراد ہے؟ قرآن وحدیث میں بعض مقامات پر اللہ کو قرض دینے کا ذکر آیا ہے اور بعض جگہ آیا ہے کہ اللہ کا قرض ادا کرو۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کی دو مرادیں ہو سکتیں ہیں:۔

(1) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام ہیں۔جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے۔ (فتاوی رضویہ،جلد10،صفحہ178،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

(2) دوسرا اس سے مراد اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر نفلی صدقہ وخیرات کرنا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے"باب کراهية منع الصدقة إذ مانعها مانع استقراض ربه، إذ الله عز وجل سمى الصدقة قرضا استقرض الله عباده ، ووعد على ذلك بتضعيف الصدقة أضعافا كثيرة قال الله عز وجل ﴿مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ ترجمہ:صدقے سے منع کرنے کے مکروہ ہونے کا بیان،صدقہ سے منع کرنے والا اپنے رب کو قرض دینے سے منع کر رہا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے صدقہ کو قرض کہا جسے وہ اپنے بندوں سے لیتا ہے اور اس صدقہ کو بہت زیادہ (ثواب کے لحاظ) کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ترجمہ کنزالایمان: ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لئے بہت گنا بڑھا دے۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الزکوۃ،جلد04،صفحہ113، بیروت)

اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں "یعنی راہ خدا میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے راہِ خدا میں خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر فرمایا یہ کمال لطف وکرم ہے بندہ اس کا بنایا ہوا اور بندے کا مال اس کا عطا فرمایا ہوا حقیقی مالک وہ اور بندہ اس کی عطا سے مجازی ملک رکھتا ہے مگر قرض سے تعبیر فرمانے میں یہ دل نشین کرنا منظور ہے کہ جس طرح قرض دینے والا اطمینان رکھتا ہے کہ اس کا مال ضائع نہیں ہوا وہ اس کی واپسی کا مستحق ہے ایسا ہی راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ اس انفاق کی جزا بالیقین پائے گا اور بہت زیادہ پائے گا۔"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر245)

اور سورۃ الحدید کی آیت ﴿من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا﴾ کے تحت لکھتے ہیں "یعنی خوش دلی کے ساتھ راہِ خدا میں خرچ کرے اس انفاق کو اس مناسبت سے قرض فرمایا گیا ہے کہ اس پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔" (سورۃ الحدید، آیت 11)

سوال: قرآن میں جہاں اللہ کو قرض حسنہ دینے کا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد زکوۃ ہے یا نفلی صدقات؟

جواب: اس سے نفلی صدقات مراد ہیں۔ مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس قرض سے مراد زکوۃ کے سوا راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے، صلہ رحمی میں اور مہمان داری میں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے تمام صدقات مراد ہیں جنہیں اچھی طرح مالِ حلال سے خوش دِلی کے ساتھ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔" (سورۃ المزمل، آیت20)

سوال: مقروض کا حق مال میں ہے یا مالیت میں؟

جواب: مالیت میں ہے۔کسی مخصوص مال میں نہیں۔الھدایہ میں ہے"ان حق الغرماء تعلق بالمالیۃ لا بالصورۃ۔(ای لا بمال معین مشخص)۔"

(الھدایہ،باب اقرار المریض،جلد03،صفحہ247،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

سوال: قرض ادا کرنے کی سچی نیت اور کوشش تھی لیکن ادا نہ کر سکا اور مر گیا تو شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: واقعی قرض ادا کرنے کی نیت تھی اور مر گیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور قرض خواہ کو راضی فرما دے گا۔اس بارے چند ایک احادیث پیش کی جاتیں ہیں:

(1) صحیح بخاری میں ہے"من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللہ عنہ، ومن اخذ یرید اتلافھا اتلفہ اللہ"ترجمہ:جو لوگوں کے مال بہ نیت ادا لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کر دینے کے ارادے سے لے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے۔

(صحیح البخاری،کتاب فی الاستقراض،باب لا صدقہ۔۔،جلد02،صفحہ517،بیروت)

(2) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں"من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائہ ثم مات قبل ان یقضیہ فانا ولیہ"ترجمہ:میرا جو امتی کسی دَین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کیے مر جائے تو میں اس کا ولی وکفیل ہوں۔

(3) ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"من

تداین بدین وفی نفسه وفاؤه ثم مات تجاوز اللّٰه عنه وارضی غریمه بماشاء" ترجمہ: جو کسی دَین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کردے۔

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 302، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال کسی دوسرے کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: دوسرے کا مال بلا اجازت قرض میں دینا حرام ہے کہ قرض ایک تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں۔ اعلام الموقعین 10/2 میں ہے "فإن القرض من جنس التبرع" پھر المبسوط میں ہے "لأن القرض تبرع" ترجمہ: قرض تبرع ہے۔

(المبسوط، کتاب الماذون الکبیر، جلد 25، صفحہ 09، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور ملک غیر میں تصرف ہے جو کہ حرام ہے۔ منحۃ الخالق میں ہے "التصرف فی ملك الغير حرام"

(منحة الخالق، كتاب الشركة، باب في شركة الملك، جلد 05، صفحہ 280، کوئٹہ)

سوال: بھائی و بہن یا اپنے کسی بہت قریبی کا مال یا گھر کی کسی شے کو والدین کی اجازت کے بغیر قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: والدین یا بہن بھائیوں کی کسی چیز کو بغیر ان کی اجازت کے قرض میں دینا جائز نہیں کہ ملک غیر میں تصرف ہے۔ بدائع صنائع میں ہے "ولأبي حنيفة رحمه الله أن حرمة التصرف في ملك الغير" ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمانا ہے کہ ملک غیر میں تصرف کرنا حرام ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الدعوی، فصل فی حکم الملك، جلد 05، صفحہ 396، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: قرض حسنہ دے کر مانگنے کی ممانعت ہے یا نہیں؟ لوگوں میں مشہور ہے کہ قرض حسنہ کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

جواب: بالکل ممانعت نہیں۔ قرض حسنہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ لوگوں میں غلط مشہور ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 585، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: قرض کے لئے ضروری ہے کہ اگر بوقت ضرورت کسی سے مانگ کر لیا جائے تو تب ہی قرض ہوگا یا اگر کسی نے خود بلا مانگے دے دیا اور کہا: جاؤ استعمال کر و یا اپنی ضرورت پوری کرلو پھر بھی قرض ہی ہوگا؟

جواب: جی ہاں! اگر کسی نے یوں کہا کہ یہ رقم استعمال کرلو، یا کہا: اپنی ضرورت پوری کرلو وہ بھی قرض ہی ہوگا، قرض کہہ کر لینا، خود مانگ کر لینا شرط نہیں۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ عمرو نے زید سے کب مانگا تھا جو قرض قرار دیا جائے کہ قرض کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مستقرض (یعنی قرض لینے والا) طلب کرے اور اپنی ضرورت سے مانگے بلکہ بغیر طلب مستقرض کے بھی قرض ہوسکتا ہے اور بطور خود بھی دوسرے کو قرض دیا جا سکتا ہے۔“

(فتاوی امجدیہ، جلد 03، صفحہ 203، مکتبہ رضویہ، کراچی)

سوال: پڑوسی سے معین مقدار آٹا یا چاول ادھار لئے کہ کل واپس کردیں گے تو کیا حکم ہے؟

جواب: پڑوسی سے معین مقدار میں آٹا و چاول قرض لینا بالکل جائز ہے۔ تنویر الابصار میں ہے ”وصح فی مثلی“ ترجمہ: قرض مثلی چیزوں میں جائز ہوتا ہے۔

(تنویر الابصار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد 07، صفحہ 407، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: قرض مانگنے والے کو قرض نہ دینا کیسا ہے؟

جواب: بلاوجہ دینے سے گریز کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن اگر کوئی وجہ نہ ہو تو قرض دے دینا چاہیے کہ اس میں ایک مسلمان کی حاجت پوری کرنا ہے اور جو مسلمان کی حاجت پوری کرتا ہے اس کے لیے حدیث میں آیا "من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج اللّٰه عنه بها کربة من کرب یوم القیٰمة ۔ رواه الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما" ترجمہ: جو اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے، اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔ اسے بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری ،باب لایظلم المسلم الخ ، جلد02،صفحہ862،بیروت)

سوال: بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس یعنی جانور وغیرہ قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی بھی طرح کا جانور قرض میں دینا اور لینا جائز نہیں۔ الاستذکار میں ہے" قول أبی حنیفة علی أصولهم أنه لا یجوز استقراض شیء من الحیوان لأن رد المثل لا یمکن لعذر المماثلة عندهم فی الحیوان " یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصولوں کے مطابق حیوان کا قرض جائز نہیں۔ اور وجہ ناجائز یہ ہے کہ اس کی مثل واپس کرنا ممکن نہیں۔

(الاستذکار، کتاب البیوع،باب ماینھی عنه من المساومة، جلد06،صفحہ520،بیروت)

التمہید میں ہے "وقال أبو حنیفة وأصحابه لا یجوز استقراض شیء من

سوال: قرض مانگنے والے کو قرض نہ دینا کیسا ہے؟

جواب: بلاوجہ دینے سے گریز کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن اگر کوئی وجہ نہ ہو تو قرض دے دینا چاہیے کہ اس میں ایک مسلمان کی حاجت پوری کرنا ہے اور جو مسلمان کی حاجت پوری کرتا ہے اس کے لیے حدیث میں آیا "من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج اللّٰه عنه بها کربة من کرب یوم القیٰمة ۔ رواه الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما" ترجمہ: جو اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے، اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔ اسے بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری ،باب لا یظلم المسلم الخ ، جلد02،صفحہ862،بیروت)

سوال: بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس یعنی جانور وغیرہ قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی بھی طرح کا جانور قرض میں دینا اور لینا جائز نہیں۔ الاستذکار میں ہے "قول أبی حنیفة علی أصولهم أنه لا یجوز استقراض شیء من الحیوان لأن رد المثل لا یمکن لعذر المماثلة عندهم فی الحیوان " یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصولوں کے مطابق حیوان کا قرض جائز نہیں۔ اور وجہ ناجائز یہ ہے کہ اس کی مثل واپس کرنا ممکن نہیں۔

(الاستذکار، کتاب البیوع، باب ماینهی عنه من المساومة، جلد06، صفحہ520، بیروت)

التمہید میں ہے "وقال أبو حنیفة وأصحابه لا یجوز استقراض شیء من

الحیوان کما لا یجوز السلم فیه لأن رد المثل لا یمکن لتعذر المماثلة عندهم فی الحیوان“ (التمهید لما فی الموطأ،جلد04،صفحه66،وزارت الإسلامیة ،المغرب)

شرح ابن ماجہ میں ہے ”استسلف أی اقرض فیه حجة لمن قال بجواز قرض الحیوان وهو قول الأوزاعی واللیث ومالك والشافعی وأحمد وإسحاق وأجاب المانعون بأنه منسوخ بآیة الربوا وهو قول أبی حنیفة وفقهاء الکوفة قالوا ان استقراض الحیوان لا یجوز فلا یجوز الاستقراض الا مما له مثل کالمکیلات والموزونات والعددیات المتقاربة فلا یجوز قرض ما لا مثل له لأنه لا سبیل الی إیجاب رد العین والی إیجاب القیمة لاختلاف تقویم المقومین فتعین ان الواجب رد المثل فیختص جوازه بماله مثل کذا فی العین “

(شرح سنن ابن ماجه -السیوطی وآخرون،جلد01،صفحه165، مطبوعه - کراتشی)

سوال: سنن البیہقی کی حدیث”عن أبی هریرة رضی الله عنه قال:استقرض رسول الله صلی الله علیه و سلم من رجل سنا فأعطاه سنا فوق سنه فقال خیارکم أحاسنکم قضاء رواه مسلم فی الصحیح“اس حدیث میں ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانور قرض لیا،اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: یہ حدیث ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک منسوخ ہے۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:”ہمارے امام اعظم کے ہاں (حیوان کا) قرض لینا منع ہے وہ اس حدیث کو منسوخ فرماتے ہیں۔“

(مرآۃ المناجیح،باب الافلاس والانذار،جلد04،صفحه293،نعیمی کتب خانه ، گجرات)

سوال: قرض اتارنے کے لئے قرض لینا کیسا ہے؟

جواب: قرض اتارنے کے لئے قرض لینا جائز ہے۔لعدم المنع الشرعی۔

سوال: آجکل دیہات میں گنا بھی قرض لینے کا رواج چل نکلا ہے،کیا یہ جائز ہے؟

جواب: گنا قرض لینا جائز ہے جبکہ تول کرلیا جائے اور واپس بھی تول کردیا جائے۔

حدیث میں"حدثنا أبو بکر قال حدثنا یزید بن ھارون عن آدم قال:رأیت إیاس بن معاویة ولی سکر نبق فکان یستقرض القصب وزنا ویردہ وزنا۔"یعنی میں نے ایاس بن معاویہ کو دیکھا تھا کہ وہ گنا وزن سے قرض لیتے اور وزن سے واپس کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ،باب من قال اذا قرضت،جلد07،صفحہ25،دار سلفیة ہندیة)

سوال: گندم قرض دینا ولینا کیسا ہے؟

جواب: گندم قرض لینا و دینا جائز ہے۔شرح معانی الآثار میں ہے"الحنطة لا یباع بعضھا ببعض نسیئة وقرضھا جائز"ترجمہ:گندم کی گندم کے ساتھ ادھار بیع ناجائز ہے جبکہ گندم کا قرض لینا و دینا جائز ہے۔

(شرح معانی الآثار،کتاب البیوع،باب استقراض الحیوان،جلد04،صفحہ61،بیروت)

سوال: کپڑے قرض میں لینا و دینا کیسا ہے؟

جواب: کپڑوں کا قرض میں لینا و دینا ناجائز ہے۔اختلاف الائمة العلماء میں ہے"واختلفوا فی جواز قرض الحیوان والثیاب والعبید،فقال أبو حنیفة:لا یجوز قرض شیء فی ذلك"ترجمہ:جانور و کپڑے اور غلام کا قرض لینے میں فقہاء کو اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کسی بھی شے کو قرض لینا و دینا جائز نہیں۔ (اختلاف الائمة العلماء،کتاب البیوع،باب القرض،جلد1،صفحہ403،بیروت)

مبسوط میں ہے" لأن استقراض الثیاب لا یجوز"ترجمہ: کپڑے قرض لینادینا جائز نہیں۔

(مبسوط، کتاب البیوع،السلم فی المسابق والفرا،جلد12،صفحہ195، کوئٹہ)

یہ مسئلہ تب ہے کہ جب واقعی قرض والی صورت ہو کہ کپڑے لئے اور ٹھہرایہ کہ اس طرح کے اور کپڑے واپس کرنے ہوں گے تو جائز نہیں کہ مثلی نہیں۔اور بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ شادی وغیرہ یعنی کہیں ایمرجنسی جانے کی صورت میں کسی کے عارضی طور پر کپڑے استعمال کیے جاتے ہیں اور پھر وہی واپس کردیے جاتے ہیں تو یہ جائز ہے کہ عاریت ہے جیسا کہ بہار شریعت میں لکھا ہے۔

سوال: گوشت قرض لینادینا کیسا ہے؟ بعض قصائی شادی بیاہ کے موقع پر دوسرے قصائی اپنے جانور کا کیا ہوا گوشت دے دیتے ہیں اور بعض میں واپس لے لیتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب: گوشت کا قرض لینادینا جائز ہے کیونکہ عموما یہ وزن ہی کرکے دیتے ہیں، ہمارے ہاں گوشت بکتا ہی وزن کے حساب سے ہے اور گوشت وزن کے حساب سے قرض میں لینادینا جائز ہے۔ہندیہ میں ہے"استقراض اللحم وزنا"

(فتاوی عالمگیری، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر،جلد03،صفحہ204، کوئٹہ)

سوال: آٹا کا قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: آٹا کا قرض جائز ہے مگر ضروری ہے کہ وزن کرلیا جائے، بعد میں اتنی ہی مقدار واپس کی جائے۔ہندیہ میں ہے"ذکر فی الأصل إذا استقرض الدقیق وزنا لا یردہ وزنا ولکن یصطلحان علی القیمة وعن أبی یوسف رحمه الله تعالی فی

روایة یجوز استقراضه وزنا استحسانا إذا تعارف الناس ذلك وعلیه الفتوی کذا فی الغیاثیة" ترجمہ: آٹے کو ناپ کر قرض لینا دینا چاہیے اور اگر عرف وزن سے قرض لینے کا ہو جیسا کہ عموماً ہندوستان میں ہے تو وزن سے بھی قرض جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد 03، صفحہ 201، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: گوندھا ہوا آٹا قرض لینا کیسا؟ جیسے آجکل ایک ہوٹل والا بوقت ضرورت دوسرے سے گوندھا ہوا آٹا منگوالیتا ہے اور بعد میں اسے دے دیتا اسی طرح بعض ہمسائے بھی آپس میں ایسا کر لیتے ہیں۔

جواب: گوندھا ہوا آٹا قرض لینا و دینا جائز ہے جبکہ وزن کر کے دیا جائے۔ اگر بلا وزن کئے دے دیا تو ناجائز ہے۔ ہندیہ میں ہے "استقراض العجین وزنا یجوزھو المختار" ترجمہ: گوندھا ہوا آٹا وزن کر کے قرض لینا جائز ہے۔ یہی مختار مذہب ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد 03، صفحہ 202، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: کاغذ قرض میں لینا دینا کیسا ہے؟

جواب: کاغذ گنتی کر کے قرض میں لینا و دینا جائز ہے، مزید وضاحت نیچے ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "استقراض القرطاس عددا جائز"

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد 03، صفحہ 201، مطبوعہ کوئٹہ)

آدھا کلو سے کم ہے تو گن کر دینا ضروری ہے کہ عموماً آدھا کلو اور اس سے اوپر کو وزن کر کے بیچتے ہیں۔ جیسا کہ بہار شریعت میں ہے: "کاغذ کو قرض لینا جائز ہے جبکہ اس کی نوع وصفت کا بیان ہو جائے اور اس کو گنتی کے ساتھ لیا جائے اور گن کر دیا جائے۔ (درمختار) مگر آج کل تھوڑے سے کاغذوں میں خرید و فروخت و قرض میں گن کر لیتے دیتے

ہیں زیادہ مقدار یعنی رسوں میں وزن کا اعتبار ہوتا ہے یعنی مثلاً اتنے پونڈ کا رم عرف میں تختے نہیں گنتے اس میں حرج نہیں۔ (تقریباً آدھا کلووزن کے برابر کو پونڈ کہتے ہیں۔)"

(بہارشریعت،باب قرض کابیان،حصہ 11،صفحہ 56-755،مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

سوال: روٹی قرض لینا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: روٹی قرض لینا دینا جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی۔ چنانچہ المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے "حدثنا أحمد بن النضر العسكري، حدثنا سليمان بن سلمة الخبائري، حدثنا بقية بن الوليد، حدثنا أبو عبد الله، رجل من الأنبار، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، عن معاذ بن جبل، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن استقراض الخمير والخبز، فقال": سبحان الله، إنما هي من مكارم الأخلاق" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خمیر اور روٹی قرض لینے کے حوالے سوال کیا گیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو مکارم اخلاق سے ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني،باب الميم ،حديث 189،جلد20،صفحہ96،الموصل)

البحر المحیط میں ہے "إطباق الناس من غير نكير هذا الدليل يستعمله الفقهاء في مواضع ,كاستدلال أصحابنا على طهارة الإنفحة بإطباق الناس على أكل الجبن ,واستدلالهم على جواز قرض الخبز"

(البحر المحيط في اصول الفقه، كتاب الادلة،جلد04،صفحہ356، بيروت، لبنان)

سوال: روٹی گن کر قرض میں دی جائے گی یا وزن کر کے؟ آجکل ہوٹلوں میں روٹی کی خرید وفروخت عام ہے حتی کہ بعض اوقات زیادہ گاہک کی موجودگی میں ایک ہوٹل والا

دوسرے ہوٹل والے سے روٹیاں لے لیتا ہے اور بعد میں اتنی ہی روٹیاں واپس کرتا ہے، ان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: دونوں طرح جائز ہے۔ بوجہ تعامل فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے "(قوله وإن كان الخبز)۔۔۔(قوله ولا يجوز استقراضه وزنا ولا عددا) قال في الاختيار وعند محمد: يجوز بهما وهو المختار لتعامل الناس به وحاجتهم إليه ۔وقال ابن فرشتا: وعليه الفتوى " ترجمہ: روٹی کا قرض نہ تو وزن سے جائز ہے اور نہ عدد سے یعنی گن کر۔ اختیار میں کہا: امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جواز کا ہے اور فی زمانہ لوگوں کے تعامل وحاجت کی وجہ سے فتوی جواز ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب الربا، فصل: بیع الخبز۔۔۔۔، جلد04، صفحہ95، القاہرۃ)

سوال: لکڑی یا اُپلے (گوبے، گوبر کے خشک ٹکڑے) پنجاب وغیرہ کئی ایک علاقوں میں آگ جلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک دوسرے سے من دو من لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے ابھی جلنے کے قابل نہیں، جب سوکھ (خشک) ہو جائیں گے تو واپس کر دیں گے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب: ایندھن کی لکڑی اور دوسری لکڑیاں اور اُپلے اور تختے اور ترکاریاں اور تازہ پھول ان سب کا قرض لینا دینا درست نہیں۔ (عالمگیری) (بہار شریعت)

سوال: سبزیاں قرض لینا کیسا ہے؟ جس طرح کسی کے گھر میں کوئی سبزی فریز کی ہوتی ہے تو ہمسایہ یہ کہہ کر لے جاتا ہے کہ یہ ہمیں دے دو، جس دن تمہیں چاہیے ہو گی ہمیں بتا دینا، آپ کو لا دیں گے۔

جواب: سبزی کا قرض جائز نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے " ولا يجوز استقراض

الحطب والخشب والقصب وسائر الرياحين الرطبة والبقول۔"ترکاریاں۔۔۔ قرض لینا، دینا درست نہیں۔

(فتاوی ہندیہ ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر فی القرض،جلد03،صفحہ 201، کوئٹہ)

سوال: پھول قرض لینا کیسا ہے؟

جواب: پھول کا قرض میں لینا دینا جائز نہیں۔

(فتاوی ہندیہ ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر فی القرض،جلد03،صفحہ 201، کوئٹہ)

سوال: سندھ میں بلاک اور دیگر علاقوں میں اینٹوں کو قرض لیا جاتا ہے، یہ کیسا ہے؟

جواب: بہارِ شریعت میں ہے:" کچی اور پکی اینٹوں کا قرض جائز ہے جبکہ ان میں تفاوت نہ ہو جس طرح آج کل شہر بھر میں ایک طرح کی اینٹیں تیار ہوتی ہیں۔(بہارِ شریعت)

(فتاوی ہندیہ ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر فی القرض،جلد03،صفحہ202، کوئٹہ)

سوال: برف قرض میں لینا کیسا ہے؟

جواب: برف وزن کے ساتھ قرض لینا جائز ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے"واستقراض الجمد وزنا یجوز"ترجمہ:برف کو وزن کے ساتھ قرض لینا درست ہے۔

(فتاوی ہندیہ ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر فی القرض،جلد03،صفحہ202، کوئٹہ)

سوال: گرمیوں میں ایک ہزار بلاک برف کے قرض میں لئے تھے۔اب مقروض سردیوں میں واپس کر رہا ہے۔قرض خواہ کہتا ہے: میں نے گرمی میں دی تھی، گرمی میں لوں گا۔اب میری ضائع ہو جائے گی۔تو کیا حکم ہے؟

جواب: قرض خواہ کو اپنی برف واپس لینی ہوگی گرمی ہو یا سردی یعنی اسے فی الفور اپنے برف کے بلاک لینے ہوں گے، گرمی کی شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔البتہ برف کا قرض

واپس کرنے والے کو چاہیے کہ ایسا نہ کریں، اپنے بھائی کے فائدہ کی خاطر گرمی کے موسم میں ہی برف واپس کرے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "واستقراض الجمد وزنا يجوز ولو استقرض في الصيف وسلم في الشتاء يخرج عن العهدة والجمد من ذوات القيم ولو قال صاحب الجمد لا آخذ العام منك قال أبو بكر الإسكاف لا أعلم ههنا بديله سوى أن يدفع الذي عليه الجمد مثل وزنه جمدا ويطرح في مجمدة صاحبه حتى يبرأ عما عليه وقال القاضي الإمام فخر الدين رحمه الله تعالى المخرج عندي أن يرفع الأمر إلى القاضي حتى يجبره على قبول مثل ما كان عليه" ترجمہ: اگر گرمیوں میں برف قرض لی اور سردی میں ادا کر دی یہ ہو سکتا ہے مگر قرض دینے والا اس وقت نہیں لینا چاہتا وہ کہتا ہے گرمیوں میں لوں گا اور یہ ابھی دینا چاہتا ہے تو معاملہ قاضی کے پاس پیش کرنا ہوگا وہ قرض خواہ کو وصول کرنے پر مجبور کرے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض، جلد 03، صفحہ 202، کوئٹہ)

سوال: زید نے بکر سے پانچ من گندم قرض میں اُس وقت لی جب گندم کا فی من ریٹ 1000 روپے تھا۔ لیکن واپس کرنے کے وقت فی من ریٹ 500 ہو گیا۔ بکر کہتا ہے کہ یا تو وہ قیمت دو جو پہلے تھی یعنی 1000 روپے یا اس وقت جو میری گندم کی قیمت تھی اس کے مطابق گندم دو یعنی دس من دو۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اس طرح کرنا نا جائز ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "لو استقرض من آخر حنطة فأعطى مثلها بعدما تغير سعرها فإنه يجبر المقرض على القبول" ترجمہ: دوسرے سے گندم قرض لی اور جب اس کا ریٹ زیادہ ہونے کے بعد مقروض نے جتنی لی اتنی ہی واپس کی تو قرض خواہ کو اتنی ہی لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

(فتاوی ہندیه، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر فی القرض،جلد03،صفحه202، کوئٹه)

بہار شریعت میں ہے: ادائے قرض میں چیز کے سستے مہنگے ہونے کا اعتبار نہیں مثلاً دس سیر گیہوں قرض لئے تھے اُن کی قیمت ایک روپیہ تھی اور ادا کرنے کے دن ایک روپیہ سے کم یا زیادہ ہے اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا جائے گا وہی دس سیر گیہوں دینے ہونگے۔

(بہارشریعت،حصه 11،قرض کابیان،صفحه 757،مکتبة المدینه، کراچی)

سوال: پنجاب میں زید نے بکر سے پچاس من گندم قرض لی پھر دونوں کراچی چلے گئے وہاں پر بکر نے واپسی قرض جو گندم تھی کا مطالبہ کیا۔وہاں گندم پنجاب کے اعتبار سے بہت زیادہ مہنگی ہے۔بکر مجبور کر رہا ہے کہ ابھی واپس کرو۔زید کہہ رہا ہے کہ پنجاب میں لی تھی، پنجاب ہی میں واپس کروں گا۔اس بارے شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: پنجاب میں پچاس من گندم کی جو قیمت تھی اتنی قیمت دیدے۔پنجاب میں لی تھی تو پنجاب ہی واپس کرنے کی شرط لگانا درست نہیں۔درمختار میں ہے"استقرض طعاما بالعراق فأخذه صاحب القرض بمكة فعليه قيمته بالعراق يوم اقتراضه عندالثانی، وليس عليه أن يرجع معه (إلى العراق فيأخذ طعامه" ترجمہ:ایک شہر میں مثلاً غلہ لیا اور دوسرے شہر میں قرض خواہ نے مطالبہ کیا تو جہاں قرض لیا تھا وہاں جو قیمت تھی وہ دیدی جائے۔قرضدار اس پر مجبور نہیں کرسکتا کہ میں یہاں نہیں دونگا وہاں چل کر وہ چیز لے لو۔

(درمختار، کتاب البیوع،باب المرابحه،فصل فی القرض، جلد7، صفحه409 ، کوئٹه)

ایک شہر میں مثلاً غلہ قرض لیا اور دوسرے شہر میں قرض خواہ نے مطالبہ کیا تو جہاں قرض لیا تھا وہاں جو قیمت تھی وہ دیدی جائے،قرضدار اس پر مجبور نہیں کرسکتا کہ میں

یہاں نہیں دونگا، وہاں چل کر وہ چیز لے لو۔ایک شہر میں غلہ قرض لیا دوسرے شہر میں جہاں غلہ گراں ہے قرض خواہ اُس سے غلہ کا مطالبہ کرتا ہے قرض دار سے کہا جائے گا اس بات کا ضامن دیدو کہ اپنے شہر میں جا کر غلہ ادا کرونگا۔ (بہار شریعت)

سوال: کوئی مثلی شے قرض لی تھی اب قرض خواہ واپس مانگ رہا ہے۔وہ شے مارکیٹ میں بھی نہیں مل رہی اور نہ مقروض کے پاس ہے کہ اسے دے۔اس صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب: جو چیز واپس کرنی ہے اگر وہ مقروض کے پاس نہ ہو اور نہ ہی مارکیٹ میں مل رہی ہو کہ مقروض وہاں سے خرید کر قرض خواہ کو واپس کرے جیسے پاکستان میں چینی تو اس چیز کے بازار میں آنے کا انتظار کیا جائے جب بازار میں آجائے تو مقروض خرید کر واپس کرے یا باہمی رضامندی سے اس کی قیمت لے لی جائے۔ ہندیہ میں ہے"استقرض وزنیا أو کیلیا فانقطع ذلك عن أیدی الناس یجبر المقرض علی التأخیر حتی یدرك الحرث علی قول أبی حنیفة -رحمه الله تعالی۔هو المختار وبه یفتی"

(ہندیہ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر،جلد3،صفحہ 204،بیروت)

درمختار میں ہے"استقرض شیئا من الفواکه کیلا أو وزنا فلم یقبضه حتی انقطع، فإنه یجبر صاحب القرض علی تأخیره إلی مجیء الحدیث، إلا أن یتراضیا علی القیمة"ترجمہ:میوے قرض لئے مگر ابھی ادا نہیں کئے کہ یہ میوے ختم ہو چکے یعنی بازار میں، قرضخواہ کو انتظار کرنا پڑے گا کہ نئے پھل آجائیں اُس وقت قرض ادا کیا جائے اور اگر دونوں قیمت دینے لینے پر راضی ہو جائیں تو قیمت ادا کر دی جائے۔

(درمختار، کتاب البیوع،باب المرابحہ،فصل فی القرض،جلد07،صفحہ 410، کوئٹہ)

سوال: ایک شخص نے کوئی شے قرض لی، پھر اِس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔اب جو شے

قرض لی تھی بعینہ اُسے ہی واپس کرنا ضرور ہے یا اس کی شے رکھ کر اپنے پاس سے قرض ادا کر سکتا ہے؟ اس کی مثال یوں لیں کہ جیسے ایک اسلامی بہن نے ہمسائے سے دو کلو آٹا لیا، گھر میں آ کر دیکھا تو بھائی بازار سے آٹا لا چکے تھے۔ اب جو آٹا ہمسائے سے لیا وہی واپس کرے یا جو اپنا لائے ہیں، اس میں سے واپس کر دیا جائے؟

جواب: جو شے قرض میں لی اور اب اس کی ضرورت نہ رہی تو قرض خواہ کو بعینہ وہی واپس کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اپنے پاس رکھی ہوئی وہی شے بھی واپس کر سکتے ہیں، لہٰذا سوال میں ذکر کردہ آٹا خود استعمال کرنا چاہیں یا اسی کو واپس کرنا چاہیں ہر طرح کا اختیار ہے۔ بہار شریعت میں ہے: ”وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو چیز دی تھی وہ تمھارے پاس موجود ہے میں وہی لوں گا۔

(بہار شریعت، حصہ 11، قرض کا بیان، صفحہ 758، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: اگر قرض خواہ یہ کہے: جو شے میں نے دی تھی وہ تمہارے پاس موجود ہے، وہی واپس کروں تو کیا اسی کو واپس کرنا ضروری ہے؟

جواب: وہی واپس کرنا ضروری نہیں کہ مقروض اس شے کا مالک ہو چکا اور اس پر اس کی مثل لوٹانا واجب ہے نہ کہ بعینہ لوٹانا۔ ہندیہ میں ہے "أما فی القرض الجائز إذا كان قائما فی يد المستقرض فلا يتعين فی الرد وهو بالخيار إن شاء رده ، وإن شاء رد مثله " یعنی قرض والی چیز کا مقروض مالک ہو جاتا ہے اور اس پر ادائیگی قرض میں اسے ہی واپس کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی مثل بھی ادا کر سکتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، باب المرابحہ، فصل فی القرض، جلد 03، صفحہ 207، بیروت)

سوال: عموماً اشیاء تین طرح کی ہوتی ہیں:۔ عمدہ، متوسط، ردی۔ قرض لیا تو واپس اسی ہی

کی طرح کی دیں گے یا عمدہ ومتوسط دینے کا حکم ہے؟

جواب: جو چیز جیسی قرض میں دی تھی اس سے بہتر وعمدہ دینا اچھی بات ہے جبکہ پہلے عمدہ واچھی دینا شرط نہ ٹھہرا ہو، ضروری فقط مثلی دینا ہے۔ درمختار میں ہے "وکان علیہ مثل ماقبض"

(درمختار، کتاب البیوع، باب المرابحہ، فصل فی القرض، جلد07، صفحہ413، کوئٹہ)

درمختار میں ہے "فان قضاہ اجود بلاشرط جاز" یعنی اگر بلاشرط کے عمدہ شے واپس کرے تو جائز ہے۔

(درمختار، کتاب البیوع، باب المرابحہ، فصل فی القرض، جلد07، صفحہ413، کوئٹہ)

سوال: پاکستانی بادام یا کوئی بھی شے قرض لی تھی۔ ادائیگی کے وقت مقروض ایرانی بادام یا امیریکن بادام واپس کررہا ہے یا جو بھی شے لی تھی اس سے بہتر دے رہا ہے۔ لیکن قرض خواہ کہتا ہے کہ جیسی دی تھی ویسی واپس کرو۔ مجھے اچھی لینے کا کوئی شوق نہیں۔ تو کیا وہ اس طرح کرسکتا ہے یا اسے وہی عمدہ لینے پر مجبور کیا جائے گا؟

جواب: اگر مقروض اچھی چیز واپس کرے اور قرض خواہ اچھی لینے پر راضی نہ ہو بلکہ یہ تقاضا کرے کہ جیسی کوالٹی کی دی تھی ویسی ہی دو، تو اب مقروض کو قرض خواہ کی یہ بات ماننی ہوگی کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی کا احسان یا ہمدردی لینا پسند نہیں کرتے لہٰذا جیسے بادام لئے تھے ویسے ہی واپس کرے۔ درمختار میں ہے "(وکان علیہ مثل ما قبض) فإن قضاہ أجود بلا شرط جاز ویجبر الدائن علی قبول الأجود وقیل لا بحر" اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "قولہ: وقیل لا ھذا ھو الصحیح کمافی الخانیہ" یعنی جیسی شے لی تھی اس کی مثل دینی ہے۔ اگر اچھی واپس کررہا ہے

تو قرض خواہ کو مجبور کیا جا سکتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ’’صحیح یہی ہے کہ عمدہ لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب القرض، جلد 07، صفحہ 3-412، کوئٹہ)

سوال: تین افراد نے زید سے قرض مانگا، اور کہا: ہم جا رہے ہیں، اس کو دے دینا۔ زید نے ان تینوں میں سے ایک کو دے دیا۔ اب وہ واپس کرنے کا نام نہیں لے رہے۔ زید نے جس کے ہاتھ میں دیا تھا فقط اسی سے مطالبہ کر سکتا ہے یا سب سے کرے گا؟

جواب: سارے قرض کا اس ایک سے تقاضا نہیں کر سکتا بلکہ جتنا اس کا قرض میں حصہ ہے اتنا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے کہے کہ میں نے تو پیسے تیرے ہاتھ میں دیے تھے، لہٰذا اب تم ہی واپس کرو۔ درمختار میں ہے ”عشرون رجلا جاؤوا واستقرضوا من رجل وأمروه بالدفع لأحدهم فدفع ليس له أن يطلب منه الا حصته“ مفہوم وہی ہے جو جواب میں درج ہے۔

(درمختار، کتاب البیوع، باب القرض، جلد 07، صفحہ 414، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: 900 روپیہ قرض تھا۔ قرض خواہ کو ہزار کا نوٹ دیا کہ سو روپیہ بقایا دے دو، باقی قرض میں کاٹ لو۔ قرض خواہ چینج لینے گیا کہ راستے میں پیسے گم ہو گئے یا کسی نے چھین لئے۔ تو اب کیا حکم ہوگا؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔ (1) ہزار روپیہ دیا اور کہا یہ لو اپنا قرض اور سو روپیہ واپس کر دو۔ اب وہ چینج لینے گیا ضائع ہو گئے تو قرض ادا ہو گیا۔ (2) مقروض نے کہا: تمہارے پاس 100 روپیہ کھلا ہے۔ قرض خواہ نے کہا: نہیں۔ مقروض نے کہا: پھر جاؤ چینج لے کر اپنا قرض رکھ لو اور میرا 100 واپس کر دو۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں: (1) چینج لینے

سے پہلے ہی وہ گم گئے۔ چوری وغیرہ ہوگئے۔ اس صورت میں مقروض ہی کا نقصان ہوا۔ یعنی قرض ادا نہ ہوا۔ دوبارہ 900 دینا ہوگا۔ (2) چینج لینے کے بعد ضائع ہوئے تو پھر دوصورتیں ہیں:۔ (1) چینج لینے کے بعد اپنا قرض لے لیا تھا یعنی الگ کرلیا تھا مثلا جیب میں ڈال لیا تھا۔ یا اپنے الگ اور اس کا بقایا الگ کرلیا تھا۔ تو قرض ادا ہوگیا۔ (2) چینج لینے کے بعد اپنا قرض ایک طرف نہیں کیا تھا تو پھر بھی قرض ادا نہ ہوا۔ جو پیسے گم ہوئے وہ مقروض ہی کے ہوئے۔ قرض دوبارہ دینا ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "رجل علیہ ألف

110 دفع إلى الطالب دنانير فقال اصرفها و خذ حقك منها فأخذها فهلكت قبل أن يصرفها هلكت من مال الدافع و كذا لو صرفها وقبض الدراهم فهلكت الدراهم في يديه قبل أن يأخذ منها حقه هلكت من مال الدافع ، وإن أخذ منها حقه ثم ضاع كان ذلك من مال المدفوع إليه ولو دفع المطلوب إلى الطالب الدنانير وقال خذها قضاء لحقك فأخذ كان داخلا في ضمانه ولو دفع المطلوب إلى الطالب الدنانير وقال بعها بحقك فباعها بدراهم مثل حقه وأخذها يصير قابضا حقه بالقبض بعد البيع كذا في فتاوى قاضي خان ۔"

ترجمہ: روپے قرض لئے تھے اُس کو نوٹ یا اشرفیاں دیں کہ توڑا کر اپنے روپے لے لو اُس کے پاس توڑانے سے پہلے ضائع ہوگئے تو قرضدار کے ضائع ہوئے اور توڑانے کے بعد ضائع ہوئے تو دوصورتیں ہیں اپنا قرض لیا تھا یا نہیں اگر نہیں لیا تھا جب بھی قرضدار کا نقصان ہوا اور قرض کے روپے اُن میں لینے کے بعد ضائع ہوئے تو اس کے ہلاک ہوئے اور اگر نوٹ یا اشرفیاں دے کر یہ کہا کہ اپنا قرض لو اُس نے لے لیا تو قرض ادا ہوگیا ضائع ہوگا اس کا نقصان ہوگا۔

سے پہلے ہی وہ گم گئے۔ چوری وغیرہ ہو گئے۔ اس صورت میں مقروض ہی کا نقصان ہوا۔ یعنی قرض ادا نہ ہوا۔ دوبارہ 900 دینا ہوگا۔ (2) چینج لینے کے بعد ضائع ہوئے تو پھر دو صورتیں ہیں:۔ (1) چینج لینے کے بعد اپنا قرض لے لیا تھا یعنی الگ کر لیا تھا مثلاً جیب میں ڈال لیا تھا۔ یا اپنے الگ اور اس کا بقایا الگ کر لیا تھا۔ تو قرض ادا ہو گیا۔ (2) چینج لینے کے بعد اپنا قرض ایک طرف نہیں کیا تھا تو پھر بھی قرض ادا نہ ہوا۔ جو پیسے گم ہوئے وہ مقروض ہی کے ہوئے۔ قرض دوبارہ دینا ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "رجل علیہ ألف لرجل فدفع إلى الطالب دنانير فقال اصرفها و خذ حقك منها فأخذها فهلكت قبل أن يصرفها هلكت من مال الدافع و كذا لو صرفها وقبض الدراهم فهلكت الدراهم فی يديه قبل أن يأخذ منها حقه هلكت من مال الدافع ، وإن أخذ منها حقه ثم ضاع كان ذلك من مال المدفوع إليه ولو دفع المطلوب إلى الطالب الدنانير وقال خذها قضاء لحقك فأخذ كان داخلا فی ضمانه ولو دفع المطلوب إلى الطالب الدنانير وقال بعها بحقك فباعها بدراهم مثل حقه وأخذها يصير قابضا حقه بالقبض بعد البيع كذا فی فتاوی قاضی خان ۔"

ترجمہ: روپے قرض لئے تھے اُس کو نوٹ یا اشرفیاں دیں کہ توڑا کر اپنے روپے لے لو اُس کے پاس توڑانے سے پہلے ضائع ہو گئے تو قرضدار کے ضائع ہوئے اور توڑانے کے بعد ضائع ہوئے تو دو صورتیں ہیں اپنا قرض لیا تھا یا نہیں اگر نہیں لیا تھا جب بھی قرضدار کا نقصان ہوا اور قرض کے روپے اُن میں لینے کے بعد ضائع ہوئے تو اس کے ہلاک ہوئے اور اگر نوٹ یا اشرفیاں دے کر یہ کہا کہ اپنا قرض لو اُس نے لے لیا تو قرض ادا ہو گیا ضائع ہوگا اس کا نقصان ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، باب القرض، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ207، کوئٹہ)

سوال: زید دس ہزار کا مقروض تھا۔ بکر سے کہا: میرا قرض ادا کردو میں تم کو دے دوں گا۔ بکر نے زید کے قرض خواہ کو دس ہزار کی گندم دے دی جس کو اس نے رضامندی سے قبول بھی کرلیا۔ اب بکر زید سے گندم کا مطالبہ کرے گا یا دس ہزار روپے کا؟

جواب: زید اگر اپنی مرضی سے دس ہزار روپے بکر کو دے دے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر وہ بکر کو گندم ہی واپس کرے تو بکر کو گندم ہی لینا ضروری ہے کہ جو اس نے دیا تھا وہی واپس لے گا۔ کسی اور شے کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ بہارِ شریعت میں ہے: "ایک شخص نے دوسرے سے کہا: تم میرا قرضہ ادا کردو میں تم کو دے دوں گا اُس نے قرضہ میں دوسری چیز دی تو جو چیز دی ہے وہی واپس لے گا۔ جو اُس کے ذمہ تھا وہ نہیں لے سکتا کہ یہ دَین کا مالک نہیں۔"

(بہارِ شریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ856، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قرض وصول کرنے میں جو خرچہ ہوا، وہ مقروض سے لیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: قرض وصول کرنے میں جو خرچہ ہوا، وہ مقروض سے لینا جائز نہیں۔ جیسے مقروض پہلے لاہور میں رہتا تھا اور اب وہ کراچی چلا گیا قرض خواہ کراچی اس سے قرض وصول کرنے آیا تو اب کراچی آنے جانے کا خرچ مقروض کے ذمہ نہیں۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "ایک حبہ (یعنی ذرا سا بھی) نہیں لے سکتا۔"

(ملفوظات، صفحہ360، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: شرطِ فاسد سے قرض فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: شرطِ فاسد سے قرض فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ588، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بعض وہ چیزیں ہیں کہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتیں بلکہ باوجود ایسی شرط کے وہ چیز صحیح ہوتی ہے۔وہ یہ ہیں: ۔(1)قرض (2)ہبہ(3) نکاح (4) طلاق (5)خلع (6) صدقہ (7) عتق (8) رہن (9) ایصا (10) وصیت (11)شرکت (12) مضاربت(13) قضا (14) امارات(15) کفالہ(16) حوالہ(17) وکالت (18) اقالہ (19) کتابت (20) غلام کوتجارت کی اجازت(21)لونڈی سے جو بچہ ہوا اُس کی نسبت یہ دعویٰ کہ میرا ہے(22) قصداً قتل کیا ہے اس سے مصالحت (23) کسی کومجروح کیا ہے اُس سے صُلح (24) بادشاہ کا کفار کو ذمہ دینا(25) بیع میں عیب پانے کی صورت میں اس کے واپس کرنے کوشرط پر معلق کرنا۔(26) خیار شرط میں واپسی کو معلق بر شرط کرنا(27) قاضی کی معزولی۔فتاوی عالمگیری میں ہے" وذلك كل

عقد لا تبطله الشروط الفاسدة نحو القرض۔" یعنی قرض کی طرح مذکورہ عقد شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الکفالۃ، مسائل شتی، جلد03، صفحہ 291، کوئٹہ)

سوال: قرض کی ادائیگی کے لئے ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی کوئی رخصت ہے یا نہیں؟

جواب: ادائیگی قرض کے واسطے ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔البتہ ایک صورت ہے جو مجبوری میں ناجائز نہیں ہوتی۔جس کو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے فتاوی رضویہ میں ذکر فرمایا:"رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرض خواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی

کہ ضرورت تحقق ہولی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت و مطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کیلئے بعض محظورات کو جائز فرمایا۔

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 299، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: دستاویز لکھنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: دستاویز یعنی قرض لینے دینے کا ثبوت بصورت اسٹام لکھنا واجب نہیں، مستحب ہے۔ درمختار میں ہے "(ویکتب الصك)ندبا لیحفظه" یعنی دستاویز لکھنا مستحب ہے۔

(درمختار، کتاب القضاء، جلد 08، صفحہ 124، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: بچہ نے کسی سے قرض لیا اور کھالیا۔ اب قرض خواہ کس سے واپس لے، بچہ سے یا اس کے گھر والوں سے؟

جواب: بہار شریعت میں ہے: "بچہ کے باپ یا جس کی وہ پرورش میں ہے اس کی اجازت سے دیا تو واپس لے سکتا ہے۔ ورنہ کسی سے نہیں لے سکتا، نہ بچہ سے نہ اس کے باپ و پرورش کرنے والے یا کسی گھر کے افراد سے۔" دوسری جگہ ہے: "بچہ نے کسی سے قرض لیا۔۔۔ولی کی بغیر اجازت۔۔۔اور بچہ نے وہ چیز تلف کردی تو ضمان واجب نہیں۔"

(بہار شریعت، حجر کا بیان، حصہ 15، صفحہ 19، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

سوال: بلا اجازت مقروض اس کا کوئی قرض ادا کردے۔ ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: مقروض کی اجازت کے بغیر اگر اس کا کوئی قرض ادا کردے تو قرض ادا ہو جائے گا اور اسے احسان سمجھا جائے گا اور واپسی کا مطالبہ کرنے کی شرعا اجازت نہ ہوگی۔ یعنی اب قرض ادا کرنے والا مقروض سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "تم نے بغیر شوہر کے کہے بطور خود ان کے قرضہ میں دے

دیا، وہ تمہارا احسان سمجھا جائے گا، اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہو سکتا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 10، صفحہ 168، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کچھ لوگ قبلہ شریف کے علاوہ بھی دوسری سمت کی طرف پاؤں پھیلانے سے منع کرتے ہیں اور چارپائی پر بیٹھ کر ٹانگیں ہلانے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے قرض چڑھ جاتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت ارشاد فرمائیں۔

جواب: قبلہ کے علاوہ ہر سمت پاؤں کرنا جائز ہے البتہ اگر ادباً کسی خاص جہت میں کسی نبی و ولی کی نسبت سے پاؤں نہ پھیلائیں تو بہتر ہے اور کسی خاص سمت پاؤں پھیلانے یا ہلانے سے مقروض ہونے کی کوئی اصل نہیں۔

سوال: سنا ہے جس پر قرض ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کیا یہ سچ ہے؟

جواب: ایسا نہیں کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قرض نہ ہونے کی صورت میں دعا کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے۔ جیسا کہ والد گرامی اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولینا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "جن کے حقوق اس کے ذمہ ہوں، ادا کرے یا ان سے معاف کرالے۔" (یہ دعا قبول ہونے کے اسباب میں لکھا)

(احسن الوعاء لآداب الدعا، صفحہ 60۔ مطبوعہ مکتبہ المدینہ، کراچی)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "بہر حال یہ بات ثابت ہوئی کہ یہاں شرائط اپنے حقیقی معنوں میں نہیں کہ ان شرائط کے بغیر دعا قبول ہی نہ ہو، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر یہ شرائط دعا میں جمع ہو جائیں تو دعا کامل ہے۔"

(ذیل المدعا لاحسن الوعاء، حاشیہ احسن الوعاء، صفحہ 58، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قرض لے کر سخاوت کرنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: قرض لے کر سخاوت نہیں کرنی چاہیے۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "قرض لے کر سخاوت نہ کرو۔"

(مراۃ المناجیح، کتاب العلم، دوسری فصل، جلد1، صفحہ194، نعیمی کتب خانہ گجرات)

سوال: معلوم ہے کہ اس لئے قرض لیتا ہے کہ جوا کھیلے گا یا شراب پئے گا، اسے قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: نہ دینا بہتر ہے۔ہاں اگر دینے والا اس نیت سے نہ دے تو جائز ہے۔یعنی دینے والا یہ نیت نہ کرے کہ اس سے شراب یا جوا کی عادت بد پوری کرے بلکہ وہ بلا نیت مذکورہ قرض دے دے، اس کو گناہ نہیں، جو گناہ کرے گا، گناہ اسی کے اعمال کا حصہ ہوگا۔

سوال: دو افراد نے کسی ایک شخص کو قرض دیا۔اسٹام لکھا گیا اور ان دونوں کی رضامندی سے ایک کا نام لکھ دیا گیا۔اب مقروض پر قرض واپسی کے وقت دونوں کو بلا کر قرض واپس کرنا ضروری ہے یا جس کا نام اسٹام میں لکھا گیا ہے، فقط اسی کو دے دینا کافی ہوگا؟

جواب: جس کا نام اشٹام میں لکھا گیا واپس اسے کرے گا، اسی کو دے گا۔اگرچہ بہتر یہی ہے کہ دونوں کو بلا کر دے تاکہ سدِ فتنہ ہو۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "اصطلحا ان یکتب اسم احدھما فی الدیوان فالعطاء لمن کتب اسمہ"

(درمختار، کتاب الھبہ، فصل فی مسائل متفرقۃ، جلد08، صفحہ 605، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: ایک شخص نے دوسرے سے قرض مانگا اور کہا اتنے پیسے دریا میں پھینک دے تو اس نے پھینک دیے تو کیا کہنے والا مقروض ہوگا؟ اتنے پیسے دے گا یا نہیں؟

جواب: جس نے کہا تھا کہ اتنے پیسے دریا میں پھینک دے اس پر کچھ بھی واپس کرنا

ضروری نہیں۔جس نے دریا میں پیسے پھینکے اس بے وقوف نے اپنا مال ضائع کیا۔دراھم فأتاه المقرض بالدراهم فقال له المستقرض ألقها فی الماء قال محمد رحمه الله تعالی لا شیء علی المستقرض کذا فی قاضی خان"

(ہندیہ، کتاب البیوع،الباب التاسع عشر،جلد03، صفحہ 7- 206،بیروت)

سوال: کافر نے کسی کو سودی قرض دیا تھا۔کچھ سود کھایا اور مسلمان ہو گیا۔مسلمان ہونے کے بعد جو سود کھایا تھا وہ واپس کرنا ضروری ہو گا یا نہیں؟

جواب: زمانہ کفر میں جو سود کھایا اسلام لانے کے بعد اسے واپس کرنا ضروری نہیں۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "یعنی اگر سود حرام ہونے سے پہلے مقروض پر سود لازم ہو گیا تھا کچھ لے لیا تھا کچھ باقی تھا کہ یہ آیت سود کی حرمت کی نازل ہو گئی تو جو سود اس سے پہلے لیا تھا وہ واپس نہ کیا جاوے گا اور اب بقایا سود نہ لیا جائیگا۔یہی حکم اس کافر کا بھی ہو گا جس کا لوگوں پر سودی قرض تھا۔اور اب وہ مسلمان ہو گیا۔اس ہی طرح جو کافر مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں چھ سات بیویاں ہوں تو اب اسلام لا کر چار سے زیادہ علیحدہ کرنا پڑے گا اس آیت سے اس قسم کے بہت سے مسائل مستنبط ہوں گے۔"

(نور العرفان)

سوال: کسی سے کہا کہ یہ رقم یا یہ مال اٹھا لو۔تو کیا یہ صدقہ ہو گا یا قرض؟

جواب: اس کو قرض ہی پر محمول کریں گے۔الا یہ کہ دینے والا خود اسے صدقہ قرار دے۔ شرح سیر کبیر میں ہے"خذ هذا المال مجرداً وهو كلام يحتمل القرض ويحتمل الصدقة فكل واحد منهما متبرع والقرض أقل التبرعين لأنه يوجب البدل والصلة لا توجب البدل فحمل على الأقل لأن الأقل تعين وهذا كرجل زوج

ابنته وسلمها إلى الزوج مع جهازها ثم ماتت الابنة فقال الزوج : كان المال صلة لها فلي منه الميراث وقال الأب : لا بل مكنت أعرتها فالقول قول الأب لما أن العارية تبرع والهبة تبرع والعارية أقلهما فحمل على الأقل ۔"

(شرح سیر کبیر،باب الحبیس فی سبیل الله ،جلد5،صفحه 138)

سوال: کسی سے کہا تھا کہ یہ مال استعمال کرلو یا لے لو۔اس نے لے لیا۔دینے والا کہتا ہے کہ قرض کے طور پر دیا تھا، لینے والا کہتا ہے کہ ہبہ وصدقہ کے طور پر دیا تھا۔کس کی بات مانی جائے گی؟

جواب: پہلے بھی ایک دو مقام پر گزرا کہ اسے قرض ہی محمول کریں گے۔اور اگر کبھی اس طرح لینے دینے میں اختلاف ہوجائے تو لینے والا جس جہت کو متعین کرے وہی قابل قبول ہوگی۔ہاں دینے والے کو حلفا کہنا ہوگا کہ میں نے یہ قرض کے طور پر دیئے تھے۔شرح سیر کبیر میں ہے"فإن كان المعطى حياً حلف البتة بالله ما أعطاه إلا على وجه القرض ۔"

(شرح سیر کبیر،باب الحبیس فی سبیل الله ،جلد5،صفحه 138)

سوال: مذکورہ صورت میں اگر دینے والا اور لینے والا دونوں ایک رقم کے لین دین کو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن کس طور پر یہ کوئی متعین نہیں۔اور دینے والا بھی کہتا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے قرض کے طور پر دیئے تھے یا صدقہ وہبہ وہمدردی کے طور پر۔یا اس نے دیتے وقت کوئی نیت نہ کی تھی۔اس لئے وہ قسم کھانے سے انکار کردے تو کیا حکم ہے؟

جواب: کسی کو مال دیا لیکن کس طور پر دیا یہ بھول گئے یا کسی کو مال دیتے وقت کوئی نیت نہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسا واضح قرینہ جو اس کی جہت کو متعین کرسکے تو پھر بھی اسے قرض ہی محمول کریں گے۔شرح سیر کبیر میں ہے"ثم أخذ ماله لأنه حلف على فعل نفسه فيحلف

علی التبعات وحلفت الورثة علی علمهم ما یعلمون أن صاحبهم أعطاه إیاه علی وجه الصلة ثم یأخذون المال لأنهم حلفوا علی فعل الغیر ومن حلف علی فعل الغیر یحلف علی العلم وإن تصادقا المعطی والمعطی له أن المعطی أعطاه إیاه ولم ینو قرضاً ولا غیره فالمال قرض ولا یکون صلة لما قلنا أنه أقل التبرعین وکان علی الأقل"

(شرح سیر کبیر،باب الحبیس فی سبیل اللہ ،جلد5،صفحہ39- 138)

سوال: ایک شخص حج کے مہینوں میں رو رو کر دعا کر رہا تھا کہ دیکھنے والے نے اسے تین لاکھ روپیہ دیا اور کہا کہ جاؤ حج کر لو۔ یا اس کے بچے رو رہے تھے، کسی نے ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ بچوں کے کھانے و پینے کا انتظام کرو۔ یہ رقم قرض ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہم اسے قرض ہی پر محمول کریں گے حتی کہ دینے والا خود کہے کہ میں نے بطور ہبہ وصدقہ وصلہ رحمی کے دیے تھے۔ شرح سیر کبیر میں ہے" ألا تری أن رجلاً لو أعطی رجلاً مالاً فقال: حج به أو أنفقه علی نفسك مع عیالك كان ذلك قرضاً إلا أن ینوی به الصلة۔"

(شرح سیر کبیر،باب الحبیس فی سبیل اللہ ،جلد5،صفحہ39- 138)

سوال: کسی کو مدنی قافلے میں بھیجنے کے لئے پانچ سو روپیہ یا مدرسے کے طالب علم کو کتابیں خریدنے کے لئے ہزار روپیہ دیا۔ یہ قرض ہے یا صدقہ؟

جواب: یہ صدقہ ہے۔ جس طرح اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنے والے سے کہا کہ یہ لو پانچ سو روپے تو انہیں قرض نہ کہیں گے بلکہ یہ صدقہ کے لئے ہوں گے۔ شرح سیر کبیر میں ہے" وکذلك لو قال:خذ هذا المال فی الغزو فی سبیل الله أو قال فی الجهاد فی سبیل الله كان المال صدقة لأنه أضاف الجهاد أو الغزو إلی المال وأمره أن

مواخذہ نہ ہو، ورنہ ہوگا۔ "مات من علیه دین نسیه هل یؤاخذ به یوم القیامة إن کان الدین من جهة التجارة یرجی أن لا یؤاخذ به وإن کان الدین من جهة الغصب یؤاخذ به کذا فی الفتاوی الکبری ." ترجمہ: اگر کاروباری قرض تھا تو امید ہے کہ بروز قیامت مواخذہ نہ ہو اور اگر کسی سے کوئی مال چھینا ہوا تھا تو پھر مواخذہ ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الغصب، الباب الرابع، جلد5، صفحہ 157، دارالفکر، بیروت)

سوال: زید کا باپ مقروض تھا اور قرض ادا کرنا بھول گیا حتی کہ مرگیا جب کہ زید کو معلوم تھا کہ میرا باپ فلاں کا مقروض ہے تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: اس قرض کو زید ادا کرے اور اگر زید بھی اپنے باپ کا قرض ادا کرنا بھول گیا اور مرگیا تو امید ہے کہ بروز قیامت اس سے مواخذہ نہ ہو۔ "رجل مات أبوه وعلیه دین قد نسیه والابن یعلم به فإنه یؤدیه فإن نسی الابن حتی مات هو أیضا لا یؤاخذ به فی الآخرة کذا فی الظهیریة."

(فتاوی ہندیہ، کتاب الغصب، الباب الرابع، جلد5، صفحہ 157، دارالفکر، بیروت)

سوال: قرض خواہ کو خبر ملی کہ میرا مقروض مرگیا تو اس نے کہا کہ میں نے اسے قرض معاف کیا، جبکہ وہ مرا نہیں تھا، زندہ تھا، اسے غلط خبر ملی تھی تو کیا معاف ہو جائے گا؟

جواب: جی ہاں! معاف ہو جائے گا اور اب دوبارہ اس سے قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

"رجل له علی رجل دین فبلغه أن المدیون قد مات فقال جعلته فی حل أو قال وهبته، ثم ظهر أنه حی لیس للطالب أن یأخذ؛ لأنه وهبه منه من غیر شرط کذا فی فتاوی قاضی خان"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الغصب، الباب الرابع، جلد5، صفحہ 157، دارالفکر، بیروت)

سوال: قرض خواہ مرگیا، اس کے ورثاء معلوم نہیں کہ کہاں رہتے ہیں، تو اب کیا جائے؟

جواب: جتنی رقم اسے دینی تھی اس کی نیت سے اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کردی جائے تاکہ بروز قیامت اللہ پاک اسے عطا فرمادے۔"رجل له خصم فمات ولا وارث له يتصدق عن صاحب الحق الميت بمقدار ذلك ليكون وديعة عند الله فيوصل إلى خصمائه يوم القيامة هكذا في الفتاوى العتابية."

(فتاوی ہندیہ، کتاب الغصب، الباب الرابع، جلد5، صفحہ 157، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک شخص قرض واپس نہیں کررہا، کہتا ہے کہ میرے پاس پیسے ہیں مگر نہیں دیتا، جاؤ جو کرنا ہے کرلو تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: اگر وہ مسلمان ہے اور قرض وصول کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بہتر ہے کہ اس مسلمان کو معاف کردیا جائے تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے، اس نیت سے اسے قرض معاف کرنے سے ثواب ضرور ملے گا۔دين لرجل على آخر لا يقدر على استيفائه كان إبراؤه خيرا من أن يدعي عليه؛ لأن في الإبراء تخليصا من العذاب في الآخرة وكان فيه ثواب كذا في الفتاوى الكبرى.

(فتاوی ہندیہ، کتاب الغصب، الباب الرابع، جلد5، صفحہ 157، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک شخص نے کچھ لوگوں سے پیسے لینے تھے اور لئے بغیر فوت ہوگیا، کوئی بدمعاش وظالم ان لوگوں کے پاس جاتا ہے اور جا کر کہتا ہے کہ مرنے والے کے پیسے مجھے دو، وہ لوگ دے دیتے ہیں، تو کیا وہ لوگ بری الذمہ ہوگئے یا ابھی بھی میت کا قرض ان پر باقی ہے؟

جواب: اس ظالم کو پیسے دینے کی وجہ سے قرض ادا نہیں ہوگا، ایسی صورتحال میں وہ میت کے مقروض ہی رہیں گے، ہاں اس کے ورثاء کو دیتے تو قرض ادا ہوتا۔ ہندیہ میں ہے

"الظالم إذا أخذ من غرماء الميت ما للميت عليهم فديون الميت عليهم باقية كذا في الملتقط."

سوال: باپ قرض ادا کئے بغیر مر گیا، بیٹے کو معلوم نہ تھا کہ میرا باپ مقروض مرا ہے اور اس نے اپنے اباجی کی کل جائیداد خرچ کر ڈالی تو اب بیٹے پر کیا حکم ہوگا؟

جواب: جب بیٹے کو معلوم نہ تھا کہ میرا باپ مقروض ہے اور اب جبکہ اس نے کل جائیداد خرچ کر دی تو بیٹے سے اس قرض کا مواخذہ نہ ہوگا اور اگر بیٹے کو معلوم تھا تو اب اسے باپ کی وراثت میں سے وہ قرض ادا کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر معلوم تھا کہ میرا باپ مقروض مرا ہے مگر اس کا قرض ادا کرنا بھول گیا تو آخرت میں اس وجہ سے عذاب نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے "رجل مات وعليه دين ولم يعلم الوارث بدينه فأكل ميراثه قال شداد لا يواخذ الابن بدينه وإن علم الوارث بدين المورث كان عليه أن يقضي دينه من تركة المورث وإن نسي الابن بعد ما علم فإنه لا يؤاخذ به في دار الآخرة وكذا لو كانت وديعة فنسيها حتى مات لا يواخذ بها في دار الآخرة."

سوال: زید اور بکر کہیں جا رہے تھے، زید بکر کا مقروض بھی ہے، راستے میں چور ڈاکو حملہ آور ہوتے ہیں، اب کتاب القرض میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مقروض جب اور جس وقت قرض ادا کرے قرض خواہ کو وہ قرض لینا ہوگا، اب زید جو کہ مقروض ہے وہ بکر کو کہتا ہے کہ یہ اپنا فوراً فوراً قرض پکڑو، کیونکہ اسے پتا ہے کہ ڈاکو لوٹ لیں گے، تو چلو اسی حیلے سے قرض تو ادا ہو، تو کیا یہاں پر بھی قرض خواہ یعنی بکر پر لازم ہے کہ اپنا قرض وصول کرے۔

جواب: ایسی صورت حال میں قرض خواہ کو اجازت ہے کہ وہ اپنا قرض وصول نہ کرے

،ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔رجل له علی رجل دین وهما فی الطریق فخرج اللصوص علیهما وقصدوا أخذ أموالهما فأعطی المدیون صاحب المال دینه فی تلك الحالة قال بعضهم له أن یودی دینه ولیس للطالب أن لا یأخذ منه وقال الفقیه أبو اللیث -رحمه الله تعالی -عندی للطالب أن لا یأخذ فی تلك الحالة کذا فی فتاوی قاضی خان۔

سوال: قرض خواہ نے مقروض سے کہا کہ میں نے جو تم سے قرض لینا ہے اسے صدقہ خیرات کردو، مقروض نے کردیا تو کیا قرض ادا ہوگیا؟

جواب: دائن نے مدیون سے کہہ دیا کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ ہے اُسے خیرات کردو یہ کہنا صحیح ہے خیرات کردے گا تو دائن کی طرف سے ہوگا اب دَین کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ یونہی مالک مکان نے کرایہ دار سے یہ کہا کہ کرایہ جو تمہارے ذمہ ہے اُس سے مکان کی مرمت کرو اُس نے کرادی درست ہے کرایہ کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔(بہارشریعت)

سوال: کسی نے اپنے نوکر یا دوست یا کسی کی بھی ڈیوٹی لگائی کہ فلاں سے میں نے اتنے پیسے لینے ہیں وہ لے کر صدقہ کردو، اس نے اپنی جیب سے کردے کہ جب مقروض سے ملیں گے تو وہ رکھ لوں گا، کیسا ہے؟

جواب: زید نے عمرو سے کہا فلاں شخص پر میرے اتنے روپے باقی ہیں اُن کو وصول کرکے خیرات کردو عمرو نے اپنے پاس سے یہ نیت کرتے ہوئے خرچ کردیئے کہ جب مدیون سے وصول ہوں گے تو اُنہیں رکھ لوں گا یہ جائز ہے یعنی عمرو پر تاوان نہیں اور اگر زید نے روپے دے دیئے تھے اس نے وہ روپے رکھ لئے اور اپنے پاس کے خیرات کردیئے تو تاوان نہیں۔

(بہارشریعت بحوالہ بحر)

سوال: کسی کو قرض ادا کرنے کے لئے بھیجا اور کہہ دیا کہ جب تک وہ رسید نہ بنا کر دے اس وقت تک اس کے ہاتھ میں پیسے نہ دینا، یہ پیسے دے کر آ گیا اور رسید نہ لی تو؟

جواب: مدیون نے ایک شخص کو روپے دیے کہ میرے ذمہ فلاں کے اتنے روپے باقی ہیں یہ دے دینا اور رسید لکھوا لینا روپے اُس نے دے دیے مگر رسید نہیں لکھوائی اُس پر ضمان نہیں یعنی اگر دائن انکار کرے تو تاوان لازم نہ ہوگا اور اگر مدیون نے یہ کہا تھا کہ جب تک رسید نہ لے لینا دینا مت اور اُس نے بغیر رسید لیے دے دیے تو ضامن ہے۔یعنی اب رسید وصول نہ کرنے والا اتنے پیسے واپس کرے گا۔ (بہارشریعت)

☆گیارھواں باب: مسلم وکافر کے مابین قرض کے احکام ☆

سوال: شراب بیچنا حرام اور بیچنے کی صورت میں جو ثمن یعنی رقم ہاتھ لگی وہ بھی حرام ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کافر مسلمان کا مقروض تھا۔کافر نے شراب بیچی اور اس کی آمدنی اپنے قرض ادا کرنے کی خاطر مسلمان کو دے دی۔کیا مسلمان کو اپنے قرض کی وصولی میں کافر کے شراب بیچنے کی آمدنی سے لینا جائز ہوگا؟

جواب: مسلمان کا کافر مقروض شراب کی آمدنی سے قرض واپس کرے تو مسلمان کو اپنے قرض کے عوض وہ رقم لینا حلال ہے۔ردالمحتار میں ہے"(وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه۔" ترجمہ: کافر کے شراب بیچ کر حاصل کی ہوئی کمائی سے مسلمان کا قرض وصول کرنا جائز ہے کہ کافر کے لئے شراب کی خرید وفروخت جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، جلد09، صفحہ635، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: کافر نے کافر کو شراب قرض دی تھی پھر دینے والا مسلمان ہو گیا تو کیا اب مسلمان

اس شراب کی قیمت یا وہ شراب واپس لے سکتا ہے؟

جواب: حالت کفر میں جو شراب قرض دی تھی مسلمان ہونے کے بعد شراب یا اس کی رقم لینا جائز نہیں۔فتاوی ہندیہ میں ہے "وان اقرض النصرانی نصرانیا خمرا ثم اسلم المقرض سقطت الخمر" ترجمہ: نصرانی نے نصرانی کو شراب قرض دی پھر شراب دینے والا نصرانی مسلمان ہو گیا، قرض ساقط ہو گیا اُس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔(یعنی اب مسلمان ہونے کے بعد اسے واپس نہیں لے سکتا۔)

(فتاوی ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض، جلد03، صفحہ204، کوئٹہ)

سوال: کافر کا قرض دبانا کیسا ہے؟

جواب: قرض، قرض ہے مسلم کا ہو یا کافر کا، اس کا ادا کرنا واجب ہے۔اور نہ دینا حرام ہے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشا فرماتے ہیں: "امانت میں خیانت جائز نہیں اگرچہ ہندو کی ہو، غدر و بد عہدی جائز نہیں اگرچہ ہندو سے ہو، خیانت وغدر کے سوا اس کا بھی لحاظ ضرور ہے کہ کسی جرم قانونی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا بھی منع ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ93، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: مسلمان کسی کافر کا مقروض تھا، دونوں مر گئے، قرض ادا نہ ہو سکا، اب اس مسلمان پر آخرت میں کچھ عذاب ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) مسلمان نے جس کافر کا قرض دینا ہے وہ کافر حربی ہے یا ذمی۔اگر وہ کافر حربی ہے تو اس کے قرض کی وجہ سے مسلمان پر کچھ عذاب وغیرہ نہیں ہے۔" لأن

أموالهم غير معصومة" کیونکہ حربی کافروں کا مال مباح ہے، معصوم نہیں۔

(تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب السیر، جلد3، صفحہ246، مطبعة کبری القاہرة)

علامہ علاء الدین ابی بکر بن سعود کاسانی حنفی ارشاد فرماتے ہیں:"الا تری أن أموالھم محل للاستیلاء کأموال أھل الحرب۔" ترجمہ: تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کا مال قبضہ میں لے لینا جائز ہے بالکل ویسے ہی جیسے حربی کا مال۔

(بدائع صنائع، کتاب السیر، فصل سالاسباب المحرمۃ، جلد06، صفحہ76، کوئٹہ)

اور اگر کافر ذمی سے لیا تھا تو اس کی بھی دو صورتیں :۔اول سچی نیت تھی کہ واپس کروں گا لیکن کر نہ سکا اور مر گیا تو اس کے سبب عذاب نہ ہوگا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :"من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللّٰہ عنہ۔" ترجمہ: جو لوگوں کا مال بہ ارادہ ادا لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دے گا۔

(بلوغ المرام، ابواب السلم والقرض، حدیث 877، صفحہ 180، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

دوسری صورت یہ کہ کہا تھا کہ واپس کروں گا لیکن نیت یہی تھی کہ جان چھڑاؤں گا اور واپس نہ کروں گا تو ضرور گناہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔کیونکہ ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ اِن حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے۔اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے۔والہذا علماء فرماتے ہیں کہ ذمی کا حق مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔فقیہ النفس امام قاضی خان علیہ رحمۃ الرحمٰن "مسلم غصب من ذمی مالا او سرق منہ فانہ یعاقب بہ یوم القیمۃ لانہ اخذ مالا معصوما والذمی لا یرجی منہ العفو ویرجی ذلک من المسلم فکانت خصومۃ الذمی اشد وعند الخصومۃ لا یعطی ثواب طاعۃ المسلم الکافر لانہ لیس من اھل الثواب ولا وجہ ان یوضع علی المسلم وبال کفر الکافر فیبقی فی خصومتہ" یعنی کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چوری کیا تو روز قیامت اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے مال معصوم لیا حالانکہ ذمی

سے معافی کی امید بھی نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے، لہٰذا خصومت ذمی زیادہ شدید ہے۔

(فتاوی قاضی خان کتاب الغصب،فصل فی براء ۃ الغاصب ،جلد3،صفحہ258، کوئٹہ)

سوال: تو کیا کافر ذمی سے کسی بھی صورت میں معافی کی گنجائش نہیں صرف عذاب ہی ہوگا؟

جواب: ذمی کا قرض دبا لینے کی صورت میں جو عذاب ہی کا متعین ہونا لکھا ہے یہ عمومی طور پر ہے کیونکہ کافر سے معافی کی توقع نہیں ہوتی۔ معاف کرنا مسلمان کی شان ہے۔" والذمی لا یرجی منه العفو ویرجی ذلك من المسلم۔"

(فتاوی قاضی خان کتاب الغصب،فصل فی براء ۃ الغاصب ،جلد3،صفحہ258، کوئٹہ)

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ذمی کافر کا قرض دبا لینے کی صورت میں یقینی طور پر عذاب واجب وقطعی وضروری الوقوع ہے کہ یہ مذہب اہلسنت کے صریح خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے کہ وہ اگر چاہے تو کافر کے دل میں بھی معافی ڈال دے یا کافر کو کچھ عطا کر دے جس کے عوض میں وہ مسلمان کو معاف کر دے۔ جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "مگر یہ اسی حالت میں ہے جبکہ بدلہ لینا ہی مشیت رب العزۃ جل جلالہ ہو، ورنہ ممکن ہے کہ وہ کافر کے دل میں ڈالے کہ معاف کر دے یا کسی تخفیف کے بدلے اس سے معاف کرا دے۔

(ملخص از فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ7-66،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کا قرض جان بوجھ کر ادا نہ کیا تو کیا کافر کو مسلمان کی

نیکیاں اور نیکیاں نہ ہونے کی صورت میں کافر کے گناہ مسلمان کو دیے جائیں؟

جواب: نہیں! ایسا نہیں ہوگا بلکہ مسلمان کو اگر اللہ چاہے گا تو عذاب میں گرفتار کرے گا یا معاف فرمائے گا۔ بروز قیامت نیکیاں لینے دینے کا معاملہ صرف مسلمان کا مسلمان کے ساتھ ہوگا۔ طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے "الفقهاء قالوا ان العذاب يوم القيمة على الانسان في حق الحيوان متعين لانه لايمكن المسامحة ولاالقصاص بالحسنات والسيئات و كذا الذمي اذاظلمه المسلم فان العذاب فيه متعين ان لم يستحل منه في الدنيا قال الوالد رحمه الله تعالىٰ في شرحه على شرح الدرر مسلم غصب اوسرق مال ذمي يؤخذ به في الآخرة وظلامة الكافر وخصومته اشد لانه اما ان يحمله ذنبه بقدرحقه اوياخذ من حسناته والكافر لاياخذ من الحسنات ولا ذنب للدابة ولا توهل لاخذ الحسنات فيتعيّن العقاب" ترجمہ: فقہاء نے فرمایا ہے حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کا واقع ہونا متعین ہے کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں۔ ایسا ہی ذمی جس پر مسلمان نے ظلم کیا ہو تو اس مسلمان پر عذاب متعین ہے جبکہ دنیا میں اس سے معاف نہ کرالیا ہو۔ حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الدرر پر اپنی شرح میں فرمایا کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا حالانکہ ذمی کا ظلم وخصومت سخت ترین ہے کیونکہ یا تو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے یا اس کی نیکیاں لے حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہے اور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں، چوپائے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کا وہ اہل ہی نہیں لہذا عذاب متعین ہوا۔"

(الحدیقۃ الندیہ، الصنف الثانی، جلد02، صفحہ 507، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

سوال: غیر مسلم یعنی کافر سے قرض لیا تھا وہ مر گیا اس کے کسی وارث کا بھی پتہ نہیں، اب کیا کیا جائے؟

جواب: جس کو زکوۃ دے سکتے ہیں یہ رقم اس کو دے دی جائے، نہ اس نیت سے کہ اس کافر کو ثواب پہنچے کہ یہ حرام بلکہ کفر ہے بلکہ اپنے پر سے قرض اتارنے کی نیت کیجئے یہ فقیر غیر شخص ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر آپ کے گھر کا ہی کوئی فرد فقیر شرعی ہے تو اسے اسی نیت سے دیں کہ اپنے اوپر سے قرض ادا کرتا ہوں، بعونہ تعالیٰ وہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ73، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

❁۔بارھواں باب: قرض کے جدید مسائل۔❁

فصل اول: قسطوں والا قرض

سوال: آج کل قسطوں میں بھی قرض ملتا ہے۔جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لاکھ قرض لو اور ماہانہ ہزار یا دو ہزار واپس کرتے جاؤ۔مگر ان کی شرط ہوتی ہے کہ اگر ایک قسط بھی لیٹ ہوئی تو بقیہ رقم یکمشت دینی ہوگی۔کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! ایسا کرنا جائز ہے۔بعض لوگ ساری رقم یکمشت کی شرط نہیں لگاتے بلکہ تین قسطیں یکمشت دینے کی شرط لگاتے ہیں۔بہر صورت جائز ہے۔فتاوی رضویہ، فتاوی خلاصہ، فتاوی بزازیہ اور فتاوی شامی میں ہے "لو قال حل نجم ولم تود فالمال حال صح وصار حالا" ترجمہ: اگر کہا کہ وقت مقررہ پر قسط ادا نہ کی گئی تو مال حالی (ادائیگی کا مقرر کردہ وقت ختم) ہو جائے گا، مؤجل نہیں رہے گا، تو ایسا کرنا بالکل درست ہے اور مال بھی حالی ہو جائے گا۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، باب مایبطل بالشرط الفاسد، جلد 07، صفحہ 538، کوئٹہ)

ہاں اگر اس میں یہ شرط رکھی کہ قسط لیٹ ہوئی تو کچھ جرمانہ بھی ادا کرنا ہوگا، یا جتنا لیا اس سے کچھ زیادہ دینا ہوگا تو پھر جائز نہیں۔

سوال: قسطوں کے کاروبار میں بقیہ اقساط جو خریدنے والے پر دَین (قرض) ہوتی ہیں ان کو وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مالک اپنے ملازم کو شہر و بیرون شہر قسطیں وصول کرنے کے لئے بھیج دیتا ہے۔ اگر قسطیں وصول کرنے والے سے وہ رقم گم ہو جائے تو کیا اب وصول کرنے والا مقروض ہوگا یا نہیں؟

جواب: قسطیں وصول کرنے والا چونکہ ملازم ہے اور لوگوں سے رقم وصول کرنے کے لئے سیٹھ نے خود بھیجا ہے لہٰذا وہ ملازم سیٹھ کا قاصد اور روپیہ وصول کرنے کا وکیل اور امین ہوا اور امین کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی کوتاہی کی وجہ سے رقم چوری یا گم نہیں ہوئی تو اس پر کچھ دینا لازم نہیں اور اگر اس کی کوتاہی و سستی برتنے کی وجہ سے رقم گم یا چوری ہوئی تو سیٹھ اس سے اتنی رقم لے سکتا ہے۔ (سستی و کاہلی و کوتاہی یہ کہ اپنے پیسے مخصوص و محفوظ جیب میں رکھے اور یہ کسی اور جیب میں جس میں چوری کے خوف سے اپنے پیسے نہیں رکھتا، جیسے عام طور پر شلوار والی جیب میں اپنے پیسے محفوظ کیے جاتے ہیں، سائیڈ والی جیب میں پیسے نہیں ڈالے جاتے کہ دوران سفر وغیرہ اس جیب کا کٹنا آسان ہے۔) قسط ادا ہو گئی۔

(ملخص از فتاوی دیداریہ، فتوی نمبر 115، صفحہ 292، مکتبۃ العصر، گجرات)

سوال: آج کل یہ بھی ہو رہا ہے کہ کسی انسٹالمنٹ کا کام کرنے والے کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ مجھے فلاں چیز قسطوں میں لینی ہے، آپ مجھ سے ایڈوانس اتنا اور ماہانہ قسط اتنی لیں اور فلاں چیز جو آپ کے پاس موجود ہے دے دیں۔ تو وہ یوں کرتے ہیں کہ اسے

چیز کی مکمل رقم دے کر کہتے ہیں کہ آپ فلاں یا جہاں سے آپ کا جی کرے وہ چیز نقد لیں اور ہمیں رقم قسطوں میں دیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: ناجائز وحرام ہے کہ سود ہے۔ظاہر ہے کہ اگر وہ آپ کو چیز لینے کے لئے پچاس ہزار دیتے ہیں اور آپ واپس رقم قسطوں میں کرتے ہیں تو یقیناً کچھ نہ کچھ زیادہ رقم واپس کریں گے جو کہ سود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" ترجمہ: ہر وہ قرض جس سے نفع ہو وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ،کتاب البیوع ،باب کل قرض ۔۔جلد06،صفحہ 180،دار سلفیہ، ہند)

قسطوں پر چیز دیتے ہوئے چیک لینا یا کوئی چیز گروی رکھنا یا ضمانتی لینا

مثلاً ہم نے دس ہزار روپے کا سونا نقد خریدا اور گاہک کو سولہ ہزار قسطوں کی قیمت پر فروخت کیا اور قبضہ بھی دے دیا۔قسطوں کی ادائیگی کا دورانیہ بارہ ماہ طے ہوا۔گاہک کو دیتے وقت ایک شخص کی ضمانت لیتے ہیں اور ایک خالی چیک لے کر رکھ لیتے ہیں۔اگر بعض گاہکوں کے پاس چیک نہ ہو تو وہ سکیورٹی کے طور پر سونے کی کوئی چیز رکھوا دیتے ہیں۔اگر وہ دو یا تین ماہ مسلسل قسطیں لیٹ کرے تو ہم جتنی رقم طے کی گئی اسے یا تو چیک کی صورت میں پورا کر لیتے ہیں یا سونا بیچ کر بقیہ رقم پوری کر لیتے ہیں اور جو بچ جائے وہ گاہک کو واپس کر دیتے ہیں۔یہ طریقہ کار بالکل جائز نہیں جو چیز سکیورٹی یعنی گروی رکھی ہو اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہوتی کہ سکیورٹی روک رکھنے کے لئے ہوتی ہے بیچنے کے لئے نہیں"لأن لہ ولایۃ الحبس لا البیع"

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الرھن،باب ما یجوز ارتھانہ وما لا یجوز،جلد6،صفحہ502،بیروت)

مجمع الضمانات میں ہے"لیس للمرتھن أن یبیع الرھن"ترجمہ: مرتہن گروی

رکھی چیز کو بیچ نہیں سکتا۔

(مجمع الضمانات، الفصل السادس، صفحہ109، دار الکتاب الإسلامی)

البتہ اگر گاہک بقیہ قسطیں نہیں دے رہا تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ اپنی سیکورٹی والی چیز کو بیچ کر اقساط جمع کروائے ورنہ قاضی شرع بیچ کر اس کی رقم بقدرِ حصہ مرتہن کے حوالے کرے، خود قرض خواہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ردالمحتار میں ہے "للمرتهن بيع الرهن بإجازة الحاكم وأخذ دينه إذا كان الراهن غائبا لا يعرف موته ولا حياته. أقول: يمكن حمل ما في الأشباه على ما إذا لم تكن الغيبة منقطعة وإن كان أطلق الغيبة تأمل. بقي ما إذا كان حاضرا وامتنع عن بيعه وفي الولوالجية: يجبر على بيعه، فإذا امتنع باعه القاضي أو أمينه للمرتهن وأوفاه حقه والعهدة على الراهن ملخصا، وبه أفتى في الحامدية، وحرر في الخيرية أنه يجبره على بيعه وإن كان دارا ليس له غيرها يسكنها لتعلق حق المرتهن بها بخلاف المفلس"

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الرہن، باب ما یجوز۔۔۔، جلد6، صفحہ502، بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "راہن غائب ہو گیا پتہ نہیں کہ کہاں ہے مرتہن اس معاملہ کو قاضی کے پاس پیش کرے قاضی اس کو بیچ کر دَین ادا کر سکتا ہے اور راہن موجود ہے اور دَین ادا نہیں کرتا اُس کو مجبور کیا جائے گا کہ مرہون کو بیچ کر دَین ادا کرے اور نہ مانے تو قاضی یا امین قاضی بیچ کر دَین ادا کر دے اور دَین کا کچھ جز باقی رہ جائے تو راہن ہی اس کا ذمہ دار ہے۔" (بہارِ شریعت، جلد3، حصہ17، صفحہ723، مکتبۃ المدینہ)

پھر جب اسے مجبور کر کے چیز فروخت کروادی جائے تو یہ جائز نہیں کہ کل طے شدہ رقم لے لی جائے بلکہ جتنے ماہ پہلے رقم لی ہے اتنی رقم کم کر دیں، یعنی ماہانہ جو پرافٹ قسطوں کی شکل میں پانچ یا چھ سو لیتے تھے اب بقیہ مہینوں کی ایک دم قسطیں وصول کرنے کی

صورت میں بقیہ مہینوں کا پرافٹ نہیں لے سکتے۔درمختار میں ہے ”قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول۔۔۔ لایاخذ من المرابحة التی جرت بینھما الابقدر مامضی من الایام“ مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کر دیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں۔

(درمختارمع ردالمحتار، کتاب الفرائض، جلد 6، صفحہ 757، دار الفکر، بیروت)

اس مسئلے کو بخوبی یاد رکھو کہ بعض کسٹمر بقیہ قسطیں ایک دم دے کر معاملہ صاف کر دیتے ہیں تو جتنے مہینے کی قسطیں یکشمت جمع کرا دیں اتنے ماہ کا پرافٹ نہیں لے سکتے۔

قسطیں نہ دینے پر قسطوں کا سامان بیچ کر رقم وصول کرنا

ایک ادارہ قسطوں پر گاڑی اس طرح دیتا ہے کہ قسط لیٹ ہونے پر جرمانہ نہیں لیا جاتا بلکہ دو قسطیں لیٹ ہونے پر کسٹمر کو آگاہ کیا جاتا ہے اور تیسری قسط جمع نہ کروانے پر گاڑی ضبط کر لی جاتی ہے اور پندرہ دن کے اندر پورے پیسے جمع کروا کر گاڑی لے جانے کی اجازت ہوتی ہے، اگر پندرہ دن کے اندر پورے پیسے جمع کروائے گا تو جتنے مہینے پہلے پیسے جمع کروائے گا، اس تناسب سے پیسے بھی کم لئے جائیں گے۔اگر پندرہ دن کے اندر بھی وہ گاڑی کے پیسے جمع نہیں کرواتا تو گاڑی کو بیچ دیا جاتا ہے اور جتنے پیسے ادارے کے بقیہ بنتے ہوں وہ لے لئے جاتے ہیں بقیہ پیسے کسٹمر کو واپس کر دیے جاتے ہیں۔شرعی طور پر یہ طریقہ جائز ہے۔مفتی بہ مذہب کے مطابق اپنا دَین وصول کرنے کے لئے خلاف جنس چیز کو قبضہ میں لینا جائز ہے۔ردالمحتار میں ہے ”قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامة المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب ان عدم جواز الاخذ

من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان" ترجمہ: حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا انہوں نے اپنے دادا اشقر سے انصب کی شرح قدوری کے حوالے سے ذکر کیا کہ خلاف جنس سے اپنا حق لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق میں شریعت کی اطاعت کرتے تھے اور آج کے دور میں فتویٰ اس پر ہے کہ جس مال سے بھی حق وصول کرنے پر قادر ہو اس کا لینا جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحجر، جلد6، صفحہ151، دارالفکر، بیروت)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ دائن خود دین کے بدلے میں لی گئی غیر جنس کی چیز کو بیچ سکتا ہے چنانچہ آپ سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل و معجل کے ساتھ زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو، تا مقدار مہر معجل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعاً صحیح ہے فہو المراد، ورنہ جو شرعاً قابل قبول قضاء ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعاً نافذ وجاری ہوں فقط۔''

جواباً آپ فرماتے ہیں: شرعاً استغراق جائداد بلا قبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل و بے معنی ہے، ہاں رہن مع قبضہ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی، مہر معجل کا دعویٰ عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی " لان کل وطائۃ معقود علیھا" (کیونکہ ہر وطی پر عقد ہے۔) تو جائداد موجود مہر میں دے دے

یا عورت کے پاس رہن شرعی کردے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہی لیتی جائے نہ دے تو نالش وسوال افتتاحی ونیلام سے کار برآری آج کل رائج ہے کہ جس میں دوصورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں، ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا "بناء علی ما افتی به الآن من اخذ الحق من خلاف الجنس" (اب موجودہ فتویٰ کی بناء پر صاحب حق اپنا حق خلاف جنس میں حاصل کرسکتا ہے۔) دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا "فانه یکون تنفیذ اللبیع کما نصوا علیه ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخرجا" (تو یہ بیع کو نافذ کرنا قرار پائے گا جیسا کہ فقہاء کی اس پر تصریح ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ اس لئے راستہ بنادیتا ہے۔)" (فتاوی رضویہ، جلد 18، صفحہ 232، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

دوسری جگہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "زوجہ کا مہر جتنا واجب الادا ہے اگر کل متروکہ شوہر کے برابر یا اس سے زائد ہے تو اس کا کل متروکہ پر قبضہ کرنا ایک دعوی صحیح کی بناء پر ہے جب دین جائداد مستغرق ہو تو جب تک ادا نہ کرلے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ قال تعالیٰ ﴿من بعد وصية توصون بها او دين﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وصیت کے بعد جو تم کرجاتے ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔

ہاں وارثوں کو یہ حق ہے کہ اگر جائداد دینے پر راضی نہ ہوں مہر اپنے پاس سے استحساناً ادا کردیں اس وقت عورت کو لازم ہوگا کہ جائداد چھوڑ دے اور صرف اپنا حصہ شرعی لے اور اگر اس کے لئے کوئی مہر واجب الادا نہ رہا یا جتنا ہے وہ قدر متروکہ سے کم ہے تو کل جائداد پر اس کا قبضہ کرنا ظلم ہے کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں۔۔۔

خلاصہ میں ہے "المرأة تاخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة ان

کانت الترکة دراھم اودنانیر وان کانت الترکة شیأ یحتاج الی البیع فتبیع ماکان یصلح وتستوفی صداقھا ان کانت الوصیة من جھة زوجھا اولم تکن" عورت اپنا مہر وارثوں کی رضامندی کے بغیر ترکہ میں سے لے سکتی ہے اگر ترکہ درہموں یا دیناروں کی صورت میں ہو۔اور اگر ترکہ ایسی شیء ہے جس کو بیچنے کی ضرورت ہے تو وہ اس چیز کو بیچ لے جس میں بیع کی صلاحیت ہے اور اپنا مہر پورا وصول کرلے،شوہر کی طرف سے اس کی وصیت ہو یا نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے"قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامة المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال کان "حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا انہوں نے اپنے دادا اشقر سے اخصب کی شرح قدوری کے حوالے سے ذکر کیا کہ خلاف جنس سے اپنا حق لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق میں شریعت کی اطاعت کرتے تھے۔اور آج کے دور میں فتویٰ اس پر ہے کہ جس مال سے بھی حق وصول کرنے پر قادر ہو اس کا لینا جائز ہے۔"

(فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ656،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گاڑی ضبط ہونے کے بعد فقط پندرہ دن کی مہلت دینا کہ بقیہ پیسے ادا کردو اور گاڑی لے لو،اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ کیا اتنے دنوں کی مہلت کے بعد گاڑی بیچنا جائز ہوسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس پیسے نہ ہوں وہ مفلس ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفلس وہ نہیں ہوتا کہ جس کے پاس گاڑی اور دیگر ٹی۔وی۔سی۔

ڈی پلیئر وغیرہ کی چیزیں تو ہوں لیکن نقدی پیسے نہ ہوں بلکہ مفلس وہ جس کے پاس نہ نقدی ہو اور نہ ہی سامان کہ بیچ کر قرض ادا کر سکے۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم میں ہے "والمفلس فی عرف العرب: من لا مالہ عینا، ولا عرضا، ولا غیرہ ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم "أتدرون من المفلس؟" قالوا: ماھو المعروف عندھم، فاجابوہ بقولھم: من لا درھم لہ، ولا متاع وھو فی عرف الشرع" ترجمہ: عرف اہل عرب میں مفلس وہ ہے جس کے پاس کسی طرح کا بھی سامان ونقدی وغیرہ نہ ہو۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ نے استفسار فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے وہی جواب دیا جو ان کے ہاں معروف تھا یعنی انہوں نے کہا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و کسی اور طرح کا ساز وسامان نہ ہو۔ اور یہی شرعا مفلس کہلاتا ہے۔

(المفهم، باب من ادرك ماله__جلد04، صفحه344، مكتبه توقيفيه، مصر)

لہذا جس کے پاس گاڑی ہے، وہ مفلس نہیں ہے بلکہ اس گاڑی کو وائن قبضہ میں کر کے بیچ سکتا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "مدیون کا دین نقود سے ادا کیا جائے گا ان سے نہ ادا ہو تو دیگر سامان سے اور ان سے بھی نہ ہو تو جائیداد غیر منقولہ سے اور صرف ایک جوڑا کپڑے کا اس کے لئے چھوڑ دیا جائے باقی سب اموال ادائے دین میں صرف کر دیے جائیں۔"

(بہار شریعت، کتاب الحجر، جلد03، حصہ 15، صفحہ203، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لہذا پندرہ دن کی مہلت کے بعد گاڑی بیچنا جائز ہے مزید مہلت دینا ضروری نہیں ہے، البتہ بہتر ضرور ہے۔ ہاں ادارے پر یہ لازم ہے کہ وہ گاڑی کو غبن پر فروخت نہ کرے بلکہ مثلی قیمت پر فروخت کرے یعنی اگر گاڑی قیمت پانچ لاکھ ہے تو ادارہ تین یا چار لاکھ کی نہ

بیچ دے۔ردالمحتار میں اس مسئلہ کے تحت ہے"وأما البیع فإن بمثل القیمة جاز وإن بغبن فلا" ترجمہ:باقی بیچ اگر قیمت مثل کے ساتھ ہوتو جائز اور اگر غبن کے ساتھ ہوتو جائز نہیں۔ (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحجر،جلد6،صفحہ151،دار الفکر،بیروت)

اسی طرح ادارے پر یہ بھی لازم ہے کہ جب وہ گاڑی بیچ کر اپنی بقیہ رقم پوری کرلیں تو جتنے پیسے مدت کی وجہ سے زائد کئے تھے اتنے پیسوں کی کمی کریں۔یعنی ایک سال کی مدت میں نفع ایک لاکھ روپیہ لینا تھا اب چھ ماہ بعد گاڑی بیچ کر سارے پیسے پورے کرلئے تو چھ ماہ کی مدت ختم ہونے کے سبب پچاس ہزار کم لینے ہوں گے۔تنویر الابصار میں ہے "قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول لا یأخذ من المرابحة التی جرت بینهما إلا بقدر ما مضی من الأیام وهو جواب المتأخرین ملخصا" ترجمہ:مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کردیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں۔یہ متاخرین کا جواب ہے۔

(تنویر الابصار مع درمختار ورد المحتار، کتاب الفرائض،جلد6،صفحہ757،بیروت)

قرض میعادی وغیر میعادی کے بارے تحقیق جدید

قرض میعادی وہ جس کی مدت متعین ہو جیسے قسطوں کی صورت میں جو قرض واپس کرنا ہوتا ہے اسے قرض میعادی کہتے ہیں۔اور جس کی مدت متعین نہ ہو اسے غیر میعادی کہتے ہیں۔

تحقیق جدید یہ ہے کہ قرض اگرچہ قسطوں والا ہو تمام کا تمام منہا کرنے کے بعد زکوۃ کا حساب لگایا جائے گا حتی کہ اگر سارا منہا کرنے کے بعد مال بقدر نصاب نہ بچے

توزکوۃ واجب نہ ہوگی۔مثلا ایک شخص کے پاس 20 لاکھ روپے ہیں، اس نے 15 لاکھ کی گاڑی قسطوں میں لی جس کی دس قسطیں باقی ہیں تواب حکم یہ ہوگا کہ جتنی قسطیں دینی ہیں ان کا مجموعہ نکالے ،مثال کے طور پر دس قسطوں کا مجموعہ دولاکھ روپے ہے تواب اس کے پاس جورقم ہےاس میں یہ سے یہ دولاکھ نکالے گااور جو بچے گااس پرزکوۃ واجب ہوگی حتی کہ اگرقسطوں کی رقم نکالنے کے بعدنصاب کی بقدرمال بچتاہی نہیں توزکوۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

(ماخوذ از صحیفہ فقہ اسلامی)

انشورنس

سوال: (انشورنس)بیمہ کمپنی میں جمع کیے ہوئے روپے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ رقم قرض ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ارشادفرماتے ہیں:"چونکہ کمپنی سے اس کا مطالبہ ہروقت نہیں کیا جاسکتا بلکہ مدت پوری ہونے کے بعد مطالبہ ہوگا۔ اورظاہر یہی ہے کہ کمپنی اس رقم کوتجارت وغیرہ میں لگائے گی۔لہٰذااس کوامانت نہیں بلکہ قرض سمجھنا چاہیے کہ کمپنی قرض لیتی ہےاورادا کرنے کی ایک میعادمقرر کرتی ہے۔اوراس میعاد کے پورے ہونے پرکل روپیہ مع اضافہ دیتی ہےاوراثنائے میعاد میں مرجانے پربھی جوکچھ اس نے دیا ہے کمپنی وہ کل رقم مع شئی زائد دے گی۔یہ اس بیمہ کا خلاصہ ہے۔"

(فتاوی امجدیہ،جلد03،صفحہ200،مکتبہ رضویہ،کراچی)

انشورنس کمپنی کے دھوکے کی تفصیلات

لائف،املاک واعضاءوغیرہ کی انشورنس جوااورسود پرمشتمل ہونے کی وجہ سے حرام وناجائز ہیں۔لائف انشورنس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی اورانشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بالاقساط کمپنی کوادا کرے گا جن

میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور مدت پوری ہونے پر وہ رقم بونس کے ساتھ اسے کمپنی کی طرف سے واپس کردی جائے گی اس صورت میں یہ خالص سود ہے اور اگر وہ شخص اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے فوت ہوگیا تو وہ پوری رقم اس کے ورثہ کو ادا کردی جاتی ہے اگرچہ اس نے ایک دو قسطیں ہی جمع کروائی ہوں۔املاک یعنی مکان ودکان وگاڑی وغیرہ کی انشورنس یوں ہوتی ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بالاقساط کمپنی کو ادا کرے گا جن میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور اس مدت کے اندر وہ املاک ضائع ہوگئیں تو کمپنی اس کی تلافی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے،اور اگر املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو قسطوں کی صورت میں ادا کی گئی رقم ضائع ہوجائے گی۔اور اعضاء والی کا طریقہ بھی املاک کے طریقہ کار کی طرح ہے اور یہ جوا ہے۔

لائف انشورنس میں سود یوں کہ کمپنی کو جو قسطیں جمع کروائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں کمپنی پر لوگوں کا قرض ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کمپنی کو کچھ بھی ہوجائے لوگ اپنی رقم واپس ضرور لیتے ہیں جو کہ قرض ہونے کی دلیل ہے۔اور جب تمام اقساط جمع ہولیں تو کچھ رقم مزید بطور نفع و بونس کے نام سے دی جاتی ہے جو کہ سود ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"کل قرض جر منفعة فھو ربا" یعنی ہر وہ قرض جس سے نفع ملے وہ سود ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد 05، صفحہ 80، مطبوعہ، ملتان)

اور اگر وہ انشورنس کروانے والا مقررہ مدت میں کل اقساط جمع کروانے سے پہلے ہی مر جائے تو کمپنی اسے مدت تمام میں جتنی قسطیں جمع کروائی تھی ان کے برابر رقم دیتی ہے یہ بھی سوائے سود کے کچھ نہیں۔اور سود کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد

باری تعالیٰ ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اُس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے۔ (پارہ:4، سورۃ ال عمران:3، آیت:130)

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنز الایمان: وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سُود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود۔ (پارہ:3، سورۃ البقرہ:2، آیت:278)

اور احادیث میں بھی بکثرت سود کی حرمت وارد ہوئی ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم أكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: کہ وہ سب برابر ہیں۔

(مسلم شریف، کتاب المساقاۃ۔۔۔، جلد2، صفحہ27، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور املاک یعنی ساز و سامان مثلاً مکان و گاڑی کی انشورنس میں بھی ایک مدت تک مقررہ مقدار میں قسطیں جمع کروانی ہوتی ہیں اگر مدت کے دوران وہ مکان ودوکان یا گاڑی کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ کمپنی برداشت کرے گی اور اگر اس مدت میں کوئی نقصان نہ پہنچا تو جمع کروائی ہوئی رقم ضائع ہوجاتی ہے یہ سوائے جوا کے کچھ نہیں کہ جوا میں بھی یہی

ہوتا ہے کہ یا تو آئیں گے یا جائیں گے۔ اور جوئے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یا
یھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل
الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور
پانسے ناپاک، شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

(پ 7، سورۃ المائدۃ، آیت 90)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے بیمہ پالیسی کے بارے میں پوچھا گیا تو
آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ بالکل قمار ہے اور
محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 365، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

انشورنس والے مسلمانوں کو امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا انشورنس کے جائز
ہونے سے متعلق ایک فتوی دکھا کر انہیں اپنے چنگل میں پھنسا لیتے ہیں۔ جس فتوی میں امام
احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن انشورنس کے جائز ہونے کا فرمایا ہے وہ احکام شریعت میں
موجود ہے اور یہ وہی لوگوں کو دکھاتے ہیں، یاد رہے وہ فتوی کافروں کے ساتھ انشورنس
کا ہے۔ مسلمان کی مسلمان کے ساتھ انشورنس کو امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے حرام
قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے انشورنس کے بارے میں پوچھا گیا
تو فرمایا: "جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جا رہا ہے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک
ہے (اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو) تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار (جوا) ہے اور اس پر جو
زیادت ہے ربا (سود ہے) اور دونوں حرام اور سخت کبیرہ ہیں۔ اور اگر اس میں کوئی مسلمان
اصلاً نہیں (یعنی کمپنی کے سارے مالک کافر ہیں۔) تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب

حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت (گناہ) پر مجبور نہ کیا جاتا ہو۔ جواز اس لیے کہ اس میں اپنے نقصان کی شکل نہیں، اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ زیادت ملے گا، اور پہلے مرگیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھر بعد ہی مرگیا تو دیئے 246 روپے چار آنے اور ملے 5000 روپے، ہاں یہ ضرور ہے جو زائد ملے ربا (سود) سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم (کافر) کا مال اس کی خوشی سے بلا غدر (بغیر دھوکہ) ملا، یہ حلال ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 595، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بیمہ کی حرمت سے متعلق مزید وضاحت کرتے ہوئے مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں "ہر قسم کا بیمہ ناجائز ہے اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے گا وہی ضامن ہوگا اور بقدر نقصان تاوان دے گا۔ قرآن کریم میں ہے ﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ لہٰذا چوری، ڈکیتی، آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس کردی جائے گی۔ غرض یہ کہ بیمہ محرمات کا مجموعہ ہے۔ اب یہ کہا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی اجازت سے ہے جن سے لیا گیا ہے، اگر نقصان زدہ لوگوں میں تقسیم کردیا جائے تو پھر

انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے کہاں سے کماتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ عذر صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے گھڑے گئے ہیں" (وقار الفتاوی، جلد 1، صفحہ 240، بزم وقار الدین، کراچی)

ہاں اگر کہیں ایسا ہو کہ کوئی کمپنی ایسی ہو جس میں کسی بھی مسلمان کا کوئی حصہ نہ ہو وہ تمام کی تمام کفار پر مشتمل ہو وہی اس کے مالک ہوں تو اس صورت میں ان سے لائف انشورنس کروانا بھی جائز اور ان سے زیادتی لینا بھی جائز ہے مگر اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ اس نیت سے لے کہ کافر کا مال بغیر دھوکے کے جو وہ اپنی خوشی سے دے حلال ہے جیسا کہ امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خان (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں "جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جارہا ہے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے (اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو) تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار (جوا) ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا (سود ہے) اور دونوں حرام اور سخت کبیرہ ہیں۔ اور اگر اس میں کوئی مسلمان اصلاً نہیں (یعنی کمپنی کے سارے مالک کافر ہیں۔) تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت (گناہ) پر مجبور نہ کیا جاتا ہو۔ جواز اس لیے کہ اس میں اپنے نقصان کی شکل نہیں، اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ زیادت ملے گا، اور پہلے مر گیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھر بعد ہی مر گیا تو دیئے 246 روپے چار آنے اور ملے 5000 روپے، ہاں یہ ضرور ہے جو زائد ملے ربا (سود) سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم (کافر) کا مال اس کی خوشی سے بلا غدر (بغیر دھوکہ) ملا، یہ حلال ہے" (فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 595، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور یہ بھی یاد رہے کہ کافر گورنمنٹ سے بھی انشورنس کروانا اسی صورت میں جائز ہے جبکہ اپنے نفع کا غالب گمان ہو، اور نقصان کی کوئی صورت نہ ہو، اگر غالب گمان نہ ہو بلکہ نقصان ہی کا زیادہ اندیشہ ہو تو اس سے بیمہ کروانا بھی جائز نہ ہوگا چنانچہ علامہ محمد امین ابن

عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" قال فی فتح القدیر:لا یخفی أن ھذا التعلیل إنما یقتضی حل مباشرۃ العقد إذا کانت الزیادۃ ینالھا المسلم والربا أعم من ذلك إذ یشمل ما إذا کان الدرھمان أی فی بیع درھم بدرھمین من جھۃ المسلم ومن جھۃ الکافر وجواب المسألۃ بالحل عام فی الوجھین و کذا القمار قد یفضی إلی أن یکون مال الخطر للکافر بأن یکون الغلب له فالظاھر أن الإباحۃ بقید نیل المسلم الزیادۃ" یعنی صاحب فتح القدیر نے لکھا کہ اب یہ بات کسی پر مخفی نہ رہے کہ جب مسلمان کو زیادہ فائدہ ونفع مل رہا ہو تو اس صورت میں یہ علت ان کے ساتھ عقود کے حلال ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔اور ایک درہم کے بدلے کافر سے دو درہم لینے میں یقیناً مسلمان کا زیادہ نفع ہے اور جواز اسی صورت میں ہے جب مسلمان کو نفع زیادہ ہو۔ (ردالمحتار،مطلب استقراض الدراہم عدداً،جلد 07،صفحہ 442،مطبوعہ،لاہور)

مسلمان سے کی ہوئی انشورنس میں جو نفع زیادہ ملتا ہے وہ سود ہونے کی وجہ سے ملک خبیث ہے اور ملک خبیث کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا حرام ہوتا ہے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ" کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں؟اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟ جواباً ارشاد فرمایا" سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہوجاتا ہے۔۔۔مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے،بہرحال اپنے حوائج میں اسے

خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سود کھا رہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے، لانہ لم یندم علی الماضی وما ترك فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیء من ارکان التوبۃ ۔کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا۔وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا حرام لیا تھا تو انہیں پہنچا دے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کر دے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کیلئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 379، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اگر کسی کے پاس ایسے پیسے آ گئے ہوں تو اسے (سودی رقم کو) بغیر ثواب کی نیت سے صدقہ کر دیا جائے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں "تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 352، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سودی رقم کو اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد وہی صدقہ، خیرات ہے تو اس کا حکم اوپر لکھ دیا کہ بغیر ثواب کی نیت سے کسی فقیر شرعی جسے زکوۃ دے سکتے ہیں اسے دے دیا جائے، مسجد وغیرہ پر خرچ نہیں کر سکتے۔مسجد پر پاکیزہ وستھرا مال خرچ کیا جائے کہ اللہ عزوجل حرام کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ خود پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔مسلم کی حدیث میں ہے "وعن أبی هريرة قال:قال رسول الله صلی الله

علیه وسلم:ایها الناس:إن الله طیب لا یقبل إلا طیبا "ترجمہ:ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اے لوگو! بے

شک اللہ عزوجل پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاکیزہ شے کو۔

(صحیح مسلم، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، جلد02، صفحہ703، بیروت)

اور سود حرام اور ناپاک مال ہے اسے براہ راست مسجد پر خرچ نہ کیا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سود اور گانے بجانے میں ملنے والی رقم کو مسجد میں خرچ کے بارے لکھتے ہیں "جو مال بعینہٖ حرام ہو وہ ان کاموں کے لئے لینا بھی حرام ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ427، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر سود کے بارے میں لکھتے ہیں" ملک خبیث ہے براہ راست مدرسہ و مسجد میں نہ دے۔ فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب" بیشک اللہ تعالیٰ طیب ہے اور صرف طیب کو ہی قبول فرماتا ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد20، صفحہ502، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صرف انہی لوگوں کو دیں جو زکاۃ، فطرہ لینے کے حق دار ہیں وہ لینے کے بعد اگر اپنی مرضی و خوشی سے کسی کار خیر مثلا مسجد پر خرچ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں" زرِ حرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہذا دفعِ خبث وتکمیل توبہ کے لئے فقراء کو دینا ضرور ہوا، اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امورِ خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں"

(فتاوی رضویہ جلد17، صفحہ352، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تکافل

فی زمانہ انشورنس کا جائز متبادل آیا ہے جو مفتی اعظم پاکستان منیب الرحمٰن صاحب اوران کے رفقاء مثل مفتی سید صابر حسین صاحب نے پیش کیا ہے، وہ اس کو جائز کہتے ہیں، اگر کوئی ان کے فتوے پر عمل کرنا چاہے تو انشورنس کا بہترین متبادل ہے، جس کی تفصیل نیچے درج ہے۔

تکافل کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ ''کِفالہ'' سے ماخوذ (extract) ہے۔ ''کِفالہ'' کے معنیٰ ''کسی کی کفالت کرنے یا اُس کا ضامن (Guarantor) بننے'' کے ہیں۔ قرآنِ مجید اور اَحادیثِ کریمہ میں لفظِ ''کفالہ'' اِنہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ

ترجمہ: ''اور آپ (اُس وقت) اُن کے پاس نہ تھے، جب وہ (قرعہ اندازی) کے لئے قلموں کو ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا؟، (سورۂ ال عمران، آیت:44)''۔

کتبِ تفاسیر میں ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کفالت اور پرورش کے معاملہ میں جب اختلاف ہوا کہ اُن کی کفالت کون کرے گا؟ کفالت کی ذمہ داری اُٹھانے کے خواہش مند افراد کی تعداد ایک سے زائد تھی، ہر ایک کی خواہش تھی کی یہ عظیم ذمہ داری وہ اُٹھائے، لہٰذا اِس صورتِ حال میں کفالت کا ارادہ کرنے والوں نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش کے لئے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی۔ یہ وہ بابرکت قلم

تھے، جن کے ساتھ وہ توراتِ مقدّس لکھتے تھے۔ یہ قلم اُنہوں نے دریائے اُردن میں اِس خیال سے ڈال دیئے کہ جس کا قلم پانی میں سیدھا کھڑا رہے گا، وہ حضرت مریم کی پرورش کی ذمہ داری ادا کرے گا۔ لہٰذا جب قلم دریا میں ڈالے گئے تو تمام لوگوں کے قلم پانی میں بہہ گئے مگر حضرت زکریا علیہ السّلام کا قلم پانی میں اِس طرح کھڑا رہا، جس طرح زمین میں نیزہ گاڑ دیتے ہیں۔ تب اُنہوں نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے لیا اور اِن کی کفالت کی۔

ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ترجمہ: ”(حضرت) زکریا نے اُس (مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کفالت کی ذمہ داری لی، (سورۂ ال عمران، آیت: 37)“۔ مفتی احمد خان نعیمی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر نور العرفان میں اِس آیتِ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ بیت المقدس کے خدام، جنہیں اَحبار کہا جاتا ہے، جن کی تعداد 27 تھی۔ یہ لوگ ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے، ان کے سردار زکریا علیہ السلام تھے، جو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خالو تھے۔ حضرت عمران اُن سب سے بڑے اور اُن سب کے امام تھے لہٰذا اُن میں سے ہر ایک کی تمنا یہ تھی کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش وہ کرے، مگر زکریا علیہ السلام اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ آپ بہت محبت سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش فرمانے میں مشغول ہوگئے۔ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں ”کفالت پرورش کرنے کے“ معنیٰ میں آیا ہے۔

اِسی طرح اَحادیثِ مبارکہ میں بھی یہ لفظ ”ضمانت دینے اور کفالت کرنے کے“ معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سننِ نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُس جنازے کی اِمامت

فرمائیں، تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ ادا کرلو کیونکہ اِس پر قرض ہے۔ اِس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ وہ نماز پڑھائیں اور عرض کیا کہ اَنَا اَتَكَفَّلُ بِهٖ یعنی میں اِس میت کے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اِس حدیث میں ''اَتَكَفَّلُ'' کا لفظ ''کفالت'' سے بنا ہے، جس کے معنیٰ ضمانت (Guarantee) لینے کے ہیں۔ ذیل میں حدیث مبارک کا مکمل متن درج کیا جارہا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اُتِیَ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُصَلِّیَ عَلَیْهِ فَقَالَ: اِنَّ عَلٰی صَاحِبِكُمْ دَیْنًا ، فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ: اَنَا اَتَكَفَّلُ بِهٖ قَالَ: بِالْوَفَاءِ؟ قَالَ بِالْوَفَاءِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری شخص کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی پر قرض ہے تو اس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں ان کی کفالت یعنی قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ادائیگی کے ساتھ تو (حضرت ابوقتادہ) نے عرض کیا کہ جی ہاں! ادائیگی کے ساتھ۔ (سننِ نسائی، کتاب البیوع، باب الکفالۃ بالدین، رقم الحدیث: 4701)۔

ایک اور حدیث مبارک میں ہے:

اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَهَاتَیْنِ فِی الْجَنَّةِ یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی ذمہ داری لینے والا جنت میں اِس طرح ہوں گے اور آپ نے یہ کہتے ہوئے اپنی

شہادت اور درمیانی انگلیوں کو آپس میں ملالیا، (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی ضم الیتیم، رقم الحدیث: 5151)۔ اِس حدیث میں ''کَافِلُ'' کا لفظ کفالہ سے ماخوذ ہے۔

کفالت کے لئے ''اَلزَّعِیْمُ'' کا لفظ بھی بطورِ مترادف اِستعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے قول کو اِس طرح بیان کیا گیا کہ وَ اَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ترجمہ: ''اور میں اِس کا ذمہ دار ہوں، (سورۂ یوسف، آیت: 72)۔'' آج بھی کسی کی کفالت کرنے والے کو وکیل کے علاوہ ''ضامن'' بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلزَّعِیْمُ غَارِمٌ یعنی کفیل ضامن ہے، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الصدقات، باب الکفالۃ، رقم الحدیث: 2405)۔

کفالت کے لغوی معنیٰ کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کرنے کے بعد اِس کی اصطلاحی تعریف اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کی جارہی ہے:

اِصطلاحِ شریعت میں کفالہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ذمہ داری (Liability) کو کسی دوسرے کے ساتھ ملادے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمے تھا، دوسرے نے بھی اپنے ذمہ لے لیا، خواہ وہ مطالبہ جان کا ہو یا قرض یا عین (مال) کا ہو۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں کفالہ کی تعریف درجِ ذیل بیان کی گئی ہے:

اَلْکَفَالَةُ ضَمُّ ذِمَّةٍ اِلٰی ذِمَّةٍ فِیْ الْمُطَالَبَةِ بِشَیْءٍ یَعْنِیْ اَنْ یَضُمَّ اَحَدٌ ذِمَّتَهٗ اِلٰی ذِمَّةِ اٰخَرَ وَیَلْتَزِمَ اَیْضًا الْمُطَالَبَةَ الَّتِیْ لَزِمَتْ فِیْ حَقِّ ذَالِکَ

ترجمہ: ''کفالہ بسلسلۂ مطالبہ کسی کی ذمہ داری میں شرکت کو کہتے ہیں یعنی کسی شخص سے کسی چیز کا مطالبہ ہو اور وہ شخص ذمہ دار ہو، اس کے بعد ایک دوسرا شخص اس کی ذمہ داری میں اپنے

آپ کو شریک کرلے اور اس مطالبہ کو اپنے اُوپر بھی واجب قرار دیدے تو یہ عمل کفالہ کہلائے گا۔(مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر 612)۔"

فقہ حنفی کی معروف کتاب بہارِ شریعت میں ہے کہ ایک معاملہ میں حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت کی تھی۔

تکافل کے معنیٰ ومفہوم:

کفالت کے لغوی واصطلاحی معنیٰ کو جاننے کے بعد اب تکافل (جو اِس کتاب کا اصل موضوع ہے) کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تکافل کے لغوی معنیٰ "ایک دوسرے کی کفالت کرنے (mutual Support) یا ذمہ داری لینے" کے ہیں۔ لغت کی مشہور کتاب "المورد" میں تکافل کے لغوی معنیٰ "مشترکہ ذمہ داری (joint liability) یا مشترکہ جواب دہی (joint responsibility) اور باہمی یکجہتی (solidarity)" اور معجم الطلاب میں تکافل کے معنیٰ "ایک دوسرے کے ساتھ گارنٹی کا تبادلہ کرنے" کے ہیں جبکہ اِس میں تکافل کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی ہے:

تبادل الاعالة والنفقة والمعونة یعنی کفالت، اِخراجات اور اِعانت وتعاون کا تبادلہ تکافل ہے۔ آگے لکھتے ہیں: الرعایة والتحمل و منه تکافل المسلمین رعایة بعضهم بعضا بالنصح والنفقة وغیر ذالک

ترجمہ: اس کے معنیٰ خیال رکھنا اور برداشت کرنے کے ہیں اور اسی سے تکافل المسلمین ہے ،یعنی مسلمانوں کا ایک دوسرے کا خیر خواہی اور خرچ وغیرہ کرکے خیال رکھنے کے ہیں۔

اِصطلاح میں تکافل سے مراد اِمدادِ باہمی کا ایک ایسا طریقۂ کار ہے، جس کے تحت افرادِ معاشرہ تعاون اور تبرّع (احسان) کی بنیاد پر ایک معاہدہ کرتے ہیں اور پھر اُن میں سے

کسی فرد یا اَفراد کا مالی نقصان ہو جائے، تو مل جل کر پہلے سے قائم شدہ ''تکافل فنڈ'' سے اُس کی تلافی کرتے ہیں یعنی اُس نقصان کا بوجھ کسی ایک پر نہیں پڑتا بلکہ سب اُس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک معروف اسلامی فقہی تصور ہے اور اسی کی بنیاد پر اسلامی تکافل کمپنیاں وجود میں آئی ہیں۔ اب الحمد للہ کئی مُحرّمات و ممنوعات (prohibited) پر مشتمل انشورنس کے متبادل ایک جائز کفالتی اور امدادِ باہمی (mutual co-operation) کا نظام اداروں کی شکل میں وجود میں آچکا ہے۔ اور اِسے روایتی بیمہ کے متبادل کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ اِس میں اُن تمام شرعی خرابیوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، جن کی وجہ سے مروّجہ انشورنس کے نظام کو شرعی ماہرین نے ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔

تکافل کے نظام میں جہاں ایک طرف طے شدہ مقدار کی حد تک وقف فنڈ (PTF) سے تحفظ کی ضمانت فراہم ہوتی ہے، وہاں شرعی مضاربت (PIA) کی شکل میں جائز منافع کا اہتمام بھی موجود ہے، جس سے اِس کی اِفادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کے پاس بیمہ کے ممنوعہ نظام (prohibited system) سے بچنے کا ایک متبادل (alternate) جائز نظام موجود ہے، تو ضرورت کے وقت اِسی کو اختیار کیا جائے۔ عام مسلمانوں کے تعاون ہی سے تکافل بتدریج تمام شعبوں میں انشورنس کی جگہ لے سکتا ہے۔ چونکہ تکافل سینکڑوں برس پرانے انشورنس کے مضبوط نظام کے مقابلے میں متعارف کرایا گیا ہے لہٰذا یہ ابھی اپنے ارتقائی مراحل سے گزر رہا ہے اور اِس میں کئی قسم کی عملی (practical) رکاوٹیں موجود ہیں۔ ماہرینِ شریعت و معیشت اِن رکاوٹوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اِن شاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ جب یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور انشورنس کے ناجائز طریقۂ کار کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع

ہوجائے گا۔ تکافل کی راہ میں حائل عملی رکاوٹوں کا تذکرہ آگے اِس عنوان کے تحت کیا جائے گا۔

تکافل کمپنی کے کام کرنے کا طریقۂ کار

ذیل میں تکافل کمپنی کے کام کرنے کا طریقۂ کار نکات کی صورت میں درج کیا جارہا ہے:

(1) سب سے پہلے صاحبانِ حصص (Shareholders) شراکت داری کے اصول وضوابط کے مطابق ایک تکافل کمپنی قائم کرتے ہیں جس میں ہر شریک (Shareholder/Partner) ایک طے شدہ تناسب سے اپنا سرمایہ ملاتا ہے، اس سرمایہ کو (Paid up capital) یا اِبتدائی راس المال کہاجاتا ہے۔ اس کمپنی کے اصول وقواعد تحریر کیے جاتے ہیں، اس کے کام کرنے کا طریقۂ کار طے کیا جاتا ہے اور متعلقہ ادارہ سے اس کو منظور بھی کروایا جاتا ہے تاکہ کمپنی قانونی طور پر وجود میں آجائے۔ اس کمپنی کی حیثیت شخص معنوی یا شخص قانونی (Legal Entity) کی ہوتی ہے۔ ابتدائی راس المال سے جو فنڈ بنایا جاتا ہے اس کو Shares Holders Fund (SHF) کہاجاتا ہے اور اس کی ملکیت صاحبانِ حصص کے پاس ہی رہتی ہے۔

(2) اس کے بعد اسلامی فقہ خصوصاً اِسلامی فقہ مالی پر دسترس رکھنے والے کم از کم تین علماء و اسکالرز پر مشتمل ایک شریعہ بورڈ قائم کیا جاتا ہے۔ یہ شریعہ بورڈ کمپنی کے قیام سے لے کر اس کے تمام مالی معاملات کی انجام پذیری کے ہر مرحلے پر نہ صرف شرعی رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ اس کے تمام معاملات کی باضابطہ نگرانی بھی کرتا رہتا ہے تاکہ غیر شرعی اُمور سے اِجتناب کیا جاسکے۔

(3) شریعہ بورڈ وقف کے شرعی اُصولوں کے تحت ایک دستاویز تیار کرتا ہے، جس میں واقف

، متولی ، موقوف علیہم ، مال موقوف ، مصارف وقف ، آمدن وقف وغیرہ سے متعلق قواعد و ضوابط تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ سب سے اہم دستاویز ہوتی ہے اور یہی وہ بنیادی دستاویز ہے جو تکافل کو انشورنس سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ اس کے طریقہ کار کو اِسلامی شرعی اُصولوں سے بھی ہم آہنگ کرتی ہے۔

(4) اس کے بعد صاحبانِ حصص (Shareholders)، ایک مخصوص رقم سے اصل وقف قائم کرتے ہیں، اور اس کا منافع موقوف علیہم پر تصدق کر دیتے ہیں، اس طرح وہ رقم ان کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ بات ضروری ہے کہ اصل وقف قائم کرنے کے لئے جو رقم مختص کی جاتی ہے، اس سے ایسی غیر منقولہ جائیداد خریدی جائے، جس سے منافع حاصل ہوتا رہے اور تبرع کی صورت میں دیے جانے والے عطیات سے اس کی آمدن میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔ واضح رہے کہ یہ مشروط وقف (Conditional Waqf) ہوتا ہے اور صرف طے شدہ شرائط کے تحت عطیہ دہندگان ہی اس کے موقوف علیہم (Beneficiaries) ہو سکتے ہیں۔ یہ وقف موقوف علیہم کے مستقبل کے اُن نقصانات کی تلافی کرتا ہے، جن کا ان عطیات دہندگان سے وعدہ کیا ہے، یہ سب شرائط وقف نامہ میں تحریر ہوتی ہیں ۔ اس وقف کو Participant Takaful Fund (PTF) کہا جاتا ہے اور یہ "مِلك لِلّٰه" ہوتا ہے۔

(5) تکافل کمپنی کا سربراہ (سی ای او) اس کا چیف متولی ہوتا ہے، جو وقف نامہ کے تحت تمام امور انجام دیتا ہے۔ کمپنی کا سربراہ کمپنی کے کاموں کی انجام دہی کے لئے ایسے افراد کا تقرر کرتا ہے، جو اس کی نگرانی میں وقف کے قواعد و ضوابط کے مطابق کام کرتے ہیں۔

(6) جو افراد یا ادارے مخصوص شرائط کے تحت اس تکافل وقف فنڈ میں عطیات (Contributions) دیتے ہیں، وہ اس وقف فنڈ کے موقوف علیہم بن جاتے ہیں۔ جب وہ وقف فنڈ میں عطیہ دیتے ہیں، تو اُن کی حیثیت عطیہ دہندگان (Participants) کی ہوتی ہے۔ عطیات ان کی ملکیت سے نکل کر وقف کی آمدن میں شامل ہو جاتے ہیں، جبکہ عطیات (Contributions) دینے کے بعد وہ موقوف علیہم (Beneficiaries) بن جاتے ہیں۔ اور وہ ضرورت کے وقت وقف فنڈ سے منفعت حاصل کرنے کے حق دار بن جاتے ہیں۔

(7) وقف نامہ میں دیے گئے اختیارات کے تحت تکافل کمپنی شرعی تقاضوں کے مطابق شریعہ بورڈ کی رہنمائی میں تبرع اور مضاربت کی بنیاد پر ایسے مالی عقود تیار کرتی ہے، جو افراد یا اداروں کی مستقبل کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اِن کو کاروباری اِصطلاح میں مصنوعات (Products) کہا جاتا ہے، جن کی شریعہ بورڈ منظوری دیتا ہے اور اِن کے شریعت کے مطابق ہونے کی سند (Shariah Compliant Certificate) جاری کرتا ہے۔ اس کے بعد متعلقہ حکومتی ادارے سے بھی اس کی منظوری لی جاتی ہے، تاکہ شرعی اور قانونی تقاضوں کی تکمیل ہو جائے۔

(8) اس کے بعد وہ پروڈکٹ (Product) عوام الناس کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ جب کوئی فرد یا ادارہ اس کو حاصل کرتا ہے، تو وہ جو عطیہ دیتا ہے، وہ وقف فنڈ میں چلا جاتا ہے۔ شخصی فیملی تکافل میں وقف فنڈ کے علاوہ ایک اور فنڈ بھی ہوتا ہے جو شرعی مضاربت کے اصولوں پر کام کرتا ہے، اِس دوسرے فنڈ کو Participant Investment Fund (PIF) کہا جاتا ہے۔ اس میں جو رقم دی جاتی ہے اس کی

ملکیت عطیہ دہندگان کے پاس ہی رہتی ہے۔ کمپنی مضارب کی حیثیت سے اس رقم سے شریعت کے مطابق کاروبار کرتی ہے اور طے شدہ طریقہ کار کے مطابق شرکاء کا حصہ ان کے کھاتے میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ انشورنس اور تکافل کمپنی میں یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ انشورنس کمپنی میں حاصل ہونے والا پریمیم براہ راست انشورنس کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ عقد معاوضہ بن جاتا ہے۔ اور چوں کہ انشورنس میں عقد معاوضہ کی شرائط کا خیال نہیں رکھا جاتا ،لہٰذا اس میں بہت ساری شرعی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ،جو اس عقد (انشورنس) کو ناجائز کردیتی ہیں۔ اسی بناپر اسلام میں انشورنس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور تکافل کو اس کے متبادل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تکافل اور ری تکافل:

بیمہ کمپنیز کی طرح تکافل کمپنیز کے پاس بھی ری تکافل (Re-Takaful) کی سہولت ہوتی ہے تاکہ کبھی ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ تکافل کمپنی اپنے عطیہ دہندگان کی ضرورت کو پوری نہ کرسکے تو وہ ری تکافل کے ذریعے سے اِس کمی کو پورا کرسکے۔ واضح رہے کہ تکافل کی طرح ری تکافل بھی شرعی اُصولوں کے مطابق ہی کروائی جاتی ہے اور دنیا بھر میں اس کے کئی ماڈلز متعارف ہیں۔

تکافل اور بیمہ کا موازنہ:

تکافل	بیمہ

تکافل	مروّجہ بیمہ
تکافل بنیادی طور"عقدِ تبرع"ہے، جواحسان و مروّت اور امدادِ باہمی (mutual assistance) کے زریں اُصولوں کے تحت کام کرتا ہے۔اگرچہ تکافل کو بھی کسی حد تک منافع کمایا جاتا ہے لیکن اصل مقصد منافع نہیں ہوتا۔	جبکہ مروّجہ بیمہ عقدِ معاوضہ یعنی خریدوفروخت کی ایک صورت ہے، جہاں بیمہ دار پریمیم (قیمت) ادا کر کے بیمہ کمپنی سے مستقبل کے پیش آمدہ مالی خطرات سے تحفظ (subject matter) خریدتا ہے۔اِس اعتبار سے بیمہ کا بنیادی مقصد منافع کا حصول ہے۔
تکافل کے تمام اُمور کی باقاعدہ نگرانی کیلئے مستند مفتیانِ کرام پر مشتمل ایک شریعہ بورڈ ہوتا ہے، جو حتی الامکان کسی بھی غیر شرعی کام کو ہونے نہیں دیتا۔	مروّجہ بیمہ چونکہ کسی بھی شرعی اُصول کا پابند نہیں ہوتا ،لہٰذا اِس کے جملہ اُمور کی شرعی نگرانی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا،ادارہ ہر قسم کی شرعی پابندی سے آزاد ہوکر کاروبار کرتا ہے۔
تکافل میں اگر کوئی سرپلس (وہ رقم ، جو تکافل کے تمام اِخراجات اور دعویٰ ادا کرنے کے بعد بچ جائے) حاصل ہوجائے ،تو اس میں سے ممبران کو بھی حصہ مل سکتا ہے۔	اس میں سرپلس کا حقدار صرف ادارہ ہوتا ہے۔ پالیسی ہولڈرز کو کچھ نہیں ملتا۔ پالیسی ہولڈر صرف طے شدہ رقم لینے کے حقدار ہیں۔

تکافل میں ممبران کی طرف سے جمع شدہ رقم کا منافع فنڈ میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے ضابطے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔	پورے منافع کا مالک ادارہ ہوتا ہے۔
تکافل کی صورت میں ادارہ وکیل کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دیتا ہے۔	اِس صورت میں ادارہ ہی مالک ہوتا ہے۔
تکافل میں آنے والی رقم کا ایک حصہ وقف فنڈ کی ملکیت ہوتی ہے۔	بیمہ کے ادارے کو حاصل شدہ پریمیم پر ادارہ کی ملکیت ہوتی ہے۔

تکافل کے مروّجہ ماڈل:

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ جب کسی امر سے روکتا ہے، تو اُس کا بہترین متبادل بھی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر سود کو جب حرام قرار دیا گیا، تو پہلے اُس کا متبادل کاروبار کی صورت میں دیا گیا۔ شراب کو حرام قرار دے کر انواع واقسام کے مشروبات جائز قرار دے دیئے۔ تکافل چونکہ بیمہ کے متبادل کے طور پر متعارف ہوا ہے، لہٰذا علماءِ کرام اور دیگر ماہرین کی یہ کوشش ہے کہ اِسے اِس طرح ڈیزائن کیا جائے کہ مروجہ بیمہ سے حاصل ہونے والے فوائد جائز شرعی طریقے سے حاصل ہو جائیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا، تو پھر لوگوں کو اِس کی جانب لانے میں دشواری ہوگی۔ خاص طور پر وہ لوگ جو ہر معاملے کو مادی اور دنیاوی منفعت کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اِس سلسلے میں دنیا میں تکافل کے مختلف ماڈلز پیش کئے ہیں۔ یہ درجِ ذیل ہیں:

(1) مضاربہ ماڈل

(2) وکالہ اور مضاربہ ماڈل

(3) وکالہ وقف ماڈل

(1) مضاربہ ماڈل:

مضاربہ ایک اِسلامی طریقہ تجارت ہے۔اس میں دو افراد یا ادارے مل کر کوئی کاروبار کرتے ہیں، جن میں سے ایک کاروبار میں مکمل سرمایہ لگاتا ہے جبکہ دوسرا اپنی مہارت اور محنت کو استعمال کرکے کاروبار کو چلاتا ہے اور جو منافع آتا ہے، اُسے پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے مطابق باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ جو شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے، اُسے ''ربّ المال'' اور کام کرنے والے کو''مضارب'' کہتے ہیں۔نقصان کی صورت میں سرمایہ کا پورا نقصان ربّ المال برداشت کرتا ہے جبکہ مضارب کو اُس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملتا۔ اِسلامی معیشت میں مضاربت کو ایک اہم کاروبار کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔اِس کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

تکافل کے مضاربہ ماڈل کے تحت تکافل آپریٹر اور شرکاءِ تکافل (Participants) کے درمیان مضاربت کا معاہدہ ہوتا ہے، جس کے تحت تکافل آپریٹر مضارب اور شرکاءِ تکافل ربّ المال ہوتے ہیں۔ کاروبار سے حاصل شدہ منافع تکافل آپریٹر اور شرکاءِ تکافل کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔شرکاء کو حاصل ہونے والے منافع کو مستقبل میں آنے والے مالی نقصانات کی تلافی میں خرچ کیے جاتے ہیں۔تکافل کے اِس ماڈل پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تکافل کو''عقدِ تبرع'' سے نکال کر''عقدِ معاوضہ'' میں لے آتا ہے، لہٰذا عقدِ معاوضہ کی وجہ سے جو شرعی پابندیاں ہیں، اُن کی پاسداری نہیں ہو پاتی۔مزید برآں اِس کا منافع شرکاء کے درمیان سرمائے کے

اعتبار سے تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اُن کے مستقبل میں ہونے والے مالی نقصان کے اعتبار سے تقسیم ہوتا ہے جو اُن کے حصے سے کم یا زیادہ ہوسکتا ہے اور یہ مضاربت کے اُصول کے خلاف ہے۔

مضاربہ ماڈل میں پائی جانے والی ان قباحتوں کی وجہ سے پاکستان میں اِس ماڈل کو نہیں اپنایا گیا ہے۔

(2) وکالہ ماڈل:

وکالہ ماڈل کی وضاحت سے قبل وکالہ کی شرعی حیثیت کو درجِ ذیل الفاظ میں بیان کیا جارہا ہے۔

عقل وفہم اور علمی وعملی مہارت واہلیت میں تمام لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ اِن میں بعض انتہائی ذہین ہوتے ہیں، جن میں اپنے کام کو سرانجام دینے کی بدرجۂ اولیٰ صلاحیت موجود ہوتی ہے جبکہ اِس کے برعکس کچھ لوگ علم وصلاحیت اور مہارت واہلیت میں کمی کی وجہ سے اپنے بعض اُمور کو بحسن وخوبی انجام دینے سے عاجز ہوتے ہیں لہذا شریعت نے ایسے لوگوں کے فائدہ کے لئے یہ اجازت دی ہے کہ وہ خود میں سے ایسے شخص کو اپنا وکیل یا نائب نامزد کردیں، جو اُن کے کام یا معاملے کی انجام دہی میں اُن کی بہتر نمائندگی کرسکے اور اُس کے بہتر نتائج لاسکے اور وکالت دراصل اِسی معاملے کا نام ہے۔

وکالت کی مشروعیت:

قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں وکالت کے جواز پر متعدد مثالیں موجود ہیں، جنہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا

فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

ترجمہ: ”سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے کر آئے، (سورۂ کہف، آیت:19)۔“

درجِ بالا آیتِ مبارکہ میں اَصحابِ کہف کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے شہر بھیجا، تا کہ وہ اُن تمام لوگوں کے لئے کھانا خرید کر لائے۔ اَصحابِ کہف کے اِس عمل سے وکالت کے جواز کا پتا چلتا ہے۔

وکالت عقدِ تبرع یعنی احسان کا معاہدہ ہونے کی وجہ سے تعاون ہی کی ایک صورت ہے لہذا اِس کا جواز قرآنِ مجید کی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 2 سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

ترجمہ: ”اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، (سورۂ مائدہ، آیت:2)۔“

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ☆

ترجمہ: ” (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو، تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں، تو اللہ ان دونوں (زن وشو) کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، (سورۂ نساء، آیت:35)۔“

اِس آیتِ کریمہ سے وکالت کی مشروعیت اِس طرح معلوم ہوتی ہے کہ جب

شوہر وزن میں مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہ آئے، تو یہ حکم دیا گیا کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے رشتے داروں میں سے اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنا منصف نامزد کرے، جو اُن کے درمیان پیدا شدہ رنجش کو ختم کروانے میں اُن کی مدد کر سکے۔

اِسی طرح حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اُونٹ کی قربانی کی، جن میں سے 63 اُونٹوں کو خود ذبح کیا اور باقی کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وکیل مقرر کیا۔ اسی طرح کئی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو زکوٰۃ وصول کرنے اور تبلیغِ دین کے لئے اپنا نائب (وکیل) بنا کر دوسرے علاقوں میں بھیجا اور یہ عمل آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانے تک اور تا حال اُمت میں جاری ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس پر اُمت کا اجماع بھی ہے۔

وکالت کی مشروعیت بیان کرنے کے بعد اب اِس کے لغوی واصطلاحی معنیٰ اور اِس سے متعلق فقہی معاملات درج کئے جا رہے ہیں:

وکالت کے لغوی معنیٰ:

وکالت کے لغوی معنیٰ ”تفویض یا سپرد کرنے، اعتماد کرنے اور اپنے کام کے لئے کسی دوسرے کو نائب بنانے“ کے ہیں۔ جیسا کہ عربی فقہی اصطلاحات کی مشہور لغت ”المفردات“ میں ہے:

التفویض والاعتماد علی الغیر یعنی کسی دوسرے کو کام سپرد کرنا اور اُس پر اعتماد کرنا۔

وکالت (Agency Agreement) کی تعریف:

وکالت عقدِ تبرع کی ایک قسم ہے۔ اِصطلاحِ فقہ میں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر، اپنے کسی کام کی ذمہ داری اُسے تفویض کرنا "وکالت" کہلاتا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں وکالت کی تعریف اِس طرح بیان کی گئی ہے:

الوکالۃ تفویض أحد أمرہ الی آخر واقامتہ مقامہ

ترجمہ: "کسی شخص کا دوسرے کو اپنا نائب بنا کر اپنے کسی کام کو اس کے سپرد کرنا، وکالت کہلاتا ہے۔ (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادہ نمبر ۱۴۴۹)۔"

اِصطلاحاتِ وکالت:

وکیل (Agent):

لغت میں وکیل کے معنیٰ "سپرد کرنے یا کسی پر اعتماد کر کے اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے مقرر کرنے" کے ہیں۔ جبکہ شرع میں وکیل سے مراد وہ شخص ہے، جسے کسی نے اپنے ایسے کام میں، جس میں نائب بنانا جائز ہو، نائب بنا کر اپنا کام اُس کے سپرد کر دیا ہو۔

مؤکِّل (Principal):

اپنا کام کسی دوسرے کے سپرد کرنے والا "مؤکل" کہلاتا ہے۔

مؤکَّل بہ (Authorised Act):

جس کام کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا ہو، اسے "مؤکل بہ" کہتے ہیں۔

وکالت کی قسمیں:

(۱) وکالتِ عامّہ (General Agency Agreement):

(۲) وکالتِ خاصّہ (Special Agency Agreement):

وکالتِ عامّہ (General Agency Agreement):

عقدِ وکالت میں کسی خاص کام کے لئے وکیل نہ کیا گیا ہو تو اُسے " وکالتِ عامہ" کہتے ہیں جیسے مؤکل نے یہ کہا کہ جو چیز مناسب سمجھو میرے لئے خرید لو یہ خریداری کی وکالت عامہ ہے۔لہٰذا وکیل جو کچھ بھی خریدے گا وہ مؤکل کا ہوگا۔وکیل دینے سے اور مؤکل لینے سے انکار نہیں کرسکتا۔یونہی اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لئے جو کپڑا اچھا ہو خرید لو تو یہ کپڑے کے متعلق وکالت عامہ ہے۔

وکالتِ خاصہ (Special Agency Agreement):

عقدِ وکالت میں اگر کسی خاص چیز کی خریداری کے لئے وکیل بنایا ہو مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ فلاں گاڑی یا فلاں جانور میرے لئے خرید لو،تو یہ وکالتِ خاصہ ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ وکیل وہی معین چیز،جس کی خریداری کا اُسے وکیل مقرر کیا گیا ہے،خرید سکتا ہے اُس کے سوا دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔اگر وکیل نے اُس کی اجازت کے بغیر خریدا تو مؤکل پر اُس کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ وہ وکیل کی ملکیت میں شمار ہوگی اور اُس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

وکالت کے لئے شرائط:

وکالت سے متعلق شرائط کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مؤکل کے لئے شرائط:

۲۔ وکیل کے لئے شرائط:

۳۔ مؤکل بہ کے لئے شرائط:

ذیل میں ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ضبطِ تحریر میں لایا جارہا ہے۔

مؤکل کے لئے شرائط:

(۱) عاقل و بالغ ہو۔

(۲) جس کام کے لئے مؤکل دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر رہا ہو، اُسے خود بھی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر کسی خاص وجہ سے وقتی طور پر مؤکل کے لئے کسی کام کا کرنا تو ممکن نہ ہو لیکن اُس میں کرنے کی صلاحیت موجود ہو، تو اُس کام کے لئے وہ دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے، جیسے حالتِ اِحرام میں محرم کے لئے شکار کرنا حرام ہوتا ہے لیکن وہ شکار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا جس کام کے لئے وقتی طور ممانعت ہو، اُس کے لئے بھی کسی کو اپنا وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔

وکیل کے لئے شرائط:

(۱) عاقل و بالغ ہو۔

(۲) مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت اُس میں موجود ہو۔ لہٰذا کسی نے ایک نادان و ناسمجھ بچے یا پاگل کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو، تو یہ شرعاً درست نہیں کیونکہ اِن میں مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایک نابالغ سمجھدار بچے نے کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے، تو اُس کی وکالت اُن امور میں درست ہوگی، جن میں اُس کا فائدہ ہو رہا ہو جیسے ہبہ یا ہدیہ وغیرہ قبول کرنا۔ اُن اُمور میں ولی (سرپرست) کی اجازت بھی ضروری نہیں۔ اِس کے برعکس ایسے اُمور، جن میں بچے کا نقصان ہو رہا ہو، اُن میں اگر بچے نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیا ہو، تو یہ وکالت درست نہیں ہوگی اگرچہ ولی نے اِجازت بھی دے دی ہو۔ مثلاً ہبہ یا ہدیہ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنانا۔

خرید و فروخت کے وہ معاملات، جن میں نفع و نقصان دونوں پہلو ہوں، اُن میں ولی (سرپرست) کی اجازت سے کوئی بچہ چاہے تو دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ اور

اگر اُس نے ولی کی اجازت کے بغیر ایسا کرلیا تو اب وکالت کی درستگی ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

موکل بہ کے لئے شرائط:

(۱) موکل بہ شرعاً ممنوع نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کو شراب کی خریداری کے لئے اپنا وکیل مقرر کیا، تو شرعی اعتبار سے یہ وکالت جائز نہیں۔

(۲) موکل بہ معلوم ہو۔

وکالت کن اُمور میں ہوسکتی ہے؟۔

وکالت صرف اُن اُمور میں ہوسکتی ہے، جن میں نیابت یعنی قائم مقام بنانا جائز ہو مثلاً بیع وشراء کے معاملات وغیرہ۔ نماز، روزہ اور اِن جیسی عبادتوں میں چونکہ نیابت جائز نہیں ہے لہٰذا ان کاموں کی ادائیگی کے لئے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ایسی عبادات ہیں، جن کی ادائیگی مکلف پر ہی لازم وضروری ہے اور مکلف کے ادا کئے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

۳۔ وکیل کے قبضے میں مال کی شرعی حیثیت:

مال وکیل کے قبضے میں بطورِ اَمانت رہتا ہے لہٰذا اِس پر امانت کے تمام احکام لاگو ہوتے ہیں۔ وکیل پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ مال کی حتی الوسع حفاظت کرے اور موکل تک بحفاظت اور بغیر کم وکاست کے پہنچادے۔ لیکن اگر وہ مال وکیل کے قبضے میں اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوجائے، تو وکیل ضامن (Responsible) نہیں ہوگا البتہ مال کے ضیاع یا اُس کی قدر میں کمی ہونے میں اُس کی کوتاہی اور غفلت ثابت ہوجائے، تو حقیقی نقصان کا ازالہ امین پر لازم ہے۔

۴۔وکالت کی اُجرت:

وکیل کے لئے وکالت کی اُجرت لینا بھی جائز ہے مگر اِس صورت میں وکالت کا معاملہ اجارہ کی طرح ہوجائیگا۔جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ مادّہ نمبر 1467 میں ہے کہ اگر وکالت میں اُجرت کی شرط بھی ہو اور وکیل نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہو، تو وہ اُجرت کا مستحق ہوجائیگا اور اگر اُجرت کی شرط نہ ہو، تو وکیل ایک مفت خدمت گار ہوگا لہذا کام کی تکمیل پر کسی قسم کے حقِ خدمت کا حقدار نہیں ہوگا۔

تکافل کا وکالہ ماڈل:

وکالہ کے بارے میں شرعی اُصول وضوابط کو بیان کردینے کے بعد تکافل کے وکالہ ماڈل کو بیان کیا جارہا ہے۔اِس ماڈل کے تحت تکافل کمپنی اور شرکاءِ تکافل کے درمیان وکالت کا معاہدہ ہوتا ہے۔اس معاہدے کے تحت تکافل کمپنی وکیل اور شرکاءِ تکافل مؤکل ہوتے ہیں۔کمپنی اپنی خدمات کے عوض ایک طے شدہ معاوضہ یا فیس کے عوض شرکاء کے فنڈ سے کاروبار کرتی ہے۔کاروبار میں جتنا منافع آتا ہے، وہ سارے کا سارا شرکاء کا ہوتا ہے اور کسی ناگہانی آفت کے وقت ہونے والے مالی نقصان کی تلافی اس میں سے کی جاتی ہے۔وکالہ ماڈل ملائشیا میں ایک اہم پروڈکٹ کے طور پر استعمال ہورہا ہے۔

تکافل کے اِس ماڈل میں بھی کئی قسم کی شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔لہٰذا پاکستان کے علماءِ کرام نے اِس ماڈل کو اختیار کرنے سے روکا ہوا ہے۔

تکافل کے اداروں کو درپیش مسائل:

تکافل کی شرعی حیثیت پر سیرِ حاصل گفتگو کرنے کے بعد اب اُن مسائل کے بارے میں لکھا جارہا ہے، جن کا سامنا تکافل کے اداروں کو ہے۔یہ وہ مسائل ہیں، جنہیں

دور کیے بغیر تکافل کے حقیقی اور دور رس ثمرات حاصل نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ذیل میں اِن مسائل پر قدرے تفصیل سے لکھا جارہا ہے:

عوام الناس میں علمی فقدان

تکافل کی ترقی میں سب سے بڑی اور اہم رکاوٹ عوام الناس میں اِس کے بارے میں درست معلومات کا نہ ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس نظام کے متعارف ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور اِس کے بارے میں عام لوگوں کو آگاہ کرنے کی خاطر خواہ کوشش بھی نہیں کی گئی۔ عوام الناس کے اِس علمی کمی کی وجہ سے لوگ اپنی سمجھ کے مطابق تکافل کے بارے میں رائے دینے لگتے ہیں، جو اکثر و بیشتر حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اِس کی درست صورت لوگوں کے سامنے نہیں آتی۔ بعض لوگ اِسے انشورنس ہی کی طرح قرار دے کر اِسے اختیار کرنے سے رُک جاتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ ابھی تک مکمل طور پر اِسلامی نہیں ہے الغرض جتنے منہ اُتنی باتیں ہوتی ہیں۔

اِس اہم مسئلے کو دور کرنے کے لیے تکافل کے اَربابِ اختیار کو چاہیے کہ وہ عوامی سطح پر تکافل کے بارے میں صحیح معلومات پر مبنی مختلف نوعیت کے پروگرام کریں جو نہ صرف مفت ہوں بلکہ عام لوگوں کی اُن پروگرامز تک رسائی بھی ممکن اور آسان ہو۔ تکافل کے تعارف کے لیے ابھی تک جو پروگرامز ہورہے ہیں، وہ عام طور پر فائیو اسٹار ہوٹلز اور اِس طرح کی مہنگی جگہوں میں منعقد ہوتے ہیں، جہاں شرکت کے لیے بھاری فیس ادا کرنی پڑتی ہے اور اگر فری بھی ہو، تو ہر ایک کو شرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا عام لوگوں کی رسائی ناممکن ہوجاتی ہے۔ یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ چند لوگ ہی اِن پروگرامز میں بار بار شرکت کرتے ہیں اور چونکہ بنیادی معلومات ایک ہی طرح کی ہوتی ہے، لہٰذا اکثر شرکاء وہ یا

تو پروگرامز کے دوران سورہے ہوتے ہیں یا پھر باہر گھوم پھر کر وقت گزار دیتے ہیں۔ بعض تو ایسے بھی ہیں، جو ظہرانے کے وقت آتے ہیں اور تھوڑی دیر شرکت کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ اِس طرح ان پروگرامز کی افادیت میں کمی آجاتی ہے۔ چنانچہ تکافل کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس کی معلومات وآگہی کے پروگرامز کو آسان بنایا جائے، عام عوامی جگہوں میں اِن کا انعقاد کیا جائے۔ اِس سے نہ صرف بے جا اخراجات سے چھٹکارہ ملے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک علم بھی پہنچے گا۔ دین بھی اِسراف (بے جا خرچ) سے منع کرتا ہے اور تکافل تو ہے ہی مستقبل کے لئے بچت کرنے کا نام۔ اِس طرح یہ پروگرامز اِسم بامسمّٰی بن جائیں گے۔

تکافل کے بارے میں علم وآگہی کے پروگرامز جس سے عوام الناس کے لئے ضروری ہے، اسی طرح بلکہ اِس سے بھی زیادہ علماءِ کرام کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک عالم کو تکافل کے بارے میں درست معلومات دے کر اُنہیں اِس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیا جائے تو وہ اپنے زیرِ اثر علاقے میں سینکڑوں افراد کو بڑی آسانی سے اِس نظام کو اپنانے پر قائل کرسکتے ہیں۔ علماءِ کرام کو تکافل کے بارے میں آگاہ کرنے کی ضرورت اِس لئے پیش آرہی ہے کہ اگرچہ وہ تکافل میں استعمال ہونے والے شرعی اُصولوں کو مثلاً وقف، ہبہ، مضاربہ اور تبرع وغیرہ کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن اِس کی عملی صورت کو نہیں جانتے اور اُنہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جدید اِصطلاح میں انہیں کیا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا عملی صورت سے اُنہیں آشنا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ویسے بھی علماءِ کرام کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ بذاتِ خود اِن معاملات کو جاننے کی کوشش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ زَمَانَهٗ فَهُوَ جَاهِلٌ یعنی جو اپنے زمانے کو

نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

نیتوں میں اِخلاص:

کسی بھی عمل میں حقیقی کامیابی کے لئے نیتوں میں اِخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اگر نیت میں فتور ہو، تو عمل کتنا ہی مستحسن ومحبوب کیوں نہ ہو، اُس کے دنیاوی واُخروی فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیتوں میں درستگی کی بہت زیادہ تاکید ارشاد فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یعنی بے شک اعمال (کی قبولیت وعدمِ قبولیت) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے ثلثِ اِسلام یعنی اسلام کا ایک تہائی قرار دیتے ہیں۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اِسے ربعِ اِسلام (اِسلام کا چوتھائی) قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث مبارک کی اہمیت کے پیشِ نظر بڑے بڑے محدثینِ کرام نے اپنی کتابوں کا آغاز اِسی سے کیا ہے، جن میں محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور تالیف ''صحیح بخاری'' بھی ہے۔

نیت میں اِخلاص نہ صرف تکافل کے ادارے کو قائم کرنے والوں میں ہونا چاہئے بلکہ شرکاءِ تکافل میں بھی یہ اتنا ہی ضروری ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ تکافل کو بھی انشورنس کی طرح صرف ایک کاروباری ادارے کے طور پر قائم کیا جاتا ہے اور پھر بعد میں ساری توجہ مطمحِ نظر یعنی منافع کے حصول کی جانب لگ جاتی ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ تکافل کا ایک مقصد تو لوگوں کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے، جہاں وہ انشورنس کی خرابیوں سے دور رہتے ہوئے مستقبل کے پیش آمدہ مالی نقصانات کا ازالہ کرسکیں تو دوسری طرف کمپنی قائم کرنے والے اِس سے منافع بھی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ

ضروری ہے امدادِ باہمی اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا تصور منافع کمانے کے تصور پر حاوی ہونا چاہئے۔ اِس سوچ سے اِمدادِ باہمی بھی حاصل ہو جائے گی، جو تکافل کا اصل اور بنیادی مقصد ہے اور منافع بھی۔ اِسی طرح معترضین کے اِس ایک اعتراض کو بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ تکافل کا مقصد بھی انشورنس کی طرح صرف منافع کمانا ہوتا ہے۔ غور کرنے پر یہ اعتراض حقیقی بھی لگتا ہے، لہٰذا ادارے قائم کرنے والوں کی ذہنی وفکری تربیت یہاں بہت ضروری ہے اگرچہ موجودہ مادیت پرست معاشرے میں یہ مشکل ضرور ہے لیکن اگر کوشش کی جائے تو اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ راقم کی رائے میں اہم فریضہ تکافل میں اپنی خدمات انجام دینے والے شرعی مشیران بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ شرکاءِ تکافل کی سوچ میں مثبت تبدیلی لانے کی غرض سے اُنہیں تحریری وتقریری طور پر اِخلاصِ نیت کی اہمیت بتائی جائے، تو خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ کئی اَعمال اپنی ظاہری شکل وصورت میں دنیاوی اَعمال لگتے ہیں، لیکن نیت کے اِخلاص کی وجہ سے وہ اُخروی اعمال بن جاتے ہیں۔ حدیث مبارک یہ ہے:

كَمْ مِنْ عَمَلٍ يَتَصَوَّرُ بِاَعْمَالِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَصِيْرُ اَعْمَالَ الْاٰخِرَةِ بِحُسْنِ النِّيَّةِ وَ كَمْ مِنْ عَمَلٍ يَتَصَوَّرُ بِاَعْمَالَ الْاٰخِرَةِ ثُمَّ يَصِيْرُ اَعْمَالَ الدُّنْيَا بِسُوْءِ النِّيَّةِ

ترجمہ: ”کتنے ہی اَعمال ایسے ہیں، جو (ظاہری اعتبار سے) دنیاوی ہیں، لیکن پھر نیت کی اچھائی کی وجہ سے وہ آخرت کے اَعمال بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح بہت سے اَعمال ایسے ہیں، جو (ظاہری اعتبار سے) آخرت کے اَعمال معلوم ہوتے ہیں، لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے وہ دنیا کے اعمال بن جاتے ہیں۔

اِسلامی تشخص کا عدمِ اظہار:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ☆ ترجمہ: اے ایمان والو! اِسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستے کی پیروی مت کرو کہ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، (سورۃ بقرہ، آیت:)۔ اِس آیتِ کریمہ کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر پہلو اِسلامی تعلیمات کے مطابق ہو، اُس کی زندگی "آدھا تیتر اور آدھا بٹیر" کا مصداق نہ ہو بلکہ وہ "کردار میں گفتار میں اللہ کی ہے برہان" کی عملی صورت ہو۔ لہٰذا جب تکافل کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ یہ شرعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ تو یہ لازم ہے کہ نہ صرف اس کے معاملات بلکہ اردگرد کا ماحول بھی ایسا ہو کہ دیکھنے والا فوراً یہ سمجھ جائے کہ وہ اِسلامی تشخص کے حامل ادارے کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ زبان زدِ عام ہے کہ "First impression is last" لہٰذا اگر کوئی شخص کمپنی میں داخل ہوتا ہے اور اُس کی پہلی نظر ہی غیر شرعی اُمور پر پڑے، تو وہ کیا اثر لے گا، اس کا اندازہ اِس محاورے سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ تحریر مفتی سید صابر حسین صاحب کی تکافل سے متعلق تفصیلی کتاب سے من و عن لی گئی ہے۔

فصلِ دوم: بینک اکاؤنٹ اور قرض کی مختلف شکلیں

سوال: بینک میں رکھی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بینک میں رکھی رقم کی شرعی حیثیت قرض کی ہے اور اس کے قرض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہم بہر صورت بینک میں رکھی رقم کو واپس لیتے ہیں اگرچہ بینک کو آگ لگے یا بینک

چوری ہو جائے۔ کیونکہ اگر امانت ہوتی تو آگ لگنے یا چوری ہونے کی صورت میں بنک کا ہمیں واپس کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

(ماخوذ از اسلام اور جدید بنک کاری، صفحہ 39-38، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

نوٹ: بنک میں روپیہ جمع کرنے کی چند ایک صورتیں

(1) بچت کھاتہ: اس کھاتے میں عوام اپنا بچا کھچا سرمایہ جمع کرتے رہتے ہیں اور جب چاہیں نکال سکتے ہیں، اس پر بینک نفع بھی دیتا ہے۔ اسے سیونگ اکاؤنٹ (Savings Bank Account) بھی کہتے ہیں۔

(2) میعادی جمع کھاتہ: اس کھاتے میں رقم ایک مقررہ مدت کے لئے جمع کر دی جاتی ہے اس پر نفع کی شرح بچت کھاتہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کو "فکسڈ ڈپوزٹ" (Fixed Deposit) بھی کہتے ہیں۔

(3) متواتر جمع کھاتہ: اس کھاتے میں ایک مقررہ رقم مثلاً دس روپے، بیس روپے ماہ بماہ ایک مقررہ میعاد تک کے لئے جمع کی جاتی ہے اس میعاد پوری ہونے پر پوری رقم مع نفع واپس کر دی جاتی ہے۔ اسے کیومولیٹیو ڈپوزٹ اکاؤنٹ، C.D.A بھی کہا جاتا ہے۔

(4) سی، ڈی، آر۔ C.D.R: یہ بھی ایک طرح کا میعادی جمع کھاتہ ہے اس میں رقم کم سے کم 45 دن یا اس سے زیادہ مدت کے لئے فکس کی جاتی ہے۔

(5) منتقلی ڈپوزٹ اسکیم: اس اسکیم میں رقم ایک دفعہ فکس کی جاتی ہے اور اس پر ایک مقررہ شرح سے ماہ بماہ نفع ملتا رہتا ہے۔

(6) رے کرنگ ڈپوزٹ (Recurring Deposit): اس میں روپے فکس کرنے والا ہر مہینے میں مقررہ رقم جمع کرتا رہتا ہے اور ڈپوزٹ کی میعاد پوری ہونے پر

نفع کے ساتھ رقم مل جاتی ہے۔بعض بنکوں میں اس کا نام "پروگریسیوڈپوزٹ" (Progressivedeposit) ہے۔

(7) کرنٹ اکاؤنٹ:(Current Account) یعنی چالو کھاتہ: اس اکاؤنٹ کے کھاتہ داروں کو بینک سے کوئی نفع نہیں ملتا، بلکہ انہیں صرف اپنی جمع کردہ رقم واپس ملتی ہے۔

(ماخوذ وملخص ازاسلام اورجدیدبینک کاری، صفحہ 37-36، مکتبہ البرکات المدینہ)

ان میں کرنٹ اکاؤنٹ کا استعمال جائز ہے۔بقیہ ناجائز ہیں کہ ان میں سود کا لین دین ہوتا ہے اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔اللہ فرماتا ہے﴿احل اللہ البیع وحرم الربا﴾ اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 275)

بعض بنک والے کہتے ہیں کہ ہم آپ کی رقم سے کاروبار کرتے ہیں اور اس میں آپ کو شریک کرتے ہیں اور فیصد کے لحاظ سے نفع دیتے ہیں۔یادرہے کہ یہ بھی جائز نہیں کہ جو بھی قرض لیتا ہے وہ گھر بیٹھ کر اسے پان سگریٹ میں خرچ نہیں کرتا بلکہ کوئی کام ہی کرتا ہے اور اگر مان بھی لیجئے کہ یہ کاروبار شراکت سے کرتے ہیں پھر بھی جائز نہیں کہ ان کے اصول شرعی طور پر شراکت کے قوانین کے خلاف ہیں۔

ڈاک خانوں میں بھی بنک سے ملتی جلتی صورتیں ہیں کہ لوگ رقم جمع کرواتے ہیں جس کی شرعی حیثیت قرض کی اور اس پر کچھ نفع لیتے ہیں، باقی رہے کسان تو وہ شاید سود لیتے نہیں بلکہ خود بنک سے قرض لے کر بنک کو سود دیتے ہیں اور یہ سب ناجائز وحرام ہیں۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن میں بینک لوگوں کا مقروض ہوتا ہے۔اب وہ صورتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں لوگ مقروض اور بنک قرض خواہ ہوتا ہے۔

تجارت وغیرہ کے لئے قرض کی فراہمی

بینک کے روپے کمانے کے بنیادی طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ بینک عوام کو چھوٹی یا بڑی تجارت، زراعت، دستکاری کے وسائل، جدید طبی آلہ جات، ذرائع نقل وحمل (مثلاً ٹرک، بس، ٹیکسی، موٹر سائیکل) مکانات کی تعمیر وغیرہ کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق حسب ضرورت قرض دیتا ہے اور اس پر ایک مقررہ مقدار میں سود بھی لیتا ہے۔ بنک جو قرضے مذکورہ کاموں کے لئے عوام کو دیتا ہے اس کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

(1) کیش کریڈٹ:(C.C)

یہ ایک مخصوص نوعیت کا قرض ہوتا ہے جو صرف تاجروں کو ملتا ہے۔ اس پر انہیں مقررہ شرح سے سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا جائز نہیں۔

(2) اُورڈرافٹ۔(Overdraft)

یہ قرض دو طرح کا ہوتا ہے:۔

(1) کلین اورڈرافٹ۔(darftclean over)

(2) ڈاکومینٹری اورڈرافٹ(Documentary overdraft) یہ قرض صنعت کاروں اور تاجروں کے لئے ہوتا ہے جو سود کی شرط پر انہیں دیا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز نہیں۔

(3) آئی، آر، ڈی، پی۔(i.r.d.p) انٹی گریٹڈ رورل، ڈیولپمنٹ، پروگرام

یہ قرض گاؤں دیہاتوں میں رہنے والے ایسے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غریبی کی سطح (حد معینہ) سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں، اس میں حکومت کی طرف پست

اقوام کے لئے پچاس فیصد اور دیگر اقوام کے لئے تینتیس فیصد چھوٹ ملتا ہے۔چھوٹ کی رقم پر کوئی سود نہیں البتہ اس کے سوا بقیہ رقم پر عام قرضوں کی شرح سے سود لازم ہوتا ہے۔یہ بھی ناجائز ہے۔

(4)سیومے۔Sume

یہ قرض شہر کے غریب مسلمانوں کے لئے ہوتا ہے۔اس پر حکومت کی طرف سے 33 فیصد چھوٹ ملتا ہے۔باقی 67 فیصد پر انہیں بھی سود دینا پڑتا ہے۔یہ بھی جائز نہیں۔

(5)ایک قرض وہ ہے جو بنک والے فقط students کو دیتے ہیں:۔

یاد رہے کہ قرض دیا جائے خواہ لیا جائے اگر اس میں سود ہے خواہ آپ دیں یا لیں تو وہ قرض جائز نہیں۔

سوال: کتاب القضاء میں آپ نے لکھا کہ یتیم کے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو قرض میں دے سکتے ہیں۔ہمارے زمانے میں اس کی حفاظت کا بہترین ذریعہ بنک اکاؤنٹ ہے۔تو کیا بنک اکاؤنٹ کو چھوڑ کر خدشہ کی صورت میں کسی اور کو قرض دینا جائز ہوگا؟

جواب: جی ہاں! جائز ہوگا۔بنک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں بھی جو رقم رکھوائی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت بھی قرض ہی کی ہے۔تو کسی کو قرض دینا اور بنک کو قرض دینا شرعاً ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ہاں ہمارے زمانے میں یہ ضرور دیکھنے میں آتا ہے کہ بنک میں عمومی صورت حال یہ ہے کہ کسی کا قرضہ مرتا نہیں جبکہ باہر قرض دینے میں ضائع ہونے کا یقین وظن نہ ہی سہی احتمالات ضرور ہوتے ہیں۔بہتر یہ ہے کہ یتیم کا مال کرنٹ اکاؤنٹ میں ہی رکھوا دیا جائے کہ باہر کسی کو قرض دینے سے بہتر ہے کہ بنک کو دے دیے جائیں۔

نوکری اور قرض

ایک ادارہ ہے جس کا طریقہ کار یہ ہے وہ مجھے کہتا ہے تم پڑھو تمہاری پڑھائی کا سارا خرچہ ہم کریں گے لیکن اس کی کچھ شرائط ہوں گی:۔

(1) آپ پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہمارے پاس پانچ سال تک نوکری کریں گے اور اس کا معاوضہ بھی دیا جائے گا؟

(2) جتنے عرصہ آپ نوکری کریں گے اتنے عرصہ کا وظیفہ آپ کی ملک ہوگا اور اگر مقررہ مدت سے قبل نوکری چھوڑیں گے تو باقی اس تناسب سے واپس کرنا ہوگا؟

(5) پانچ سال کے بعد آپ خود مختار ہوں گے، نوکری کریں یا نہیں؟

اب انہوں نے مجھے دوران تعلیم ہی نوکری دی ہے کہ پڑھنے کے بعد بقیہ وقت نوکری کروں اور اس کا معاوضہ ووقت وغیرہ طے پا گیا ہے۔اب میں نوکری چھوڑنے لگا ہوں، دوسری شرط کے تحت عرض ہے کہ مثلا میری پڑھائی کا خرچہ پانچ لاکھ تھا یعنی ہر سال کا خرچہ ایک لاکھ روپیہ، میں نے تین سال نوکری کی دوسال باقی بچے ہیں اب میں چھوڑ و ں گا تو مجھ سے کہیں گے کہ تمہاری پڑھائی کا جو خرچہ ہم نے دیا تھا طے کردہ شرط کے مطابق واپس کرو۔یعنی جو خرچہ پڑھائی کے لئے دیا گیا ہے اس میں سے جو بچا ہے وہ مجھے واپس کرنا ہے۔یہ کمپنی کا عموی طریقہ کار ہے۔

یہ ٹوٹل ناجائز بلکہ سودی معاملہ ہے کیونکہ کمپنی کا آپ کو دیا ہوا خرچہ شرعی لحاظ سے قرض ہے یا ہبہ۔قرض اس وجہ سے ہے کہ ان کا پانچ سال سے کم نوکری کرنے کی صورت میں واپسی کی شرط لگانا اس کے قرض ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔اور پانچ سال نوکری کرنے کی صورت میں ڈین کا ہبہ کرنا ہے۔اور جتنا عرصہ نوکری کی اتنے عرصے کا خرچہ واپس نہ

لینا یقینی طور پر قرض معاف کرنا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ شرط شرعی لحاظ سے باطل تھی اگر وہ چاہتے تو ساری رقم واپس لے لیتے۔ البحر الرائق میں ہے"(قوله ومن قال لمدیونه إذا جاء غد فهو لك أو أنت منه بریء أو إن أدیت إلی نصفه فلك نصفه أو أنت بریء من النصف الباقي فهو باطل) لأن هبة الدین ممن علیه إبراء وهو تملیك من وجه فیرتد بالرد ولو بعد المجلس علی خلاف فیه كما في النهایة وإسقاط من وجه فلا یتوقف علی القبول والتعلیق بالشروط مختص بالإسقاطات المحضة التي یحلف بها كالطلاق والعتاق فلا یصح تعلیق التملیكات ولا الإسقاطات من وجه دون وجه ولا الإسقاطات من كل وجه ولا یحلف بها كالعفو عن القصاص"

(البحر الرائق، كتاب الهبه، باب الرجوع عن الهبه، جلد07، صفحه4-503، مطبوعه كوئٹه)

لہٰذا جب یہ قرض ہے اور اس میں شرط ہے کہ بعد میں ہمارے پاس نوکری کرنی ہوگی تو یہ جائز نہیں کہ قرض پر نفع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور نفع کیسے ہے وہ بداہۃً سمجھ میں آتا ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پڑھائی کا خرچہ جو آپ کو ادارہ دے رہا ہے اسے ہبہ تصور کیا جائے تو ادارے کا ہبہ میں چند ایک شرطیں لگانا ہبہ کو باطل نہ کرے گا۔ تحفۃ الفقہاء میں ہے"والهبة لا تبطل بالشروط الفاسدة" ترجمہ: ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط ہی باطل قرار دی جاتی ہیں۔ (تحفة الفقهاء، كتاب الهبه، جلد03، صفحه161، دار الكتب العلمية، بيروت)

البتہ ہبہ کی صورت میں بھی ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ وہ یوں کہ پڑھائی مکمل کرنے کے بعد پانچ سال نوکری نہ کرنے کی صورت آپ کو پڑھائی کے لئے جو خرچہ

دیا گیا تھا اسے واپس لینا گویا بعد ہلاک عین ہبہ کو واپس لینا ہے اور یہ بھی درست نہیں۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقید المثال کتاب ''بہار شریعت'' میں لکھا ہے ''عین موہوب کا ہلاک ہو جانا مانع رجوع ہے۔''

(بہار شریعت، ہبہ کا بیان، حصہ 14، صفحہ 94، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لہٰذا کئی جہتوں سے کمپنی سے یہ معاہدہ کرنا غلط و ناجائز ہے۔

حج و عمرہ بذریعہ بنک

آج کل بعض بنکوں کی طرف سے حج و عمرہ سکیم چلی ہے اُن افراد کے لئے جن کے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہوتی کہ وہ حج و عمرہ کر سکیں۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ کوئی فرد بنک والوں کو کچھ رقم دیتا ہے اور بقول بنک والوں کے وہ اس کا روپیہ آگے کسی کاروبار میں لگاتے ہیں اور اسے فیصد کے حساب سے نفع دیتے ہیں جب اس کی رقم اتنی ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے حج یا عمرہ کر لے تو وہ اس حج یا عمرہ پر بھیج دیتے ہیں۔

اور دوسرا طریقہ یہ نکالا ہے کہ جو اس طرح نہ کرنا چاہے فوراً جانا چاہے، بنک اسے قرض دیتا ہے اور آسان اقساط کے ساتھ واپس لیتا ہے۔ دونوں صورتیں جائز نہیں کہ پہلی میں سود دیتے ہیں جو کہ '' کل قرض جر منفعة فهو ربوا'' والی حدیث کے تحت ناجائز وحرام ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ہم اس کی رقم کو کاروبار میں انویسٹ کرتے ہیں یعنی اس کے مال کی کاروبار میں شرکت کرتے ہیں تو اس میں کئی ایک قباحتیں ہیں:۔

پہلی بات پر ظاہر ہے کہ حج و عمرہ کے شوقین حضرات بنک کو ایک قلیل رقم دیتے ہیں ظاہر ہے اتنی ہو گی کہ جو حج و عمرہ کے اخراجات کے لئے ناکافی ہو گی تو اتنی قلیل رقم سے بنک والے کیا کاروبار کرتے ہوں گے، ظاہر ہے کہ اپنے مفاد میں استعمال کر کے بعض میں

کچھ نفع دیتے ہوں گے۔

دوسری بات کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم اس سے کاروبار ہی کرتے ہیں تو یقینی طور پر اس رقم کے مالک کے لئے کوئی الگ سے کاروبار شروع نہیں کرتے بلکہ کسی نہ کسی چلتے کاروبار میں انویسٹ کرتے ہوں گے اور چلتے کاروبار میں کسی کو شریک کرنا یا کسی کا شریک ہونا جائز نہیں۔

تیسری بات کہ بنک والوں کو شراکت کے کتنے مسائل آتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہم مضاربت کرتے ہیں تو جو مضاربت کی حقیقت ومسائل سے ہی ناواقف ہے اس کی بات کا کیا بھروسہ۔اور رہی یہ بات کہ بعض کو قرض دیتے ہیں اور واپسی قسطوں کی شکل میں لیتے ہیں اس کے بھی ناجائز وحرام ہونے کی دو بین وجوہات ہیں:۔ایک یہ کہ یا تو قرض سے کچھ زائد لیتے ہوں گے اور اگر وہ کہیں کہ ہم زائد نہیں لیتے تو قسط لیٹ ہونے کی صورت میں جرمانہ یقینی طور پر لیتے ہیں جو کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

بنک وانشورنس والوں کی یہ بات بڑی مشہور رہے کہ بنک آپ کی رقم سے کاروبار کرتا ہے اور آپ کے حصے کا نفع آپ کو دیتا ہے۔اگر کوئی مسلمان واقعی ان کے مکروفریب کو سمجھنا چاہے تو میرے اس مشورہ پر عمل کرے کہ جب بنک وانشورنس والے آپ کی رقم سے کاروبار کرتے ہیں تو گویا آپ بنک یا انشورنس والوں کے شریک جسے دوسروں لفظوں میں آپ پارٹنر کہتے ہیں، ہوئے۔آپ انشورنس والوں سے پوچھیں کہ آپ نے میری رقم کہاں لگائی؟ اگر وہ کہیں کہ کاروبار میں،تو ان سے کہیں:میرے حصے میں جتنا کاروبار آتا ہے وہ مجھے دو،میں اپنا کاروبار خود چلاتا ہوں،اور اگر وہ کہیں کہ فلاں جگہ

بلڈنگ بنائی ہے آپ کی رقم اس میں لگائی ہے اور اب وہ بلڈنگ کرایہ پر چڑھائی ہے، کرائے کی آمدن میں سے آپ کو نفع دیا جارہا ہے تو آپ ان سے کہیں کہ اس بلڈنگ میں میرا جتنا حصہ ہے وہ مجھے دیں، کہ آپ نے جب رقم انویسٹ کی تو پر ظاہر کہ آپ کا بھی اس بلڈنگ یا کاروبار میں حصہ ہے۔آپ روئیں، چلائیں، کیس کریں آپ کو فقط نفع یعنی سود ہی ملے گا کاروبار یا بلڈنگ میں سے کچھ نہ ملے گا۔اب سمجھ جائیں کہ ان کے کاروبار کی حقیقت کیا ہے۔

بنک وایزی پیسہ وغیرہ کے ذریعے قرض دینا

بنک کے ذریعہ قرض دینا جائز ہے۔ایزی پیسہ مثل ڈاکخانہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور ڈاک خانہ کی سروسز حاصل کرنا جائز ہے۔لہٰذا ایزی پیسہ کے ذریعہ رقوم کی منتقلی بالکل جائز ہے۔بنک اور ایزی پیسہ کے ذریعہ قرض بھیجنے میں یقیناً کچھ نہ کچھ کٹوتی ہوتی ہے ،اس کٹوتی کی حقیقت یہ ہے کہ بنک والے اور ایزی پیسہ والے اپنے سروسز چارجز لیتے ہیں ،اس صورت میں مقروض کے پاس جتنی رقم بعد کٹوتی پہنچی اُتنی ہی دینا ضروری ہے۔کیونکہ بنک وایزی پیسہ والوں کو قرض دینے والے نے اپنا اجیر (نوکر) بنایا کہ میری یہ رقم فلان تک پہنچادو، لہٰذا اس کی اجرت (مزدوری) بھی اسی کے ذمہ ہوگی۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں" ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے ،جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے۔۔۔مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لیے متکفل،قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلاً متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع۔"

(فتاوی رضویه ، جلد 19،صفحه 575مطبوعه رضا فائونڈیشن لاہور)

حتی کہ اگر قرض لینے والے نے کہا کہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کروادو یا ایزی پیسہ کے ذریعہ بھیج دو پھر بھی کٹوتی ہوئی رقم مقروض سے نہیں لے سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے اسی نے کہا تھا کہ میرے اکاؤنٹ میں یا ایزی پیسہ کے ذریعہ قرض بھیج دو کہ وہ تو محض ایک رائے تھی۔ لہٰذا جو مقدار بعد کٹوتی مقروض تک پہنچی وہ اسی مقدار کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، پہنچی ہوئی مقدار سے زیادہ لینا سود ہے جو کہ سخت حرام ہے۔

ٹیلی نارودیگر سے فری منٹس و میسج کی سروس لینا

ٹیلی نار کمپنی کی ایک سروس ایزی پیسہ کے نام سے بھی ہے جو کہ باقاعدہ ایک مشترکہ کمپنی ہے، یہ کمپنی دراصل برانچ لیس بینکنگ ہے جو کہ تعمیر بینک اور ٹیلی نار کے اشتراک سے کام کرتی ہے۔ اب ٹیلی نار کمپنی کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ایزی پیسہ اکاؤنٹ ہولڈر کا جو شخص اپنے اکاؤنٹ میں 2000 روپے رکھے گا تو اسکو روزآنہ 30 منٹ اور 30 میسج مفت کرنے کی سہولت حاصل ہوگی اور اگر اکاؤنٹ میں رقم 2000 سے کم ہوئی تو یہ سہولت ختم ہو جائے گی؟ اب سوال یہ ہے کہ اس سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

وضاحت: سوال وصول ہونے کے بعد جب ہم نے ٹیلی نار کی ویب سائٹ اور کال سینٹر سے معلومات حاصل کیں تو انہوں نے بتایا کہ ایزی پیسہ کی ایک سروس ہے خوشحال بیمہ کے نام سے ہے ایزی پیسہ کا وہ اکاؤنٹ ہولڈر جو خوشحال بیمہ کی سروس حاصل کرتا ہے اور اسکے اکاؤنٹ میں ہر وقت کم از کم 2000 ہوں تو اسے 30 منٹ اور 30 میسج کی مفت سہولت دی جاتی ہے۔

خوشحال بیمہ کی تفصیل یہ ہے: کہ خوشحال بیمہ کی سروس حاصل کرنے والے کے

ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں اگر ماہانہ ایوریج بیلنس 2000 سے 5000 کے درمیان ہوگا تو اس کے ورثاء کو طبعی موت کی صورت میں 50000 جبکہ حادثاتی موت کی صورت میں 100000 روپے ایزی پیسہ کی جانب سے ملیں گے اور اگر ماہانہ ایوریج بیلنس 5000 سے 10000 کے درمیان ہوگا تو طبعی موت کی صورت میں 100000 اور حادثاتی موت کی صورت میں 200000 روپے ایزی پیسہ کی جانب سے ملیں گے اور اگر ماہانہ ایوریج بیلنس 10000 سے 25000 کے درمیان ہوگا تو اسے طبعی موت کی صورت میں 250000 اور حادثاتی موت کی صورت میں 500000 روپے ایزی پیسہ کی جانب سے ملیں گے اور ان مذکورہ بالا تمام صورتوں میں ماہانہ کوئی اضافی پیسے نہیں ملیں گے جب چاہیں گے یہ پیسے نکلوا سکیں گے نکلوانے کے یا انشورنس پالیسی حاصل کرنے کے کوئی چارجز نہیں ہیں۔ اور اگر ماہانہ ایوریج بیلنس 25000 سے زائد ہوگا تو طبعی موت کی صورت میں 5 لاکھ اور حادثاتی موت کی صورت میں 10 لاکھ ملیں گے اور اگر 25000 سے زائد رقم 5 سال کیلئے جمع کروائی جائے تو ماہانہ 5000 روپے بھی ملیں گے ان 5000 کو آپ زندگی میں اپنے اکاؤنٹ سے نکال کر استعمال کر سکتے ہیں۔

(1) کیا خوشحال بیمہ کی سروس حاصل کر کے یہ فری منٹس و میسج حاصل کرنا جائز ہے؟

(2) خوشحال بیمہ کی سروس کا حاصل کرنا اور موت کے بعد ملنے والے منافع کا شرعی حکم کیا ہے؟

(3) اگر کسی نے یہ سروس حاصل کر کے فری منٹس و میسج استعمال کر لئے تو اب اسکے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

جواب کی تفصیلات

(1) ایزی پیسہ کی اس سروس کو استعمال کرتے ہوئے اس پر فری منٹس و میسج حاصل کرنا ناجائز و گناہ ہے کیونکہ یہ قرض دیکر مشروط نفع حاصل کیا جارہا ہے جو کہ بلاشبہ سود ہے اور ہماری شریعت میں صریح حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے: كل قرض جر منفعة فهو ربا قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ اس قرض کے بدلہ مفت کال و میسج کی سہولت مشروط طور پر فراہم کی جارہی ہے جس کے نفع ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں لہذا قرض کے بدلہ یہ نفع اٹھانا بھی سود ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے: في المنتقى ابراهيم عن محمد رحمه الله تعالى رجل قال لآخر اقرضني الفا على ان اعيرك ارضي هذه تزرعها مادامت الدراهم في يدي فزرع المقرض لا يتصدق بشيء واكره له هذا كذا في المحيط یعنی منتقی میں ابراہیم کی امام محمد رحمہ اللہ تعالی سے روایت ہے: ایک شخص نے دوسرے کو کہا: مجھے اس شرط پر ہزار روپے قرض دیدو کہ میں اپنی یہ زمین تمہیں بطور عاریت دوں گا اور جب تک دراہم میرے پاس رہیں گے تم اس میں زراعت کروگے پس قرض دینے والے نے اس زمین میں زراعت کی تو (وہ اس زراعت میں سے) کچھ صدقہ نہیں کرے گا البتہ امام محمد فرماتے ہیں: میں اسے اسکے لئے مکروہ جانتا ہوں، اسی طرح محیط میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 3 صفحہ 204 دار الفکر بیروت)

بہار شریعت میں ہے: زید نے عمرو سے کہا مجھے اتنے روپے قرض دو میں اپنی یہ زمین تمہیں عاریت دیتا ہوں جب تک میں روپیہ ادا نہ کروں تم اس کی کاشت کرو اور نفع اُٹھاؤ یہ ممنوع ہے۔ (عالمگیری) آج کل سود خوروں کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرض دیکر مکان یا

کھیت رہن رکھ لیتے ہیں مکان ہے تو اُس میں مرتہن سکونت کرتا ہے یا اُس کو کرایہ پر چلاتا ہے کھیت ہے تو اُس کی خود کاشت کرتا ہے یا اجارہ پر دیدیتا ہے اور نفع خود کھاتا ہے یہ سود ہے اس سے بچنا واجب۔

(بہار شریعت جلد دوم حصہ 11 صفحہ 760 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوی امجدیہ میں ہے: قرض دیکر یہ ٹھہرالینا کہ جب تک ادا نہ کرے میرا کام کرنا ہوگا یہ سود ہوا کہ یہ کام اسی روپیہ کے نفع میں لے رہا ہے اور اسکا یہ کہنا کہ سود نہ لیگا مہمل ہے آخر یہ کام کس چیز کے عوض میں لیتا ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فھو ربا قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔

(فتاوی امجدیہ جلد سوم صفحہ 212 مکتبہ رضویہ کراچی)

(2) خوشحال بیمہ کی سروس حاصل کرنا بھی ناجائز و حرام ہے کہ یہ بیمہ زندگی ہی کی ایک جدید شکل ہے اس میں سود کا عنصر بھی واضح طور پر موجود ہے فرق صرف یہ ہے کہ خوشحال بیمہ میں زندگی میں بصورتِ مال کچھ سود نہیں ملتا بلکہ بطورِ نفع روزآنہ 30 منٹس و میسج ملتے ہیں اور سود بطور مال مرنے کے بعد ورثاء کو ملتا ہے مگر چونکہ یہ اضافی مال کی ادائیگی بھی مقروض پر مشروط ہوتی ہے اس لئے سود ہے جیسا کہ سود کی تعریف احکام القرآن للجصاص میں ہے: هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض

(احکام القرآن للجصاص جلد اول صفحہ 569)

اور چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی قرض پر زیادتی مقروض کیلئے مشروط ہے اگرچہ وہ وصول مقرِض کے ورثاء کو ہوگی لیکن جبکہ زیادتی قرض ہی پر مشروط ہے تو بلاشبہ سود ہے۔ اور اسی بیمہ کی ایک صورت میں یعنی 25000 سے زائد رقم 5 سال کیلئے جمع کروانے پر ہر ماہ 5000 مشروط نفع بھی ملے گا یہ بھی سود ہے الغرض زندگی میں ملنے والا مشروط نفع اور موت

کے بعد ورثاء کو ملنے والا مشروط نفع دونوں سود ہیں۔

(3) اب اگر کسی شخص نے خوشحال بیمہ کی اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر فری منٹس ومیسجز کو استعمال کرلیا تو اس نفع کی اجرتِ مثل کمپنی کو واپس کرنا ضروری ہے چونکہ صورتِ مسئولہ میں کمپنی کو ان فری منٹس ومیسج کی اجرتِ مثل واپس کرنا مشکل ہے لہذا اتنی اجرتِ مثل کی رقم شرعی فقیر کو ثواب کی نیت کے بغیر صدقہ کرنا لازم ہوگا کیونکہ بربنائے قرض اگر مشروط طور پر مالی منفعت کے علاوہ سروس وخدمات کی منفعت حاصل کی تو اسکے بارے میں حکمِ شرعی یہ ہے کہ مالک کی اجازت سے اگر یہ منفعت حاصل کی ہے تو اس منفعت کی اجرتِ مثل مالک کو ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ اگر رہن کی زمین میں مرتہن نے خود رہائش اختیار کرکے یا زراعت کرکے نفع اٹھایا تو اسکا یہ فعل ناجائز وگناہ ہے اور مرتہن پر اس چیز کی اجرتِ مثل راہن کو دینا لازم ہے کہ اجارہ فاسدہ ہے اور اجارہ فاسدہ میں اجرتِ مثل لازم ہوتی ہے۔ محیط برہانی میں ہے: وفي النوازل :استقرض من آخر دراهم، وسلم إلى المقرض حماره ليمسكه، ويستعمله إلى شهرين حتى يوفر عليه الدراهم، فالحمار عند المقرض بمنزلة المستأجر إجارة فاسدة، فإن استعمله فعليه أجر مثله .وكذلك إذا سلم إلى المقرض داره ليسكنها فهذه إجارة فاسدة .ولا يكون رهناً۔ (محيط برهاني جلد12 صفحه118ادارة القرآن، كراچي)

ردالمحتار میں ہے: قال في التاترخانية مانصه ولو استقرض دراهم وسلم حماره الي المقرض ليستعمله الي شهرين حتى يوفيه دينه او داره ليسكنها فهو بمنزلة الاجارة الفاسدة ان استعمله فعليه اجر مثله ولا يكون رهنا۔

(ردالمحتار جلد 10 صفحه 87 مطبوعه كوئٹه)

فتاوی نوریہ میں ہے: بلکہ یہ لزوم اجرِ مثل حدیث شریف سے مستفاد ہے، کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۷، ۲۲۸ میں برمزطب حضرت سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے: من رهن ارضا بدين عليه فانه يقضى من ثمرتها ما فضل بعد نفقتها يقضى ذلك من دينه ذلك الذى عليه بعد ان يحسب لصاحبها الذى هى عنده عمله و نفقته بالعدل۔ الحاصل اجر مثل دیکر جان چھڑائے اگر کچھ نفع اٹھا چکا ہے تو۔

(فتاوی نوریہ جلد 4 صفحہ 190.191)

کریڈٹ کارڈ

یہ A.T.M کارڈ کی طرح کا ایک کارڈ ہوتا ہے جو بینک اصول وضوابط کے تحت لوگوں کو دیتا ہے، اس کا فنکشن یہ ہے کہ بینک اس کارڈ ہولڈر کو ان بڑے سٹورز و دکان و کمپنی سے کچھ ادھار خریدنے کی سہولت فراہم کرتا ہے جن کا بینک سے معاہدہ ہوتا ہے۔ مختصرا

(1) کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ بنک سے قرض لینے کی صورت میں اصل رقم کی واپسی کے ساتھ اضافی رقم بنام سود دینا لازمی ہوتا ہے، اس لئے کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ قرض لینا جائز نہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر

(2) دوسرا یہ کہ اس میں عمومی طور پر ہوتا یہ ہے کہ لوگ سامان خریدنے کے لئے مارکیٹ جاتے ہیں اور اتنی بڑی رقم ساتھ لئے پھرنے کو خطرے سے خالی نہیں سمجھتے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ رقم پاس نہیں ہوتی اس کے باوجود سامان خرید لیتے ہیں اور بنک رقم کی ادائیگی کر دیتا ہے اور سامان خریدنے والے نے رقم کا کچھ حصہ تقریبا پانچ فیصد فورا اور بقیہ ایک مہینے یا نوے دنوں کے اندر اندر ادا کرنا ہوتا ہے، نہ کرنے کی صورت میں بنک جرمانہ لیتا ہے۔ اور شریعت مطہرہ میں جرمانہ لینا دینا جائز نہیں کہ یہی اکثر علماء کا موقف۔

حاشیہ سندی علی ابن ماجہ میں ہے ”وغالب العلماء علی أن التعزیر بالمال منسوخ“ ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانہ ناجائز ہے۔

(حاشیه سندی علی ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من سرق، جلد2، صفحه127، بیروت)

قومی بچت اسکیم، ڈاکخانہ

یہ بھی جائز نہیں کہ اس میں جمع کی ہوئی رقم کی شرعی حیثیت قرض کی سی ہے۔ یہ اور اس طرح کی اور اسکیمیں لوگوں سے قرض لے کر اس پر بنام منافع کچھ سود دیتی ہیں اور سود کا حکم ہر عام وخاص پر سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ عمومی طور پر اس میں رقم جمع کروانے والیاں بیوہ عورتیں، اور جس کی بچیاں زیادہ ہوں یا فقط بیٹیاں ہی ہوں اور معذور و ریٹائرڈ افراد ہوتے ہیں، جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ سود لینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

p.r.s.p پنجاب رورل (دیہاتی) سپورٹ پروگرام

یہ سکیم قرض دیتی ہے یا اٹھارہ فیصد نفع یعنی سود لیتی ہے۔ یہ بھی جائز نہیں۔

دوسرے ملک جانے کے لئے اکاؤنٹ میں رقم شو کروانا

(کنسلٹنٹ(consultant) کا کام)

دوسرے ممالک میں سٹڈی ویزہ لگوانے کے لئے کنسلٹنٹ ہوتے ہیں جو پیسے لے کر ویزہ کے حصول کے لئے طلبا کی مدد کرتے ہیں، جیسے دوسرے ممالک والے طالب علم سے بینک گارنٹی مانگتے ہیں کہ تمہارے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے ہیں وہ شو کرو۔ یہ کنسلٹنٹ کسی شخصیت سے رابطہ کر کے اس طالب علم کے اکاؤنٹ میں وہ مخصوص رقم رکھوا دیتے ہیں اور طالب علم سے اس کے بدلے میں کچھ رقم لیتے ہیں۔ اس رقم میں کچھ وہ اس شخصیت کو اور

کچھ خود رکھ لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ طریقہ کار ناجائز و حرام ہے۔ اس مسئلہ میں کنسلٹنٹ دونوں طرفوں سے وکیل ہوتا ہے جبکہ قرض حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے" قالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانہ توکیل بالتکدی وھو لا یصح "ترجمہ: فقہاء کرام نے فرمایا: قرض لینے کے لئے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ یہ حاجتمندی پر توکیل ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد5، صفحہ167، دارالفکر، بیروت)

پھر جب قرض دے کر اس پر نفع لیا جاتا ہے تو وہ سود ہے اور سود لینا دینا، اس کے گواہ و وکیل بننا سب ناجائز ہے۔ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سود کھانے والے اس کی وکالت کرنے والے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

(مسلم شریف، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا، جلد03، صفحہ1218، بیروت)

چیک، رسید یا پرچی کو بیچنے کا حکم

(1) چیک، رسید یا پرچی جو نام بھی رکھا جائے، شرعاً یہ رقم کی سند ہوتی ہے۔

(2) آج کل میعادی چیک کے لین دین کا جو طریقہ رائج ہے کہ کوئی مالدار تاجر یا کوئی بھی کاروباری شخص چیک پر لکھی ہوئی رقم سے کچھ حصہ ایک طے شدہ شرح کے مطابق وضع کر کے بقیہ رقم حامل چیک کو دے دیتا ہے پھر میعاد مقرر پر بینک سے چیک پر لکھی ہوئی پوری رقم وصول کرتا ہے اور اگر بینک اسے مسترد کر دے تو جس سے چیک کم پیسوں میں خریدا ہوتا ہے اس سے پوری رقم وصول کرتا ہے یہ ناجائز و حرام ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تاجر درا

صل حامل چیک کو قرض دیتا ہے پھر بنک سے یا صاحب معاملہ سے میعاد کے معاوضہ کے بطور زائد رقم وصول کرتا ہے جو سود ہے اور سود نا جائز ہے۔اور اس مسئلے کے متعلق صحابہ وتابعین کا یہی فیصلہ ہے۔لاہور کی شاہ عالم مارکیٹ اور اس سے متصل شو مارکیٹ میں اسے پرچی کا نام دیتے ہیں۔اللہ عزوجل ہمارے تاجروں کو سود کی اس شکل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (ماہنانہ جامعہ اشرفیہ،ہندوستان)

(احکام القرآن لجصاص لرازی،جلد 01،صفحہ 467)

قرض اور دوسرے ملک کا ویزہ

دوسرے ملک کمپنی نے بلایا،گئے،کچھ عرصہ کام کیا،اب واپس آنا چاہتے ہیں، کمپنی نے کہا کہ تمہارے یہاں آنے پر اتنا خرچ کیا تھا وہ پورا کرو۔یا کوئی بندہ اپنی جگہ دو جو یہ قرض پورا کرے گا۔کسی نے کہا کہ ٹھیک ہے میں آتا ہوں اب بقیہ قرض اتارنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جو بعد میں گیا نیز ویزہ کمپنی کا مالک دوسرے کے نام پر ٹرانسفر کروا لیتا ہے۔شرعا یہ حوالہ کی صورت ہوتی ہے جو کہ جائز ہے۔

فصل سوم:سکیورٹی وایڈوانس

زرضمانت(security)

سوال:ہمارے ہاں کرایہ دار سے مکان ودکان وغیرہ کا ایڈوانس سکیورٹی کے طور پر لیتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟یہ سکیورٹی قرض ہے یا امانت؟

جواب:ایڈوانس کے طور پر کچھ رقم لینا جائز ہے۔سکیورٹی کی رقم کی حیثیت قرض کی ہے۔صحیفہ مجلس شرعی کے فیصل بورڈ کے فیصلہ میں ہے:"زرِ ضمانت قرض محض ہے اور زرِ ضمانت دینے والے پر اس کی زکوۃ واجب ہے۔"

(صحیفہ مجلس شرعی، جلد2،صفحہ46،دارالنعمان، کراچی)

سوال: سکیورٹی لینے والا مالک مکان یا دوکان سکیورٹی کی رقم استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جب سکیورٹی کی رقم قرض ہے تو قرض کی رقم پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "واما حکم القرض فھو ثبوت الملك للمستقرض فی المقرض للحال" یعنی قرض کا حکم یہ ہے کہ اس پر مقروض کی ملکیت لیتے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل فی حکم القرض، جلد6، صفحہ519، کوئٹہ)

سوال: سکیورٹی قرض ہے۔ اور مکان و دوکان کو کرایہ پر دینے میں یہ شرط لگانا کہ پہلے سکیورٹی یعنی قرض لوں گا، تو کیا اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے جبکہ احادیث فقہ میں یہ بھی ہے کہ ایک عقد میں دو عقد جائز نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ اجارہ یعنی کرایہ اور خرید و فروخت میں کوئی شرط لگانا جائز نہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب وہ شرط لوگوں کے درمیان رائج نہ ہو۔ اگر کوئی ایسی شرط ہے کہ اجارہ یعنی کرایہ میں وہ لوگوں کے مابین رائج ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہاں اجارہ بشرط القرض (قرض کی شرط پر اجارہ) بن رہا ہے جو کہ شرعی طور پر ناجائز ہوتا ہے۔ لیکن اس کو جائز اس لئے کہا جا رہا ہے کہ یہاں اجارہ بشرطِ القرض وہ ہے جس پر لوگوں کا عرف و تعامل ہے۔ عقد اجارہ میں ایسی شرط جس پر عرف و تعامل ہو جائز ہے۔ چنانچہ محیط برہانی میں ہے "رجل سلم غزلاً إلی حائك لینسجه، وأمره أن یزید فی الغزل رطلاً من غزله، فهذا علی أربعة أوجه:۔ الأول: أن یقول أقرضنی رطلاً من غزلك علی أن أعطیك مثله، وأمره أن ینسج منه ثوباً علی

صفة معلومة بأجرة معلومة، وإنه جائز استحساناً، سواء كان الاستقراض مشروطاً في عقد الإجارة، أو لم يكن والقياس فيما إذا كان الاستقراض مشروطاً في عقد الإجارة أن لا تجوز الإجارة؛ لأن هذه إجارة شرط فيها مالا يقتضيه العقد، ولأحد المتعاقدين فيه منفعة، ولكن تركنا القياس للتعارف والتعامل فإن العرف جار فيما بين الناس، أنهم يدفعون غزلاً، ويأمرون الحائك بنسج ثوب مقدر ولا يفي الغزل للثوب المأمور به ويشترطون قرض ما يتم به الثوب من عند الحائك، فهذا شرط متعامل فيما بين الناس من غير نكير، فيجوز ويترك القياس لأجله كما ترك القياس في الاستصناع للتعامل، وترك القياس فيما إذا اشترى نعلاً على أن يشركه البائع ويحدده كان الشراء جائزاً وإن شرط فيما اشترى أجراً، وأجازه لأنه شرط متعارف فيما بين الناس۔“

(المحيط البرہاني، كتاب القسمة، جلد8، صفحہ342، دار إحياء التراث العربي بيروت)

سوال: میرے بھائی ایک دفتر میں نوکری کرنا چاہتے ہیں، دفتر والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس کو نوکری دیتے ہیں اس سے پہلے کچھ رقم لیتے ہیں پھر ہی نوکری دیں گے ورنہ نہیں۔ اس کے بعد وہ دس دن میں کام سکھا دیں گے اور کاغذی کاروائی مکمل کر کے میری تنخواہ بارہ ہزار مقرر کریں گے۔ ان کا اصول یہ ہے کہ وہ بعض سے پانچ ہزار پہلے لیتے ہیں اس کی تنخواہ دس ہزار بعض سے چھ اور اس کی تنخواہ بارہ۔ (وعلی ہذا القیاس) نیز جب ہم نوکری چھوڑیں گے تو ہماری جمع کردہ رقم وہ ہمیں واپس دے دیں گے۔ کیا یہ قرض ہے اور اگر قرض ہے تو نوکری دینے کی شرط قرض لگانا اور تنخواہ میں زیادتی کا دارومدار بھی قرض ہونا کیسا ہے؟

جواب: اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ نوکری دینے سے قبل وہ ایک مخصوص رقم لیتے ہیں اور جب

نوکری چھوڑیں تو وہ رقم واپس بھی کر دیتے ہیں تو وہاں نوکری کرنا جائز ہے جبکہ جائز کام کی ہو۔ان کا پانچ یا چھ ہزار لینا بطور سکیورٹی کے ہے اور سکیورٹی کی رقم قرض ہے اور قرض باہمی رضامندی سے لینا دینا جائز ہے جبکہ سود وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو۔اس کی صورت بالکل کرائے پر مکان لینے کی ہے کہ ہم کچھ ایڈوانس دیتے ہیں اور مکان کرائے پر لیتے ہیں، پھر جب مکان کی مدت پوری ہوتی ہے تو ایڈوانس واپس لیتے ہیں کہ اس مالک مکان کے پاس وہ ہمارا قرض ہوتا ہے جو ہمیں مل جاتا ہے،اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں۔مفتی وقارالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا،جس کا خلاصہ یہ ہے: مالک مکان اپنی دکان یا مکان کرایہ پر دیتا ہے اور کچھ ایڈوانس لیتا ہے اور ماہانہ کچھ کرایہ طے کرتا ہے جو وصول بھی کرتا رہتا ہے۔۔۔۔اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:"جو ایڈوانس لیا وہ لوگوں کا اس کے ذمہ قرض ہے۔جب وہ دوکان چھوڑیں گے تو جتنا باقی ہوگا وہ انہیں واپس کرنا ہوگا۔"

(وقارالفتاوی،جلد 01،صفحہ 239،بزم وقارالدین، کراچی)

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ اجارہ بشرط القرض ہے تو اس کو جواب یہ ہے کہ پاک وہند کے جید علماء کرام جن میں مفتی نظام الدین سر فہرست ہیں،انہوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا کہ یہ اگرچہ اجارہ بشرط القرض ہے لیکن اس پر لوگوں کا تعامل ہے اور جس پر لوگوں کا تعامل ہو اجارہ وبیع میں اس شرط کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔صحیفہ فقہ اسلامی میں ہے"سیکورٹی کے طور پر یہ رقم لینا عرف وتعامل کے ساتھ ساتھ حاجت بھی ہے کہ بعض کرایہ دار آخری مہینے کا کرایہ وبل ادا نہیں کرتے۔لہٰذا اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لئے سکیورٹی کی رقم رکھنا ضرورت وحاجت ہے۔صحیفہ فقہ اسلامی کے فیصل بورڈ میں ہے:"رہا یہ اشکال کہ یہاں اجارہ بشرط القرض ہے تو اس کی نظیر منی آڈر ہے جسے امام احمد رضا قدس سرہ

نے تعامل وتعارف کے باعث جائز قرار دیا ہے۔یہاں تعامل کے ساتھ حاجت بھی ہے اس لئے یہ بھی جائز ہے۔" (صحیفہ فقہ اسلامی،جلد2،صفحہ46،دارالنعمان،کراچی)

زرپیشگی(Advance)

مکان یادوکان کرایہ پر دینے سے پہلے تین چارہ ماہ کرائے کی مقدار برابر رقم مالک مکان پہلے لیتا ہے تاکہ اگر یہ دو تین ماہ کا کرایہ ادانہ کرے اور پھر مکان کوان ماہ کا کرایہ ادا کئے بغیر چھوڑ کر چلا جائے تو کم از کم میں اس ایڈاوانس کرائے کو وصول کرسکوں او ربعض اوقات اسی ایڈوانس کی رقم کووقتاً فوقتاً کرائے میں کاٹتے رہتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت بھی قرض کی سی ہے اور یہ لینا دینا جائز ہے۔

(صحیفہ مجلس شرعی ،جلد02،صفحہ47،دارالنعمان،کراچی)

فصل چہارم:ملکی معاملات اورقرض

عالمی سطح پرقرض لینا

سوال: گورنمنٹ کا ملک کی فلاح وترقی کے لئے دوسرے کسی ملک سے قرض لینا کیسا؟

جواب: ملک کی فلاح وترقی کے لئے قرض لینے کا جواز تورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے ہی ثابت ہے۔المبسوط میں ہے" استقرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیت المال "ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المال کیلئے قرض لیا۔ (المبسوط،کتاب الصرف،باب البیع فی الفلوس ،جلد14،صفحہ41،کوئٹہ)

لیکن فی زمانہ ملک کے نام پرقرض لینے میں کیا قباحتیں ہیں ہر عاقل پر روز روشن کی طرح واضح ہیں۔جن میں سے چندایک درج ذیل ہیں:۔

(1) ملک کے لئے قرض لینا اسی صورت میں جائز ہوتا ہے کہ جب سخت مجبوری

ہو اور ہمارے ہاں کیا صورت حال ہے وہ سب پر آشکار ہے۔

(2) اگر مجبوری ہوتی بھی ہے تو وہ ملک کے لئے کم اور حکمرانوں کے کھانے و پہننے وضائع کرنے میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

(3) اور اس کے سخت حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ فی زمانہ کوئی بھی ملک دوسرے ملک کو intrest کے بغیر قرض نہیں دیتا اور intrest کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے۔

سوال: کسی ملک کا کوئی صدر یا وزیر یا کوئی بھی عہدہ دار اپنا ذاتی قرض حکومتی خزانہ سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حکومتی خزانہ سے کسی کو بھی اپنا ذاتی قرض ادا کرنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اللہ کے بعد سب سے بڑے عہدہ پر فائز ہیں وہ بھی اس طرح نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت حکومتی خزانہ میں آپ کا بھی حق ہوتا تھا۔ المبسوط میں ہے "أما الحديث فإنما استقرض رسول الله صلى الله عليه وسلم لبيت المال حتى روى أنه قضاه من إبل الصدقة ، وما كان يقضي ما استقرضه لنفسه من إبل الصدقة ، وبيت المال يثبت له" یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتی قرض حکومتی غلہ سے ادا نہیں کرتے تھے۔ اور وصول ہونے والے صدقات سے کبھی اپنا قرض ادا نہیں فرمایا حالانکہ بیت المال پر آپ کا حق بھی تھا۔

(المبسوط، کتاب الصرف، باب البیع فی الفلوس، جلد 14، صفحہ 41، کوئٹہ)

سوال: ملکی قرض کہاں سے ادا کیا جائے؟

جواب: ملک کیلئے لیا ہوا قرض حکومتی خزانے ہی سے ادا کیا جائے گا۔ المبسوط میں ہے "و

أما الحديث فإنما استقرض رسول الله صلى الله عليه وسلم لبيت المال حتى روی أنه قضاه من إبل الصدقة" یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المال کے لئے قرض لیا اور اسے صدقے کے اونٹوں سے ادا کیا۔

(المبسوط، کتاب الصرف، باب البیع فی الفلوس، جلد 14، صفحہ 41، کوئٹہ)

سوال: حکومتی خزانے سے کسی مقروض کا قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حکومتی خزانے سے قرض ادا کرنے کی مروجہ صورت یہ ہے کہ زکوۃ فنڈ جو حکومتی خزانے میں جمع ہوتے ہیں، مقروضوں کو دیئے بغیر براہ راست قرض ادا کر دیتے ہیں۔ اس طرح قرض ادا ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں کہ اس طرح دینے والے کی زکوۃ ادا نہ ہوگی کہ فقیر کے ہاتھ میں نہ گئی۔

سوال: زید نے کرنسی کا کاروبار کرنے کے لئے پانچ روپے والے دس ہزار نئے نوٹ قرض لئے۔ ابھی لے کر دکان پر پہنچا ہی کہ گورنمنٹ نے پانچ روپے کا چلن ختم کر دیا۔ اب یہی نوٹ اسے واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں! قرض واپس کرتے وقت وہ سکہ دینا ہوگا جو رائج ہوگا، جس کا چلن ختم ہو چکا وہ نہیں دے سکتا اگرچہ لیتے وقت وہی لئے ہوں، لہٰذا اب ان کی قیمت یعنی 10000 ہزار ادا کرے گا۔ درمختار میں ہے "استقرض من الفلوس الرائجة والعدالي فكسدت فعليه مثلها كاسدة) و (لا) يغرم (قيمتها) وكذا كل ما يكال ويوزن، لما مر أنه مضمون بمثله فلا عبرة بغلائه ورخصه۔ ذكره في المبسوط من غير خلاف. وجعله في البزازية وغيرها قول الامام، وعند الثاني عليه قيمتها يوم القبض، وعند الثالث قيمتها في آخر يوم رواجها وعليه الفتوى۔" یعنی پیسے قرض

لئے تھے۔حکومت نے انہیں بند کردیا۔تو وہی یا اسی طرح کے اور نوٹ دے کر قرض ادا نہ ہوگا بلکہ ان کی قیمت کا اعتبار ہے۔

انعامی بانڈز

سوال: کیا انعامی بانڈز گورنمنٹ پر ہمارا قرض ہیں؟ مودودی اور دیوبندی انعامی بانڈز کو قرض کہتے ہیں۔

جواب: انعامی بانڈز گورنمنٹ پر ہمارا قرض نہیں۔مودودی دیوبندیوں کا نظریہ سرتاپا غلط ہے جو تھوڑا سا علم رکھنے والے پر بھی آشکار ہے۔شارح صحیح مسلم شیخ الحدیث علامہ غلام رسول شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:''سید مودودی نے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دیا ہے یعنی حکومت عوام سے قرض لیتی ہے اور اس کا سود جمع کرکے قرعہ اندازی کے ذریعہ لوگوں میں تقسیم کردیتی ہے،یہ بات سرے سے غلط ہے۔قرض میں ضروری ہے کہ ایک مدت معین کے لئے رقم لی جائے اور اگر اس پر سود دینا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے انعامی بانڈز کا اول تو عنوان ہی خرید و فروخت ہے قرض نہیں ہے۔دوم اس کے لین دین میں مدت کا تعین نہیں ہوتا کہ انعامی بانڈ کے بھنانے کے لئے اتنی مدت تک بانڈز رکھنا ضروری ہوتا ہے،یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لئے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دینا صحیح نہیں۔آدمی بغیر تعین مدت کے بانڈز خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈز واپس کرکے اپنے پیسے لے لیتا ہے۔یہ قرض کہاں سے ہوگیا؟''

(شرح صحیح مسلم،کتاب البیوع،جلد04،صفحہ118،فرید بک سٹال،لاہور)

(انٹرنیشنل مونیٹری فنڈIMF:)

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ یا آئی ایم ایف (انٹرنیشنل مونیٹری فنڈIMF:) ایک

عالمی مالیاتی ادارہ ہے جو ملکی معیشتوں اور انکی باہمی کارکردگی بالخصوص زر مبادلہ، بیرونی قرضہ جات پر نظر رکھتا ہے اور انکی معاشی فلاح اور مالی خسارے سے نبٹنے کے لیے قرضے اور تیکنیکی معاونت فراہم کرتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے بہت سے یورپی ممالک کا توازن ادائیگی کا خسارہ پیدا ہوگیا تھا۔ ایسے ممالک کی مدد کرنے کے لیے یہ ادارہ وجود میں آیا۔ یہ ادارہ جنگ عظیم دوم کے بعد بریٹن وڈز کے معاہدہ کے تحت بین الاقوامی تجارت اور مالی لین دین کی ثالثی کے لیے دسمبر 1945 میں قائم ہوا۔ اس کا مرکزی دفتر امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں ہے۔ اس وقت دنیا کے 185 ممالک اسکے رکن ہیں۔ شمالی کوریا، کیوبا اور کچھ دوسرے چھوٹے ممالک کے علاوہ تمام ممالک اس کے ارکان میں شامل ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ پر بڑی طاقتوں کا مکمل راج ہے جس کی وجہ اس کے فیصلوں کے لیے ووٹ ڈالنے کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ ادارہ تقریباً تمام ممالک کو قرضہ دیتا ہے جو ان ممالک کے بیرونی قرضہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کے ساتھ غریب ممالک کے اوپر کچھ شرائط بھی لگائی جاتی ہیں جن کے بارے میں ناقدین کا خیال ہے کہ یہ شرائط اکثر اوقات مقروض ملک کے معاشی حالت کو بہتر بنانے کی بجائے اسے بگاڑتے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسے بین الاقوامی اداروں کے ڈھانچے کو بدلنے کی ضرورت وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔

تاریخ (ترمیم)

واشنگٹن ڈی سی میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا "صدر دفتر 2"

1930 کے معاشی مسائل اور اس کے بعد دوسری جنگ عظیم نے یورپی ممالک کی معیشت کو سخت نقصان پہنچایا۔ خصوصاً جنگ کے اخراجات کی وجہ سے ان کا ادائیگیوں کا توازن

بہت بگڑ گیا۔اس کے علاوہ برطانیہ نے جنگی اخراجات سے نبٹنے کے لیے خوب نوٹ چھا
پے جو اس اصول کے خلاف تھے کہ نوٹ چھاپنے میں اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے کہ بنک
آف انگلینڈ کے پاس سونے کے ذخائر کتنے ہیں۔ برطانیہ کے زرِ مبادلہ برطانوی پونڈ پر
دوسرے ممالک کا اعتماد کم ہو گیا۔ اس وقت پونڈ کو بین الاقوامی مالیاتی معاملات میں
مرکزیت حاصل تھی جو ختم ہو رہی تھی۔ بریٹن ووڈز کا معاہدہ جو 1945 میں ہوا، اس کے
مطابق ایک ایسے ادارہ کی ضرورت تھی جو مندرجہ ذیل کام کرے
دنیا کے لیے ایک نیا اور پر اعتماد مالیاتی نظام تشکیل دے۔

ان ممالک کی مدد کرے جو توازنِ ادائیگی کے مسائل کا شکار ہیں۔
ارکان ممالک کی زرِ مبادلہ کی شرح کا درست تعین کرنا اور اس کے لیے ایک نظام وضع کرنا۔
چنانچہ دسمبر 1945 میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا قیام عمل میں آیا۔ابتداء میں اس کے 29
ارکان تھے جن میں کیوبا شامل تھا جو بعد میں نکل گیا۔

کھاتے اور ایس۔ڈی۔آر (SDR) (ترمیم)

شروع میں تمام کھاتے امریکی ڈالر میں لکھے جاتے تھے۔ان کھاتوں میں مختلف
ممالک نے ایک دوسرے کو جو ادائیگیاں کرنا ہوں، ان کو جمع یا تفریق کیا جاتا ہے۔ بریٹن
ووڈز کے معاہدے کے تحت امریکہ نے وعدہ کیا تھا کہ چونکہ اب امریکی ڈالر کو بنیادی کرنسی
کی حیثیت حاصل ہے اس لیے ڈالر کی قیمت (جو سونے کے حساب سے مقرر ہوتی ہے)
میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔مگر امریکہ کے توازن ادائیگی کے بڑھتے ہوئے مسائل کی وجہ
سے 1972 میں امریکہ کے صدر نکسن نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے ڈالر کی قیمت میں کمی
کر دی (35 ڈالر فی اونس سونے سے 38 ڈالر فی اونس سونا)۔اس سے بریٹن ووڈز کا

نظام تباہ ہوگیا۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے ایک نیا طریقہ وضع کیا جس میں ڈالر کی جگہ ایس۔ڈی۔آر (Special Drawing Rights:SDR) کا استعمال شروع کیا۔ایس۔ڈی۔آر (SDR) کسی ملک کا روپیہ نہیں بلکہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ میں کھاتوں کی جمع تفریق کا ایک نظام ہے۔ایس۔ڈی۔آر (SDR) کی مالیت کا انحصار صرف ڈالر پر نہیں بلکہ کئی ملکوں کے زرِ مبادلہ پر ہے۔اس سے اگر کسی ایک ملک کے زرِ مبادلہ میں کوئی تبدیلی ہو تو ایس۔ڈی۔آر (SDR) پر بہت زیادہ اثر نہیں ہوتا۔اور رکن ممالک کے کھاتے ڈالر کی قیمت میں تبدیلی کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں۔شروع میں ایک ایس۔ڈی۔آر کی قیمت 1.44 ڈالر کے برابر تھی۔رکن ممالک کو تو ڈالر، پونڈ یا ین وغیرہ ہی ملتے ہیں مگر اس کا اندراج بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے کھاتوں میں ایس۔ڈی۔آر میں کیا جاتا ہے۔

جس طرح مختلف ممالک کے نجی سنٹرل بینک ہوا میں سے کاغذی کرنسی تخلیق کرتے ہیں اسی طرح بین الاقوامی مالیاتی فنڈ بغیر کسی اثاثوں کے ایس ڈی آر تخلیق کرتا ہے اور رکن ممالک کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ اسے بطور کرنسی قبول کریں۔بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کو جو گورنر کنٹرول کرتے ہیں وہ مختلف نجی مرکزی بینکوں کے سربراہ یا انکے خاص آدمی ہیں۔ (1)

ممالک کا کوٹہ (ترمیم)

کوٹہ تین چیزوں کی بنا پر مقرر ہوتا ہیں یعنی کسی ملک کی خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کتنی ہے، بیرونی ذرائع مبادلہ کے ذخائر کتنے ہیں اور برامدات ودرامدات کی مقدار کیا ہے۔انہی کی بنیاد پر کسی رکن ملک کے ووٹوں کی تعداد کا تعین ہوتا ہے۔اپنے کوٹہ کے برابر

رقم تسلیم شدہ زرِ مبادلہ میں یا سونے کی صورت میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے پاس رکھنا ہوتا ہے۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ میں رائے شماری کا طریقہ (ترمیم)

آئی ایم ایف میں ایک ملک کو ایک ووٹ حاصل نہیں ہے بلکہ ووٹ تین چیزوں کی بنا پر مقرر ہوتے ہیں یعنی کسی ملک کی خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کتنی ہے، بیرونی ذرائع مبادلہ کے ذخائر کتنے ہیں اور برامدات و درامدات کی مقدار کیا ہے۔ اس طریقہ کی وجہ سے غریب ملکوں کے ووٹوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف امریکہ کے ووٹ کل ووٹوں کا تقریباً 18 فی صد بنتے ہیں۔ اگر ہم پانچ بڑے ممالک امریکہ، برطانیہ، فرانس، جاپان اور چین کے ووٹ جمع کریں تو وہ ووٹوں کی کل تعداد کے 40 فی صد کے قریب بنتے ہیں۔ سب سے بڑے تقریباً 20 صنعتی ممالک بشمول پہلے بتائے گئے پانچ ممالک کے پاس کل ووٹوں کی کل تعداد کا 70 فی صد کے قریب ہے یعنی ایک طرح سے وہ جو چاہے کر سکتے ہیں۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے قرضے (ترمیم)

کوئی بھی ملک اپنے کوٹہ کے پچیس فی صد کے برابر قرضہ صرف ادائیگیوں کے توازن کو درست کرنے کے لیے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ غریب ممالک غربت میں کمی کے پروگرام (Poverty Reduction and Growth Facility_PRGF) کے تحت منڈی سے سستے قرضے حاصل کر سکتے ہیں۔ مزید قرضے جو تمام ممالک حاصل کر سکتے ہیں کچھ یوں ہیں

ھنگامی صورتحال کے قرضے (Stand-By Arrangements _SBA)

توسیعی قرضہ کی سہولت EFF)۔(Extended Fund Facility

اضافی احتیاطی سہولت (Supplemental Reserve SRF)۔Facility

مشروط قرضوں کی سہولت CCL)۔(Contingent Credit Lines

برامدات میں کمی کی تلافی کے لیے قرضہ کی سہولت (Compensatory CCF)۔Financing Facility

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی کارکردگی (ترمیم)

تاریخی طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن ممالک نے مکمل طور پر بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے قرضے حاصل کیے اور ان کے ساتھ ملحق شرائط کو من وعن نافذ کیا وہ معاشی طور پر تباہ ہو گئے۔ یہ بات لاطینی امریکہ کے ممالک پر صادق آتی ہے جن کو بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی شرائط کی وجہ سے 1980 کی دہائی میں مالیاتی بحران کا شکار ہونا پڑا۔ 1997 کے جنوب مشرقی ایشیا کے مالیاتی بحران کو بھی ان پالیسیوں کا نتیجہ کہا جاتا ہے جو ان ممالک نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے کہنے پر نافذ کیے تھے۔ ترقی پزیر ممالک کو شکایت ہے کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ غریب ملکوں میں بجلی اور ذرائع رسل ورسائل ومواصلات کی قیمت کے بڑھنے کی ذمہ دار ہے۔ مثلاً پاکستان کو دیے جانے والے قرضوں کے ساتھ جو شرائط رکھی جاتی ہیں ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ٹیلی فون کی اور بعض دوسری اشیاء مثلاً پٹرول پر ایکسائز ڈیوٹی بڑھائی جائے۔ اس کا براہ راست اثر غریب لوگوں اور غربت پر پڑتا ہے۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی واحد کامیابی 1940 کے آخر اور 1950 کی دہائی میں ان مغربی ممالک کی تعمیر ومدد ہے جو دوسری جنگِ عظیم سے بری طرح متاثر ہوئے تھے۔

ان ممالک میں برطانیہ، فرانس اور جرمنی شامل ہیں۔ بعض لوگ اس بات کو بھی کامیابی سمجھتے ہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے دنیا کو ایک مالیاتی نظام دیا جو امریکی ڈالر پر انحصار کرتا ہے۔ مگر دنیا یہ بھی دیکھ چکی ہے کہ یہ نظام بھی کامیابی سے نہیں چل سکا اور دنیا کو جلد ایک نئے نظام کو وضع کرنا پڑا جس میں زرِ مبادلہ کی قیمت آزاد بنیادوں پر رسد و طلب کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ معیشت دانوں کے مطابق بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے منصوبے افراطِ زر پیدا کرتے ہیں جو تیسری دنیا کے ممالک کے لیے زہرِ قاتل سے کم نہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے بہت زیادہ متاثرین میں ارجنٹائن، نائجیریا، نائجر اور صومالیہ بھی شامل ہیں۔ (2)

قرض دینے کی شرائط (ترمیم)

ناقدین کے نزدیک آئی ایم ایف کا کردار ایک بین الاقوامی پولیس والے جیسا ہے۔ آئی ایم ایف غریب ممالک کو ان شرائط پر قرض دیتا ہے۔

(1) سود کی شرح میں اضافہ کیا جائے۔ اس سے غربت بڑھ جاتی ہے۔

(2) ٹیکس بڑھایا جائے اور حکومتی اخراجات میں کمی کی جائے۔ اس سے عوامی سہولیات میں کمی آتی ہے اور بے روزگاری بڑھتی ہے۔

(3) زیادہ سے زیادہ قومی اداروں کی نجکاری کی جائے۔ اس سے ملکی اثاثے غیر ملکیوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔

(4) بین الاقوامی سرمائے کی ملک میں آمدورفت پر سے تمام پابندیاں ہٹالی جائیں۔ اس سے اسٹاک مارکیٹ میں عدمِ استحکام پیدا ہوتا ہے۔

(5) بین الاقوامی بینکوں اور کارپوریشنوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔ اس سے ملکی صنعتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد ان غریب ممالک کو بس اتنی رقم مزید قرض دی جاتی ہے کہ وہ اپنے موجودہ بین الاقوامی قرضوں کا سود ادا کر سکیں۔(3) ان اصلاحات کے نتیجے میں ملکی دولت آئی ایم ایف کے پاس چلی جاتی ہے اور یہ سب جمہوریت کی آڑ میں ہوتا ہے۔

سن 2008 کے بین الاقوامی مالیاتی بحران میں صرف دو ممالک زیادہ متاثر نہیں ہوئے۔یہ ہندوستان اور چین تھے۔ان دونوں ممالک میں آئی ایم ایف کا اثر رسوخ بہت کم ہے۔

آئی ایم ایف کی سربراہ کا بیان

2012 میں آئی ایم ایف کی سربراہ کرسٹین لگارڈی (Christine Lagarde) نے بیان دیا تھا کہ "جب آئی ایم کے اطراف کی دنیا پر زوال آتا ہے تو ہم ترقی کرتے ہیں۔اس وقت ہم بہت فعال ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم قرضے دیتے ہیں۔ہمیں سود، فیس اور بہت کچھ ملتا ہے اور ادارے کو خوب منافع ہوتا ہے۔لیکن جب دنیا بہتری کی جانب گامزن ہوتی ہے اور سالوں تک ترقی ہوتی ہے جیسا کہ 2006-2007 میں ہوا تھا تو آئی ایم ایف کی کارکردگی مالیاتی اور دیگر لحاظ سے گر جاتی ہے۔"(5)

اس ادارے سے قرض لینا جائز ہے ناجائز یہ ہر پاکستانی پر خوب واضح ہے۔

جی پی ایف، ڈی ایس پی اور جی آئی ایس (Gis.Gpf.Dsp.)

سوال: جی پی ایف اور جی آئی ایس وغیرہ کے بارے شرعی حیثیت وحکم کیا ہے؟

جواب: ملازم کی ماہانہ تنخواہ میں سے جو کٹوتی ہوتی ہے وہ ملازم کی ملک ہے، اور گورنمنٹ پر قرض ہے۔اس کا لینا جائز کیونکہ وہ بھی اس کی تنخواہ کا جز ہے، البتہ اس پر جو زیادتی دی جاتی ہے وہ لینا ناجائز وحرام ہے کہ وہ سود ہے جس کا حرام ہونا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے ثابت ہے۔سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"حدثنا ابو

بکر قال حدثنا حفص عن أشعث عن الحكم عن ابراهيم قال "كل قرض جر منفعة فهو ربا۔ "ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد05،صفحہ 80،مکتبہ امدادیہ ملتان)

سیدی ومرشدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہو کر بعد ختم ملازمت دیا جائے ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہو اس کا۔۔۔ حسب قرارداد معروف ومعہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے وہ بھی حقیقۃ اسی تنخواہ کا جز ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ534، رضافاؤنڈیشن)

ایریر

حکومت کے ذمہ اس کے ملازمین کی جو تنخواہ باقی رہ جاتی ہے اسے ایریر کہا جاتا ہے۔جی۔او(g.o) ہو جانے کے بعد اس کی حیثیت بھی دین یعنی قرض قوی کی سی ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہے جو مال قرض کا ہے۔

ٹیکس

سوال: ایک کاروباری شخص مرگیا۔اس کے کاروبار پر پچاس ہزار ٹیکس لگا اور ادا کرنے سے قبل ہی مرگیا تو کیا یہ ٹیکس بھی وراثت تقسیم کرنے سے قبل دیا جائے گا پھر وراثت تقسیم ہوگی؟

جواب: جی ہاں! پہلے ٹیکس ادا کیا جائے گا چاہے کتنا ہی ہو کہ ٹیکس بھی ایک قسم کا دین ہے کہ حکومت کی طرف سے مہیا کی ہوئی سہولیات کے عوض میں ہم سے لیا جاتا

ہے جیسا کہ محترم استاد ابوالفضل علامہ مولینا محمد شفیق الرحمٰن قادری رضوی لکھتے ہیں "ٹیکس بھی دین ہے کیونکہ یہ بھی حفاظت کے منافع حاصل کرنے کے عوض میں دیا جاتا ہے۔" (رفیق الوراثت،شرح سراجی،صفحہ 52،شبیر برادرز،لاہور)

فصل پنجم: مروجہ کمیٹیاں

کمیٹی کی شرعی حیثیت

کمیٹی کی شرعی حیثیت قرض کی ہے۔ جتنا روپیہ جمع کروایا وہ قرض ہے۔اور کمیٹی نکلنے کی صورت میں اگر آپ کے پاس جمع کروائے سے زائد آئے تو آپ مقروض ہیں۔مثلا آپ نے دس کمیٹیاں دی تو جس کو دے رہے ہیں یہ کمیٹیاں اُس پر قرض ہیں اور اگر کمیٹی نکل آئی اور ایک لاکھ روپیہ ملا حالانکہ ابھی دی ہوئی کمیٹیوں کی رقم پچاس ہزار تھی تو اب پچاس ہزار کے آپ مقروض ہوں گے۔

لکی کمیٹی

ایک کمیٹی بنام موٹر سائیکل انعامی سکیم ہے،جس میں ماہانہ 1200 روپے دینے ہونگے۔اس کی شرائط درج ذیل ہیں:۔

(1) کمیٹی میں 100 ممبران ہونگے۔

(2) کمیٹی کا دورانیہ 20 ماہ ہوگا۔

(3) جس کی کمیٹی نکلے گی اسے موٹر سائیکل دی جائے گی اور کمیٹیاں معاف۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ اس کمیٹی کا کیا حکم ہے؟

صورت مسئولہ میں مذکورہ کمیٹی بھی شرعا قرض ہے۔جبکہ اس کا طریقہ کار شرعا جائز نہیں کہ اس میں جہالت پائی جارہی ہے اور وہ اس طرح کہ کسی کو موٹر سائیکل 1200

کی مل رہی ہے، کسی کو چوبیس سو کی اور کسی کو پچاس ہزار کی۔یعنی شرعاً یہ موٹر سائیکل کی خرید وفروخت ہے اور یہ ایسی خرید وفروخت ہے جس میں معلوم ہی نہیں کہ چیز کتنے کی ملے گی اور یہ شرع میں جائز نہیں۔فتاوی ہندیہ میں ہے "جهالة المبيع او الثمن مانعة جواز البيع"ترجمہ:مبیع اور قیمت میں جہالت کا ہونا خرید وفروخت کے مانع ہے۔

(ہندیہ، کتاب البیوع، الفصل الثامن فی جہالۃ المبیع او الثمن ،جلد3،صفحہ122، کوئٹہ)

بولی والی کمیٹی

سوال: بولی والی کمیٹی کے بارے کیا حکم شرعی ہے؟

جواب: بولی والی کمیٹی ناجائز ہے۔اس کے ناجائز ہونے کی وجہ غیر مدیون کے ساتھ قرض کی فروخت ہے۔یعنی زید کا بکر پر ہزار روپے قرض ہے،اب زید عمر سے کہتا ہے:میرا بکر پر ہزار روپے کا قرض ہے تم مجھے آٹھ سو روپیہ دیدو اور بکر سے ہزار لے لو۔اسے قرض کی فروخت کہتے ہیں،جو ناجائز ہے۔فتاوی رضویہ میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے اوپر مہر کا دعوی میرے سالے مظہر علی خاں نے کیا ہے اور میری بیوی دو برس کے قریب ہوا کہ فوت ہو چکی ہے اور دعوی مدعی میں تحریر کیا ہے کہ میری بہن نے مہر جو مبلغ پانچ سو روپے کا تھا فروخت کیا ہے اور مقدمہ زیر تجویز کچہری ہے آیا فروخت کرنا مہر کا جائز ہے یا نہیں؟ اور مظہر علی خاں جو میرا سالہ ہے اس کو دعوی کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔"جواباً امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"مہر اور دیون کے مثل ایک دین ہے اور دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ باطل ہے لہٰذا اس بنا پر مدعی کو دعوی کا اصلاً حق نہیں۔ہاں!اگر اس اپنی بہن کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہو تو اپنے حصہ کا دعوی کرے وہ جدا بات ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 75، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بولی والی کمیٹی میں بھی یہی ہوتا ہے اس لئے یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے " و بیع الدین لایجوز ولو باعه من المدیون او وهبه جاز" ترجمہ: قرض کی فروخت جائز نہیں۔ اگر یہ فروخت مدیون سے کی جائے یا اسے ہبہ کی جائے تو جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، فروع فی البیع، جلد 07، صفحہ 31، مکتبہ رشیدیہ)

مفتی وقارالدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکی کمیٹی کے متعلق فرماتے ہیں: "پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے۔"

(وقارالفتاوی، جلد 1، صفحہ 256، بزم وقارالدین قادری، کراچی)

کمیٹی کی رقم قرض قوی ہے یا متوسط یا ضعیف

کمیٹی قرض قوی کے حکم میں ہے۔

کمیٹی پر زکوۃ کا حکم

جتنی رقم کمیٹی میں جمع کروادی ہے اگر نصاب جتنی ہے یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو اس پر سال پورا ہونے پر زکوۃ فرض ہو جائے گی اور سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوۃ واجب ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 10، صفحہ 141، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مگر واجب الادا اس وقت ہے جب نصاب کا پانچواں حصہ برابر رقم وصول ہو جائے اس وقت ہر سال کا حساب لگا کر زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: "دَین قوی کی زکوۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی

رہے گی مگر واجب الادا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اتنے ہی کی واجب الادا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ہذا القیاس۔"

نیز اگر کمیٹی نکل چکی ہے تو زکوۃ ادا کرتے وقت جتنی کمیٹیوں کا بھار سر پر ہے وہ ساری نکال کر جو رقم بچے گی اس کی زکوۃ واجب ہوگی کہ اب یہی تحقیق ہے۔

تشخیص زکوۃ کے وقت تاجروں کے واجب الاداء قرض کا مسئلہ

فی زمانہ تاجروں کا بنایا اصول جس سے وہ خود بھی سرتاپا تنگ ہیں، وہ اصول یہ ہے کہ پچاس لاکھ کا مال دیا تو ہول سیلر ان کو بمشکل دس لاکھ دے گا اور بقیہ آہستہ آہستہ دے گا اور یہ مال دینے والا بھی جن سے خرید و فروخت کرے گا انہیں بھی اسی طرح ذلیل ورسوا کر کر کے پیسے لوٹائے گا کہ کبھی پانچ ہزار تو کبھی دس ہزار اور عید وغیرہ پر بہت چھلانگ ماری تو کل مال کا ساٹھ یا ستر فیصد دے دیا باقی پھر نیچے لگا لیا۔ تاجروں کے اس ناقابل برداشت تکلیف دہ اصول کی وجہ سے بعض کم علم تاجروں سے جب زکوۃ کی ادائیگی کا کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حساب رکھنا بڑا مشکل کام ہے اور دلیل یہ دیں گے کہ ہم فلاں ،فلاں کے مقروض ہیں اور فلاں فلاں سے اتنے اتنے لینے ہیں۔ جب سارے کھاتے کلیئر ہوں گے پھر جا کر کہیں زکوۃ کے حساب کتاب کا پتہ چلے گا اور اپنی اس غلط فہمی میں رہتے ہوئے کہ ہم تو کئی ایک کے مقروض ہیں زکوۃ کا حساب کیسے لگائیں؟

آپ مقروض ہوں یا قرض خواہ زکوۃ دینی ہو تو حساب لگانا کوئی مشکل نہیں کہ آپ نے مارکیٹ سے یا تو لینے ہیں یا مارکیٹ میں دینے ہیں اسی طرح مارکیٹ سے باہر بھی آپ نے کسی سے لینے ہیں یا کسی کو دینے ہیں۔ پہلے جو لینے ہیں ان کو جمع کرلیں پھر جو دینے ہیں

اس عدد کو جمع شدہ میں سے نکال لیں بقیہ جو بچے اس پر زکوۃ کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً آپ کے پاس اور جو کسی سے لینا مجموعی طور پر پانچ لاکھ روپیہ بنتا ہے اور جو دینا ہے وہ تین لاکھ بنتا ہے تو تین کو پانچ سے سے نکال دیں بقیہ دو لاکھ کی زکوۃ دیں اور اگر عدد کو نکالنے کے بعد بقدر نصاب مال ہی نہیں رہتا تو حکم زکوۃ بھی نہیں۔ مکتبۃ المدینہ کی کتاب فیضان زکاۃ کا مطالعہ ضرور کریں۔

حج وعمرہ کمیٹی

ایک کمیٹی بنام حج وعمرہ کے ڈالی جاتی ہے۔ جس میں بعض اوقات کئی ایک ممبران ہوتے ہیں جس کی کمیٹی نکلے گی وہ حج یا عمرہ کی سعادت پائے گا اور اسے باقی قسطیں معاف ہوں گی۔ اس طرح کسی کو تو حج کی سعادت پچیس ہزار میں کسی کو پچاس کسی کو پچھتر اور کسی کو تین لاکھ میں حج کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ بعض شہروں میں زیارت مدینہ، بعض میں سفر مدینہ، اور کہیں عازم مدینہ کے نام سے کمیٹی ڈالی جاتی ہے۔ جس میں فقط عمرہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ مجھ تک اس کا بعض شہروں میں رائج طریقہ جو پہنچا وہ کچھ یوں ہے:۔

سعادت عمرہ کمیٹی مبلغ 75 روپے روزانہ یا 2250 روپے ماہانہ، یا 2500 روپے ماہانہ وغیرہ کمیٹی جمع کروائی جاتی ہے۔ ٹوٹل رقم اتنی ہوتی ہے کہ جس میں عمرہ کی سعادت حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس قرعہ اندازی میں ہر ممبر عمرہ کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ عمرہ کی کمیٹی نکلنے کے بعد بھی ہر ممبر کمیٹی ضرور جمع کروائے گا کوئی کمیٹی معاف نہ کی جائے گی۔ اتنی حد تک تو جائز ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شرط بھی ہو تو پھر مفتیان دین سے رہنمائی لئے بغیر ایسی کمیٹی کا رکن نہ بنا جائے۔

چھٹی فصل: متفرقات

یوفون، جاز اور دیگر کمپنیوں کا LONE (قرض) دینا

سوال: U فون والوں کی طرف سے پیکج ہے کہ وہ 15 روپے ادھار دیتے ہیں اور جب آدمی بیلنس ڈلواتا ہے تو اس میں سے 15 روپے ساٹھ پیسے کاٹ لیتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: یہ جائز ہے۔ کیونکہ فون کی کسی کمپنی کی سروس کو پیسوں کے بدلے استعمال کرنا اجارہ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دوکان وغیرہ کرایہ پر لینا۔ تنویر الابصار میں اجارہ کی تعریف اس طرح لکھی ہے "تمليك نفع بعوض"

(الدر المختار مع رد المحتار، ج9، ص32، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "کسی شے کے نفع کا عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔ مالک کو آجر موجر اور مواجر اور کرایہ دار کو مستاجر اور اجرت پر کام کرنے والے کو اجیر کہتے ہیں۔"

(بہار شریعت، حصہ 14، ص 64، ضیاء القرآن، لاہور)

درمختار میں ہے "(تصح اجارة حانوت) ای دکان" دکان کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج9، ص46، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اجارہ میں منفعت کو استعمال کرنے سے پہلے عوض لینا درست ہے اور عام طور پر کمپنی پیشگی پیسوں کے بدلے سروس فراہم کرتی ہے۔ ھدایہ میں ہے "تستحق باحدی معانی ثلاثة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل من غير شرط او باستيفاء المعقود عليه" تین میں سے ایک صورت کے پائے جانے سے موجر اجرت کا مستحق ہوگا، پہلے دینے

کی شرط کرلے، یا بغیر شرط کے پہلے اجرت وصول کرلے یا جس نے جس چیز کو اجارے پر لیا وہ اس سے فائدہ اٹھالے۔ (الھدایہ مع البنایہ، ج9، ص282، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ULOAN کے معاملے میں کمپنی پہلے سروس فراہم کرتی ہے اور بعد میں پیسے لیتی ہے جو پیشگی پیسے لینے سے ذرا زیادہ ہوتے ہیں اس زیادتی کا کسٹمر کو معلوم ہوا اور وہ راضی ہو کر سروس استعمال کرے تو شرعا کوئی حرج نہیں اور اسے سود نہیں کہہ سکتے۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ ULOAN کے وقت سروس کے پیسے ساتھ پیسے زیادہ ہوتے ہیں کمپنی پر لازم ہے کہ اس بات کی لوگوں کو آگاہی دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سہولت کا نام ULOAN نہ رکھا جائے کیوں اس سے شائبہ ہوتا ہے کہ کمپنی قرض دے کر اس پر اضافی پیسے لیتی ہے۔ جو کو بعض لوگوں نے واقعی سود سمجھ لیا حالانکہ اس کو سود سمجھنا غلط ہے کمپنی پیسے نہیں سروس دیتی ہے وہ بھی ایک خاص حد تک اور گاہک اگر استعمال کرے تو اس کے پیسے کاٹے جاتے ہیں۔ اس میں سود کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی لیکن اس سہولت کا نام ULOAN رکھا جانا مناسب نہیں۔

یوتھ بزنس لون کے بارے میں حکم؟

سود کی وجہ سے یہ قرض لینا ناجائز وحرام ہے۔

تنظیموں کا قرض دینا

سوال: کسی تنظیم کی کسی شے کو سربراہ تنظیم قرض میں دے سکتے ہیں؟

جواب: تنظیم کی کسی شے کو سربراہ تنظیم قرض میں ہرگز نہیں دے سکتے کہ ناجائز ہے۔ عموما تنظیموں کا سارا مال چندہ وغیرہ کا ہوتا ہے۔ اور سربراہ صاحب صرف اس کی حفاظت کے لئے رکھے گئے ہیں نہ کہ لوگوں کے چندوں کو قرض میں لینے دینے کے لئے۔ چندہ کا حکم

یہ ہے کہ چندہ جس مد میں لیا جائے اس کو اسی مد میں خرچ کرنا واجب ہے۔ متولی مسجد نے مسجد کے اخراجات کے علاوہ کسی بھی کام میں جتنا قرض کے طور پر دیا ہے اتنا اس پر تاوان واجب ہے اتنی رقم مسجد کے چندے میں ڈالے اس فعل کے سبب وہ گناہ بھی لازم ہوتا ہے، اس سے توبہ بھی کی جائے۔ فتاویٰ رضویہ شریف میں امام اہل سنت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔''

(فتاوی رضویہ شریف، جلد16، صفحہ574، رضا فاؤنڈیشن، مرکز الاؤلیاء لاہور)

افسوس! آج کل مال وقف خرد برد کرنے کے واقعات کی کثرت ہو رہی ہے۔ ہاں اس تنظیم کے ملازمین کو بوقت ضرورت بقدر ضرورت کڑی شرائط وواپسی کی گارنٹی ہونے کی صورت میں کچھ قرض دیا جا سکتا ہے۔

گروی مکان وغیرہ

سوال: آج کل گروی پر نفع اٹھانے کا یہ طریقہ چل رہا ہے کہ پیسے دے کر مکان گروی لے لیتے ہیں پھر ماہانہ کچھ کرایہ رکھ لیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کچھ کرایہ بھی رکھ لیا ہے تو وہ رہن (گروی) نہ رہا بلکہ اجارہ یعنی کرائے پر لیا ہوا ہو گیا۔ رہن اور اجارہ جمع نہیں ہو سکتے۔ سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''رہن واجارہ باہم دو عقد منافی ہیں کہ شرعاً جمع نہیں ہوتے جو ان میں بوصف نفاذ دوسرے پر وارد ہو گا، اسے باطل کر دے گا۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 226، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے ''لو آجر واحد منها(ای من الرهن والمرتهن)باذن

صاحبه او بغیر اذنه ثم اجاز صاحبه صحت الاجارة وبطل الرهن فتكون الاجرة للراهن، وكذلك لو استاجره المرتهن صحت الاجارة و بطل الرهن اذا جدد القبض للاجارة" یعنی اگر ان دونوں (راہن ومرتہن) میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شے (جو رہن میں رکھوائی گئی ہے) اجرت (کرایہ) پر دے دی یا دوسرے کی اجازت کے بغیر دی پھر دوسرے نے اس کی اجازت دے دی تو اجارہ صحیح ہو گیا جبکہ رہن باطل ہو گیا اور یہ جائز اس وقت ہو گا کہ پہلا قبضہ ختم کیا جائے اور دوبارہ کرایہ پر لینے کا قبضہ کیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الرہن، الباب الثامن، جلد 5، صفحہ 465، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جب کرایہ رکھنے کے بعد رہن ختم ہو گیا تو اس میں کرایہ کے صحیح ہونے کی شرائط پائی جانا ضروری ہے جیسے پہلا قبضہ ختم کر کے نیا قبضہ، مدت و کرایہ کا طے ہونا۔ صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "قال الاتقانی نقلا عن الاسبیجابی ما نصه وكذالك لو استاجره المرتهن صحت الاجارة ويبطل الرهن اذا جدد القبض للاجارة۔" (یعنی: اتقانی اسبیجابی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں جس پر انہوں نے نص کی، اور اسی طرح اگر مرتہن نے اجارہ پر لے لیا تو اجارہ صحیح ہو جائے گا اور رہن باطل ہو جائے گا جبکہ اجارہ کیلئے نیا قبضہ پایا جائے۔) بلکہ بنظر واقعہ سرے سے رہن ہوا ہی نہیں کہ یہ سب امور عقد رہن کے وقت طے ہوتے ہیں اور راہن کی تمامیت قبضہ سے ہوتی ہے اور جب قبضہ سے قبل عقد اجارہ منعقد ہو گیا تو رہن ہوا ہی نہیں، پھر اگر اجارہ کے ضروریات متحقق ہیں تو صحیح ہو گا ورنہ نہیں، مثلا ایک یہ کہ اسکی مدت معین ہو کہ یہ کھیت اتنی مدت کے لئے لیا، جسکی اجرت یہ ہے اور اس صورت میں اس مدت کے ختم ہونے پر اجارہ بھی ختم ہو جائیگا، ہدایہ میں

ہے :"ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة والمنافع تارة تصیر معلومة بالمدة کاستیجارالدور للسکنی والارضین للزراعة فیصح العقد علی مدة معلومة ای مدة کانت،ملتقطا۔"

(فتاوی امجدیہ ،جلد3 ،صفحہ 338، مکتبہ رضویہ، کراچی)

گروی مکان کوکرایہ پر اس لئے لیا جاتا ہے کہ حرام سے بچا جاسکے،اس لئے کرایہ تھوڑا بھی ہوتو جائز ہے۔اس پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ تھوڑا کرایہ ہونا رہن میں دیئے ہوئے پیسوں کی وجہ سے ہے۔دوسرا یہ کہ جب تک مالک مکان پیسے نہ دے گا مکان چھوڑا نہ جائے گا جیسا کہ یہی اعتراض بیان کرتے ہوئے مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اور ظاہر ہے کہ مدت پوری ہونے پر مالک کو کھیت نہ ملیگا۔جب تک زرِ قرض ادا نہ کرے اور یہ غصب ہے جیسا کہ طحاوی کی عبارت سے معلوم ہوا۔لہٰذا یہ اجارہ بھی درست نہ رہا۔نیز یہاں اجرت مثل نہیں دیجاتی بلکہ صرف اتنا کہ زمیندار گورنمنٹ کو دیا کرتا ہے جسکو مالگذاری کہتے ہیں تو یہ نفع اسی قرض کی بنا پر ہے اگرچہ مذکور نہ ہو کہ'' المعروف کالمشروط۔ ''لہٰذا ناجائز۔''

(فتاوی امجدیہ ،جلد3 ،صفحہ 338، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب رہن ختم ہوگیا،اس عقد کو صراحتا ختم کردیا،کرایہ اور اسکی مدت طے کردی تو یہ ایک نیا عقد ہے اور اس میں کوئی ایسی شرط نہیں پائی جارہی جو عقد کو فاسد کرے۔معمولی اجارہ ہونا اجارہ کو فاسد نہیں کرتا۔اس میں یہ شرط نہیں کہ جب تک پیسے واپس نہیں ملیں گے کرایہ دیتا رہوں گا بلکہ کرایہ کی مدت پوری ہونے کے بعد مرضی ہے چاہے دوبارہ عقد کرلیا جائے۔اب اس میں وہ قباحتیں نہیں جن کا ذکر مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ

اللہ علیہ نے کیا، اس لئے یہ جائز ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمرو کے ہاتھ بعوض سو روپے کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تا واپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیبِ خاطر پسند کر لیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تا واپسی مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا؟'' جواباً فرماتے ہیں: ''اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلا دغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرارداد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرارداد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 645، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہ جواز اسی صورت میں ہے کہ جب مقصود شریعت کی پاسداری ہو حرام سے بچا جائے۔ اگر اجارہ کی شرائط کو مدنظر نہ رکھا، مقصود یہی کہ جب تک پیسے واپس نہیں ملتے تھوڑا سا کرایہ دے کر مکان استعمال کرتے رہیں تو یہ بالکل ناجائز ہے۔ اسی طرح یہ طریقہ ان کے ساتھ کیا جائے جو دین کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، جن جاہلوں کو بوجہ جہالت یہ سمجھ نہ آئے ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کجا اس طرح کے مسئلہ کا ذکر بھی نہ کیا جائے کہ جب اپنی کم عقلی و بے وقوفی کی وجہ سے وہ مقاصد شرع کو سمجھ نہیں پاتے تو چہ مگوئیاں شروع کر دیتے ہیں۔

اسٹام کا خرچہ

سوال: اگر کوئی ادارہ قرض دے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ قرض دیا تو مقروض سے اسی وقت اسٹام لکھوانے کا 200 روپیہ خرچہ لیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

جواب: مذکورہ ادارے کا قرضہ دیتے وقت لکھت پڑت کے نام پر اضافی چارجز لینا ناجائز وسود ہے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کل قرض جر منفعة فھو ربا" ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ، کتاب البیوع ،باب کل قرض ،جلد05،صفحه 80،مکتبه ، ملتان)

اسلام اور جدید بینک کاری نامی کتاب میں ہے: "قرض کے دباؤ کی وجہ سے جس نام پر بھی نفع وصول کیا جائے وہ سود ہی ہوگا کہ لفظ بدل جانے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔" (اسلام اور جدید بینک کاری،صفحه88،مکتبه برکات المدینه ، کراچی)

☆۔۔تیرھواں باب :قرض سے حتی الامکان بچنا۔۔☆

سوال: قرض کے متعلق ایسی ایسی سخت روایتیں ہیں، کیا قرض لینا گناہ ہے؟

جواب: قرض لینا گناہ نہیں۔ البتہ جتنا بچا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "نفس قرض کبیرہ گناہ نہیں ہے۔"

(اشعة اللمعات،باب الافلاس،جلد04،صفحه145،فریدبک سٹال ،لاہور)

سوال: قرض کے نقصانات بھی ہیں یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! قرض کے نقصانات مسلم ہیں۔ بخاری شریف میں ہے "عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه و سلم أخبرته :أن رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم

كان يدعو في الصلاة (اللهم إني أعوذ بك من عذاب القبر وأعوذ بك من فتنة المسيح الدجال وأعوذ بك من فتنة المحيا وفتنة الممات اللهم إني أعوذ بك من المأثم والمغرم)۔فقال له قائل ما أكثر ما تستعيذ من المغرم ؟ فقال (إن الرجل إذا غرم حدث فكذب ووعد فأخلف۔" ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگتے تھے، کہتے تھے الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔ کسی نے عرض کیا: حضور! قرض سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں تو فرمایا کہ آدمی جب مقروض ہوتا ہے بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ، کتاب صفۃ الصلوۃ ،باب الدعاء قبل السلام، جلد1، صفحہ 286 ،بیروت)

سوال: اگر قرض لینا گناہ نہیں تو پھر اس سے بچنے کی اور اس سے پناہ مانگنے کی احادیث میں تعلیم کیوں وارد ہوئی؟

جواب: قرض سے حتی الامکان بچنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ قرض لینا اگرچہ خود گناہ نہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ قرض کئی ایک کبیرہ گناہوں کا سبب ضرور ہے۔ جیسے قرض لینے والے نے گھر پر دستک دی تو بچے سے کہا کہ کہہ دینا ابو گھر نہیں، فون کیا تو فون ریسیو نہ کرنا جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہونا حتی کہ قتل کی نوبت کو پہنچ جانا کہ قرض خواہ مر جائے گا تو قرض ادا نہ کرنا پڑے گا جیسا کہ راقم الحروف کا اس پر مشاہدہ ہے کہ محض قرض کی وجہ سے ایک نوجوان کو بھرے بازار میں قتل کر دیا گیا۔

۔۔۔کتاب الطھارۃ۔۔۔

سوال: نماز کے لئے وضو کرنا ہے۔اور پانی مول بکتا ہے،رقم پاس نہیں ،لیکن قرض دینے والا ہے تو کیا وضوءِ نماز کے واسطے پانی خریدنے کے لئے قرض لینا ضروری ہوگا؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔پہلی صورت یہ ہے کہ فی الحال پیسے پاس نہیں گھر میں ہیں،تو ادھار پانی خریدنا واجب ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ ادھار پانی ملتا نہیں جبکہ قرض ملتا ہے تو پانی خریدنے کے لئے قرض لینا واجب نہیں اگرچہ گھر میں کتنی ہی کثیر رقم پڑی ہو۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں" مال تو رکھتا ہے مگر یہاں نہیں اور بیچنے والا ادھار دینے پر راضی نہیں ہاں راضی ہو تو خریدنا واجب ہے اور اگر کوئی اسے اتنے دام قرض دینا چاہے تو لینا لازم نہیں ،تیمم کرسکتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ،جلد03،صفحہ414،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: ادھار پانی دے تو خریدنا واجب ہے اور قرض لے کر خریدنا واجب نہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ ادھار خریدنے کی صورت میں بیچنے والے کا اس پر دَین ہوگا اور اس کی واپسی کی کوئی نہ کوئی مدت مقرر ہوگی اور بیچنے والا اس مدت سے پہلے اس سے پانی کی قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا جبکہ قرض لے کر خریدنے کی صورت میں قرض خواہ جب

چاہے اس سے مطالبہ کرسکتا ہے اگرچہ اس میں بھی واپسی کی کوئی مدت لگائی گی ہو کہ دَین میں مدت کی پاسداری بائع پر لازم اور قرض میں لازم نہیں ہوتی۔لہٰذا قرض کی صورت میں قرض خواہ اگر وہیں پر اس سے واپسی قرض کا مطالبہ کرے گا تو یہ باعث نزاع و خریدنے والے کو پریشانی و حرج میں مبتلا کرے گا۔دین اور قرض میں فرق پیچھے بیان کردیا گیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں"وقدمنا أنه لو له مال غائب وأمكنه الشراء نسيئة وجب ، بخلاف ما لو وجد من يقرضه ؛ لأن الأجل لازم ولا مطالبة قبل حلوله بخلاف القرض۔"ترجمہ: اگر پیسے پاس نہیں اور ادھار خریدنا ممکن ہے تو ادھار لینا واجب ہے۔بخلاف اس کے کہ کوئی پانی خریدنے کے لئے قرض دے رہا ہو۔اس لئے کہ ادھار صورت میں مقرر کردہ میعاد لازم ہوگی اور اس سے پہلے مطالبہ نہیں ہوسکتا،اور قرض کا حکم اس کے برخلاف ہے۔

(فتاوی شامی، کتاب الطہارۃ،جلد 01،صفحہ 469-70،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: گھر میں وضو کرنے کے لئے پانی نہیں،باہر وضو کرنے جائے گا قرض خواہ پکڑ کر قید کرلے گا،تو کیا تیمم کرنے کی اجازت ہے؟

جواب: جی ہاں!اگر واقعی ایسی صورت حال ہے کہ قرض خواہ باہر وضو کے لئے جانے میں پکڑ کر قید کرے گا تو تیمم کرنے کی جازت ہے۔لیکن یہ غریب محتاج کے واسطے ہے جس کے پاس ابھی قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں۔اگر قرض ادا کرسکتا ہے،جان بوجھ کر تاخیر کررہا ہے تو پھر تیمم کی اجازت نہ ہوگی۔ردالمحتار میں ہے"(قوله أو حبس غريم) بأن كان صاحب الدين عند الماء وخاف المديون المفلس من الحبس بحر، ومفهومه أنه لو لم يكن معسرا لا يجوز؛ لأنه ظالم بالمطل۔"

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ،باب التیمم،جلد 1،صفحہ 444،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

کتاب الصلوۃ

سوال: تنگ دست نماز باجماعت پڑھنے مسجد میں اس وجہ سے نہیں آتا کہ کہیں قرض خواہ پکڑ نہ لے،اس وجہ سے جماعت ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: خالی پکڑے جانے کا اعتبار نہیں ،اگر پتہ ہے کہ پکڑ کر قید کردے گا یعنی کہیں جا کر بند کردے گا یا حوالہ پولیس کردے گا اور یہ ابھی واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،تو جماعت میں شریک نہ ہونے کا گناہ نہیں ملے گا۔احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں"قوله (وحبس معسر) أي لو فاء دين عليه وقيد بالمعسر لأن الموسر لا يعذر في الترك "ترجمہ:ماتن کا کہنا کہ تنگ دست کو قید کرنا یعنی جو اس پر دَین ہے اس کو پورا کرنے کے لئے اور تنگ دست کو قید کردے گا اور مجرد تنگ دست ہونا جماعت کو ترک کرنے کے لئے عذر نہیں ہے۔

(حاشیہ طحطاوی ، كتاب الصلوة،باب الامامة،جلد1،صفحه200،المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق)

سوال: مقروض کو اگر یہ خوف کہ جمعہ پڑھنے جاؤں گا تو قرض خواہ پکڑ کر قید کرادے گا تو جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) اگر مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہے تو جمعہ فرض ہے۔

(2) اور اگر فی الحال قرض ادا کرنے پر قادر نہیں کہ پاس کچھ ہے نہیں،اور معلوم ہو کہ جمعہ کے پڑھنے کے لئے جاؤں گا تو قرض خواہ پکڑ کر قید کرادے گا تو جمعہ فرض نہیں۔درمختار اور ردالمحتار میں ہے"قید میں نہ ہونا مگر جب کسی دَین کی وجہ سے قید کیا گیا اور مالدار ہے یعنی ادا کرنے پر قادر ہے تو اس پر فرض ہے۔درمختار میں ہے"عدم حبس"اس کے

تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "ینبغی تقییدہ بکونہ مظلوما کمدیون معسر ،فلوموسراقادراعلی الاداء حالاوجبت"

(درمختارمعہ ردالمحتار، کتاب الصلوۃ،باب الجمعۃ،جلد3،صفحہ 33،مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: بے نماز بیوی کے مہر کا مقروض ہو کر مرنا بہتر یا اس کے ساتھ رہنا؟

جواب: بے نمازی بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں البتہ بے نمازی، بے پردہ، نافرمان عورت کو طلاق دینا مستحب ہے اور ایسی عورت کے ساتھ رہنے سے اس کے مہر کا مقروض ہو کر مرنا بہتر ہے۔غنیۃ المستملی میں ہے "فی الغنیۃ الزوج لہ ان یضرب زوجتہ علی ترک الصلوۃ وان لم تنتہ عن ترکھا بالضرب یطلقھا ولو لم یکن قادر اعلی مھرھا ولان یلقی اللہ تعالی ومھرھا فی ذمتہ خیرلہ من ان یطأ امرأۃ لاتصلی "ترجمہ: غنیۃ میں ہے کہ بیوی کے نماز ترک کرنے کی وجہ سے شوہر اس کی پٹائی کر سکتا ہے۔پٹائی کے باوجود نماز ترک کرنے کی صورت میں اس کو طلاق دے دے اگرچہ ادائیگی مہر کی قوت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملنا کہ مہر کا بوجھ گردن پر ہو یہ بہتر ہے اس سے کہ ایک بے نمازی عورت سے ہم بستری کرے۔

(غنیۃ المستملی،احکام المساجد،مسائل شتی ،صفحہ 621،سہیل اکیڈمی، لاہور)

سوال: ایک شخص نے اپنی نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی،وصیت کا اصول ہے کہ وہ میت کے تہائی مال میں نافذ ہوتی ہے،اب اس میت کا تہائی مال ایسے لوگوں پر قرض ہے جو تنگ دست ہیں،ابھی ورثاء کو قرض واپس نہیں کر سکتے،تو کیا ورثاء یہ کر سکتے ہیں کہ وہ تہائی مال جو قرض میں ڈوبا ہے ان لوگوں کو معاف کر دیں اس نیت سے کہ میت کی نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے؟

جواب: اس طرح فدیہ ادا نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ مقروض سے وصولی کر کے قبضہ میں لا کر کفارے میں دیں۔ درمختار میں ہے: اوصی لصلواتہ وثلث مالہ دیون علی المعسرین فترکھا الوصی لھم عن الفدیۃ لم تجزہ ولا بد من القبض ثم التصدق علیھم۔ اھ کسی نے اپنی نمازوں کے لئے وصیت کی اس حال میں کہ اس کا ثلث مال تنگ دستوں پر قرض تھا تو وصی نے نمازوں کے فدیہ کے طور پر ان تنگ دستوں کا قرض چھوڑ دیا تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے اس مال پر قبضہ ضروری ہے اس کے بعد ان پر صدقہ کرنا جائز ہوگا اھ (جلد10،فتاوی رضویہ)

کتاب الجنائز

سوال: کئی ایک احادیث میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقروض کا نماز جنازہ نہ پڑھا۔ اسکی وجہ کیا تھی؟

جواب: اس کی وجہ یہ تھی تا کہ لوگ ادائے قرض کی کوشش کریں اور قرضدار نہ مریں۔ اور شاید آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے یہ وجہ بھی ہو کہ کسی کو رحم آجائے اور وہ اس کا قرض ادا کر دے۔

(ملخصاً از فتاوی دیداریہ، باب حدیث، صفحہ 331، مکتبۃ العصر، گجرات)

سوال: ایک شخص مرگیا جس کی قضا نمازیں باقی ہیں اور اس نے وصیت بھی نہیں کی کہ میری ان نمازوں کا فدیہ دینا، یا اس نے وصیت کی کہ میری نمازوں کا فدیہ دینا لیکن اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا جس سے اس کی قضا نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے، تو کیا وارث یا کوئی بھی مسلمان قرض لے کر اس کی نماز کا فدیہ دے سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! قرض لے کر مذکورہ شخص کی نمازوں کا فدیہ دیا جا سکتا ہے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "اسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز، روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث (تہائی) سے بحالت وصیت اس کا فدیہ ادا ہو سکے یا وصیت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں (یعنی جس میں وصیت کی) اس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہو سکتا ہے مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیت فدیہ دیں، فقیر اس سے لے کر پھر وارث کو ہبہ (مالک) کر دے یہ پھر بہ نیت فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کر دے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہو جائے یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔"في الدرلمختار لومات وعليه صلوٰت فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة وكذاحكم الوتروالصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولولم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه الفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم۔" درمختار میں ہے اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے اور اس پر نمازیں ہیں اور وہ اپنے کفارہ کی وصیت کر جاتا ہے تو ہر نماز کے عوض فطرہ کی طرح گندم کا نصف صاع دیا جائیگا۔ وتر اور تراویح کا بھی یہی حکم ہے اور یہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اور اگر میت نے مال ہی نہیں چھوڑا تو وارث نصف صاع قرض لے کر کسی فقیر کو دے اور پھر فقیر نصف وارث کو دے، اسی طرح دیتے رہیں یہاں تک کہ تمام نمازوں کا عوض ہو جائے۔

نوٹ:

اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا یعنی کلام الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے، تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی طرح قیمت معتبر ہوگی اور جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکر ادا ہوگا۔ وھذا ظاھر جدا (یہ نہایت ہی واضح ہے۔) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 08، صفحہ 167، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: رقم نہ ہونے کی صورت میں وارث پر میت کے نماز و روزہ کے فدیہ کی ادائیگی کے لئے قرض لینا لازم ہے یا نہیں؟

جواب: مال نہیں تو میت کا فدیہ ادا کرنے کے لئے قرض لینا ضروری نہیں۔

سوال: مقروض شخص مرا، اسے دفن کیا۔ ایک دو دن کے اندر اندر اس کا کفن چوری ہو گیا۔ ترکہ تمام قرض خواہوں کو دے چکے ہیں۔ کیا قرض خواہوں سے کفن کی خریدنے کی رقم کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو حکم یہ ہے کہ اگر ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوا ہے تو ان سے دوسرا کفن دینے کی قیمت واپس لی جائے۔ قرض خواہوں اور وصیوں سے نہیں لے سکتے۔ اور اگر میت کا مال ہی اتنا تھا کہ تمام کا تمام قرض میں گرا ہوا تھا تو اب اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) اگر قرض خواہوں کو ابھی نہیں دیا تو اب اس رقم سے کفن خرید سکتے ہیں اور جو بچے وہ قرض خواہوں میں حصہ رسد تقسیم کیا جائے گا۔

(2) اور اگر قرض خواہوں کو دیا جا چکا ہے اور ان کے قبضہ میں آ چکا ہے تو اب کفن کی خریداری کے لئے ان سے زبردستی مال واپس نہیں لیا جا سکتا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "وان

سرق كفنه وهو طري كفن كفنا ثانيا من ماله فإن قسم فعلى الورثة دون الغرماء وأصحاب الوصايا ولو لم تفضل التركة من الدين فإن لم يقبض الغرماء ديونهم بدء بالكفن وإن قبضوا لا يسترد منهم شيء۔"

(فتاوی ہندیہ ، کتاب الصلوۃ،الباب الحادی والعشرون،جلد1،صفحہ 161 ، بیروت)

فوت شدگان کے قرض سے متعلق مسائل کا بیان

سوال: میت پر قرض ہوتو ادائیگی کب تک کرسکتے ہیں؟

جواب: میت کے قرض سے متعلق حکم ہے کہ فوراً سے پہلے ادا کردیں۔بالکل تاخیر نہ کریں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم،قال نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه" یعنی جب تک میت کا قرض نہ اتارا جائے ،اس کی روح معلق رہتی ہے۔

(جامع الترمذی،ابواب الجنائز،باب نفس المومن معلقۃ، جلد 03، صفحہ 389 ، بیروت)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں"(نفس المومن):أي روحه (معلقة بدينه):أي محبوسة بسببه (حتى يقضى عنه):بالبناء للمجهول والمعنى أنه لا يظفر بمقصوده من دخول الجنة، أو من المرتبة العالية، أو في زمرة عباد الله الصالحين۔ويؤيده الحديث الآتي:يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة أو لا تجد روحه اللذة ما دام عليه الدين۔" یعنی مومن کی روح قرض کے سبب قید میں ہوتی ہے حتی کہ وہ قرض ادا کردے یعنی روح اپنے مقصد کو پانے میں ناکام رہتی ہے یعنی داخل جنت نہیں ہوتی یا پھر مطلب یہ کہ داخل جنت ہوجاتی ہے مگر جنت میں عالی مرتبہ سے محروم رہتی ہے یا پھراس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے نیک

بندوں میں اس کا شمار نہیں ہوتا اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کرے گی یا جب تک اس پر قرض باقی ہے اس کی روح بے سکون رہے گی۔(مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الافلاس ۔جلد5، صفحہ 1959، دارالفکر، بیروت)

سوال: جلدی کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فرض، واجب، سنت یا مستحب؟

جواب: میت کے ادائیگی قرض میں جلدی کرنا صرف مستحب ہے۔امام ابوبکر بن علی بن محمد فرماتے ہیں "ویستحب ایضاأن یسارع الی قضاء دیونه وابراء ه منه لان نفس المیت معلقة بدینه ،حتی یقضی عنه۔" یعنی مستحب ہے کہ میت کے قرض کو ادا کرنے میں جلدی کی جائے۔ورنہ عدم ادائیگی تک اس کی روح معلق رہتی ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز ،جلد01، صفحہ 253، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

سوال: میت کے بہت سارے قرض خواہ ہوں تو قرضہ کی تقسیم کاری کا طریقہ کیا ہو گا؟

جواب: قرض دو حال سے خالی نہ ہوگا کہ ایک شخص کا ہوگا یا ایک سے زیادہ کا اگر ایک کا ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں:۔

(1) وہ قرض میت کے مال سے ادا ہو جائے گا۔

(2) پورا ادا نہیں ہوگا۔

اگر ہو جائے تو فبھا، یعنی بہت اچھی بات کہ بھار سر سے اترا اور اگر نہیں تو صاحب حق یعنی قرضخواہ کی مرضی ہے چاہے تو معاف کر دے ورنہ آخرت کے لئے معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔اور اگر میت پر قرضہ ایک سے زیادہ افراد کا ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہ ہوگا:۔

(1) سب اولویت میں متفرق ہوں گے

(2) یا متفق (اولویت سے مراد کہ ان کے میت پر قرض ہونے کا ثبوت سب کا ایک جیسا ہے یا ایک جیسا نہیں۔) اگر متفرق ہوں مثلاً کسی کا حق حقیقتاً ثابت ہو (حقیقتاً ثبوت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قرض خواہ کے پاس گواہ ہیں کہ میت پر اس کا قرض واجب الادا ہے۔ یا تندرستی کی حالت میں میت نے خود کہا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے یا میت نے زمانہ مرض میں اقرار کیا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے اور وہ معاینہ سے ثابت ہو جائے ان سب صورتوں کو حقیقت میں ثابت ہونا کہتے ہیں۔) اور کسی کا حکماً ثابت ہو (مثلاً زمانہ مرض میں میت نے کہا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہ ہو۔) اب جو حق 170 ، بت ہے وہ مقدم ہوگا یعنی اس کو حکماً ثابت ہونے والے قرض سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ اور اگر سب کے قرضے حقیقتاً ثابت ہوں یا سب کے حکماً ثابت ہوں تو پھر ادائیگی قرضہ جات کا طریقہ یہ ہوگا کہ قرض خواہوں کو تناسب (فیصد) کے اعتبار سے دیا جائے گا جس کا قرض زیادہ ہوگا اس کو زیادہ جس کا کم اسے کم۔ مثلاً میت کا ترکہ دو سو روپیہ ہے اور قرض خواہ تین ہیں جن میں ایک کا قرضہ دس ہزار دوسرے کا چھ ہزار اور تیسرے کا چار ہزار ہے تو دس ہزار والے کو سو روپیہ چھ والے کو ساٹھ اور چار والے کو چالیس روپے ملیں گے۔

(ماخوذ از رفیق الوراثت، صفحہ 53-52، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

سوال: بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ مقروض جس کا چاہے پہلے قرض ادا کرے اس کی مرضی ہے اور بعض جگہ لکھا ہوتا کہ مقروض کا مال قرض خواہوں میں تناسب سے ادا ہوگا یعنی جس

(1) سب اولویت میں متفرق ہوں گے

(2) یا متفق (اولویت سے مراد کہ ان کے میت پر قرض ہونے کا ثبوت سب کا ایک جیسا ہے یا ایک جیسا نہیں۔) اگر متفرق ہوں مثلاً کسی کا حق حقیقتاً ثابت ہو (حقیقتاً ثبوت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قرض خواہ کے پاس گواہ ہیں کہ میت پر اس کا قرض واجب الادا ہے۔ یا تندرستی کی حالت میں میت نے خود کہا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے یا میت نے زمانہ مرض میں اقرار کیا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے اور وہ معاینہ سے ثابت ہو جائے ان سب صورتوں کو حقیقت میں ثابت ہونا کہتے ہیں۔) اور کسی کا حکماً ثابت ہو (مثلاً زمانہ مرض میں میت نے کہا تھا کہ میں نے فلاں کا قرض دینا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہ ہو۔) اب جو حق حقیقتاً ثابت ہے وہ مقدم ہوگا یعنی اس کو حکماً ثابت ہونے والے قرض سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ اور اگر سب کے قرضے حقیقتاً ثابت ہوں یا سب کے حکماً ثابت ہوں تو پھر ادائیگی قرضہ جات کا طریقہ یہ ہوگا کہ قرض خواہوں کو تناسب (فیصد) کے اعتبار سے دیا جائے گا جس کا قرض زیادہ ہوگا اس کو زیادہ جس کا کم اسے کم۔ مثلاً میت کا ترکہ دو سو روپیہ ہے اور قرض خواہ تین ہیں جن میں ایک کا قرضہ دس ہزار دوسرے کا چھ ہزار اور تیسرے کا چار ہزار ہے تو دس ہزار والے کو سو روپیہ چھ والے کو ساٹھ اور چار والے کو چالیس روپے ملیں گے۔

(ماخوذ از رفیق الوراثت، صفحہ 53-52، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

سوال: بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ مقروض جس کا چاہے پہلے قرض ادا کرے اس کی مرضی ہے اور بعض جگہ لکھا ہوتا کہ مقروض کا مال قرض خواہوں میں تناسب سے ادا ہوگا یعنی جس

کا جس قدر قرض اسی فیصد کے اعتبار سے قرض ادا کیا جائے گا کچھ اس کی وضاحت بھی کریں۔

جواب: جب مقروض خود موجود ہے تو اس کی مرضی ہے جسے چاہے پہلے قرض واپس کرے اور جب مقروض فوت ہوگیا یا غائب ہوگیا تو اب حکم ہوتا ہے کہ سب کا قرض ادا کرنے کے لئے مال نہیں تو اب بقدر حصہ یعنی جتنا قرض ہے اُسی فیصد سے سب کو ادائیگی ہوگی۔ ہندیہ میں ہے" قال :إذا كان المديون حاضرا، فإنه يقضي ديونه بنفسه وله أن يقدم البعض على البعض في القضاء ويؤثر البعض على البعض، وإن كان المديون غائبا والديون ثابتة عند القاضي يقسم المال بين الغرماء بالحصص، كذا في العيني شرح الهداية."

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحجر، الباب الثالث، جلد5، صفحہ 63، دار الفکر، بیروت)

سوال: مقروض کے مرجانے سے قرض (دین) کی ادائیگی کی مدت برقرار رہتی ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض کے مرنے سے قرض ادا کرنے کی مدت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ موت مدت کو باطل کر دیتی ہے اور اس کے ترکہ سے فی الفور ادا کیا جائے۔ البدائع الصنائع میں ہے"والأصل في هذا أن موت من عليه الدين يبطل الأجل "ترجمہ: قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مقروض مرجائے تو دین کی مدت ختم ہوجاتی ہے۔

(بدائع ، کتاب البیوع، فصل فی الشرط الذی یرجع، جلد04، صفحہ449، کوئٹہ)

سوال: میت مقروض ہو تو دین (قرض) کی مدت ختم ہوجاتی ہے اور فی الفور اس کے مال سے ادائیگی قرض کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور اگر صورت حال اس کے خلاف ہو یعنی مرنے

والے کے لوگوں پر (دیون) قرض ہوں تو لوگوں کا کیا حکم ہوگا کہ فی الفور ادا کریں یا جو مدت متعین ہے اسی پر ادا کرنے کا انہیں حق ہوگا؟

جواب: جی ہاں! میت پر دین (قرض) ہو تو موت سے ان کی مدت ختم ہو جائے گی اور اس کے ترکہ سے فوراً قرضہ ادا کیا جائے گا لیکن اگر کچھ لوگ مرنے والے کے مدیون (مقروض) ہوں تو انہیں فی الفور ادائیگی کا حکم نہیں دیا جائے بلکہ وہ مقررہ مدت تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ امام نیشاپوری کی کتاب "الاجماع" میں ہے "واجمعوا علی ان دیون المیت علی الناس الی اجل لاتحل بموته وھی الی اجلھا۔" ترجمہ: لوگوں پر جو میت کے دیون ہوں، موت کی وجہ سے ان کی مدت ختم نہ ہوگی بلکہ برقرار رہے گی۔

(الاجماع، کتاب الحواله والکفالة، مکتبة الفرقان، دولة الامارات العربية المتحدة)

سوال: میت نے کسی سے قرض لینا ہے وہ کون لے؟ اور کیا قرض خواہ میت کے مقروض سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

جواب: اصول یہ ہے کہ میت نے اگر کسی سے قرض لینا تھا تو اب اس کو وصول کرنے کا اختیار میت کے وارث یا جس کو میت نے وصول کرنے کا کہا تھا یعنی وصی: وہ کر سکتا ہے دوسرا کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر قاضی کے پاس یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں نے میت کا قرض دینا ہے اور میت کا مقروض بھی اقرار کر لے تو اب قاضی اس کو کہے گا کہ جس نے میت سے قرض لینا تھا تم اس کو دے دو۔ المختصر جس نے میت سے پیسے لینے تھے وہ میت کے مقروض سے خود مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اب جبکہ قاضی نہیں تو شہر کے بڑے مفتی کے ہاں ثابت ہو جائے تو بھی شرعاً اس کی گنجائش ہے۔ ہندیہ میں ہے "لو اقام البینة علی مدیون مدیونه لاتقبل ولا یملك اخذ الدین منه اما اذا ثبت الدین فی ترکته عند القاضی

واقر رجل عند القاضی ان للمیت علیه دینا قدرہ کذا یأمرہ بالدفع الی رب الدین۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الدعوی، الباب الثانی عشر، جلد4، صفحہ108، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: قرض خواہ مرگیا، اس کا کوئی وارث بھی نہ ہو مقروض کیسے قرض واپس کرے؟

جواب: قرض خواہ مرگیا اور نہ ہی اس کا کوئی وارث بچا تو مقروض فقراء و مساکین کو اتنی رقم دے اور نیت قرض خواہ کی طرف سے صدقہ کی کرے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "اگر کوئی وارث نہ ہو تو یہ مال حق بیت المال ہے اور چونکہ بیت المال یہاں نہیں۔ لہٰذا فقراء و مساکین پر اس کی طرف سے تصدق کردیا جائے۔"

(فتاوی امجدیہ، جلد03، صفحہ200، مکتبہ رضویہ، کراچی)

(فتاوی فقیہ ملت، باب القرض، جلد02، صفحہ201، شبیر برادرز، لاہور)

سوال: جب قرض خواہ بہت زیادہ ہوں اور قرض ساری جائیداد سے زیادہ ہو، اب اگر کوئی قرض خواہ مرنے والے مقروض کی کسی معین شے کو لے لے اور کہے: میں اس کو اپنے قرض کے عوض میں لیتا ہوں خواہ اس نے جتنا قرض لینا ہے اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو یا کم۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر تمام قرض خواہ راضی ہوں تو جائز ہے۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں تخارج یا تصالح کہتے ہیں۔ یعنی کسی شے پر صلح کرلینا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وارثوں میں کوئی یا قرض خواہوں میں سے کوئی تقسیم ترکہ سے پہلے میت کے مال میں سے کسی معین چیز کو لینا چاہے اور اس کے عوض اپنے حق سے دستبردار ہو جائے خواہ وہ حق اس چیز سے زائد ہو یا کم اور اس پر تمام ورثہ یا قرض خواہ متفق ہو جائیں تو اس کا نام فقہ کی

اصطلاح میں تخارج یا تصالح ہے۔اس صورت میں طریق تقسیم یہ ہے کہ اس شخص کے حصہ کو تصحیح سے خارج کر کے باقی مال تقسیم کر دیا جائے۔شریفیہ میں ہے:"من صالح علی شی معلوم من الترکۃ فاطرح سہامہ من التصحیح۔"

(شریفیہ شرح سراجی،فصل فی التخارج،صفحہ73،مکتبہ حنفیہ،کوئٹہ)

سوال: اگر مرنے والا پانچ لاکھ روپے کی جائیداد چھوڑ کر مرے لیکن قرض اس پر دس لاکھ ہو اور کئی افراد کا ہو،کسی کا کم کسی کا زیادہ،تو اب قرض کس طرح تقسیم کیا جائے،ایک ہی کا سارا دیں یا سب کو دیا جائے،سب کو دیں تو کتنا کتنا دیں؟

جواب: بہار شریعت میں ہے:اگر میت کا مال اتنا ہے کہ ہر قرض خواہ کو اس کا پورا پورا حق مل سکتا ہے جب تو ظاہر ہے کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔لیکن اگر صورت یہ ہو کہ قرض خواہ زائد ہیں اور ترکہ (مال) کم ہے اب کسی ایک کو پورا ادا کرنا اور باقی کو کم دینا انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔اس لئے ایک ایسا طریقہ وضع کیا گیا ہے کہ ہر قرض خواہ کو انصاف سے مل جائے اور وہ یہ کہ ہر قرض خواہ کا دَین بمنزلہ سہم کے تصور کیا جائے اور تمام قرض خواہوں کے قرض کا مجموعہ بمنزلہ تصحیح یعنی مخرج مسئلہ کے تصور کیا جائے اور پھر وہی عمل کیا جائے جو تقسیم ترکہ میں ہوتا ہے۔مثلاً:ایک شخص مر گیا اور ترکہ 9 روپے چھوڑا جب کہ اس پر ایک شخص کے 10 روپے تھے۔دوسرے کے 05 تو مجموعی طور پر قرض 15 روپے ہوا۔اس کو بمنزلہ مخرج مسئلہ کے کیا،اور 9۔15 میں توافق بالثلث ہے۔اب ہم نے دس والے کو (جو ایک شخص کا قرض تھا) 03 میں (جو وفق ترکہ ہے) ضرب دی تو حاصل تیس آیا اب اس حاصل کو وفق تصحیح (05) پر تقسیم کیا تو خارج دس والے کا حصہ قرار پایا اور وہ 06 ہے۔"

(بہارِ شریعت، وصیت کا بیان، قرض خواہوں میں مال کی تقسیم، حصہ20، صفحہ280، مکتبہ رضویہ، کراچی)

یہ صورت عوام کے لئے ذرا مشکل ہے درپیش ہو تو علماء اہلسنت سے رابطہ کیا جائے۔

سوال: زید نے کسی شخص کو قرض دیا بعد میں انتقال کر گیا۔ آخر دم تک اپنے ورثاء سے ناراض رہا اسی وجہ سے اپنی جائیداد کا کسی دوسرے کو مالک بنا گیا۔ اب وہ مقروض شخص زید کے وراثین کو قرض واپس دے یا اس شخص کو جس کو زید اپنی جائیداد دے کر مرا؟

جواب: قرض خواہ مرجائے تو قرض اس کے ورثاء کو واپس کیا جائے گا میت ورثاء سے راضی ہو یا نہ ہو۔ (فتاوی فیض الرسول، جلد02، صفحہ763، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور)

سوال: جو اپنے وطن سے دور تھا اس نے وہاں قرض لیا اور گھر آتے ہی مر گیا۔ اب اس قرض کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی جبکہ گھر والوں کو قرض خواہ کا نام و پتہ بھی معلوم نہیں؟

جواب: ورثاء پر لازم ہے جن سے قرض لیا تھا ہر ممکن کوشش سے ان تک پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ کسی اور مصرف میں خرچ نہیں کیا جاسکتا جس طرح ممکن ہو ان کا پتہ معلوم کریں۔ جہاں کے قرض خواہ رہنے والے ہوں، وہاں کے آنے جانے والوں سے یا جو لوگ اس جگہ پر ان کے جاننے والے ہوں ان کے ذریعہ معلوم کرائیں، خط و کتاب حتی کہ اخبار و ٹی وی وغیرہ پر خبر دے کر پتہ کریں، الختصر جو ممکن کوشش ہو، اسے اختیار کریں۔ اور جب تک ان کے پتہ چلنے کی امید باقی رہے کوشش جاری رکھیں۔ جب امید ختم ہو جائے تو اب ان کی طرف سے صدقہ کر دیں کہ ان کو ثواب پہنچ جائے۔

(فتاوی مصطفویہ، باب القرض، صفحہ428، شبیر برادرز، لاہور)

سوال: میت پر قرض ہو تو کیا قرض خواہ کفن کفایت سے منع کر سکتا ہے؟

جواب: میت پر کتنا ہی قرض ہو کفن کفایت سے منع نہیں کیا جاسکتا البتہ کفن کفایت سے

زیادت ہو تو منع کرسکتا ہے۔صدرالشریعہ بدرالطریقہ محسن اہلسنت مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مدیون ہے تو قرض خواہ کفن کفایت سے زیادہ کو منع کرسکتا ہے۔۔۔مگر ممانعت کا اس وقت حق ہے جب وہ تمام مال دین میں مستغرق ہو۔''

(بہارشریعت، کفن کا بیان، حصہ 04، صفحہ 819، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔کفن کے تین درجے ہیں۔

(1)ضرورت (2) کفایت (3) سنت

مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں۔

(1)لفافہ (2)اِزار (3)قمیص

اور عورت کے لئے پانچ۔

تین یہ ہیں (4)اوڑھنی (5) سینہ بند

کفنِ کفایت مرد کے لئے دو کپڑے ہیں۔

(1)لفافہ (2)اِزار

اور عورت کے لئے۔

(1)لفافہ (2)اِزار (3)اوڑھنی یا

(1)لفافہ (2)قمیص (3)اوڑھنی۔کفن ضرورت دونوں کے لئے یہ کہ جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تو ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے۔

سوال: مرض الموت میں ورثاء کی اجازت کے بغیر قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: مرض الموت میں قرض دینا جائز ہے۔"التصرف فی ملکه مباح له مطلقا "

(المبسوط، کتاب الدیات، باب النہر، جلد 27، صفحہ 26، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: جنازہ یا تدفین کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ جس نے میت سے کچھ لینا تھا وہ

سامنے آجائے یا بعد میں ہم سے ملاقات کر لے اور اپنا حق لے جائے اس اعلان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: جائز بلکہ مستحب ہے کہ میت کے ساتھ خیر خواہی ہے کہ جب تک قرض ادا نہ ہو میت اپنے دین کے ساتھ معلق رہتی ہے لہذا جتنی جلدی ہو سکے اس کا قرض ادا کرنا چاہیے۔ اگر یہ اعلان اور ادائیگی قرض تدفین سے قبل ہو تو اور زیادہ اچھا ہے۔ ریاض الصالحین میں ہے "عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے جب تک اس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

(ریاض الصالحین ،باب تعجیل قضاء الدین،جلد02،صفحہ30،الفاروق فاؤنڈیشن،لاہور)

نیز اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ بعد موت وراثت کی تقسیم سے قبل معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی قرض خواہ ہے یا نہیں اور تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ قرض خواہ سمجھتا ہے کہ میرا مقروض مر گیا اب میں قرضہ کس سے وصول کروں گا تو اعلان کی وجہ سے اس کو ایک امید بندھ جائے گی کہ میرا قرض ڈوبے گا نہیں۔

---کتاب الزکوۃ---

سوال: قرض کے روپیہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً آپ نے کسی کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیا ہوا ہے۔اس کی زکوۃ کا حکم کیا ہے؟

جواب: قرض میں دیے ہوئے مال پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے۔الآثار لابی یوسف میں ہے"قال ثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفة عن الهیثم عن ابن سیرین عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه انه قال فی الرجل یکون له الدین فیقبضه قال یزکیه لما کان مضی "ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی آپ نے ایسے شخص کے بارے ارشاد فرمایا جس کا لوگوں پر قرض تھا،آپ نے فرمایا جب قبضہ کرلے تو اس کی پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرے۔

اسی میں ہے" قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم فی الرجل یکون له الدین قال زکاته علیه۔"

(الآثار لابی یوسف،باب الزکاۃ،جلد1،صفحہ 56،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

سیدی امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں"جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوۃ لازم ہے۔"

(فتاوی رضویہ،جلد10،صفحہ167،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: جو مال کس کو قرض دیا ہوا ہے،اس پر زکوۃ کے تفصیلی احکام بیان کردیں۔

جواب: پہلے تو یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قرض کی تین اقسام ہیں:۔

(1) قرض قوی:

وہ قرض ہے جسے عرف میں دست گردان کہتے ہیں۔اس کی آسان فہم مثال کہ جیسے آپ کسی کو ہزار روپے قرض دیں۔اوراس کودست گردان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ جب چاہیں مقروض سے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے میرا قرض لوٹا دو۔

قرض قوی کی امثلہ:

تجارتی مال کا ثمن یہ بھی قرض قوی کہلاتا ہے۔اس کی مثال جیسے آپ نے کسی کوموبائل بیچااس کی رقم جوآپ نے لینی ہے وہ بھی قرض قوی ہے۔تجارتی مال کا کرایہ وغیرہ۔جیسے آپ نے مکان یاکوئی بھی شے تجارت یعنی آگے بیچنے کی نیت سے خریدی ،گاڑی ہوخواہ مکان وپلاٹ۔ان کوکرایہ پر دیا ہے،اس کا کرایہ جوآپ نے کسی سے لینا ہے وہ بھی قرض قوی ہے۔

قرض قوی میں زکوۃ کی ادائیگی کاوقت

قرض قوی میں زکوۃ کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جب کم ازکم نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوگا۔اس کو یوں سمجھئے کہ مثال کے طور پر 25000 ہزار زکوۃ کا نصاب ہے کہ جس کے پاس اتنی رقم ہے اس پرزکوۃ واجب ہورہی ہے اورآپ سے کسی نے پچیس ہزار قرض لیا ہوا ہے۔تواس پچیس ہزار کی زکوۃ اس وقت دینی لازم ہوگی جب آپ کونصاب کاخمس یعنی پانچواں حصہ جوکہ 5000 ہے،مقروض لوٹا دے تواس پانچ ہزار کی زکوۃ آپ پر فی الفورادا کرنالازم ہوگی۔پھر باقی 20000 بچااب جب اس کاخمس جوکہ 4000 ہے وہ ملے گا توزکوۃ فی الفورادا کرنالازم ہوجائے گا۔وعلی ھذا القیاس۔یعنی اسی طریقے پر ہی عمل آگے چلتا جائے گا۔

(2) متوسط:

وہ قرض جو کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو۔

قرض متوسط کی امثلہ:

گھر کا غلہ یعنی اپنے استعمال کے لئے گندم یا چاول یا آٹا یا اپنی استعمال کی گاڑی یا اور کوئی شے حاجتِ اصلیہ کی بیچ ڈالی اور رقم ابھی خریدار پر باقی ہے۔اس نے کہا بعد میں دے دوں گا۔اس صورت میں زکوۃ دینا اس وقت لازم آئے گا کہ جب پورے زکوۃ کے نصاب پر قبضہ کر لے۔مثلاً 25000 ہزار زکوۃ کا نصاب ہے اور 50000 ہزار کی اپنے استعمال کی کسی کو موٹر سائیکل بیچی ہے۔اب اس پچاس ہزار کی زکوۃ سال گزرنے پر واجب ہو جائے گی۔لیکن ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب پورے نصاب یعنی پچیس ہزار پر قبضہ کر لے۔قوی اور متوسط کا حکم یہ ہے کہ ان میں سال بسال زکوۃ واجب ہوتی رہے گی۔

(3) ضعیف

جو کسی مال کا بدل نہ ہو۔

قرض ضعیف کی امثلہ

عورت کا مہر جو شوہر کے ذمہ ہے۔اسی طرح کوئی مکان یا گاڑی ہے جسے تجارت (بیچنے) کی نیت سے خریدا نہ تھا اس کو کرایہ پر دیا اور کرایہ دار پر اس کا بہت سارا کرایہ چڑھ گیا۔اسے دین ضعیف کہتے ہیں۔دین ضعیف میں زکوۃ واجب اس وقت ہوگی کہ پورے زکوۃ کے نصاب پر قبضہ کر لے۔اور قبضہ کے دن سے ایک سال گزر جائے پھر زکوۃ واجب ہوگی۔اور اگر ابھی تک وہ رقم دے ہی نہیں رہا تو زکوۃ اصلا واجب نہ ہوگی اگرچہ دس برس

گزر جائیں جب قبضہ میں آئے گا تو زکوۃ میں محسوب ہوگا۔

تینوں کے احکام میں فرق

دین قوی و متوسط میں زکوۃ واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ کہ دین قوی و متوسط اگرچہ ملا نہ ہو ان کی زکوۃ واجب ہوتی رہتی ہے حتی کہ اگر دس سال بعد ملا تو ان دس سالوں کی زکوۃ دینی ہوگی۔

دین قوی اور متوسط کی زکوۃ کی ادائیگی میں فرق

ان کی ادائیگی میں فرق یہ ہے کہ دین قوی میں اگر نصاب کا اوپر بیان کردہ کے مطابق خمس یعنی پانچواں حصہ وصول ہو گیا تو اس کی زکوۃ دینی لازم ہوگی۔ جبکہ متوسط میں جب پورے نصاب زکوۃ پر قبضہ ہو جائے تو زکوۃ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (پورا قرض ملنا شرط نہیں۔)

دین ضعیف کا قوی و متوسط دونوں سے حکم میں فرق

دین ضعیف میں اگر دس سال قرض نہ ملا تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ جبکہ اُن دونوں میں ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ ضعیف میں تو جب پورے نصاب پر قبضہ ہو جائے اور پھر جس دن قبضہ کیا ہے اس کے بعد پورا سال گزرے پھر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ **تنبیہ:** اوپر بیان ہوا کہ دین قوی و متوسط وصول نہ ہو پھر بھی ان پر زکوۃ واجب ہوتی رہتی ہے حتی کہ اگر دس برس بعد ملا تو دس سال کی زکوۃ واجب الاداء ہوگی۔

کئی سالوں کی زکوۃ کی ادائیگی کے حساب کا طریقہ

اس میں یہ یاد رہے کہ اگر بہت سارے سالوں کی زکوۃ واجب ہوئی ہے تو ہر سال

کی زکوۃ کی رقم نکالنے کے بعد اگلی رقم کا حساب کیا جائے۔مثلاً لاکھ روپیہ قرض دیا ہوا تھا۔ پانچ سال بعد ملا۔اب اس پر زکوۃ پانچ سال کی ادا کرنا فرض ہے۔ایک لاکھ کی زکوۃ 2500روپیہ بنتی ہے۔2500 پہلے سال کی زکوۃ بنی اس کو نکالا۔اب دوسرے سال کی زکوۃ کیا بنتی ہے اس کا حساب پھر لاکھ سے نہیں بلکہ جو زکوۃ بنی اس کو نکال کر جو رقم بچے اس سے،اسی طرح تیسرے سال کی زکوۃ۔۔۔وعلی ھذا القیاس۔قرض پر زکوۃ کے مسائل بیان کرتے ہوئے الشیخ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشا فرماتے ہیں"(و)اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة:قوي، ومتوسط ، وضعيف ؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول ، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و)عند قبض(مائتين منه لغيرها)أي من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض في الأصح ، ومثله ما لو ورث دينا على رجل (و) عند قبض (مائتين مع حولان الحول بعده) أي بعد القبض (من) دين ضعيف وهو (بدل غير مال) كمهر ودية وبدل كتابة وخلع ، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف كما مر ۔"وتسقط) الزكاة (عن موهوب له في) نصاب (مرجوع فيه مطلقا) سواء رجع بقضاء أو غيره (بعد الحول) لورود الاستحقاق على عين الموهوب ، ولذا لا رجوع بعد هلاكه قيد به لأنه لا زكاة على الواهب اتفاقا۔"یعنی قرض کی تین اقسام ہیں:۔(1) قوی (2) متوسط (3)ضعیف،قوی وہ قرض ہے جسے عرف میں دست گردان

کہتے ہیں یا تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ وغیرہ، دوم متوسط جو کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، تیسرا ضعیف جو کسی مال کا بدل نہ ہو جیسے عورت کا مہر۔قوی اور متوسط کا حکم یہ ہے کہ ان میں سال بسال زکوۃ واجب ہوتی رہے گی، البتہ قوی میں زکوۃ کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جب کم ازکم نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوگا جبکہ متوسط میں زکوۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب ایک کامل نصاب وصول ہوگا، رہا ضعیف تو جب تک وصول نہ ہو اصلا زکوۃ واجب نہ ہوگی اگرچہ دس برس گزر جائیں جب قبضہ میں آئے گا تو زکوۃ میں محسوب ہوگا کہ اگر اس کے پاس پہلے سے اتنی رقم تھی جس پر زکوۃ واجب تھی اور یہ بھی وصول ہوگیا تو اس کو اس جاری سال کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اگر پہلے یہ مالک نصاب نہ تھا اور جو قرض ضعیف وصول ہوا بقدر نصاب ہے تو آج سے ہی اس پر سال شروع ہوا اور سال تمام پر اس کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگی۔ (درمختار، کتاب الزکاۃ، جلد3، صفحہ 281-82، مطبوعہ کوئٹہ)

سوال: قرض مردہ کیا ہوتا ہے اور اس پر زکوۃ کا حکم کیا ہے؟

جواب: جس قرض کے واپس ملنے کی امید باقی نہ رہے اسے مردہ قرض کہتے ہیں۔اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوۃ نہیں۔" اسی سے متصل لکھتے ہیں "درمختار میں ہے: الاصل فیہ حدیث علی، لا زکوٰۃ فی مال الضمار وھو مالا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملك۔ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ترجمہ: اس میں اصل علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ مالِ ضمار پر زکوۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔" (فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ 143، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہندیہ میں ہے "ومن مال الضمار الدین المجحود والمغصوب إذا لم

یکن علیھما بینۃ" ترجمہ: قرض مردہ پر جب گواہ نہ ہوں جو قرض کو ثابت کریں تو زکوۃ واجب نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 1، صفحہ 174، بیروت)

سوال: زکوۃ دیتے ہوئے نیت زکوۃ دینے کی کی۔ لیکن زبان سے کہا یہ قرض لے لو۔ کیا حکم ہے؟ قرض کہنے کی وجہ سے بعد میں یہ رقم واپس لے سکتا ہے؟

جواب: ہرگز واپس نہیں لے سکتا کہ جب دیتے ہوئے نیت زکوۃ کی تھی وہ زکوۃ ہی ادا ہوئی اور زکوۃ دے کر بعد میں واپس نہیں لی جا سکتی۔ یعنی دیتے وقت نیت زکوۃ کی تھی لیکن زبان سے قرض کہا تو وہ زکوۃ ہی شمار ہوگی۔ امام اجل سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں "قال الفقھاء فیمن دفع الزکاۃ لفقیر و سماھا قرضا صح لان العبرۃ بالمعنی لا باللفظ" ترجمہ: فقہاء ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی فقیر شرعی کو رقم زکوۃ کی نیت سے قرض کہہ کر دی تو زکوۃ ادا ہو گئی۔ کیونکہ اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔

(الحدیقۃ الندیۃ، الفصل الثامن والاربعون، جلد 02، صفحہ 151، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

سوال: جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو (یعنی اس کے سارے مال سے زائد ہو) اس پر زکوۃ، قربانی، اور فطرہ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: جس پر اتنا قرض ہو کہ قرض ادا کرے تو پاس بقدر نصاب مال نہ بچے تو اس پر زکوۃ وغیرہ کچھ واجب نہیں۔

سوال: مقروض کہتا ہے کہ میں نے کوئی قرض نہیں دینا حالانکہ حقیقت میں اس نے دینا ہے۔ قرض خواہ کے پاس گواہ ہیں۔ لیکن گواہ عادل نہیں تو کیا اب قرض خواہ پر اس قرض کی زکوۃ واجب ہوگی؟

جواب: جی ہاں! اب اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔ ہندیہ میں ہے "وإن كان الدين على جاحد وعليه بينة غير عادلة قيل لا تجب والصحيح أنها تجب" مقروض قرض سے انکاری ہے جبکہ قرض خواہ کے پاس گواہ ہیں مگر عادل گواہ نہیں تو صحیح مسئلہ یہی ہے کہ قرض خواہ پر اس قرض کی زکوۃ واجب ہوگی۔

(ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الاول، جلد 01، صفحہ 174، دار الفکر، بیروت)

سوال: قرض خواہ کے پاس قرض کے لین دین کے گواہ نہیں تھے جس کی وجہ سے مقروض نے اس قرض کا انکار کر دیا یعنی مکر گیا کہ میں نے یہ قرض لیا تھا، مگر کچھ عرصہ بعد جا کر مان گیا کہ مجھے یہ قرض دینا ہے تو اب اس پر زکوۃ کا حکم کیا ہوگا؟

جواب: اگر کچھ سالوں بعد جا کر گواہوں کی کوئی صورت نکل بھی آئے یا مقروض خود اقرار کر لے کہ میں واقعی اس بندے کا مقروض ہوں تو پھر بھی اس قرض پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے "والدين المجحود إذا لم يكن عليه بينة ثم صارت له بينة بعد سنين بأن أقر عند الناس لا تجب عليه الزكاة"

(ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الاول، جلد 01، صفحہ 174، دار الفکر، بیروت)

سوال: مقروض قرض سے انکاری ہے یعنی کہتا ہے کہ میں نے لیا ہی نہیں۔ تنہائی میں کہتا ہے میں نے قرض لیا تھا لیکن لوگوں کے سامنے کہتا ہے کہ نہیں لیا تھا۔ قرض خواہ نے مقدمہ کیا۔ کورٹ میں کیس چلا۔ وہاں بھی مقروض نے قرض لینے سے انکار کر دیا لیکن تنہائی میں اقرار کرتا ہے۔ اب دس سال مقدمہ چلتا رہا جیسا کہ پاکستان میں ہوتا ہے پھر جا کر کہیں ثابت ہوا کہ قرض دینا ہے تو کیا قرض خواہ پچھلے دس سالوں کی زکاۃ دے گا؟

جواب: جس دن مقروض نے کورٹ میں قرضہ سے انکار کیا تھا اس دن سے لے کر قرض

ثابت ہونے تک کی زکوۃ قرض خواہ پر واجب نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے"وإن كــان المـديـون يقر في السر ويجحد في العلانية لم يكن نصابا، وإن كان مقرا فلما قـدمه إلى القاضي جحد وقامت عليه البينة، ومضى زمان في تعديل الشهود ثم عـدلوا سقطت عنه الزكاة من يوم جحد عند القاضي إلى أن عدل الشهود كذا في فتاوى قاضي خان۔"

(ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب الاول، جلد01، صفحہ 175، دارالفکر، بیروت)

سوال: جو قرض زکوۃ کو واجب نہیں ہونے دیتا وہ کون سا قرض ہے؟

جواب: ہر وہ قرض جس کا تقاضہ بندوں کی طرف سے ہو سکتا ہے وہ قرض زکوۃ واجب ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ جیسے نقدی قرض، کسی کا نقصان کیا تو عوامی الفاظ میں جرمانہ جسے شرع میں ضمان کہتے ہیں، خلع کی رقم جو دینی طے پائی، کسی کا مال چرایا یا ڈکیتی ڈالی، چھین لیا یا قتل کی صورت میں مال دینے پر صلح ہوئی، اس طرح وہ زکوۃ جو پہلے فرض ہوئی تھی لیکن ادا نہ کی وہ بھی اگلے سال نئی زکوۃ واجب ہونے میں مانع ہو سکتی ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے"(ومنها الفراغ عن الدين) قال أصحابنا -رحمهم الله تعالى: كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض وثمن البيع وضمان المتلفات وأرش الجراحة، وسواء كان الدين من النقود أو المكيل أو الموزون أو الثياب أو الحيوان وجب بخلع أو صلح عن دم عمد، وهو حال أو مؤجل۔"

(فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد1، صفحہ 172، دارالفکر، بیروت)

سوال: بیوی کا مہر وجوب زکوۃ میں مانع ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کا مہر بھی وجوب زکاۃ میں مانع ہوتا ہے کہ یہ بھی ایسا قرض ہے جس کا بندوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے۔اور یہی اصل مذہب ہے۔ہاں البتہ آجکل عورتیں شوہر کو موت یا طلاق سے قبل اس کا مطالبہ نہیں کرتی لہذا بہتر یہی ہے کہ اسے مجرانہ کیا جائے۔لیکن پھر بھی کوئی کرتا ہے تو اسے گناہ گار نہیں کہا جائے گا۔یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، کتب مختلف عبارت پڑھ کر پریشان نہ ہوں،اصول کی روسے جو صحیح ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے۔جیسے نیچے فتاوی رضویہ کا جزئیہ ہے تو اس طرح کے جزئیات سے پریشان نہ ہوں۔فتاوی عالمگیری میں ہے" و كذلك المهر يمنع موجلا كان أو معجلا؛ لأنه مطالب به كذا في محيط السرخسي .وهو الصحيح على ظاهر المذهب وذكر البزدوي في شرح الجامع الكبير قال مشايخنا -رحمهم الله تعالى -في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته، وهو لا يريد أداءه :لا يجعل مانعا من الزكاة لعدم المطالبة في العادة، وأنه حسن أيضا هكذا في جواهر الفتاوى۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ،الباب الاول،جلد1،صفحہ 172،دارالفکر،بیروت)

سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہوتا۔"

(فتاوی رضویہ،جلد10،صفحہ 143،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: کافی ماہ سے بیوی کو خرچہ نہیں دیا تھا۔جیسے جب میاں بیوی کی لڑائی ہوتی ہے تو بیوقوف سسرالی یا بے عقل بیوی میکے جا بیٹھتی ہے۔جب صلح کا وقت آتا ہے تو حریص قسم کے رشتہ دار ناراضگی کے عرصہ کا خرچہ مانگتے ہیں۔کیا یہ خرچہ وجوب زکوٰۃ میں مانع ہوگا؟

جواب: اس کی دوصورتیں ہیں:۔

(1) خرچہ باہمی رضامندی سے مقرر کیا ہوا تھا کہ ہر ماہ اتنا دوں گا۔ یا پنچایت وکوٹ نے فیصلہ پہلے سے کیا ہوا تھا کہ شوہر بیوی وبچوں کو ماہانہ اتنا خرچہ دے گا۔

(2) کوئی خرچہ باہمی رضامندی وپنچایت وکوٹ نے مقرر نہ کیا تھا۔ پہلی صورت میں زکوۃ کے وجوب میں مانع یعنی رکاوٹ ڈالے گا۔ دوسری میں رکاوٹ نہ بنے گا۔ ہمارے ہاں عام طور پر پنچایت یا کوٹ نے مقرر نہیں کیا ہوتا لہٰذا اب کئی ماہ کا خرچہ زکوۃ واجب ہونے میں مانع نہیں ہوگا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "وأما نفقات الزوجات فما لم تصر دينا إما بفرض القاضي أو بالتراضي لا تمنع وتسقط إذا لم يوجد قضاء القاضي والتراضي"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 1، صفحہ 173، دارالفکر، بیروت)

سوال: مقروض کی کفالت وجوب زکوۃ میں مانع ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: کفالت بھی وجوب زکوۃ میں مانع ہوتی ہے۔ جیسے ایک بندہ کے پاس ایک لاکھ روپے تھے اس نے کسی مقروض کے قرض کا کفیل یعنی ضامن بنا تو اب اس لاکھ پر اگرچہ سال گزر جائے زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے "رجل له على رجل ألف درهم دين، وكفل بها رجل بأمر المديون أو بغير أمره ولكل واحد من الأصيل والكفيل ألف درهم فحال الحول على مالهما لا زكاة على واحد منهما۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 1، صفحہ 173، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک شخص کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے اور اتنا ہی قرض ہے۔ اپنی گاڑی بھی ہے اور دو کروڑ کا بنگلہ بھی ہے۔ کیا یہ قرض بھی زکاۃ میں مانع ہوگا؟

جواب: جی ہاں! یہ قرض بھی زکوۃ کے مانع ہوگا۔کیونکہ جتنا سرمایہ پاس ہے اتنا ہی قرض سر پر چڑھا ہے اگر قرض ادا کرے تو اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔رہی گاڑی اور مہنگا ترین بنگلہ وہ مال نامی نہیں کہ شامل نصاب ہو نیز وہ اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور جو چیز حاجت اصلیہ میں داخل ہو،اس پر زکوۃ کے احکام نہیں ہوتے۔ہندیہ میں ہے"رجل له ألف درهم وعليه ألف درهم، وله دار وخادم لغير التجارة وقيمته عشرة آلاف درهم فلا زكاة عليه؛ لأن الدين مصروف إلى المال الذي في يده فإنه فاضل عن حاجته معد للتقلب والتصرف فكان الدين مصروفا إليه، فأما الدار والخادم فمشغولتان بحاجته فلا يصرف الدين إليه، ومالك الدار والخادم لا يحرم عليه أخذ الصدقة۔"

(فتاوی ہندیہ،کتاب الزکاۃ،الباب الاول،جلد1،صفحہ 173،دارالفکر،بیروت)

سوال: اگر قرض خواہ نے مقروض کو قرض معاف کر دیا تو اب زکاۃ کے واجب ہونے کے لئے نئے سال کا اعتبار کریں گے یا اس سال کے گزرے ہوئے ایام بھی شامل کریں گے؟

جواب: اگر یہ مالک نصاب تھا پھر مقروض ہوا یعنی سال کے درمیان میں مقروض ہوگیا پھر جب سال مکمل ہوا تو اس سے قبل اس کو قرض معاف کر دیا گیا تو اب زکوۃ دینی ہوگی۔ اور اگر یہ شروع سال سے ہی مقروض تھا اور سال مکمل ہونے پر قرض خواہ نے قرض معاف کیا تو اب دوبارہ سے نئے سال کا اعتبار ہوگا۔

بہار شریعت میں ہے"جو دَین اثنائے سال میں عارض ہوا یعنی شروع سال میں مدیون نہ تھا پھر مدیون ہوگیا پھر سال تمام پر علاوہ دَین کے نصاب کا مالک ہوگیا تو زکوۃ واجب ہوگئی اس کی صورت یہ ہے کہ فرض کرو قرض خواہ نے قرض معاف کر دیا تو اب چونکہ

اس کے ذمہ دَین نہ رہا اور سال بھی پورا ہو چکا ہے لہٰذا واجب ہے کہ ابھی زکوۃ دے یہ نہیں کہ اب سے ایک سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر شروع سال مدیُون تھا اور سال تمام پر معاف کیا تو ابھی زکوۃ واجب نہ ہوگی بلکہ اب سے سال گزرنے پر۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۹،۱۰)

سوال: وجوب زکوۃ میں مانع ہوگا۔ اس سے کیا مراد ہے مانع کب ہوگا؟

جواب: وجوب زکوۃ میں مانع ہونے سے مراد یہ ہے کہ جتنا قرض ہے اتنے مال پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ حتی کہ اگر قرض اتارے جیسے اوپر مذکور ہوئے ہیں تو بقیہ مال نصاب کی مقدار نہیں بچتا تو سرے سے زکوۃ ہی واجب نہ ہوگی۔ یہ مانع یعنی وجوب زکوۃ میں رکاوٹ بننے کا مطلب ہے۔

انتہائی اہم بات کہ قرض مانع وجوب زکوۃ کب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو قرض زکوۃ واجب ہونے سے پہلے لیا جائے یہ زکوۃ واجب ہونے میں مانع ہوگا۔ اگر زکوۃ واجب ہو چکی یعنی پورا سال ہو چکا اب قرض لیا تو یہ مانع نہ ہوگا۔ اب زکوۃ دینی ہی ہوگی۔ ہاں یہ قرض اگلے سال وجوب زکوۃ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے "وهذا كله إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة أما إذا لحقه الدين بعد وجوب الزكاة فلم تسقط الزكاة هكذا في الجوهرة النيرة۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 1، صفحہ 173، دار الفکر، بیروت)

سوال: جو قرض سال کے درمیان میں لیا، کیا وہ زکوۃ واجب ہونے میں رکاوٹ بنے گا؟

جواب: امام محمد کے نزدیک زکوۃ واجب ہونے میں رکاوٹ بنے گا یعنی اگر قرض نکالنے

کے بعدوہ صاحب نصاب نہیں رہتا تو زکوۃ واجب نہ ہوگی جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک رکاوٹ نہیں بنے گا بلکہ زکوۃ نصاب ہونے پر ادا کرنی ہوگی۔اور راجح قول امام محمد کا ہے۔ ہندیہ میں ہے "وأما الدين المعترض في خلال الحول فذكر في العيون أن عند محمد رحمه الله تعالى يمنع وجوب الزكاة وعند أبي يوسف لا يمنع"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ،الباب الاول،جلد1،صفحہ 173،دارالفکر،بیروت)

وفي المحيط :وأما الدين المعترض في خلال الحول فإنه يمنع وجوب الزكاة بمنزلة هلاكه عند محمد وعند أبي يوسف :لا يمنع بمنزلة نقصانه اهـ.وتقديمهم قول محمد يشعر بترجيحه"

(البحرالرائق،شروط وجوب الزکوۃ،جلد 2،صفحہ 220،بیروت)

سوال: وہ کون سا قرض ہے جو زکوۃ واجب ہونے میں مانع یعنی رکاوٹ نہیں بنتا؟

جواب: جس کا تقاضا بندوں کی طرف سے نہ ہو، محض اللہ عزوجل کی طرف سے ہو وہ قرض ودین وجوب زکاۃ میں مانع نہیں ہوتا۔جیسے نذر مانی تھی اسے پوری کرنے کے لئے اگرچہ کئی لاکھ چاہیے ہوں، اسی طرح قسم کا کفارہ، نماز وروزہ کا فدیہ، اس کے علاوہ اور کسی قسم کا کفارہ، فطرہ، قربانی اور حج وغیرہ کے اخراجات زکوۃ واجب ہونے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ہندیہ میں ہے "وكل دين لا مطالب له من جهة العباد كديون الله تعالى من النذور والكفارات وصدقة الفطر ووجوب الحج لا يمنع۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ،الباب الاول،جلد1،صفحہ 173،دارالفکر،بیروت)

سوال: بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ مقروض صاحب کہیں بھاگ جاتے ہیں۔ایسی صورت میں اس قرض کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر قرض خواہ اسے پکڑنے یا اپنا کوئی نمائندہ اس کے پاس بھیجنے کی طاقت رکھتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے"ولو هرب غريمه، وهو يقدر علی طلبه أو التوكيل بذلك فعليه الزكاة، وإن لم يقدر فلا زكاة عليه"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد1، صفحہ 175، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک بندے کے پاس سونا بھی ہے، نقدی بھی ہے، سوائم کے جانور اور سامان تجارت بھی ہے اور قرض بھی ہے۔ قرض کو معاملہ زکوۃ میں کس طرح کے سامان کی طرف پھیریں گے؟ یعنی وہ سونے یا مال تجارت کی طرف پھیر سکتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا ذہن ہوتا ہے کہ میرے سونے یا کاروبار پر زکوۃ فرض نہ ہو؟

جواب: پہلے زمانے میں حاکم اسلام کی طرف سے عاملین زکوۃ مقرر ہوتے تھے اور وہ زکوۃ وصول کرتے تھے اس وقت ایک خاص طریقہ کار تھا کہ قرض کو کس طرح کے مال کی طرف پھیریں گے۔ اب جبکہ عاملین مقرر نہیں تو مالک جس مال کی طرف چاہے پھیرے کہ وہ مالک ہے جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے"وهذا إذا حضر المصدق فإن لم يحضره فالخيار لرب المال إن شاء صرف الدين إلى السائمة، وأدى الزكاة من السائمة؛ لأن في حق صاحب المال هما سواء۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد1، صفحہ 173، دارالفکر، بیروت)

سوال: جس کی ساری جائیداد سے قرض زیادہ ہو، اس پر زکوۃ وفطرہ کا حکم کیا ہے؟

جواب: جس کا قرض اس کی ساری جائیداد سے زیادہ ہو، اس پر قربانی ہے نہ زکوۃ وفطرہ۔

سوال: قرض دار کو قرض بعوض زکوۃ معاف کرنے کا حکم؟ یعنی آپ نے اپنے مقروض

کو قرض اس نیت سے معاف کر دیا کہ زکوۃ ہو جائے۔اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: قرض بعوض زکوۃ معاف کرنا جائز ہے۔البتہ اس طرح کرنے سے جو مال پاس ہے اس کی زکوۃ پھر بھی دینی ہوگی۔زکوۃ صرف اسی قرض کی معاف ہوگی جو معاف کیا۔ مثلاً آپ نے زید سے ایک لاکھ روپیہ قرض لینا تھا آپ نے معاف کر دیا تو اس سے آپ کے پاس جو موجودہ مال ہے اس کی زکوۃ ساقط نہ ہوگی صرف اس ایک لاکھ قرض کی جو زکوۃ 2500 سو روپیہ بنتی تھی وہ معاف ہو گئی۔

(فتاوی نوریہ، کتاب الزکوۃ، جلد02، صفحہ118، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، ضلع اوکاڑہ)

(حبیب الفتاوی، کتاب الزکوۃ، جلد 01، صفحہ 651، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

سوال: کسی کو قرض دیا اور سال گزر گیا جس کی وجہ سے اس کی زکوۃ واجب ہو چکی تھی۔ اب قرضہ معاف کر دیا تو کیا اس قرضے کے مال کی زکوۃ معاف ہو جائے گی؟

جواب: جس قرض کی وجہ سے زکوۃ واجب تھی اور اب اس پر سال بھی مکمل ہو چکا تھا یعنی اب تو اس کی زکوۃ دینے کا وقت آ چکا تھا مگر اس نے وہ قرض معاف کر دیا تو اب اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) مقروض فقیر شرعی تھا تو اب اس قرض کی زکوۃ ادا نہیں کرنی ہوگی۔

(2) اور اگر مقروض فقیر شرعی نہیں تھا، غنی تھا تو اب اس کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے"ولو کان لہ دین علی فقیر فأبرأہ عنہ سقط عنہ زکاتہ نوی بہ عن الزکاۃ أو لا ؛ لأنہ کالھلاک ، ولو أبرأہ عن البعض سقط زکاۃ ذلک البعض لما قلنا وزکاۃ الباقی لا تسقط ، ولو نوی بہ إلا الأداء عن الباقی کذا فی التبیین ۔ولو کان من علیہ الدین غنیا فوھبہ منہ بعد الحول ففی روایۃ

الجامع يضمن قدر الزكاة، وهو الأصح هكذا في محيط السرخسي ۔"

ترجمہ: محتاج کسی کا مقروض تھا قرض خواہ نے اسے قرض معاف کر دیا تو اس کی زکوۃ ساقط ہو جائے گی، خواہ ادائیگی زکوۃ کی نیت کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اس کی صورت بالکل مال کے ہلاک ہونے کی سی ہے اور اگر بعض معاف کیا تو جتنا معاف کیا اتنے کی زکوۃ ساقط یعنی معاف ہو جائے گی۔ اور اگر امیر کو سال گزرنے کے بعد معاف کیا ہے تو اس کی زکوۃ معاف نہ ہوگی۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 01، صفحہ 171، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: اگر یوں کیا جائے کہ غریب و نادار مقروض کو اس نیت سے قرض معاف کر دیا جائے کہ فلاں سے جو قرض لینا ہے یہ اس کی زکوۃ بن جاوے۔ ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: ناجائز ہے۔ اور اس طرح ایک قرض کو معاف کرنے سے دوسرے سے جو قرض لینا ہے اس کی زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولو وهب دينه من فقير ونوى زكاة دين آخر له على رجل آخر أو نوى زكاة عين له لم يجز، كذافي الكافي۔"

"ترجمہ: فقیر پر قرض تھا اور کل معاف کر دیا اور یہ نیت کی کہ فلاں پر جو قرض ہے یہ اُس کی زکوۃ ہے۔ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ اور اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 01، صفحہ 171، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: اگر یوں کیا کہ فقیر کو کہا کہ فلاں سے میں نے قرض لینا ہے وہ وصول کر کے تم اپنے پاس رکھ لو اور نیت یہ ہے کہ میرے پاس جو سونا رکھا ہوا ہے یہ اس کی زکوۃ ادا ہو جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ایسا کیا جا سکتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولو أمر فقيرا بقبض

دین له علی آخر و نواه عن زکاة عین عنده جاز کذا فی البحر الرائق۔"

(فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، جلد 01، صفحہ 171، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: کسی شخص کو زکوۃ کی رقم دی گئی کہ اسے فلاں غریب یا کسی مدرسے وغیرہ میں دے دینا، اس نے ایسا کرنے کی بجائے کسی محتاج کو قرض دے دیا اس نیت سے کہ چلو اس کی بھی ضرورت پوری ہو جائے، پھر جب بعد میں واپس کر دے گا تو جسے زکوۃ دینے کا کہا تھا اسے دے دوں گا کہ دو مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نا جائز؟

جواب: ناجائز ہے کہ وہ زکوۃ کی تقسیم کا وکیل ہے یعنی رقم دینے والے نے اسے زکوۃ میں دینے کا کہا ہے نہ کہ قرض دینے کا۔ دوسرا اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ جب زکوۃ کی ادائیگی لازم تھی تو آگے قرض میں مال پھنسا کر زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ہے جو کہ جائز نہیں۔

(ملخص از فتاوی فیض الرسول، جلد 01، صفحہ 479، شبیر برادرز، لاہور)

سوال: مقروض شخص پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض پر بعض صورتوں میں زکوۃ فرض ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں نہیں ہوتی یعنی اگر قرض منہا کرنے کے بعد نصاب کی قدر بچتا ہے تو زکوۃ فرض ہے ورنہ فرض نہیں۔ اور قرض ہی اتنا ہے کہ باقی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر نہیں بچتا تو بقیہ پر بھی واجب نہ ہوگی۔ الختصر یہ کہ قرض اپنی مقدار بھر زکوۃ دینے میں مانع ہوتا ہے۔ تحفۃ الملوک میں ہے "أثر الدین فی الزکاۃ و کل دین لآدمی یمنع بقدره حالا کان أو مؤجلا۔" جواب سے عبارت کا مفہوم واضح ہے۔

(تحفۃ الملوک، کتاب الزکوۃ، جلد 01، صفحہ 118، دار البشائر الإسلامیۃ - بیروت)

سوال: خود مقروض نہیں بلکہ کسی مقروض کا ضامن ہے تو کیا اس وجہ سے زکوۃ کے احکام وہی

ہوں گے جو خود اس کے مقروض ہونے کی صورت میں ہوتے ہیں؟ مثلاً بکر نے زید سے قرض لینا ہے عمر نے کہا کہ زید نہ دے تو میں دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اب اس صورت میں عمر بھی زکوۃ کے معاملے میں مقروض شخص کی طرح ہوگا یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! جو خود مقروض نہیں مگر کسی مقروض کا ضامن ہے تو اس میں بھی حکم وہی ہے کہ جتنے قرض کا ضامن ہے اتنا نکالنے کے بعد اگر مال بقدر نصاب ہے تو زکوۃ فرض ہوگی ورنہ فرض نہ ہوگی۔ فتاوی شامی میں ہے "لو استقرض ألفا فكفل عنه عشرة ولكل ألف في بيته وحال الحول فلا زكاة على واحد منهم لشغله بدين الكفالة لأن له أن يأخذ من أيهم شاء" مفہوم عبارت یہ ہے کہ اگر خود مقروض نہیں مگر مقروض کا کفیل یعنی ضامن ہے۔ اور کفالت (قرض) کے روپے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہیں رہتی زکوۃ واجب نہیں۔ حتی کہ اگر دس بندے بھی ضامن ہوئے تو کسی پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

(فتاوی شامی، کتاب الزکوۃ، الفرق بین السبب۔۔۔، جلد 03، صفحہ 211، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: تجارت کے واسطے جو قرض لیا جائے اس پر بھی زکوۃ بنے گی یا نہیں؟

جواب: تجارت یعنی کاروبار کرنے کے لئے جو قرض لیا جائے اس کی زکوۃ بھی واجب ہوتی ہے۔ وہ قرض خواہ نقدی میں ہو یا اسباب میں سے مثلاً کسی سے گندم ہی قرض اس وجہ سے لی کہ بیچوں گا، اس کا کاروبار کروں گا تو اس کی بھی زکوۃ دینا ہوگی۔ یونہی اگر کسی سے کوئی چیز تجارت کے لئے قرض لی تو یہ بھی تجارت کے لئے ہے مثلاً دوسو درہم کا مالک ہے اور من بھر گیہوں (گندم) قرض لئے تو اگر تجارت کے لئے نہیں لئے تو زکوۃ واجب نہیں کہ گیہوں کے دام انہیں دوسو سے مُجرا (نکالیں) کیے جائیں گے تو نصاب باقی نہ رہی اور اگر تجارت

کے لئے تو زکوۃ واجب ہوگی کہ ان گیہوں کی قیمت دوسو پر اضافہ کریں اور مجموعہ سے قرض مُجرا کریں تو دوسو سالم (باقی) رہے لہٰذا زکوۃ واجب ہوئی۔"

(بہارشریعت، زکوۃ کابیان، جلد01، حصہ 05، صفحہ883، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ارشاد فرماتے ہیں"إلا أن تکون للتجارة و شرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض"

(درمع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، جلد03، صفحہ231، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ایسا ہی البحرالرائق میں ہے۔

سوال: کسی نے اتنا قرض لیا کہ مالک نصاب ہوگیا تو کیا اس پر زکوۃ فرض ہوگی؟

جواب: قرض لے کر مالک نصاب ہونے والے پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی کیونکہ شریعت مطہرہ نے قرض لے کر غنی ہونے والے کی غناء کا اعتبار نہیں کیا۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں"ولا يتحقق الغنى بالمال المستقرض ما لم يقض۔"قرض لینے سے غنا متحقق نہیں ہوتی۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، جلد03، صفحہ216، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: زکوۃ کے فنڈ سے قرض حسن دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زکوۃ کے فنڈ سے قرض دینا ناجائز ہے۔

(ملخص ازتفہیم المسائل، کتاب الزکوۃ، جلد02، صفحہ180، ضیاء القرآن، لاھور)

سوال: زید کا بکر پر قرض ہے۔عمرو پر زکوۃ واجب ہوئی تو عمرو نے بکر سے کہا: آپ کو زکوۃ دینا جائز ہے، آکر زکوۃ لے جانا، بکر نے زید سے کہا: عمرو سے میری زکوۃ لے کر اپنے قرض

میں لے لو۔ایسا کرنے سے عمرو کی زکوۃ اور بکر کا قرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: ہاں! دونوں کی ادائیگی ہو جائے گی۔ردالمحتار میں ہے" (قولہ:فیجوز لو بأمره)أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه بحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه۔" یعنی اس کے حکم سے ایسا کرنا جائز ہے کہ (بکر) کی طرف سے تملیک ہے اور دائن پہلے اُس کا نائب ہو کر زکوۃ پر قبضہ کر رہا ہے پھر اس کے ضمن میں اپنے لئے یعنی اپنا قرض لے رہا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ،جلد3،صفحہ342،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

سوال: زید مقروض تھا، بکر نے کہا کہ میں نے زکوۃ نکالنی ہے تمہارے قرض خواہ کو تمہاری طرف سے دے دوں کہ میری زکوۃ ادا ہو جائے اور تمہارا قرض اتر جائے۔کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! اس طرح زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور دوسرا قرض سے بھی سبکدوش ہو جائے گا۔لیکن اس مسئلے میں ہمیشہ یہ خیال رہے کہ مقروض کی اجازت ہو۔یعنی اسے بتادیا ہو اور اس نے ایسا کرنے کا کہہ دیا ہو۔ہندیہ میں ہے"ولو قضى دين الفقير بزكاة ماله إن كان بأمره يجوز، وإن كان بغير أمره لا يجوز وسقط الدين۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکاۃ،الباب الثامن،جلد01،صفحہ190،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: مسجد و مدرسہ وغیرہ کی دکان و مکان کی حالت بہت خراب تھی۔کسی نے کرایہ پر لی۔کرایہ دار نے مسجد و مدرسہ کی انتظامیہ کے کہنے پر ان کی مرمت کروائی۔کیا یہ خرچہ انتظامیہ پر قرض ہوگا؟ قرض ہونے کی صورت میں اس پر زکوۃ کا حکم کیا ہے؟

جواب: جی ہاں! قرض ہوگا اور زکوۃ لازم ہوگی۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں

”(قولہ: کقرض)قلت: الظاهر أن منه مال المرصد الم شهور في ديارنا ؛ لأنه إذا أنفق المستأجر لدار الوقف على عمارتها الضرورية بأمر القاضي للضرورة الداعية إليه يكون بمنزلة استقراض المتولي من المستأجر، فإذا قبض ذلك كله أو أربعين درهما منه ولو باقتطاع ذلك من أجرة الدار تجب زكاته لما مضى من السنين والناس عنه غافلون“ ترجمہ: علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں: کرایہ دار نے جب وقفی عمارت کی ضروری مرمت قاضی ومتولی کی اجازت سے کرائی تو یہ رقم متولی یعنی انتظامیہ وغیرہ پر کرایہ دار کا قرض ہوگا۔اور جب مال کا کل یا چالیسواں حصہ ملے گا تو سابقہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔لوگوں کی اکثریت اس مسئلے میں ناواقف ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ،مطلب فی وجوب الزکاۃ۔۔۔،جلد03،صفحہ 281، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: مقروض کو زکوۃ دینا افضل ہے یا غیر مقروض فقیر شرعی کو؟

جواب: مقروض کو زکوۃ دینا افضل ہے۔ہندیہ میں ہے”(ومنها الغارم) ، وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه أو كان له مال على الناس لا يمكنه أخذه كذا في التبيين .والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمرات“ (فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ،الباب السابع،جلد1،صفحہ188،دارالفکر،بیروت)

سوال: قرض خواہ زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: قرض خواہ اگر فقیر شرعی ہے تو زکوۃ لے سکتا ہے۔ہاں مگر یاد رہے کہ اس نے جو لوگوں سے قرض لینا ہے اگر وہ قرض بقدر نصاب ہے یا کسی اور مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب بن رہا ہے اور مقروض قرض دینے سے انکاری بھی نہیں اور تنگ دست بھی

نہیں تواب قرض خواہ کے لئے زکوۃ لینا جائز نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے "وإن كان المديون موسرا معترفا لا يحل له أخذ الزكاة۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع، جلد1، صفحہ189، دارالفکر، بیروت)

سوال: اگر مقروض قرض سے انکاری ہو جائے یعنی یہ کہے کہ میں نے تو قرض لیا ہی نہیں تھا۔ اب قرض خواہ زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی مقروض اس طرح اپنی آخرت برباد کرے یعنی قرض لے کر صاف انکار کردے (مکر جائے) کہ میں نے تو اس کا کوئی قرض نہیں دینا، اس صورت حال میں اگر قرض خواہ کے پاس گواہ ہوں جنہیں معلوم ہو کہ اس نے قرض دیا تھا اور اس نے لیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں کیا تو اب قرض خواہ زکوۃ نہیں لے سکتا جبکہ یہ قرض خود یا کسی اور مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد ہو ان شرائط کا لحاظ ہر جگہ ہوگا چاہے کسی سوال کے جواب میں تفصیل مذکور ہو یا نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے "وكذا إذا كان جاحدا، وله على الدين بينة عادلة۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع، جلد1، صفحہ189، دارالفکر، بیروت)

سوال: مقروض کے پھر جانے کی وجہ سے اگر کسی قرض خواہ کے پاس گواہ نہیں کہ اپنے دیئے ہوئے قرض کو ثابت کر سکے۔ تو کیا اب وہ عندالضرورت زکوۃ لے سکتا ہے؟

جواب: ایسی صورت حال میں کہ جب مقروض قرض سے انکاری ہو جائے قرض خواہ اس معاملہ کو شہر کے مشہور مفتی، دارالافتاء، یا کورٹ میں لے جائے اور حلفیہ مذکورہ صورت حال بیان کردے تو اب یہ زکوۃ لے سکتا ہے جبکہ یہ فقیر شرعی ہو اور غیر سید ہو۔ ہندیہ میں ہے "وإن لم تكن بينة عادلة لا يحل له أخذها ما لم يرفع الأمر إلى القاضي فيحلفه فإذا

حلفه وحلف بعد ذلك يحل له أخذها هكذا في فتاوى قاضي خان"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع، جلد1، صفحہ189، دارالفکر، بیروت)

سوال: ایک شخص کا کسی کے پاس پانچ لاکھ کا قرض ہے۔ وہ زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر دین مؤجل ہے یعنی اس کی وصولی کا وقت مقرر ہے اور قرض خواہ کو کوئی ضرورت آن پڑی تو اب بقدر ضرورت زکوۃ لے سکتا ہے۔ فتاوی ہندیہ میں "والذي له دين مؤجل على إنسان إذا احتاج إلى النفقة يجوز له أن يأخذ الزكاة قدر كفايته إلى حلول الأجل"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع، جلد1، صفحہ189، دارالفکر، بیروت)

سوال: اگر صورت حال یوں ہے کہ دین معجل ہے یعنی جب چاہے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ لیکن مقروض تنگ دست ہے۔ ابھی دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور قرض خواہ کو سخت قسم کی مجبوری ہے تو اب قرض خواہ زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر قرض لینے کی کوئی مدت مقرر نہیں، کسی بھی وقت مطالبہ کر سکتے ہیں، لیکن مقروض ایسی حالت میں ہے کہ وہ ابھی دے نہیں سکتا اور قرض خواہ کو ضرورت ہے تو وہ بقدر ضرورت زکوۃ لے سکتا ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "وإن كان الدين غير مؤجل فإن كان من عليه الدين معسرا يجوز له أخذ الزكاة في أصح الأقاويل؛ لأنه بمنزلة ابن السبيل۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع، جلد1، صفحہ189، دارالفکر، بیروت)

سوال: زید کا انتقال ہوا اُس پر کافی زیادہ قرض تھا زید کے وارث بکر نے یہ قرضہ اپنے ذمے لے لیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر جب اپنا نصاب شمار کرے گا تو ان پیسوں کو قرض کے طور پر شمار کر کے منہا کرے گا یا نہیں؟

جواب: ان پیسوں کو قرض میں شمار کریں گے اور اگر یہ پیسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ بچے تو زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی چنانچہ المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی میں ہے "کل دین له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة، سواء كان الدين للعباد، أو لله تعالى كدين الزكاة" ترجمہ: ہر وہ دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو وہ وجوب زکوۃ کے مانع ہے برابر ہے کہ دین بندوں کا ہو یا اللہ کی طرف سے ہو جیسے زکوۃ کی ادائیگی۔ (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، جلد2، صفحه293، دار الكتب العلمية، بيروت)

درمختار میں ہے "فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة" ترجمہ: نصاب کا دین سے فارغ ہونا برابر ہے یہ مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو یا اللہ عزوجل کی طرف سے جیسے زکوۃ۔

(درمختار، كتاب الزكاة، جلد2، صفحه260، دار الفكر، بيروت)

مرنے کے بعد وارث کفالت کریں تو کفالت درست ہے۔ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "اُس کے مرنے کے بعد ورثہ نے کفالت کی تو صحیح ہے۔"

(بہار شریعت، جلد2، حصہ12، صفحہ838، مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ، کراچی)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "اگر خود مدیون نہیں مگر مدیون کا کفیل ہے اور کفالت کے روپے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہیں رہتی، زکاۃ واجب نہیں۔"

(بہار شریعت، جلد1، حصہ 5، صفحہ878، مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ، کراچی)

☆... باب العشر ...☆

سوال: ایک بندے کے اوپر قرض ہو اور وہ فصل کاشت کرے، اب عشر دینے کی صورت میں وہ قرض نکال کر عشر دے گا یا عشر کل فصل پر ہوگا؟

جواب: عشر کل پیداوار پر ہوتا ہے قرض اور دیگر اخراجات نہیں نکال سکتے۔ صرف زکوۃ میں قرض منہا کرنے کی اجازت ہے، عشر میں نہیں۔ درمختار میں ہے "ولا یمنع الدین وجوب عشر وخراج وکفارۃ" ترجمہ: وجوب عشر، خراج اور کفارہ میں قرض مانع نہیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، جلد 3، صفحہ 212، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لانھما مؤنۃ الارض النامیۃ حتی یجب فی الارض الموقوفۃ وأرض المکاتب۔" ترجمہ: خراج وعشر زمین نامی کی پیداوار ہیں یہاں تک کہ موقوفہ ومکاتب کی زمین پر بھی واجب ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، جلد 3، صفحہ 212، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

❁۔۔۔ کتاب الصوم ۔۔۔❁

سوال: قسم کا کفارہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا تین دن کے لگاتار روزے رکھے۔ جس پر قسم وغیرہ کا کفارہ ہو اور اس پر قرض بھی ہو وہ کیا کرے؟ اسے روزے رکھ کر کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر مالی کفارہ دے گا تو قرض ادا کرنے میں مشکل ہو گی۔

جواب: اگر اس کے پاس دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کی قدر مال ہے تو روزہ رکھ کر کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اگرچہ قرض لاکھوں لاکھ ہو، اگرچہ مالی کفارہ دینے کی صورت میں قرض کی ادائیگی میں مشکل ہو۔ الجوہرۃ النیرہ میں ہے "أما إذا کان فی ملکہ ذلك لا یجزیہ الصوم وھو أن یکون فی ملکہ عبد أو کسوۃ أو طعام عشرۃ مساکین سواء کان علیہ دین أم لا" یعنی جب اس کی ملک میں کفارہ ادا کرنے کے لئے مال ہو تو روزے رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز نہیں۔ خواہ اس پر قرض ہی کیوں نہ ہو، حکم میں تبدیلی نہ

ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الایمان، فی کفارۃ الیمین، جلد2، صفحہ470، مطبوعہ، لاہور)

سوال: کوئی حل ہے کہ قرض بھی ادا ہوجائے اور روزے وغیرہ کا کفارہ بھی ادا ہوجائے؟

جواب: حل ہے۔ اور وہ بہت آسان ہے کہ پہلے قرض ادا کردے۔ اب قرض ادا کرنے کے بعد جب کفارہ ادا کرنے کے لئے رقم ہی نہیں بچی تو اب روزے رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''ہاں اگر یوں ہو کہ پہلے قرض ادا کردیا جائے کہ اس کے بعد کچھ نہیں بچا، تو اب روزے رکھ کر کفارہ ادا کرسکتا ہے۔ البتہ امام سرخسی نے فرمایا کہ اگر قرض تمام و کمال مال کو محیط ہو تو ادائیگی قرض سے پہلے بھی روزے رکھ کر کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ بہار شریعت میں ہے: اتنا مال رکھتا ہے کہ مساکین کو کھانا یا کپڑا دے سکے اگرچہ خود مقروض یا مدیون ہو تو عاجز نہیں یعنی ایسی حالت میں روزے سے کفارہ ادا نہ ہوگا ہاں اگر قرض اور دین ادا کرنے کے بعد کفارہ کے روزے رکھے تو ہوجائیگا۔ اور مبسوط میں امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کل مال دین میں مستغرق ہو تو دین ادا کرنے سے پہلے بھی روزہ سے کفارہ ادا کرسکتا ہے اور اگر غلام ملک میں ہے مگر اُس کی احتیاج ہے تو روزے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔

(بہار شریعت، قسم کے کفارہ کا بیان، حصہ09، صفحہ308، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کتاب الحج

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ والدین پر قرض ہوتو بیٹے پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: والدین پر قرض ہونا بیٹے پر حج فرض ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ شرائط کی موجودگی میں والدین اگرچہ لاکھوں لاکھ کے مقروض ہوں بیٹے پر حج فرض ہوجاتا ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے اور حج فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیت حج میں خلل انداز نہیں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ658، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: حج کرنے کے لئے قرض لینا کیسا ہے؟ اور اگر حج فرض تھا نہ کیا حتی کہ مال ختم ہوگیا۔ کیا اب فرض ہے کہ قرض لے کر حج کرے؟

جواب: حج کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے۔ اگر حج فرض تھا لیکن نہیں کیا اب مال نہیں تو قرض لے کر حج کرنا فرض نہیں ہے۔ البتہ اگر معلوم ہو کہ بعد میں قرض اتار دے گا تو قرض لے کر حج کرے۔ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ''و قالوا :لو لم یحج حتی أتلف مالہ و سعہ أن یستقرض ویحج ولو غیر قادر علی وفائہ ویرجی أن لا یؤاخذہ اللہ بذلک :أی لو ناویا وفاء إذا قدر کما قیدہ فی الظھیریۃ۔'' ترجمہ: فقہاء ارشاد فرماتے ہیں: اگر حج فرض ہو چکا تھا اور ادا نہ کیا، اب مال ختم

ہوگیا، تو اب حکم ہے کہ قرض لے کر حج کرے، اگرچہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہو سکے گا مگر نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ قدرت دے گا تو ادا کردوں گا۔ پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولیٰ عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔

(درمختار، کتاب الحج، جلد03، صفحہ 521، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جس پر فرض ہے اسے چاہیے کہ قرض لے کر حج کرلے اور امید رکھے کہ اللہ ادائیگی کی قوت عطا فرمائے گا، کہ حدیث میں آیا حج کی برکت سے قرض ادا ہونے کی صورتیں نکل آتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "إِنَّ الْحَجَّ أَقْضَى لِلدَّيْنِ۔" ترجمہ: بے شک حج مقروض کو قرضے سے رہائی دلاتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المناسک، فی الرجل یستقرض ویحج، جلد04، صفحہ 118، دار السلفیہ، ہندیہ)

سوال: اگر حج فرض نہیں اس کے باوجود قرض لے کر حج کو جانے کے بارے کیا تعلیمات ہیں؟

جواب: اس کے بارے ہمیں تعلیم یہ ہے کہ محنت مزدوری یا کوئی کام کر کے رزق کمائیں جب استطاعت ہو پھر حج پر جائیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے قرض لے کر حج کرنے کے متعلق پوچھا تو فرمایا "یسترزق اللہ ولا یحج" ترجمہ: اللہ عزوجل سے رزق مانگو، حج نہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المناسک، باب فی الرجل یستقرض ویحج، حدیث نمبر 16113، جلد04، صفحہ 118، دار السلفیہ، ہندیہ)

سوال: اگر کسی نے قرض لے کر حج کیا تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: پہلے گزرا قرض لینا جائز ہے اور جب قرض لینا جائز ہے تو قرض کے روپے سے کیا ہوا حج بھی ادا ہو جائے گا۔ تفہیم المسائل میں ہے "کوئی مسلمان اس امر کا مکلف نہیں

ہے کہ قرض لے کر حج ادا کرے۔لیکن اگر کوئی مسلمان قرض لے کر حج کر لیتا ہے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا۔"

(ملخص از تفہیم المسائل،جلد02،صفحہ234،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

سوال: حج فرض تھا اور نہ کیا اب قرض لے کر حج کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت؟

جواب: حج کے بارے میں بعض فقہاء نے لکھا کہ اگر چہ جانتا ہو کہ قرض ادا نہ ہو سکے گا پھر بھی قرض لے اور حج کرے اور ادائیگی کی نیت رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ نکال دے گا حتی کہ اگر ادا نہ بھی کر سکا تو مواخذہ نہ فرمائے گا۔جیسا کہ درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے:" وذكر في المبتغي أن من فرط ولم يحج حتى أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج ، وإن كان غير قادر على قضائه ، وإن مات قبل قضائه قالوا يرجى أن لا يؤاخذه الله بذلك ، ولا يكون آثما ۔وقيده في الظهيرية بما إذا كان من نيته قضاء الدين إذا قدر" مبتغی میں مذکور ہے کہ غنی پر حج فرض تھا لیکن نہ کیا،حتی کہ اس کی مال ودولت کسی وجہ سے ضائع ہو گئی تو قرض لے کر حج کرے اگر چہ ادا کی قدرت نہ رکھتا ہو،پھر اگر یونہی مر گیا تو فقہاء نے فرمایا امید ہے کہ اللہ عزوجل اس وجہ سے اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا اور نہ ہی یہ گناہ گار ہوگا۔ظہیریہ میں اس کو مقید کیا گیا یعنی جب کہ قدرت پانے کی صورت میں ادا کی نیت رکھتا تھا لیکن ادا کر نہ سکا۔ (درر الحکام شرح غرر الاحکام،کتاب الحج،جلد03،صفحہ32)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:"مال موجود تھا اور حج نہ کیا پھر مال تلف ہو گیا تو قرض لے کر جائے اگر چہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہوگا۔"مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب "درمختار" سے یہ مسئلہ

نقل فرمایا جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھتے ہیں" وقالوا:لو لم يحج حتى أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج ولو غير قادر على وفائه ويرجى أن لا يؤاخذه الله بذلك :أي لو ناويا وفاء إذا قدر" ترجمہ:فقہاء ارشاد فرماتے ہیں: اگر حج فرض ہو چکا تھا اور ادا نہ کیا، اب مال ختم ہو گیا تو حکم ہے کہ قرض لے کر حج کرے، اگر چہ جانتا ہو کہ قرض ادا نہ ہو سکے گا مگر نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ قدرت دے گا تو ادا کر دوں گا۔ پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولیٰ عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔ (درمختار، کتاب الحج، جلد03، صفحہ521، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

تحقیق یہ ہے کہ حج کے لئے قرض لینا صرف اسی صورت میں افضل ہے جبکہ بعد میں ادائیگی کا غلبہ ظن ہو۔

سوال: بہار شریعت میں دو مسائل ایسے ہیں جن میں بظاہر تضاد ہے۔ ایک مسئلہ زکوۃ کے باب میں ہے اور دوسرا حج کے باب میں۔ حج سے متعلق مسئلہ کچھ یوں ہے کہ" مال موجود تھا اور حج نہ کیا پھر مال تلف (ختم) ہو گیا تو قرض لے کر (حج کرنے) جائے اگر چہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہو گا، اگر نیت یہ ہو کہ اللہ عزوجل قدرت دے گا ادا کروں گا۔ پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے مولا عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔

زکوۃ کے باب میں ایک مسئلہ لکھا ہے" زکوۃ ادا نہیں کی تھی اور اب بیمار ہے تو وارثوں سے چھپا کر دے اور اگر نہ دی تھی اور اب دینا چاہتا ہے مگر مال نہیں جس سے ادا کرے اور یہ چاہتا ہے کہ قرض لے کر ادا کرے تو اگر غالب گمان قرض ادا ہو جانے کا ہے تو بہتر یہ ہے کہ قرض لے کر ادا کرے ورنہ نہیں کہ حق العبد حق اللہ سے سخت تر ہے۔" مجھے پوچھنا یہ ہے کہ زکوۃ جس میں فرمایا کہ اگر واپس کرنے کا یقین ہے تو قرض لے اور حج میں

فرمایا کہ اگرچہ جانتا ہو کہ قرض ادا نہ کر سکے گا پھر بھی لے۔ آخرایسا کیوں ہے دونوں میں ایک جیسا حکم کیوں نہیں؟ میری رہنمائی فرمادیں۔

جواب: زکوۃ کی ادائیگی واجب تھی لیکن ادا نہ کی حتی کہ اب مال ختم ہو گیا تو قرض لے کر زکوۃ ادا کرنا فرض ہے نہ واجب۔ البتہ افضل ہے یا نہیں، اس میں تفصیل ہے:

اگر معلوم ہے کہ بعد میں قرض واپس کرسکوں گا تو قرض لے کر زکوۃ ادا کرنا افضل ہے۔ اور اگر معلوم ہے کہ بعد میں قرض کے واپس کرنے کی کوئی صورت نہیں تو قرض نہ لینا ہی افضل ہے کہ زکوۃ کی بنسبت قرض خواہ کا معاملہ زیادہ سخت تر ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "ولو لم يكن عنده مال فأراد أن يستقرض لأداء الزكاة: إن كان أكبر رأيه أنه يقدر على قضاءه فالأفضل الاستقراض والافلا، لأن خصومة صاحب الدين أشد۔" عبارت کا مفہوم وہی ہے جو جواب میں درج ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء، جلد 03، صفحہ 228، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

الشیخ الامام کمال الدین محمد بن عبدالواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "وإذا أخر حتى مرض يؤدي سرا من الورثة ولو لم يكن عنده مال فأراد أن يستقرض لأداء الزكاة إن كان أكبر رأيه أنه يقدر على قضائه بالاجتهاد فيه كان الأفضل له الاستقراض، وإن كان ظنه خلافه فالأفضل أن لا يستقرض لأن خصومة صاحب الدين أشد۔" ترجمہ: جب ادائیگی زکوۃ میں تاخیر کی حتی کہ بیمار ہو گیا تو وہ زکوۃ ورثہ سے چھپا کردے اور اگر اس کے پاس مال موجود نہ ہو اور یقین ہو کہ بعد میں واپس کرسکوں گا تو افضل ہے کہ قرض لے کر زکوۃ ادا کرے۔ اور اس کا گمان یہ ہے کہ بعد میں قرض واپس نہ ہو سکے گا تو افضل یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے قرض نہ لے، کیونکہ قرض

کا معاملہ زیادہ سخت تر ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ تحت قولہ تجب علی الفور، جلد02، صفحہ166، کوئٹہ)

زکوۃ کے بارے یہی حکم ہے جو اوپر لکھ دیا۔ البتہ حج کے بارے میں بعض فقہاء نے لکھا کہ اگرچہ جانتا ہو کہ ادا نہ ہو سکے گا پھر بھی قرض لے اور حج کرے اور ادائیگی کی نیت رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ نکال دے گا حتی کہ اگر ادا نہ بھی کر سکا تو مواخذہ نہ فرمائے گا۔ جیسا کہ دررالحکام شرح غررالاحکام میں ہے: "وذكر في المبتغى أن من فرط ولم يحج حتى أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج، وإن كان غير قادر على قضائه، وإن مات قبل قضائه قالوا يرجى أن لا يؤاخذه الله بذلك، ولا يكون آثما ـ وقيده في الظهيرية بما إذا كان من نيته قضاء الدين إذا قدر ـ" مبتغی میں مذکور ہے کہ غنی پر حج فرض تھا لیکن نہ کیا، حتی کہ اس کی مال و دولت کسی وجہ سے ضائع ہو گئی تو قرض لے کر حج کرے اگرچہ ادا کی قدرت نہ رکھتا ہو، پھر اگر یونہی مر گیا تو فقہاء نے فرمایا امید ہے کہ اللہ عزوجل اس وجہ سے اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا اور نہ ہی یہ گناہ گار ہوگا۔ ظہیریہ میں اس کو مقید کیا گیا یعنی جب کہ قدرت پانے کی صورت میں ادا کی نیت رکھتا تھا لیکن ادا کر نہ سکا۔ (دررالحکام شرح غررالاحکام، کتاب الحج، جلد03، صفحہ32)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا: "مال موجود تھا اور حج نہ کیا پھر مال تلف ہو گیا تو قرض لے کر جائے اگرچہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہوگا۔" مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب "درمختار" سے یہ مسئلہ نقل فرمایا جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھتے ہیں "وقالوا: لو لم يحج حتى أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج ولو غير قادر على وفائه ويرجى أن لا يؤاخذه الله بذلك: أي لو ناويا وفاء إذا قدر" ترجمہ: فقہاء

ارشاد فرماتے ہیں: اگر حج فرض ہو چکا تھا اور ادا نہ کیا، اب مال ختم ہو گیا تو اب حکم ہے کہ قرض لے کر حج کرے، اگرچہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہو سکے گا مگر نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ قدرت دے گا تو ادا کر دوں گا۔ پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولیٰ عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔ (درمختار، کتاب الحج، جلد 03 صفحہ 521 مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر کلام فرمایا اور اس کی وضاحت فرمائی کہ قرض زکوۃ کی ادائیگی کے لئے لیا یا حج کو ادا کرنے کیلئے، افضل اسی صورت میں ہے جبکہ غالب گمان ادا کر سکنے کا ہو، لہٰذا حج کرنے کے لئے قرض لینا بھی کچھ فرض، واجب نہیں بلکہ افضل ہے اُسی صورت میں جو زکوۃ کے باب میں ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: " (قولہ وسعه أن يستقرض إلخ) أي جاز له ذلك وقيل يلزمه الاستقراض كما في لباب المناسك قال منلا علي القاري في شرحه عليه، وهو رواية عن أبي يوسف وضعفه ظاهر فإن تحمل حقوق الله تعالى أخف من ثقل حقوق العباد ـقلت: وهذا يرد على القول الأول أيضا إن كان المراد بقوله ولو غير قادر على وفائه أن يعلم أنه ليس له جهة وفاء أصلا أما لو علم أنه غير قادر في الحال وغلب على ظنه أنه لو اجتهد قدر على الوفاء فلا يرد .والظاهر أن هذا هو المراد أخذ مما ذكره في الظهيرية أيضا في الزكاة حيث قال إن لم يكن عنده مال وأراد أن يستقرض لأداء الزكاة فإن كان في أكبر رأيه أنه إذا اجتهد بقضاء دينه قدر كان الأفضل أن يستقرض فإن استقرض وأدى ولم يقدر على قضائه حتى مات يرجى أن يقضي الله تبارك وتعالى دينه في الآخرة وإن كان أكبر رأيه أنه لو استقرض لا يقدر على قضائه كان الأفضل له عدمه ـوإذا كان هذا

فی الزکاۃ المتعلق بھا حق الفقراء ففی الحج أولی ۔" ترجمہ: ماتن کا قول "وسعہ ان یستقرض" یعنی اسے قرض لینا جائز ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس پر قرض لینا لازم ہے جیسا کہ لباب المناسک میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا۔اور یہ امام ابویوسف سے بھی مروی ہے حالانکہ اس کا ضعف بالکل واضح ہے۔پس اگر حقوق اللہ کو حقوق العباد سے اخف ہونے پر محمول کیا جائے تو میں کہتا ہوں: یہ اعتراض پہلے قول پر بھی وارد ہوگا کہ اگر ماتن کے قول "ولو غیر قادر" سے مراد یہ ہو کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس بعد میں قرض کی واپسی کا بالکل کوئی ذریعہ نہ ہوگا اور اگر مراد یہ ہو کہ وہ فی الحال ادا کرنے پر قادر نہیں، البتہ اگر وہ کوشش کرے تو ادائیگی کی سبیل بن سکتی ہے تو اعتراض وارد نہیں ہوتا۔اور مراد بھی یہی ہے جیسا کہ امام ظہیر الدین نے فتاوی ظہیریہ میں کتاب الزکوۃ میں اسی مراد کو لیا اور فرمایا: اگر اس کے پاس مال نہیں اور ادائیگی زکوۃ کا ارادہ رکھتا ہے ، اگر اسے یقین ہے کہ محنت مزدوری وغیرہ کر کے قرض ادا کرسکتا ہوں تو اسے افضل ہے کہ قرض لے لے۔اب یقین تو تھا کہ قرض ادا کردوں گا لیکن بعد میں کسی وجہ سے ادا نہ کرسکا حتی کہ موت آگئی تو امید ہے کہ رب العزت آخرت میں اس کا قرض ادا کردے۔اور اگر اسے یقین ہے کہ قرض لوں گا تو بعد میں ادا نہ کرسکوں گا تو افضل یہ ہے کہ قرض نہ لے۔(ظہیریہ کے اس جزئیہ کے بعد علامہ شامی فرماتے ہیں) جب زکوۃ کے متعلق حکم یہ ہے حالانکہ اس کا فقراء سے تعلق ہے تو حج کے بارے تو یہ حکم بدرجہ اولی ہوگا۔

(ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام، جلد03، صفحہ521، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے واضح ہے کہ " غیر قادر" سے مراد یہ ہے کہ فی الحال قدرت نہیں ،لیکن بعد میں محنت مزدوری کر کے غالب ظن ہے کہ قرض

ادا کرلوں گا جیسا کہ یہی علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب النکاح میں بھی اسی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"وقدمنا أن المراد عدم قدرته علی الوفاء في الحال مع غلبة ظنه أنه لو اجتهد قدر وإلا فالأفضل عدمه۔" یعنی یہ بات ہم نے پہلے لکھ دی کہ مراد یہ ہے کہ فی الحال ادائیگی پر قدرت نہ ہوالبتہ کوشش یعنی محنت مزدوری کرنے کی صورت میں قدرت پر ممکن ہوتو قرض لینا افضل ہے۔

(ردالمحتار، کتاب النکاح، جلد04، صفحہ73، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہٰذا درست وہی ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بیان کیا کہ حج کے لئے بھی قرض لینا اسی صورت میں افضل ہے جبکہ بعد میں ادائیگی کا غلبہ ظن حاصل ہو۔

مفتی امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو حج کے بارے بیان کیا" اگرچہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہوگا" اس سے مراد بھی یہی ہے کہ فی الحال وہ ادا کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن اس کی حالت ایسی ہے جو بتاتی ہے کہ اگر یہ محنت و مزدوری کرے تو ادا پر قدرت پالے گا۔اور اس توجیہ پر مفتی صاحب کی اپنی ہی ایک عبارت دلالت بھی کرتی ہے۔لہٰذا مفتی صاحب کے بیان کردہ دونوں مسائل کی چند ایک توجیہات ہوسکتیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(1) حج کے مسئلہ کو مطلق بیان فرمایا یعنی وہاں مریض کی قید نہ لگائی اور بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ نے یہ صورت تندرست کی بیان فرمائی ہے اس لئے یہ نہیں بیان فرمایا کہ ادا کا یقین ہے۔کیونکہ جب وہ تندرست ہے تو اس کی حالت بتاتی ہے کہ وہ بعد میں کوشش کرکے ادا کرسکتا ہے اگرچہ فی الحال ادا کی طاقت نظر نہیں آتی۔

(2) دوسری توجیہ زکوۃ کے جزئیہ سے مفہوم ہوتی ہے کہ" زکوۃ ادا نہیں کی تھی اور اب بیمار ہے تو وارثوں سے چھپا کر دے" یہاں صراحتا فرمایا کہ ادا کا یقین ہو کیونکہ

یہاں مبتلاء کی حالت مریض کی ہے اور امکان ہے کہ اسی مرض میں موت واقع ہو یا تندرست ہی نہ ہو کہ کمائے اور ادا کرے اس لئے یہاں یقین کی قید لگائی، جبکہ اوپر بیمار ہے نہیں اور اس کی تندرستی بتاتی ہے کہ وہ کما کر ادا کر دے گا۔

(3) نیز اس کے بارے احادیث بھی مروی ہیں کہ حج کے لئے قرض اسی صورت میں لے جبکہ ادائیگی کا یقین ہو، چنانچہ السنن الکبری للبیہقی کی حدیث ہے کہ حضرت ابن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کے لئے قرض لینے کے متعلق فرمایا" لا یستقرض الا ان یکون له وفاء"ترجمہ: حج کے لئے قرض نہ لیا جائے سوائے یہ کہ لوٹانا ممکن ہو۔

(السنن الکبری للبیہقی، کتاب الحج، باب الاستسلاف للحج، جلد04، صفحہ333، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ)

لہٰذا ان توجیہات کی بناء پر مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و دیگر فقہاء پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں صورت میں قرض لینا صرف اسی صورت میں افضل ہے جبکہ بعد میں ادائیگی کا غلبہ ظن ہو۔

سوال: جس پر قرض ہو اس پر حج فرض ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے قرض ادا کئے بغیر حج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرائط کی موجودگی میں مقروض پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک بندے کے پاس دس لاکھ ہے اور ایک لاکھ قرض ہے تو اسے کون سی رکاوٹ ہے؟ بہتر یہ ہے کہ ادا کر کے جائے۔ ادا نہ کرنے کی صورت میں حج کیا تو حج ہو جائے گا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ’’جس کا اس پر قرض آتا ہے اس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے۔‘‘

(بہار شریعت، حج کا بیان، آداب سفر و مقدمات حج کا بیان، جلد02، صفحہ1051، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ہاں البتہ بغیر قرض ادا کئے حج کو جانا مکروہ ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے ”ویکرہ الخروج إلی الغزو والحج لمن علیه الدین وإن لم یکن عنده مال ما لم یقض دینه إلا بإذن الغرماء۔“

(فتاوی ہندیہ، کتاب المناسك ،الباب الثالث،جلد01،صفحہ221،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: جس پر حج فرض ہو لیکن بڑھاپے یا لا علاج بیماری کی وجہ سے جا نہ سکتا ہو اس نے کسی کو اپنی طرف سے حج کرنے لئے بھیجا اور کہا: اگر اخراجات ختم ہو جائیں تو کسی سے قرض لے لینا۔اس قرض کو ادا کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔کیا ایسا کہنا اور راس کا بوقت ضرورت قرض لینا جائز ہوگا اور لینے کی صورت میں ذمہ داری قبول کرنے والا ادا کرنے کا پابند ہوگا یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! ایسا کرنا بالکل جائز ہے اور خرچہ ختم ہونے کی صورت میں جس نے حج پر بھیجا اور قرض لینے کی صورت میں قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لی ،اس پر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے ”اذا قال الوصی للحاج ان فنی المال فاستقرض وعلی قضاء الدین فھو جائز کذا فی المحیط“ ترجمہ: جب وصی نے حج کرنے والے کو کہا: اگر مال ختم ہو جائے تو قرض لے لینا میں ادا کردوں گا تو جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب المناسك ،الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج،جلد01،صفحہ260،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: سنا ہے کہ جس پر قرض ہو وہ قرضہ ادا کئے بغیر حج کو جائے تو اس کا حج درست نہیں ہوتا یعنی جب تک قرض ادا نہ کردے حج قبول نہیں ہوتا۔کیا یہ درست بات ہے؟

جواب: قرض ادا کئے بغیر حج کرنے سے حج قبول نہیں ہوتا، یہ غلط و بے اصل بات ہے۔ کیونکہ قرض ادا کر کے حج کو جانا وجوب و ادائیگی حج کی شرائط میں سے نہیں۔ہاں سفر حج کے آداب میں سے یہ ضرور ہے کہ قرض ہو تو سفر سے قبل قرضہ اتار دے جیسا کہ رفیق الحرمین

میں ہے "کسی کی امانت پاس ہو یا قرضہ ہوتو لوٹا دیں۔"

(رفیق الحرمین،صفحہ 17،مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

سوال: قرض ادا کیے بغیر حج کو جانا کیسا ہے جبکہ معلوم ہو کہ حج کروں گا تو ادائیگی قرض کے واسطے مال نہ بچے گا؟

جواب: قرض ادا کیے بغیر حج پر جانا کہ جس کے بعد قرض ادا کرنے کی امید نہ رہے، مکروہ تحریمی، گناہ ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "(قوله ممن يجب استئذانه كأحد أبويه المحتاج إلى خدمته والأجداد والجدات كالأبوين عند فقدهما، وكذا الغريم لمديون لا مال له يقضي به، والكفيل لو بالإذن، فيكره خروجه بلا إذنهم كما في الفتح، وظاهره أن الكراهة تحريمية ولذا عبر الشارح بالوجوب، وزاد في البحر عن السير وكذا إن كرهت خروجه زوجته ومن عليه نفقته۔والظاهر أن هذا إذا لم يكن له ما يدفعه للنفقة في غيبته قال في البحر:وهذا كله في حج الفرض.أما حج النفل فطاعة الوالدين أولى مطلقا كما صرح به في الملتقط۔"

(ردالمحتار، کتاب الحج،صفحہ 19-518،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

سوال: جس کو حج بدل کے لئے بھیجا تو کیا وہ ان پیسوں میں سے کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جس کو حج بدل کے لئے پیسے دیے وہ انہیں کسی کو بھی قرض نہیں دے سکتا حتی کہ حج پر اس رقم سے وہ تسبیحات، تبرکات ،وغیرہ بھی نہیں خرید سکتا کہ ایک تو یہ حوائج میں سے نہیں ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ چیزیں عام طور پر تحفے دینے کے لئے خریدی جاتی ہیں اور حج بدل

کرنے والے کو وہ رقم تبرعات وتحائف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی حتی کہ علماء نے لکھا ہے کہ وہ اپنے کھانے پر کسی کو دعوت بھی نہیں دے سکتا، چنانچہ مناسک میں ہے"(ولا یدعو) ای المامور(الی طعامه)ای احدا اذ لیس له التبرع و لا التطوع ولذا قال (ولا یتصدق) ای من طعامه او غیره علی احد من الفقراء (ولا یقرض)ای احدا" (مناسك ملا علی قاری ،صفحه 501،مکتبه فاروقیه ، کوئٹه)

❁۔۔۔ کتاب النکاح ۔۔۔❁

سوال: بعض صورتوں میں نکاح سنت جیسا کہ حالت امن ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے جیسا کہ اندیشہ زنا وغیرہ اور بعض صورتوں نکاح فرض ہوتا ہے جیسا کہ زنا میں پڑنے کا یقین ہو۔اب جبکہ نکاح واجب یا فرض ہو گیا۔رقم پاس نہیں ہے کہ نکاح کر سکے تو کیا واجب ہے کہ قرض لیا جائے اور نکاح کیا جائے؟

جواب: حالت امن میں کہ جب شہوت زیادہ تنگ نہیں کرتی نکاح کرنا سنت ہوتا ہے۔ مگر نکاح کرنے کے اخراجات نہیں ہوتے ،اس صورت میں نکاح کے واسطے قرض لینا مستحب ہے۔اور اگر یقین ہے کہ اب نکاح نہ کروں گا تو زنا و گناہ وغیرہ میں لازمی طور پر مبتلا ہو جاؤں گا تو اب نکاح کرنے کے لئے قرض لینا واجب ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"قلت:ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق عبد أيضا، وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له قال في البحر :فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف .اهـ .ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا، وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا أن يقال الشرط ملك كل من

جواب: نہیں۔شوہر کے مقروض ہونے کی وجہ سے بیوی اور بیوی کے مقروض ہونے کی وجہ سے شوہر مقروض نہ سمجھا جائے۔

(فتاوی رضویہ،جلد10،صفحہ168،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

☆۔فصل اول:مہر کا بیان۔☆

سوال: کیا مہر بھی آدمی پر ایک طرح کا قرض ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں!بیوی کا مہر بھی آدمی پر ایک طرح کا قرض ہوتا ہے"تصریح بان المهر کسائر الدیون"ترجمہ:کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ مہر بھی دیگر قرضوں کی طرح ایک قرض ہے۔

(ردالمحتار،کتاب النکاح،باب نکاح الرقیق،جلد03،صفحہ326،مطلب فی الفرق،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

سوال: اگر مہر بھی دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے تو کیا جس طرح قرض نہ دینے کی صورت میں مقروض کو قید کروانا جائز ہے،مہر میں بھی قید کروانا جائز ہوگا؟

جواب: مہر میں قید کروانا جائز نہیں۔اس میں اصول یہ ہے کہ قرض اور دین یعنی جو کسی مال کا بدل ہو جیسے کوئی شے ادھار بیچی تو رقم ایک اعتبار سے خریدنے والے پر قرض ہوتی ہے اس طرح کی رقم نہ دے تو قید کروانا جائز ہے۔اور مہر جو ہوتا ہے وہ کسی مال کا بدل نہیں ہوتا بلکہ وہ تو محض ایک عقد سے ذمہ لازم ہوتا ہے جیسا کہ القول الراجح ہے میں ہے"فان امتنع حبسه فی کل دین لزمه بدلا عن مال"اور اس سے کچھ آگے لکھا ہے"فلا یحبس فی المهر و الکفالة"

(القول الراجح،کتاب اداب القاضی،فصل فی الحبس،جلد02،صفحہ9-108)

سوال: باپ بیٹی کا مقروض تھا۔بیٹی کی شادی کی اور باپ نے جہیز دیا اور بعد میں باپ

کہتا ہے کہ قرض کے عوض جہیز دیا ہے۔اس صورت میں باپ کا قرض ادا ہو گیا یا نہیں؟

جواب: باپ اگر قسم کے ساتھ کہہ دے کہ اللہ کی قسم میں نے قرض کے عوض میں دیا ہے تو اس کی بات قابل قبول ہے۔اور اس کا قرض بھی ادا ہو جائے گا۔کیونکہ اس طرح کے مسائل کا مدار عرف ورواج پر ہے جب تک کوئی دلیل صارف نہ ہو لیکن باپ کا حال یہاں دلیل صارف ہے کہ وہ ادائیگی قرض کی فکر کو مقدم رکھے گا لہٰذا باپ اگر قسم کے ساتھ کہہ دے کہ میں نے قرض کے عوض میں دیا ہے تو قرض ادا ہو گیا۔فتاوی رضویہ میں ہے"بالجملہ یہاں مدار عرف ورواج پر ہے۔۔۔تو جدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب مگر یہ کہ کوئی دلیل دیگر اس سے صارف ہو۔" لیکن اس صورت میں کہ جب باپ مقروض ہے تو اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر کہ جب یہ مقروض ہے تو اس کی حالت بتاتی ہے کہ قرض ادا کرنے کی فکر مقدم رکھے گا۔

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد 12، صفحہ 231، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں"لو کان لھا علی ابیھا دین فجھزھا ابوھا ثم قال جھزتھا بدینھا علی وقالت بل بما لك فالقول للاب" ترجمہ:اگر باپ بیٹی کا مقروض ہو اور بیٹی کو جہیز دے، پھر کہے: میں نے جہیز قرض کے بدلہ دیا ہے اور بیٹی کہتی ہے: نہیں! آپ نے اپنے مال سے دیا ہے تو اس کے متعلق حکم ہے کہ باپ کا قول معتبر ہوگا۔

(البحر الرائق، کتاب النکاح، باب المھر، جلد 03، صفحہ 325، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: شوہر فوت ہو گیا۔عورت کہتی ہے کہ اس کی وراثت میں میرا آٹھواں حصہ بنتا ہے، وہ مجھے دیا جائے۔اس کے بعد جو بچے گا اس میں سے میرا مہر دو پھر آپس میں تقسیم کرنا۔کیا

یونہی کیا جائے گا یا اس کا الٹ؟

جواب: مذکورہ عورت کی بات خلاف حکم شرع ہے کہ شرعا پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے اور اس کا مہر بھی ایک قرض ہے لہٰذا پہلے اس کو مہر دیں اس کے بعد جو بچے اس میں سے اس کو آٹھواں حصہ دیں ﴿فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان: پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر۔ (سورۃ النساء، آیت 12)

اس عورت کے اس طرح کہنے کی دو وجوہات ہیں: اول حکم شرعی سے ناواقفی، ثانی جان بوجھ کر اس طرح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر پہلے آٹھواں حصہ لے گی پھر مہر، تو اس طرح اس کو زیادہ ملے گا اور اگر پہلے مہر لے گی پھر وراثت، تو کم ملے گا۔

سوال: نکاح کے وقت عورت کا حق مہر یوں رکھا کہ فلاں پر جو میرا اتنا قرض ہے وہ تمہارا حق مہر ہے۔ اس صورت میں کیا عورت شوہر سے مانگے گی یا شوہر کے مقروض سے؟

جواب: عورت کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے مانگے۔ شوہر سے مانگے یا شوہر کے مقروض سے مطالبہ کرے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "رجل تزوج علی الألف التی له علی فلان جاز النکاح ولها الخیار إن شاء ت أخذت الزوج بألف، وإن شاء ت اتبعت المدیون وتأخذ الزوج حتی یوکلها بقبض الدین من المدیون۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب النکاح، الفصل الثانی، جلد 1 صفحہ 303، دار الفکر، بیروت)

سوال: عورت نے کسی مرد سے یوں نکاح کیا کہ فلاں پر جو قرض ہے وہ معاف کرو، یا میرے فلاں عزیز پر جو تیرا قرض ہے وہ معاف کرو، یا مجھ پر جو تیرا قرض ہے وہ معاف کرو۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! اس طرح نکاح کرنا بھی جائز ہے اور قرض معاف کرنا وکروانا بھی جائز ہے۔ہاں اب یہ نہ سمجھا جائے کہ عورت کو مہر نہ دینا پڑے گا بلکہ اب بھی اسے مہر مثل دینا واجب ہوگا۔فتاوی ہندیہ میں ہے "امرأة زوجت نفسها من رجل علی أن یبرء فلانا مما له علیه من الدین برء فلان منه ولها علی الزوج مهر مثلها وعن أبی یوسف -رحمه الله تعالی- فی الأمالی إذا زوج ابنته علی أن یبرئه من الدین الذی له علیه أو زوجت المرأة نفسها علی أن یبرئها من الدین الذی له علیها وهو کذا فالبراءة جائزة ولها مهر مثلها، کذا فی المحیط"

(فتاوی ہندیہ، کتاب النکاح، الفصل الخامس فی المهر، جلد 1 صفحہ 309، دار الفکر بیروت)

سوال: مہر خرچ کردیا، یا کسی کو دے دیا، قبل دخول طلاق ہوگی، کیا اب وہ مہر بیوی پر قرض ہوگا یا نہیں؟

جواب: جی بالکل عورت کو آدھا مہر واپس کرنا ہوگا۔فتاوی ہندیہ میں ہے "ولو قبضت الصداق ووهبته من الأجنبی ثم وهبه من الزوج ثم طلقها قبل الدخول بها رجع علیها بالنصف، الدین والعین فیه سواء ، کذا فی المحیط۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب النکاح، باب سابع، الفصل الحادی عشر، جلد 1 صفحہ 317، دار الفکر،)

سوال: شوہر کو قرض خواہ نے پکڑ کر قید کردیا۔قید کے دنوں کا خرچہ بیوی لینے کی حق دار ہے یا نہیں؟

جواب: جس مقروض کو پکڑ کر قید کیا گیا وہ قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو بہر صورت بیوی کا خرچہ ساقط نہ ہوگا۔وہ بدستور نفقہ لینے کی شرعا حقدار ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے "ولو حبس الزوج، وهو یقدر علی أداء الدین أو لم یقدر، أو هرب فلها

النفقۃ۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب النکاح، باب سابع، الفصل الحادی عشر، جلد1 صفحہ317، دار الفکر)

☆۔۔ فصل دوم: نفقہ کا بیان ۔۔☆

سوال: شوہر خرچہ نہیں دیتا تھا۔ بیوی قرض لے کر اپنا خرچہ کرتی رہی ہو تو کیا وہ شوہر پر قرض ہوگا؟

جواب: اگر شوہر خرچہ نہیں دیتا تھا اور بیوی نے کسی قاضی یا ہمارے دور میں بڑے مفتی یا گورنمنٹ کے کہنے سے قرض لے کر گزارا کیا، تو وہ شوہر پر قرض ہوگا اور قرض خواہ کے مطالبہ کرنے پر اسے واپس کرنا بھی اسی شوہر ہی کی ذمہ داری ہوگی۔ اور اگر بیوی کسی قاضی و مفتی یا گورنمنٹ کے کہنے سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے قرض لے لے کر گزارا کرتی رہی تو اس قرض کا بھار شوہر پر نہیں بلکہ خود اس عورت پر ہوگا اور وہی واپس کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "وبموت أحدهما وطلاقها يسقط المفروض إلا إذا استدانت بأمر قاض" ترجمہ: موت وطلاق کے باعث طے شدہ نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ وہ قاضی کے حکم سے قرض لے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقہ، مطلب فی الامر بالاستدانۃ، جلد05، صفحہ312، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فرمایا: نفقہ مفروضہ (مقرر کردہ خرچہ) بحکم حاکم (گورنمنٹ کے نافذ کرنے سے) ہو، موت احدالزوجین (میاں بیوی میں سے کسی کی موت ہو جانے) سے ساقط (ختم) ہو جاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا اور بحکم قاضی شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین (قرض) قرار پا کر موت سے ساقط نہیں ہوتا۔

(فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ473، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: شوہر خرچہ نہیں دیتا تھا۔ بچہ کی پرورش کی خاطر عورت مجبور ہو کر قرض لیتی رہی تو بچہ کی پرورش کی خاطر لیا ہوا قرض شوہر پر قرض ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر قاضی یا مفتی یا گورنمنٹ نے باپ پر خرچہ متعین کیا اور عورت سے کہا: نہ دے تو قرض لے کر بچہ کی پرورش کرنا، اس صورت میں باپ پر قرض ہوگا۔ ان کی اجازت کے بغیر قرض لیتی رہی خواہ اپنے لئے یا بچہ کی پرورش کے لئے تو شوہر پر قرض نہ ہوگا۔ برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں" وإذا قضى القاضي للولد والوالدين وذوي الأرحام بالنفقة فمضت مدة سقطت إلا أن يأذن القاضي بالاستدانة" ترجمہ: جب قاضی بچوں، والدین اور ذوی الارحام کے نفقہ کو متعین کرے تو خرچے کی مدت پوری ہونے سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر قاضی قرض لینے کی اجازت دے دے تو اور بات ہے۔

(ہدایہ، کتاب الطلاق، باب النفقہ، فصل نفقۃ الاولاد الصغار، جلد02، صفحہ450، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

سوال: کسی عورت کا شوہر غائب ہو گیا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ تم قرض لے کر اپنا خرچہ چلاؤ۔ شوہر آئے گا تو ادا کرے گا۔ کیا قاضی کا یہ فیصلہ عندالشرع معتبر ہوگا؟

جواب: امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا ایسا کرنا جائز ہے۔ اور یہی مفتی بہ، اسی پر قضاۃ کا عمل اور یہی امام مالک، شافعی، احمد کا مذہب ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" وعند زفر رحمه الله تعالىٰ يقضى بها وعليه الفتوى وهو قول الآئمة الثلاثة وعليه عمل القضاة۔"

(وسیلۃ الزفر، صفحہ79)

سوال: قاضی یا مفتی وغیرہ نے فیصلہ دیا کہ شوہر خرچہ نہ دے تو قرض لے کر بچہ کی پرورش

کرنا۔عورت نے شوہر سے خرچہ مانگا،شوہر نے نہ دیا،اس نے بمطابق فیصلہ کسی سے قرض نہ لیا بلکہ اپنی جیب سے بچے پر خرچ کرتی رہی اس نیت سے کہ قاضی ومفتی یا جج کو کہہ کر اس سے واپس لے لوں گی۔تو کیا عورت کا اپنی جیب سے کیا ہوا یہ خرچ شوہر پر قرض ہوگا؟

جواب: اپنے مال یعنی اپنی جیب سے بیوی نے خرچ کیا تو اب شوہر پر قرض نہ ہوگا اور نہ ہی شوہر سے لے سکتی ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "وأما إذا أمرت بالاستدانة ولم تستدن بل أنفقت من مالها فلا رجوع لها،لأنها لم تفعل ما أمرها به القاضي۔ "یعنی اگر قاضی عورت کو قرض لینے کی اجازت دے دے اور وہ نہ لے بلکہ اپنے مال سے خرچ کرے تو وہ اس کا خرچہ نہیں لے سکتی۔کیونکہ اس نے ایسا کام کیا ہے جسے قاضی کی طرف سے کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

(ردالمحتار،کتاب الطلاق،باب النفقہ،مطلب فی مواضع لا یضمن فیھا المنفق،جلد05 ،صفحہ379،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

سوال: ہندہ کے دو بچے ہیں اس کا شوہر اس سے دور دوسرے شہر رہتا ہے ہندہ قرض لے کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی تھی جب شوہر اخراجات بھیجتا تو قرض ادا کر دیتی۔اب دو سال سے ہندہ قرض لے کر حسب دستور گزر اوقات کر رہی تھی۔دو سال کے بعد شوہر نے آتے ہی طلاق دے دی۔ان دنوں ہندہ نے جو قرض لے کر گزارہ کیا،کیا ہندہ اسے شوہر سے لینے کی حق دار ہے؟

جواب: زید کے دوسرے شہر کے قیام کے زمانہ میں اگر ہندہ شوہر کی اجازت سے قرض لیکر اپنے اخراجات چلاتی تھی یا ہندہ کے قرض لینے کا شوہر کو علم ہوتا تھا مگر اسے منع نہ کرتا تھا تو شوہر پر (ان دو سالوں میں لئے ہوئے) قرض کی ادائیگی بھی واجب ہے۔

(فتاوی فیض الرسول ،جلد02،صفحہ332،شبیر برادرز،اردو بازار،لاہور)

سوال: مذکورہ قرض شوہر ادا نہ کرے، تو عورت اس کی وصولی کے لئے مقدمہ کرسکتی ہے؟

جواب: اوپر جو شرائط ذکر کیں یعنی شوہر کی اجازت تھی یا شوہر کو معلوم تھا اور منع نہ کیا تھا تو وصولی کے لئے کرسکتی ہے۔

(فتاوی فیض الرسول ، جلد02، صفحہ332، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

سوال: بیوی کے علاوہ کسی اور کا جیسے والدین وغیرہ کا خرچہ بیٹے پر قاضی، جج، مفتی وغیرہ نے لازم کیا تھا۔ اورانہوں نے حکم دیا تھا کہ اگر یہ خرچہ نہ دے تو قرض لے کر کام چلانا، اب والدین قرض وغیرہ لے کر کام چلاتے رہے، ادائیگی قرض سے قبل ہی بیٹا مرگیا۔ اب وہ قرض کون ادا کرے گا؟

جواب: بیٹے کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔ بہار شریعت، فتاوی شامی، درمختار اور تنویر الابصار میں ہے "واللفظ لدر:فلومات الاب اومن علیه النفقة بعدها۔۔۔فھی دین فی ترکته فی الصحیح" یعنی: غیر زوجہ جس کے نفقہ کا قاضی نے حکم دیا تھا اُس نے قاضی کے حکم سے قرض لے کر کام چلایا تو نفقہ ساقط نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر قرض لینے کے بعد اُس شخص کا انتقال ہوگیا جس پر نفقہ فرض ہوا تو وہ قرض ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔

(درمختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، جلد05، صفحہ380، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: شوہر مقروض ہے تو کیا قرض کے بوجھ کی وجہ سے مرد بیوی کا خرچہ بیوی کی رضا مندی کے بغیر کم کرسکتا ہے؟

جواب: شوہر قرضے کے بھاری وجہ سے بیوی کی مرضی کے بغیر خرچے میں کمی نہیں کر سکتا۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "ظاہرا اس کے

سبب نفقہ زن (بیوی کے خرچہ) میں تنگی نہیں کر سکتے کہ یہ بھی مطالبہ عبد (حقوق العباد) ہے ۔"

(فتاوی رضویہ، جلد13، صفحہ467، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

البتہ بیوی کو اس طرح کی صورت حال میں شوہر کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے ۔

بعض عورتیں ایسی نالائق وخبیث طبیعت کی ہوتی ہیں کہ انہیں اپنی مرضی وطبیعت کے مطابق چلنا ہے، شوہر کی پریشانی کی کچھ پرواہ نہیں کرتی ۔

سوال: قرض کی وجہ سے قید عورت اپنے شوہر سے نفقہ پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟

جواب: قرض کی وجہ سے قید بیوی قید کے دنوں کا نفقہ شوہر سے نہیں لے سکتی ۔ ہاں! اگر شوہر سے قرض لیا تھا اور شوہر نے قید کروادیا تو اب عورت قید کے دنوں کا خرچہ شوہر سے لے سکتی ہے ۔ جوہرہ نیرہ میں ہے "(قولہ وإذا حبست المرأة في دين أو غصبها رجل كرها فذهب بها أو حجت مع غير محرم فلا نفقة لها) وفي الكرخي إذا حبست في الدين لا تقدر على وفائه فلها النفقة وإن كانت تقدر فلا نفقة لها؛ لأن المنع باختيارها والفتوى على أنه لا نفقة لها في الوجهين وإن حبسها الزوج بدين له عليها فلها النفقة على الأصح ۔" ترجمہ: عورت اگر قید ہوگئی اگرچہ ظلماً تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر دَین تھا اُسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا ۔ یونہی اگر عورت کو کوئی اُٹھا لے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں ۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب النفقات، جلد02، صفحہ 265، مطبوعہ، اُردو بازار، لاہور)

❁۔۔۔ کتاب الطلاق ۔۔۔❁

سوال: اگر کل تک میں قرض وصول نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق، بیوی کو طلاق سے بچانے کے لئے کیا کرے؟

جواب: مقروض سے زبردستی چھین لے، ورنہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر مقروض نے بھی قسم کھائی کہ میں کل نہیں دوں گا تو پھر بھی قرض خواہ کو کہا جائے گا کہ زبردستی اس سے اپنا قرض وصول کرے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قرض خواہ کی بیوی کو طلاق بھی نہ ہوگی اور مقروض کی قسم بھی نہ ٹوٹے گی اور اگر زبردستی اس سے قرض وصول کرنے کی صورت نہ ہو تو اس دن کسی طریقے سے خواہ زبردستی ہی کیوں نہ ہو اسے تھانے لے آئے، یا شہر کے کسی مشہور و معروف مفتی کے پاس لے جائے، ایسا کرنے سے بھی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ ہندیہ میں ہے "لو حلف رب الدين فقال:إن لم آخذ ما لي عليك غدا فامرأتي طالق وحلف المديون أيضا أن لا يعطي غدا فأخذ منه جبرا فلا يحنثان فإن لم يمكنه يجره إلى باب القاضي فإذا خاصمه بر في يمينه"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ137، دارالفکر)

اسی طرح اگر یہ کہا کہ کل تک قرض ادا نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق اور وقت مقررہ تک قرض ادا نہ کر سکا تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

❁---کتاب الایمان---❁

سوال: قسم کھائی کہ فلاں کو قرض نہ دوں گا۔اب فلاں کو قرض دینے کے بارے میں شریعت اسلامی کی کیا تعلیمات ہیں؟

جواب: اس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"اذا حلفت علی امر فرائیت غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینك وأت الذی ھو خیر"ترجمہ:جب تم کسی معاملہ میں قسم کھالو پھر دیکھو کہ اس کام کو کرنے میں بھلائی ہے تو قسم توڑ دو اور کفارہ دے دو اور جو کام بہتر ہے اس کو اختیار کر لو۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان،باب ندب من حلف یمینا،جلد03،صفحہ 1273، بیروت)

اور اوپر بیان کر دیا گیا کہ قرض صدقہ سے بھی افضل ہے اور بھلائی والا کام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اور وجہ شرعی نہ ہو تو قسم توڑنے اور قرض دینے کی اجازت ہے۔لیکن بعد قرض دینے کے کفارہ لازم آئے گا۔

سوال: قرض خواہ نے مقروض سے قسم لی کہ جب تک مقروض قرض ادا نہیں کرے گا،شہر سے قرض خواہ کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گا۔چند دنوں بعد قرض خواہ نے قرض معاف کر دیا،تو کیا اب شہر سے قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جانے کی صورت میں قسم ٹوٹے گی یا نہیں؟

جواب: جب قرض خواہ نے قرض معاف کر دیا تو اب بغیر بتائے شہر سے باہر جانے کی صورت میں قسم نہیں ٹوٹے گی۔فتاوی ہندیہ میں ہے"ولو حلف علی امرأتہ بطلاقھا أن لا تخرج من الدار إلا بإذنی أو حلف السلطان رجلا بطلاق امرأتہ أن لا یخرج من البلدۃ إلا بإذنہ أو حلف صاحب الدین مدیونہ أن لا یخرج من

البلدة إلا بإذنه فاليمين مقيدة بحال قيام الزوجية والسلطنة والدين فإن بانت المرأة وعزل السلطان وسقط الدين سقطت اليمين۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، باب رابع، الفصل الثالث، جلد1 صفحہ440، دارالفکر)

سوال: ایک بندہ مقروض ہے۔ زید نے کوئی کام نہ کرنے کی قسم کھائی لیکن وہ ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے اس پر کفارہ دینا لازم ہوا۔ لیکن زید مقروض ہے۔ آیا مالی کفارہ کی بجائے روزے رکھ کر کفارہ ادا کر سکتا ہے؟

جواب: اگر اس کے پاس کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام نہیں اور نہ ہی دس مسکینوں کو دینے کے لئے کپڑے ہیں اور نہ ہی اتنا کھانا ہے کہ دس مسکینوں کو صبح و شام کھلا سکے تو اب روزہ رکھ کر کفارہ ادا کر سکتا ہے۔ اور اگر مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے پاس موجود ہے تو اب روزوں سے کفارہ دینا جائز نہیں اگرچہ کتنا ہی مقروض ہو۔ ہندیہ میں ہے "وهذا إذا لم يكن في ملكه عين المنصوص عليه أما إذا كان في ملكه عين المنصوص عليه وهو أن يكون في ملكه عبد أو كسوة أو طعام عشرة لا يجوز أن يصوم" (فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، باب ثانی، الفصل الثانی، جلد2، صفحہ62، دارالفکر)

سوال: زید نے جس وقت قسم توڑی اُس وقت وہ غنی تھا یعنی مالی کفارہ دے سکتا تھا۔ لیکن بعد میں غنی نہ رہا بلکہ کسی کا مقروض ہو گیا۔ یا جس وقت قسم توڑی اس وقت مالی کفارہ نہیں دے سکتا تھا، کسی کو قرض دیا ہوا تھا، اس نے واپس کیا اب مالی کفارہ ادا کرنے کے قابل ہو گیا۔ اب کیا حکم ہے؟

جواب: دونوں صورتوں کا آسان جواب یہ ہے اس مسئلہ میں قسم ٹوٹنے کے وقت کا اعتبار نہیں بلکہ جس وقت کفارہ ادا کرنا ہے اس وقت بندے کی حالت کیا ہے؟ اِس کا اعتبار ہے۔

یعنی اگر ادائیگی کفارہ کے وقت غنی ہے تو مالی ہوگا اور اگر محتاج ہے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس صورت کا ذکر یہاں ضمناً ضروری تھا۔ ہندیہ میں ہے"ثم اعتبار الفقر والغنی عندنا عند إرادة التكفير فلو كان موسرا عند الحنث ثم أعسر عند التكفير أجزاه الصوم عندنا وبعكسه لا يجزئه كذا في فتح القدير۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، باب ثانی، الفصل الثانی، جلد2، صفحہ62، دار الفکر)

سوال: قسم ٹوٹ گئی، کفارہ دینا ہے۔ مقروض سے ایک لاکھ روپیہ لینا ہے۔ فی الحال مالی کفارہ دینے کی استطاعت نہیں۔ اس صورت میں مالی کفارہ دینا ہوگا یا روزے رکھے جا سکتے ہیں؟

جواب: اس کا جواب بھی بہت آسان ہے۔ اگر مقروض قرض واپس کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اب مالی کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اب مالی کفارہ دینا واجب نہیں، روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں جبکہ فی الوقت پاس کوئی مال وغیرہ نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے"وإن كان له مال غائب أو له دين على الناس ولا يجد ما يعتق ولا ما يكسو ولا يطعم أجزأه الصوم هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى۔ قالوا: تأويله في مسألة الدين إذا كان الدين على معسر لا يقدر على الأداء أما إذا كان على ملىء يقدر على الأداء وإن تقاضاه قدر عليه لم يجزئه الصوم كذا روى ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالى۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، بالباب الثانی، الفصل الثانی، جلد2، صفحہ62، دار الفکر)

سوال: قسم کھائی کہ فلاں سے اپنا قرض ضرور واپس لوں گا یا یہ لفظ کہے کہ خود واپس لوں گا۔ اب یہ خود وصول کرے، یا اپنے وکیل کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجے تو؟

جواب: دونوں طرح وصول کرنا جائز ہے یعنی خود وصول کرے یا اپنے وکیل کو بھیجے سب درست ہے۔ہاں اگر قسم کھاتے وقت نیت یہ تھی کہ بنفس نفیس خود جاؤں گا وکیل کو بھی نہ بھیجوں گا تو اب اگر وکیل کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔وکیل سے مراد شعبہ وکالت والا نہیں بلکہ اپنا نمائندہ ہے۔

نیز اس طرح کے مسائل میں اگر مقروض کے وکیل، کفیل (ضامن) یا محتال علیہ (جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے) ان سے بھی قرض وصول کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ مقروض کی رضامندی سے کفیل ومحتال بنے ہوں۔اور اگر مقروض کی رضا شامل نہ تھی تو اب کفیل وغیرہ سے وصول کیے تو قسم ٹوٹ جائیگی۔ہندیہ میں ہے" اذا حلف لیأخذن من فلان حقه أو قال:لیقبضن فأخذ بنفسه أو أخذ وکیله فقد بر فی یمینه وإن عنی أن یباشر ذلك بنفسه صدق دیانة وقضاء وکذلك لو أخذها من وکیل المطلوب فقد بر فی یمینه وکذلك لو أخذها من رجل کفل بالمال بأمر المدیون أو من رجل أحاله المدیون علیه فقد بر فی یمینه، کذا فی الذخیرة ولو قبض من رجل بغیر أمر المطلوب أو کانت الکفالة أو الحوالة بغیر أمره حنث فی یمینه۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان،الباب الثانی عشر،الفصل الثانی،جلد2،صفحہ134، دار الفکر)

سوال: قرض خواہ اور مقروض کی لڑائی ہوگئی،قرض خواہ نے قسم کھا کر کہا: تجھ سے قرض ضرور واپس لوں گا۔اور قسم کے ساتھ اس کا وقت بھی بیان کیا کہ اتنے عرصے میں لے کر دکھاؤں گا۔بعد میں صلح ہوئی اب قرض معاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قرض معاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔البتہ یہ یاد رہے کہ قسم کے ساتھ جو وقت

بیان کیا تھا کہ اس وقت سے پہلے لوں گا، اگر وہ وقت آنے سے پہلے قرض معاف کیا تو قسم ساقط ہوگی۔ یعنی اب قسم وقت آنے پر بھی نہ ٹوٹے گی۔ اور اگر کوئی وقت وغیرہ بیان نہ کیا تھا، اب قرض معاف کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ کفارہ دینا واجب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے ”ولو حلف الطالب لیقبضن ولم یوقت فأبرأه من المال أو وهبه حنث في يمينه ولو وقت في ذلك وقتا فأبرأه قبل الوقت سقطت اليمين ولم يحنث إذا جاء ذلك الوقت في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى۔“

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی کہ مقروض سے قرض واپس نہیں لوں گا، اب کسی پر حوالہ کر دیا، اور اس نے مقروض سے قرض طلب کیا، تو کیا قسم ٹوٹے گی یا نہیں؟

جواب: قرض خواہ کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر حوالہ قسم سے پہلے ہوا اور محتال علیہ قرض پر قسم کے بعد قبضہ کرے تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے ”فإذا حلف الرجل لا يقبض ماله على غريمه فأحال الطالب رجلا ليس له على الطالب شيء على غريمه وقبض ذلك الرجل حنث في يمينه؛ لأنه وكيل الطالب في القبض وإن كانت الحوالة قبل اليمين فقبض المحتال عليه بعد اليمين لا يحنث۔“

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی تھی کہ مقروض سے رقم واپس نہ لوں گا، یا کسی کو وکیل بنایا کہ فلاں سے میرا قرض وصول کرنا، بعد میں کچھ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ قسم اٹھائی کہ میں قرض وصول نہ کروں گا۔ وکیل نے قرض وصول کر لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر پہلے کسی شخص کو بھیج دیا کہ جاؤ فلاں سے میرا قرض وصول کر کے لاؤ، پھر قسم

اٹھائی کہ قرض واپس نہ لوں گا، اس کے قسم اٹھانے کے بعد وکیل صاحب جا کر لے آئے تو قسم نہ ٹوٹی، اور اگر پہلے قسم کھائی پھر وکیل کو بھیجا تو اب قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے" وعلى هذا إذا وكل رجلا يقبض الدين من المديون ثم حلف أن لا يقبض ماله عليه فقبض الوكيل بعد اليمين لا يحنث في يمينه وقد قيل : ينبغي أن يحنث في يمينه، كذا في المحيط۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی کہ جب تک مقروض میرا قرض واپس نہیں کرتا، اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں گا، جدا نہ ہونے دوں گا، مقروض بھاگ گیا، فرار ہو گیا، کیا حکم ہے؟

جواب: قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے "قال في الأصل:إذا حلف لا يفارق غريمه حتى يستوفي ما عليه فلزمه ثم أن الغريم فر منه لا يحنث۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قرض خواہ نے یہ قسم کھائی کہ جب تک مقروض قرضہ واپس نہ کرے، اسے اپنے سے جدا نہ کروں گا۔ قرض خواہ کے ہر وقت مقروض کے ساتھ رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے اسے مقروض ہر وقت نظر آئے۔ جیسے دونوں کا مسجد میں ہونا، ضروری نہیں کہ ایک ہی صف میں ہوں، مسجد میں پلر کی آڑ بھی ان کے مابین ہو تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر ایک مسجد کے اندر اور دوسرا مسجد سے باہر ہے او رمسجد کا دروزاہ کھلا ہے جہاں سے مقروض قرض خواہ کو نظر آئے تو یہ بھی ساتھ رکھنے ہی کے زمرے میں داخل ہے۔ ہاں اگر ایسی جگہ پر ہوں کہ ایک دوسرے سے چھپ جائے جیسے

ایک مسجد کی دیوار کے پیچھے ہیں اور ایک اندر ہے تو اس طرح قرض خواہ کی قسم بھی ٹوٹ جائے گی۔ الختصر یہ کہ درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو کہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ مقروض کہاں چلا گیا، اسی طرح اگر وہ اپنے گھر چلا گیا یہ اپنے گھر چلا گیا یا دونوں کہیں ایسی جگہ ہوئے کہ مقروض نظر آنا بند ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "وإذا حلف لا يفارق غريمه حتى يستوفي ما عليه فقعد مقعدا عليه حيث يراه حتى لا يفوته ويحفظه فليس بمفارق له وإن حال بينهما سترة أو عمود من أعمدة المسجد فليس بمفارق له وكذلك إذا جلس أحدهما خارج المسجد والآخر داخل المسجد والباب مفتوح بحيث يراه فليس بفارق وإذا توارى عنه بحائط المسجد والآخر داخل فهو مفارق وكذلك إذا كان بينهما باب مغلق والمفتاح بيد الحالف والحالف خارج الباب قاعد على هذا الباب هذه الجملة من المنتقى۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: اگر قرض خواہ سو جائے یا اس کے ذہن سے یہ بات ہی نکل جائے، یا کسی کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا کہ ادھر سے مقروض بھائی بھاگ گئے۔ اب قرض خواہ کی قسم کا کیا ہوگا؟

جواب: قرض خواہ کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے "وفي الحيل إذا نام الطالب أو غفل عن المطلوب أو شغله إنسان بالكلام فهرب المطلوب لا يحنث في يمينه۔" (فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قرض خواہ سویا بھی نہ تھا، اور اپنی قسم کو بھولا بھی نہ تھا، اور کسی کے ساتھ باتوں میں

مصروف بھی نہ تھا، یا بالفرض ان کاموں میں مصروف تھا کہ مقروض کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اب قرض خواہ کو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

جواب: جب قرض خواہ نے مقروض کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور اس کا پیچھا نہ کیا، الختصر یہ کہ اسے پکڑنے کے لئے جو اقدامات کرنے اس وقت ممکن تھے، وہ قرض خواہ کرے۔ ورنہ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "ولو لم ینم ولم یغفل عنه فذهب ولم یذهب معه الطالب ولم یمنعه مع الإمکان یحنث فی یمینه۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی تھی کہ مقروض کو اپنے سے دور نہیں ہونے دوں گا یہاں تک کہ وہ قرض ادا نہ کر دے، مقروض نے اپنے قرض کے عوض کوئی شے رہن رکھوائی، یا کوئی کفیل یعنی ضمانتی دے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر قرض خواہ نے رہن یا ضمانتی قبول کرلیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "وإذا حلف لا یفارق غریمه حتی یستوفی منه فأخذ به رهنا أو کفیلا حنث إلا إذا هلك الرهن قبل الافتراق وقیمته مثل الدین أو أکثر فحینئذ لا یحنث، کذا فی الذخیرة۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ134، دارالفکر)

سوال: قرض خواہ مقروض کے پاس آیا اس کے دروازے کو دستک دی، اس نے کہا: فلاں وقت و دن آکر لے جانا۔ قرض خواہ نے قسم کھائی کہ جب تک قرض واپس نہیں کرو گے میں اسی جگہ پر کھڑا رہوں گا۔ ایک قدم نہ ہٹوں گا۔ مقروض نے اسے دھکا دیا تو کیا حکم

ہے؟

جواب: مقروض کو چاہیے کہ اس کا قرض واپس کردے تاکہ اس کی قسم نہ ٹوٹے اور اگر مقروض نے اسے دھکا دیا جس کی وجہ سے جہاں کھڑا تھا وہاں سے آگے پیچھے ہو گیا اب اگر قرض لئے بغیر چلا گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے "رجل جاء إلى باب مديونه وحلف أن لا يذهب من هذا الموضع حتى يأخذ حقه من هذا فجاء المديون ونحاه عن ذلك الموضع ثم ذهب بنفسه قبل أن يأخذ حقه فقد قيل: يحنث وقد قيل: إن نحاه بحيث وقع في مكان آخر من غير أن يكون منه خطو بالإقدام ثم ذهب بنفسه لا يحنث، كذا في الظهيرية في المقطعات۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دار الفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ فلاں کو اس کا قرضہ آج یا فلاں دن ضرور واپس کرے گا، اب مقروض دوسرے شہر چلا گیا، اب یہ کیا کرے کہ اس کا قرض بھی ادا ہو جائے اور قسم بھی نہ ٹوٹے۔

جواب: کسی دوسرے کی ڈیوٹی لگا دے یا حوالہ کر دے، پھر یہ حضرات قرض خواہ کو پیسے دیں اور وہ قسم کا وقت آنے سے پہلے قبضہ کر لے تو قرض سے خلاصی پانے کے ساتھ قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "ولو حلف المديون ليعطين فلانا حقه فأمر غيره بالأداء أو أحاله وقبض بر في يمينه۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دار الفکر)

سوال: قسم کھائی کہ فلاں دن قرض ادا کروں گا۔ فلاں دن آیا، قرض کی ادائیگی کے لئے

رقم نہ تھی، مقروض کے دوست کو پتہ چلا اس نے بغیر بتائے قرض ادا کر دیا تو کیا قرض ادا ہونے کے ساتھ ساتھ قسم بھی پوری ہو گی یا نہیں؟

جواب: اس طرح اگرچہ قرض ادا ہو جائے گا لیکن قسم پوری نہ ہو گی، قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں "وإن قضى عنه متبرع لا يبرء"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثاني عشر في اليمين، جلد2، صفحہ135، دار الفکر)

سوال: اگر مقروض نے یوں قسم کھائی ہو کہ میں کسی کو درمیان میں واسطہ نہیں بناؤں گا بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے آپ کا قرض واپس کروں گا۔ اب دوسرے کی ڈیوٹی لگائی یا کسی پر حوالہ وکفالہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی قسم کھانے کی صورت میں بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے ہی دینا ہو گا، درمیان میں کسی کو واسطہ بنایا، تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے " وإن عنى أن يكون ذلك بنفسه صدق ديانة وقضاء ـ"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثاني عشر في اليمين، جلد2، صفحہ135، دار الفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی تھی کہ قرض واپس نہ کروں گا۔ پھر خود واپس نہ کیا لیکن کسی کے ذریعے سے واپس کر دیا۔ یعنی حوالہ وکفالہ کی کوئی صورت بنائی تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: حکم یہی ہے کہ مقروض کو قرض واپس کرنا ہو گا۔ قسم کھانا بھی جائز نہ تھا۔ اس سے بھی توبہ کرے۔ اور اب خود واپس کرے یا دوسرے کے ذریعے سے بہر حال قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "ولو حلف المطلوب أن لا يعطيه فأعطاه على أحد هذه الوجوه حنث وإن عنى أن لا يعطيه بنفسه لم يدن في القضاء ، كذا في

الذخيرة۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: دوکاندار یا کسی سے قرض لینا تھا،قرض خواہ اس کے پاس گیا اور جا کر بولا کہ اللہ کی قسم آج قرض لئے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔پھر جتنا قرض لینا تھا اتنے برابر مالیت کی کوئی چیز اس کی دکان سے خرید لی یا اس کا موبائل خرید لیا۔اب کیا حکم ہوگا؟

جواب: جو چیز خریدی اگر اس پر قبضہ کرلیا ہے اور اب واپس گیا ہے تو قسم نہ ٹوٹی۔اس مسئلہ کی بنیاد ہبہ والا مسئلہ ہے جیسے یہی قسم کھائی تھی لیکن بعد میں جانے سے پہلے قرض معاف کردیا یا تحفہ کردیا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اس میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز خریدی اس پر قبضہ بھی کرے۔اگر بغیر قبضہ کئے چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ہندیہ میں ہے"رجل قال لغريمه:والله لا أفارقك حتى استوفي منك حقي ثم إنه اشترى من مديونه عبدا بذلك الدين قبل أن يفارقه ولم يقبض الدين حتى فارقه قال محمدرحمه الله تعالى على قول من لا يجعله حانثا إذا وهب الدين منه قبل المفارقة وقبل المديون ثم فارقه لا يحنث وهو قول أبي حنيفةرحمه الله تعالى -وعلى قول من يجعله حانثا في الهبة وهو قول أبي يوسف :رحمه الله تعالى :يكون حانثا هذا إذا فارقه قبل أن يقبض المبيع وإن لم يفارقه حتى مات العبد عند البائع ثم فارقه حنث۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: قرض خواہ نے مقروض کے پاس جا کر قسم کھائی کہ آج قرض لئے بغیر نہ جاؤں گا۔مقروض کے پاس کسی کا موبائل تھا،وہ اس قرض کے عوض بیچ دیا۔قرض خواہ قرض کے

عوض موبائل لے کر چلا گیا بعد میں جس کا موبائل تھا اس نے اپنا استحقاق ظاہر کیا۔قرض ادا ہوا یا نہیں؟

جواب:قرض ادا نہ ہوگا۔کیونکہ موبائل کسی کا تھا،اور دوسرے کی چیز بیچی جائے تو شرعاً وہ بیچ نہیں ہوتی۔لہٰذا قرض بھی ادا نہ ہوگا۔مگر اس صورت میں اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ہندیہ میں ہے"ولو باعه المديون عبدا لغيره بذلك الدين ثم فارقه الحالف بعد ما قبض العبد ثم إن مولى العبد استحقه ولم يجز البيع لا يحنث الحالف ۔"

(فتاوی ہندیہ،کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی تھی کہ بغیر قرض لئے واپس نہ جاؤں گا۔مقروض نے قرض ادا کرنے کے لئے اسے کچھ بیچ دیا۔لیکن اس میں خیار باقی رکھا۔اب کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح کرنا جائز ہے۔لیکن مقروض کے خیار باقی رکھنے کی وجہ سے قرض خواہ اگر چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ہندیہ میں ہے"ولو باعه المديون عبدا على أنه بالخيار فيه وقبضه الحالف ثم فارقه حنث"

(فتاوی ہندیہ،کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: اسی طرح اگر عورت مقروض تھی۔قرض خواہ نے قسم کھائی کہ بغیر قرض لئے واپس نہ لوٹوں گا،عورت نے کہا کہ اس قرض کے عوض مجھ سے نکاح شرعی کرلو۔کیا اس طرح قرض کی ادائیگی اور نکاح ہو جائے گا اور قسم کو ٹوٹنے سے بچایا جانا ممکن ہے؟

جواب: قرض بھی ادا ہو جائے،نکاح بھی ہو جائے گا اور قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔"ولو كان الدين على امرأة فحلف لا يفارقها حتى يستوفي حقه منها فتزوجها الحالف

علی ما کان له من الدین علیها فهو استیفاء بما علیها من الدین۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ تمہارے قرض میں سے ایک روپیہ بھی نہیں رکھوں گا۔ اب قرض فوراً ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! فوراً قرض کی ادائیگی میں مشغول ہو جانا واجب ہے تاکہ قسم نہ ٹوٹے اور اس بات کا انتظار بالکل نہ کرے کہ جیسے ہی قرض خواہ مانگے گا ویسے ہی قرض کی ادائیگی کا بندوبست کرنا شروع کر دوں گا۔ ہندیہ میں ہے "إذا حلف لا یحبس من حقه شیئا ولا نیة له ینبغی له أن یعطیه ساعة حلف یرید به أن یشتغل بالإعطاء حتی لو لم یشتغل به کما فرغ من الیمین حنث فی یمینه طلب منه أو لم یطلب"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ قرض دینے کا جو وقت مقرر ہے اس سے تاخیر نہیں ہونے دوں گا۔ کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا حکم بالکل واضح ہے کہ مدت سے تاخیر کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "لو حلف أن لا یحبس إذا حل الأجل فإنه لا یؤخر إذا حل۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ مہینے کے شروع میں قرض واپس کر دوں گا۔ کیا حکم ہے؟

جواب: قسم کھانے کی صورت میں مہینے کے شروع میں قرض واپس کرنا لازمی ہوگا ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی اور مہینہ کا شروع سے مراد فقہاء نے 15 دن لئے ہیں۔ یعنی اگر کسی نے

پندرہ دن کے اندر اندر قرض واپس کر دیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے "حلف لیعطینه فی أول الشهر فأدی فی النصف الأول بر وإلا حنث۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

البتہ ہمارے زمانے میں مہینے کے شروع سے مراد شروع کے دس دن ہوتے ہیں ۔فی زمانہ مہینے کے شروع سے یہی مراد لی جاتی ہے۔

سوال: اگر یوں قسم کھائی کہ مہینہ شروع ہوتے ہی قرض واپس کر دوں گا تو کیا حکم ہوگا؟

جواب: اب اسے پہلی تاریخ کو ہی قرض واپس کرنا ہوگا ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی۔

ہندیہ میں ہے "ولو حلف لیقضین دینه رأس الشهر أو إذا أهل الهلال فله لیلة الهلال ویومه کله"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ فجر، ظہر یا عصر یا کسی بھی نماز کے وقت قرض واپس کروں گا۔ جیسے کہہ دیتے ہیں کہ آج ظہر کے وقت دوں گا۔ اس سے کیا مراد ہے اور قسم کیسے بچے گی؟

جواب: اس سے مراد ظہر کا سارا وقت ہے یعنی زوال کے وقت کے بعد جیسے ہی ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ ختم ہو جائے، دوسرے لفظوں میں عصر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے دے دینا ضروری ہے۔ ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے "حلف لیقضین حقه صلاة الظهر فالمعتبر وقت الظهر کله۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: اگر یوں کہا کہ ظہر کی نماز پڑھ کر آپ کو قرض واپس کردوں گا۔تو اس کی مراد کیا ہے؟

جواب: یہاں اگرچہ اس نے ظہر کی نماز پڑھنے کی قید لگائی لیکن پھر بھی مراد وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی یعنی ظہر کا سارا وقت۔ ہندیہ میں ہے"حلف لیعطین حقه إذا صلی الظهر فله وقت الظهر كله"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی تھی قرض اس مہینے کے شروع ہی میں دے دوں گا،لیکن مہینہ شروع ہونے سے پہلے دے دیئے تو کیا یہ جائز ہے؟اور اگر قرض خواہ مرجائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: جس وقت قرض دینے کی قسم کھائی تھی ،اُس وقت سے پہلے بھی قرض دینا جائز ہے اور اگر قرض خواہ اس سے قبل مرجائے تو قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔ ہندیہ میں ہے"حلف لیعطینه رأس الشهر فأعطاه قبله أو أبرأه أو مات الطالب سقطت الیمین عند أبي حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان،الباب الثانی عشر فی الیمین،جلد2،صفحہ135، دارالفکر)

سوال: مقروض نے جس وقت قرض واپس کرنے کی قسم کھائی،قرض خواہ اس سے پہلے ہی مرگیا تو حکم کیا ہے؟

جواب: مقروض کے مرنے سے توقسم نہ ٹوٹے گی۔اب قرض اس کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔اس طرح اگر یوں قسم کھائی کہ فلاں کو فلاں وقت سے پہلے قرض واپس کردوں گا لیکن وہ وقت آنے سے پہلے قرض خواہ مرجائے اور مقروض کو اس کے مرنے کی اطلاع نہ

ہوئی تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اگر اس کے مرنے کی خبر پہنچ گئی تو اب قسم بھی ٹوٹ جائے گی اور کفارہ دینا لازم ہوگا۔ ہندیہ میں ہے"فإن مات المطلوب لا يحنث بالإجماع وكذلك إذا قال ليقضين فلانا ماله وفلان مات قبله ولا يعلم لا يحنث وإن كان يعلم يحنث وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يحنث علم أو لم يعلم كذافي محيط السرخسي۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ135، دارالفکر)

سوال: قسم کھائی کہ جب تک فلاں کا قرض ادا نہ کرلوں، شہر سے باہر نہ جاؤں گا، یا گھر نہ جاؤں گا۔ تو کیا سارا قرض دیئے بغیر شہر سے باہر جا سکتا ہے؟

جواب: قسم کھانے کے بعد اگر سارے کا سارا قرض ادا کئے بغیر چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ یعنی مکمل ادا کرنا لازمی ہے۔ ایک روپیہ بھی باقی رہا اور چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے"حلف غريمه أن لا يذهب من البلد حتى يقضي دينه أو ماله فذهب قبل قضاء الدين كله يحنث"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ136، دارالفکر)

سوال: مقروض نے قسم کھائی کہ زید کا پانچ ہزار جو مجھ پر قرض ہے وہ واپس نہیں کروں گا۔ بعد میں ہزار، دو ہزار دے دیا، تو کیا حکم ہوگا؟

جواب: جب تک پورے کا پورا پانچ ہزار نہ دے گا قسم نہ ٹوٹے گی۔ قسم توڑنے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانچ، دس روپے کم قرض واپس کرے۔ ایک روپیہ بھی کم دے گا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اسے کہہ دے کہ یہ واپس نہیں کروں گا (جو کچھ کم دیا اسے معاف کرانا لازمی

ہے، ورنہ ان پیسوں کا بوجھ گناہ سر پر رہے گا)۔ ہندیہ میں ہے" کما لو حلف أن لا یقضي دینه أو ماله فقضاه الأقل لا یحنث۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ136، دارالفکر)

سوال: مقروض نے کہا کہ جمعرات تک میں آپ کو قرض واپس کردوں گا اور اس پر قسم کھائی، اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

جواب: اگر جمعرات کا سورج غروب ہو گیا اور ابھی تک قرض نہیں دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے"مدیون قال لصاحب دینه: والله لأقضین دینك إلی یوم الخمیس فلم یقض حتی طلع الفجر من یوم الخمیس حنث في یمینه؛ لأنه جعل یوم الخمیس غایة والغایة لا تدخل تحت المضروب له الغایة إذا لم تکن غایة إخراج۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ137، دارالفکر)

اردو میں لفظ "تک" مابعد کو شامل ہوتا ہے اس لئے جمعرات کا غروب مراد لیا۔

سوال: مقروض نے کہا کہ پانچ دن کے اندر اندر آپ کو قرض واپس کروں گا اور قسم کھائی، کب تک واپس کرے تو قسم نہ ٹوٹے گی۔

جواب: جس دن قسم کھائی اس دن سے لے کر پانچویں دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے دے گا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور پانچوں دن کا سورج ڈوب گیا، تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہندیہ میں ہے"ولو قال :لأقضین دینك إلی خمسة أیام لا یحنث ما لم تغرب الشمس من الیوم الخامس، کذا في فتاوی قاضي خان۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الایمان، الباب الثانی عشر فی الیمین، جلد2، صفحہ137، دار الفکر)

ضروری وضاحت: جہاں پر بھی یہ کہ قسم ٹوٹ جائے گی وہاں قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا۔

کتاب السیر

سوال: مقروض مرتد ہوگیا، اور مرتد سے ہر طرح کا معاملہ منع ہے۔ اب اس سے قرض لینے کے متعلق کیا احکام ہیں؟

جواب: پہلے تو یہ بات یاد رکھیں کہ ارتداد یعنی اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے سے اس کی تمام تر جائیداد و پونجی اس کی ملک سے نکل جاتی ہے یعنی اب وہ ان کا مالک نہیں رہتا۔ ہاں اگر پھر اسلام لائے اور کفر سے توبہ کرے تو بدستور مالک ہو جائیگا۔ اور اگر کفر ہی پر مر گیا یا دار الحرب کو چلا گیا تو اس پر لوگوں کے جو قرضے تھے ان کی دو اقسام ہیں:۔

(1) ایک وہ قرضہ جو اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں لیا تھا۔

(2) وہ قرضہ جو اس نے مرتد یعنی اسلام کو چھوڑنے کے بعد لیا تھا۔

پہلی صورت کا حکم

یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت جو اموال و پونجی اس کی ملک میں تھی اس میں سے اولاً قرض اتارا جائے گا۔ جو باقی بچے گا وہ مسلمان ورثہ کو ملے گا۔

دوسری صورت کا حکم

یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد جو اس نے کمایا اس میں سے وہ قرض اتارا جائے گا جو اس نے حالت ارتدار میں لیا۔ اگر کچھ بچ جائے تو وہ فئے ہے یعنی بیت المال میں جائے

گا۔فی زمانہ بیت المال نا قابل اعتماد ہے لہٰذا اب یہ رقم مستحقین زکوۃ کو دے دی جائے۔

ہدایہ میں ہے "ویزول ملك المرتد عن أمواله بردته زوالا مراعى ۔۔۔ وإن مات أو قتل على ردته انتقل ما اكتسبه في إسلامه إلى ورثته المسلمين و كان ما اكتسبه في حال ردته فيئا وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله وقال أبو يوسف و محمد رحمهما الله: كلاهما لورثته وقال الشافعي رحمه الله : كلاهما فيء لأنه مات كافرا والسلم لا يرث الكافر ثم هو مال حربي لا أمان له فيكون فيئا ولهما أن لكه في الكسبين بعد الردة باتق على ما بيناه فينتقل بموته إلى ورثته ويستند إلى ما قبيل ردته إذ الردة سبب الموت فيكون توريث المسلم من المسلم و لأبي حنيفة رحمه الله أنه يمكن الاستناد في كسب الإسلام لوجوده قبل الردة ولا يكن الاستناد في كسب الردة لعدمه قبلها ومن شرطه وجوده ثن إنما يرثه من كان وارثا له حالة الردة وبقي وارثا إلى وقت وته في رواية عن أبي حنيفة رحمه الله اعتبارا للاستناد وعنه أنه يرثه من كان وارثا له عند الردة ولا يبطل استحقاقه بموته بل يخلفه وارثه لأن الردة بمنزلة الموت وعنه أنه يعتبر وجود الوارث عند الموت لأن الحادث بعد انعقاد السبب قبل تمامه كالحادث قبل انعقاده بنزلة الولد الحادث من المبيع قبل القبض وترثه امرأته المسلمة إذا مات أو قتل على ردته وهي في العدة لأنه يصير فارا وإن كان صحيحا وقت الردة والرتدة كسبها لورثتها لأنه لا حراب منها فلم يوجد سبب الفيء بخلاف الرتد عند أبي حنيفة رحمه الله ويرثها زوجها السلم إن ارتدت وهي ريضة لقصدها إبطال حقه وإن كانت صحيحة لا يرثها لأنها لا تقتل فلم

یتعلق حقه بمالها بالردة بخلاف الرتد۔"

(ہدایہ، کتاب السیر،باب احکام المرتدین،جلد02،صفحہ 586-7،لاہور)

سوال: دین (قرض) میں میعاد (یعنی مدت مقرر) تھی لیکن مقروض مرتد ہو گیا۔تو کیا اب بھی میعاد کی پاسداری ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض مرتد ہو جائے اور دارالحرب چلا جائے اور دارالحرب جانے میں حکم حاکم بھی پایا تو میعاد کی پاسداری ضروری نہیں بلکہ اس مرتد سے فوراً اپنا قرض واپس لے سکتے ہیں۔فی زمانہ تو ایسا نہیں ہوتا یعنی حاکم اس کو دارالحرب جانے کا حکم نہیں دیتا اور اگر وہ چلا بھی جائے، حاکم نے اس کے لحوق کا حکم دیا کچھ معلوم نہیں ہوتا تو پھر بھی بنظر حال زمانہ اب اپنا قرض واپس لے سکتے ہیں۔فتح القدیر میں ہے:"وإن لحق بدار الحرب مرتدا وحكم الحاكم بلحاقه ۔۔۔حلت ديونه المؤجلة"

(فتح القدیر، کتاب السیر،باب احکام المرتدین،جلد06،صفحہ73، کوئٹہ)

سوال: کافر کسی کافر یا مسلمان کا مقروض تھا۔بعد میں مسلمان ہو گیا۔زمانہ کفر میں جو قرضے لئے۔ان کو ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: کفر سے تائب ہو کر اسلام لانے والا،زمانہ کفر میں جو قرضے لئے تھے ان کو لازمی طور پر ادا کرے گا۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں"تو مسلم لا کر زمانہ کفر کے قرض بھی ادا کرے گا۔"

(مرأۃ المناجیح ، کتاب الایمان،الفصل الاول،جلد01،صفحہ50، گجرات)

سوال: کافر امان لے کر دارالاسلام آیا،اور یہاں آکر کسی کو قرض دیا،وصولی سے پہلے پھر دارالحرب چلا گیا،اس قرض کا حکم کیا ہو گا؟

جواب: قرض اپنی جگہ برقرار رہے گا،یعنی جس نے لیا اسے واپس کرنا پڑے گا۔ہندیہ میں ہے "فإن رجع الحربي المستأمن إلى دار الحرب، وترك وديعة عند مسلم أو ذمي أو دينا عليهما حل دمه بالعود إلى دار الحرب، وما كان في أيدي المسلمين أو الذميين من ماله، فهو باق على ما كان عليه حرام التناول"

(ہندیہ، کتاب السیر،الباب السادس،الفصل الثانی،جلد 01،صفحہ 235،دارالفکر،بیروت)

ہاں البتہ اگر وہ کافر قید کیا گیا،یا مسلمانوں کے خلاف لڑا اور مارا گیا تو اب وہ قرض ساقط ہو جائے گا۔ہندیہ میں ہے "فإن أسر أو ظهر عليهم، فقتل سقط دينه"

(ہندیہ، کتاب السیر،الباب السادس،الفصل الثانی،جلد 01،صفحہ 235،دارالفکر،بیروت)

سوال: اور اگر کافر خود کسی کا مقروض ہو اور قرض رہن رکھ کر لیا ہو،پھر واپس چلا جائے اپنے وطن کو،تو کیا حکم ہوگا؟

جواب: وہ رہن کی چیز امام یوسف کے نزدیک مرتہن رکھ لے گا۔اور امام محمد کے نزدیک اسے بیچا جائے گا اور قرض برابر رقم قرض مرتہن یعنی قرض خواہ کو دی جائے گی اور زائد مصارف مسلمین پر صرف کی جائے گی۔ہندیہ میں ہے "ولو كان له رهن، فعند أبي يوسف -رحمه الله تعالى- يأخذه المرتهن بدينه وقال محمد -رحمه الله تعالى- يباع ويوفى بثمنه الدين، والفاضل لبيت المال كذا في التبيين۔"

(ہندیہ، کتاب السیر،الباب السادس،الفصل الثانی،جلد 01،صفحہ 235،دارالفکر،بیروت)

❁۔۔۔ کتاب الجهاد ۔۔۔❁

سوال: جس پر لوگوں کے قرض ہوں، وہ جہاد پر جاسکتا ہے؟

جواب: قرض ادا کیے بغیر یا پھر قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جہاد پر نہیں جاسکتا کہ اس کا جانا جائز نہیں۔ البحر الرائق میں ہے "المدیون لا یخرج إلی الجهاد ما لم یقض دینه ، فإن لم یکن عنده وفاء لا یخرج إلا بإذن الغریم ؛ لأنه تعلق به حق الغریم "ترجمہ: مقروض قرض ادا کیے بغیر جہاد کو نہیں جاسکتا۔ لہٰذا اگر ادائیگی کی فی الحال طاقت نہیں تو قرض خواہ سے اجازت لے کر جانا ہوگا کہ اس کا حق اس کے ساتھ لاحق ہے۔

(البحر الرائق، کتاب السیر، تحت :لایجب علی صبی، جلد 05، صفحہ 121، کوئٹہ)

البتہ اس پر واجب الاداء دین (جو قرض ادا کرنا ہے) کی کوئی میعاد مقرر ہو اور جانتا ہو کہ میعاد پوری ہونے سے پہلے پہلے واپس آجاؤں گا تو جانا جائز ہے۔ بہار شریعت اور البحر الرائق میں ہے "فإن کان مؤجلا وهو یعلم بطریق الظاهر أنه یرجع قبل أن یحل الأجل فالأفضل الإقامة لقضاء الدین ، فإن خرج بغیر إذن لم یکن به بأس لعدم توجه المطالبة بقضائه۔" ترجمہ: اگر قرض کی کوئی مدت مقرر ہے اور بظاہر صورت حال بھی ایسی ہے کہ یہ مدت پوری ہونے سے قبل جہاد سے واپس آجائے گا تو افضل یہ ہے کہ جہاد کو جائے تاکہ ادائیگی قرض کی راہ نکلے۔ اور اس صورت میں قرض خواہ کی اجازت بھی ضروری نہیں کہ ابھی مدت باقی ہے۔

(البحر الرائق، کتاب السیر، تحت :لایجب علی صبی، جلد 05، صفحہ 121، کوئٹہ)

سوال: مقروض جہاد کو جانا چاہے تو اسلامی احکامات کیا ہیں؟

جواب: مدیون اگر جہاد میں جانا چاہے اور قرض خواہ موجود نہ ہو تو اگر مقروض کے پاس

احتمال ہے کہ قرض ادا کر سکے تو اسے جائز ہے کہ جہاد کو چلا جائے اور کسی شخص کی ڈیوٹی لگا جائے کہ وہ اس کے مال سے قرض ادا کر دے۔

اگر مقروض کے پاس ادائیگی قرض کے واسطے مال نہیں تو فی الحال جہاد پر جانا موقوف کر دے اور ادائیگی قرض کی کوئی صورت پیدا کرے۔قرض خواہ سے اجازت لے کر جائے کہ بلا اجازت کے جانا مکروہ ہے۔

اگر قرض خواہ جہاد میں جانے کی اجازت دے اور قرض معاف نہ کرے پھر بھی مستحب یہی ہے کہ قرض خواہ سے مزید مہلت لے کر جائے اور اگر قرض خواہ نے جہاد میں جانے کی اجازت دے دی مگر اس سے مزید مہلت نہ لی اور جہاد کو چلا گیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ہندیہ میں ہے"وإذا أراد المديون أن يغزو، وصاحب الدين غائب، فإن كان عنده وفاء بما عليه من الدين، فلا بأس بأن يغزو ويوصي إلى رجل ليقضي دينه من تركته إن حدث به حدث، وإن لم يكن عنده وفاء بالدين، فالأولى أن يقيم، فيتمحل بقضاء دينه، فإن غزا مع ذلك بغير إذن رب الدين، فذلك مكروه، فإن أذن له صاحب الدين في الغزو ولم يبرأ من المال، فالمستحب أيضا له أن يتمحل بقضاء الدين، وإن غزا به في هذه الحالة لم يكن به بأس۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب السیر،الباب الاول،جلد2،صفحہ190،دارالفکر،بیروت)

سوال: مقروض نے اپنے قرض کا کوئی کفیل یعنی ضامن بنایا تھا۔کیا مقروض کفیل کی اجازت کے بغیر جہاد کو جا سکتا ہے؟

جواب: کفیل کی اجازت کے بغیر مقروض جہاد پر نہیں جا سکتا۔بہار شریعت میں ہے" اور مدیون کے پاس مال ہو تو دین ادا کرے اور جائے ورنہ بغیر قرض خواہ بلکہ بغیر کفیل کی

اجازت کے نہیں جاسکتا۔

(بہار شریعت، جہاد کا بیان، حصہ 9، صفحہ 427، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: جس صورت میں جہاد فرض ہو جاتا ہے۔کیا اس وقت بھی قرض خواہ کی اجازت ضروری ہے؟

جواب: جہاد فرض ہونے کی صورت میں قرض خواہ کی اجازت کے بغیر جانا بھی جائز ہے ۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''اگر کفار ہجوم کر آئیں تو اس وقت فرض عین ہے۔۔۔۔۔مدیون کو دائن سے اجازت کی حاجت نہیں۔''

(بہار شریعت، جہاد کا بیان، حصہ 9، صفحہ 427، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

۔۔۔کتاب اللقطہ۔۔۔

سوال: لقطے کا مالک تلاش کرنے کے باوجود نہ ملا۔اب اس شے کو قرض میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: تلاش وبسیار کے باوجود اگر مالک نہ ملے تو لقطہ کو قرض میں دے سکتے ہیں۔لیکن قرض میں وہ شخص دے جن کا علاقے میں اثر ورسوخ ہوتا کہ بعد میں واپس لے سکے ۔ظاہر ہے کہ کوئی غریب قرض میں دے گا تو اسے واپس لینا مشکل ہوگا کہ لینے والا کہے گا کہ تمہاری کون سی اپنی شے ہے؟ بحر، فتح القدیر، بہار شریعت اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے ''و اللفظ للخلاصہ: یرفع الأمر إلی الإمام والإمام بالخیار إن شاء قبل وإن شاء لم یقبل فإن قبل إن شاء عجل صدقتھا وإن شاء أقرضھا من رجل ملیء۔''

ترجمہ: لقطہ حاکم کے پاس لیجایا جائے گا اور اسے اختیار ہوگا کہ اسے اپنے پاس رکھے یا نہ رکھے اور رکھنے کی صورت میں اس بات کا بھی اختیار ہے کہ صدقہ کرے یا ایسے شخص کو قرض

میں دے جسے واپس ملنے کی بھی امید ہو۔

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب اللقطۃ، جلد04، صفحہ435، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: جس کو لقطہ ملا مالک کی تلاش و بسیار کے بعد وہ بنفس نفیس خود اس کو قرض میں دے سکتا ہے؟

جواب: جسے لقطہ ملا، مالک کی تلاش کے بعد اسے خود بھی قرض میں دے سکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ دو چار افراد کو گواہ بنا کر قرض و صدقہ میں دے تاکہ طعن و تشنیع کی وبا سے بچا رہے اور قرض دینے کی صورت میں واپسی کی امید زیادہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے" (قولہ:و متی جاز إلخ) تقیید لقولہ ولا الملتقط بما إذا کان قبل جواز التصدق بھا وھذا ذکرہ الزیلعی فی مسائل شتی آخر الکتاب بقولہ ، إلا أن الملتقط إذا نشد اللقطۃ و مضی مدۃ النشدات ینبغی أن یجوز لہ الإقراض من فقیر ؛ لأنہ لو تصدق بھاعلیہ فی ھذہ الحالۃ جاز فالقرض أولی۔" خلاصہ عبارت یہ ہے کہ تلاش کرنے کے بعد جب اس کے مالک کے ملنے کی امید نہ رہے تو اسے صدقہ کرنا جائز ہے تو قرض دینا بدرجہ اولی جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب القضاء، جلد08، صفحہ126، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: لقطہ (یعنی راستے میں گری پڑی چیز) کو قرض دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: قرض دینے کی حکمت بالکل واضح ہے کہ صدقہ کرنے کی صورت میں اگر بعد میں اصل مالک آگیا تو اسے پاس سے دینی پڑے گی اور قرض دینے کی صورت میں مالک کے ملنے کی صورت میں اپنی جیب سے نہیں دینی پڑے گی۔

کتاب المفقود

مفقود کی تعریف

قاموس فقہی میں لکھا ہے "شرعا:هو الغائب الذی لم يدر أحی هو، فيتوقع قدومه، أم ميت .(التمرتاشی) فی اصطلاح الفقهاء :من لم يعلم موضعه" یعنی مفقود اُسے کہتے ہیں جس کا کوئی پتا نہ ہو کہ کہاں ہے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا۔

(قاموس فقهی،حرف الفاء،دار الفكر،دمشق ،سورية)

سوال: قرض خواہ گم ہوگیا نہ جانے کہاں چلا گیا، یہ بھی معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مر چکا ہے ،مقروض قرض کیسے واپس کرے؟

جواب: اگر اس نے کسی کو کہا تھا کہ فلاں سے میرا قرض لے لینا تو وہ لے گا۔ورنہ قاضی یا علاقے کا بڑا مفتی اس کا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو مقرر کرے گا۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "وهو فی حق نفسه حی) بالاستصحاب، هذا هو الأصل فيه (فلا ينكح عرسه غيره ولا يقسم ماله) قلت :وفی معروضات المفتی أبی السعود أنه ليس لأمين بيت المال نزعه من يد من بيده ممن أمنه عليه قبل ذهابه لما سيجیء معزيا لخزانة المفتين ولا تفسخ إجارته (ونصب القاضی من) أی وكيلا (يأخذ حقه) كغلاته وديونه المقر بها (ويحفظ ماله ويقوم عليه) عند الحاجة، فلو له وكيل فله حفظ ماله لا تعمير داره إلا بإذن الحاكم لأنه لعله مات، ولا يكون وصيا تجنيس (لكنه) أی هذا الوكيل المنصوب۔" خلاصہ و مفہوم عبارت کچھ یوں ہے کہ مفقود خود اپنے حق میں زندہ قرار پائیگا لہٰذا اُس کا مال تقسیم نہ کیا جائے اور اُسکی عورت نکاح نہیں کرسکتی اور اُس کا اجارہ فسخ نہ

ہوگا اور قاضی کسی شخص کو وکیل مقرر کردیگا کہ اُس کے اموال کی حفاظت کرے اور اُسکی جائیدا
دکی آمدنی وصول کرے اور جن دیون کا قرضداروں نے خود اقرار کیا ہے اُنھیں وصول کر
ے اور اگر وہ شخص اپنی موجودگی میں کسی شخص کو ان امور کے لئے وکیل مقرر کر گیا ہے تو یہی
وکیل سب کچھ کرے گا، قاضی کو بلاضرورت دوسرا وکیل مقرر کرنے کی حاجت نہیں۔

(درمختار، کتاب المفقود، فروع: ابق بعد البیع، جلد04، صفحہ293، بیروت)

سوال: کسی نے دعوی کیا کہ مفقود میرا مقروض ہے تو کیا اس کی ادائیگی بھی وکیل کے ذمہ
ہے؟

جواب: مقروض مفقود کے وکیل پر قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں اور نہ ہی اس پر دباؤ
ڈالا جائے۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "لیس یخصم فیما
یدعی علی المفقود من دین الودیعۃ وشرکۃ فی عقار۔" ترجمہ: قاضی نے جسے
وکیل کیا ہے اُسکا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبضہ کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی
پیروی نہیں کرسکتا یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین ودیعت کا دعویٰ کیا یا اُسکی کسی چیز میں شرکت
کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہ نہیں اور نہ خود کسی پر دعویٰ کرسکتا ہے ہاں! اگر ایسا دَین ہو جو
اسکے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

(درمختار، کتاب المفقود، فروع: ابق بعد البیع، جلد04، صفحہ293، بیروت)

سوال: مفقود کا کوئی وکیل نہ تھا، اور نہ ہی قاضی یا شہر کے بڑے مفتی صاحب نے کسی کو
مفقود کا قرض وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔مقروض نے خود ہی کسی کو یا اس کے گھر
والوں کو رقم دے دی اور کہا کہ تمہارا جو بندہ گم ہوگیا ہے، یہ اس کا مجھ پر آتا تھا۔گھر والوں
نے رقم خرچ کر ڈالی یا انہوں نے نہ دی، تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: مقروض پر ضروری ہے کہ دوبارہ ادائیگی کرے۔ علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "وإن دفع المودع بنفسه أو من عليه الدين بغير أمر القاضي يضمن المودع ولا يبرأ المديون؛ لأنه ما أدى إلى صاحب الحق ولا إلى نائبه بخلاف ما إذا دفع بأمر القاضي؛ لأن القاضي نائب عنه۔" مفہوم عبارت یہ ہے کہ مفقود کا مال جسکے پاس امانت ہے یا جس پر دَین ہے یہ دونوں خود بغیر حکم قاضی ادا نہیں کر سکتے اگر امین نے خود دیدیا تو تاوان دینا پڑیگا اور مقروض نے دیا تو دَین سے بَری نہ ہوا بلکہ پھر دینا پڑیگا۔

(البحر الرائق، کتاب المفقود، صفحہ 276، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: زید نے کسی کو پانچ لاکھ روپے قرض دیا، بعد میں نہ جانے کہاں چلا گیا، بیوی بچوں کے اخراجات کے لئے کچھ نہیں، کیا بیوی، بچے اس قرض کو وصول کرکے اپنے اخراجات چلا سکتے ہیں؟

جواب: جن کا نفقہ مفقود پر واجب تھا وہ اخراجات کی کوئی اور صورت نہ ہونے کے وقت مفقود کا قرض وصول کرکے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ بہار شریعت میں ہے "مفقود پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اُسکی زوجہ اور اصول وفروع اُن کو نفقہ اُسکے مال سے دیا جائیگا یعنی روپیہ اور اشرفی یا سونا چاندی جو کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دین ہے اِن سے نفقہ دیا جائے۔

(بہار شریعت، مفقود کا بیان، حصہ 10، صفحہ 486، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کتاب الشرکة

باب اول: شرکت ملک کا بیان

شرکت ملک کی تعریف

شرکت ملک کی تعریف یہ ہے کہ چند شخص ایک شے کے مالک ہوں اور باہم عقد شرکت نہ ہوا ہو۔

سوال: شرکت ملک میں شریک کی اجازت کے بغیر قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اپنے حصے میں سے قرض دے سکتے ہیں، دوسرے کے حصہ میں سے بغیر اجازت قرض نہیں دے سکتے۔ بہار شریعت میں ہے "شرکتِ ملک میں ہر ایک اپنے حصہ میں تصرف کرسکتا ہے اور دوسرے کے حصہ میں بمنزلہ اجنبی ہے لہٰذا اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے اس میں شریک سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اُسے اختیار ہے شریک کے ہاتھ بیع کرے یا دوسرے کے ہاتھ مگر شرکت اگر اِس طرح ہوئی کہ اصل میں شرکت نہ تھی مگر دونوں نے اپنی چیزیں ملا دیں یا دونوں کی چیزیں مل گئیں اور غیر شریک کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے تو شریک سے اجازت لینی پڑے گی یا اصل میں شرکت ہے مگر بیع کرنے میں شریک کو ضرر ہوتا ہے تو بغیر اجازتِ شریک غیر شریک کے ہاتھ بیع نہیں کرسکتا مثلاً مکان یا درخت یا زراعت مشترک ہے تو بغیر اجازت بیع نہیں کرسکتا کہ مشتری تقسیم کرانا چاہے گا اور تقسیم میں شریک کا نقصان ہے ہاں اگر زراعت تیار ہے یا درخت کاٹنے کے لائق ہو گیا اور پھلدار درخت نہیں ہے تو اب اجازت کی ضرورت نہیں کہ اب کٹوانے میں کسی کا نقصان نہیں۔"

(بہار شریعت، شرکت ملک، حصہ 10، صفحہ 490، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆۔۔ باب دوم: شرکت مفاوضہ کا بیان۔☆

سوال: کاروبار میں شریک (پارٹنر) کی اجازت کے بغیر قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: شرکت مفاوضہ میں پارٹنر کی اجازت کے بغیر قرض دینے کا اختیار نہیں، اگر دیا تو آدھا دوسرے کو اپنے پاس سے واپس کرے گا۔ہاں! شریک کی اجازت صریح سے دینا جائز ہے۔درمختار اور فتاوی ہندیہ میں ہے"ولیس لأحد المتفاوضین أن یقرض فی ظاھر الروایۃ وھو الصحیح کذا فی الذخیرۃ إلا أن یأذن لہ إذنا مصرحا أن یقرض۔۔۔ولو أقرض بغیر إذنہ ضمن نصفہ ولا تفسد المفاوضۃ"ترجمہ:شرکت مفاوضہ میں شریک کو قرض دینے کی اجازت نہیں۔یہ حکم ظاہر الروایہ میں ہے اور یہی صحیح ہے الا یہ کہ دوسرا شریک صراحت کے ساتھ اجازت دے دے۔بغیر اجازت قرض دیا تو آدھا دوسرے شریک کو ضمان دے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب الثانی،جلد02 ،صفحہ313، کوئٹہ)

(درمختار معہ ردالمحتار، کتاب الشرکۃ،جلد06،صفحہ488، کوئٹہ)

شرکت مفاوضہ (پارٹنرشپ کی ایک قسم)

یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل وکفیل ہو یعنی ہر ایک دوسرے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور ہر ایک پر جو مطالبہ یعنی قرض وغیرہ ہوگا دوسرا اس کی طرف سے ضامن ہوگا اور اس شرکت میں دونوں کے مال برابر اور نفع برابر ہوتا ہے، یعنی دونوں کی انویسٹمنٹ بھی برابر اور دونوں کا نفع بھی برابر۔ہکذا فی بہار شریعت۔آسان تر یہ ہے کہ زید اور بکر شرکت مفاوضہ سے کاروبار کر رہے ہیں زید اگر کاروبار کی وجہ سے مقروض ہوا تو بکر بھی ہوگا کہ دین یعنی قرض خواہ دونوں میں سے جس سے چاہے گا مطالبہ کرنے کا حق دار ہوگا۔

سوال: دو شخصوں کی شرکت مفاوضہ تھی۔ بعد میں ختم کر دی۔ ان پر قرض تھا۔ قرض خواہ دونوں میں سے کس سے وصول کرے گا؟

جواب: شرکت مفاوضہ میں قرض خواہ دونوں میں سے جس سے چاہے وصول کر سکتا ہے کیونکہ شرکت مفاوضہ میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوتا ہے اور ایک نے جو دَین ادا کیا ہے اگر وہ نصف تک ہے تو دوسرے سے وصول نہیں کر سکتا اور نصف سے زیادہ دے چکا تو یہ رقم اپنے ساتھی سے وصول کر سکتا ہے۔ شامی میں ہے "قال فی الخانية: ولو أقر أحد شريكي العنان بدين في تجارتهما لزم المقر جميع ذلك إن كان هو الذي وليه ، وإن أقر أنه ولياه لزمه نصفه ، وإن أقر أن صاحبه وليه لا يلزمه شيء ، بخلاف الشركة المفاوضة فإن كل واحد منهما يكون مطالبا بذلك" ایک اور مقام پر ہے "ان الشرط مجموع الوكالة والكفالة وهذاخص بالمفاوضة۔" یعنی شرکت مفاوضہ میں ہر ایک کا دوسرے کا وکیل و کفیل ہونا شرط ہے جو کہ شرکت مفاوضہ کا خاصہ ہے۔ (اور جو کفیل ہو اس سے قرض خواہ مطالبہ کر سکتا ہے۔)

(ردالمحتار، کتاب الشرکۃ، فی شرکۃ المفاوضۃ، جلد06، صفحہ470، کوئٹہ)

ہندیہ میں ہے "متفاوضان افترقا فلأصحاب الديون أن يأخذوا أيهما شاء وا بجميع الدين ولا يرجع أحدهما على صاحبه حتى يؤدي أكثر من النصف فيرجع بذلك، كذا في الجامع الصغير۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل السادس، جلد2، صفحہ315 ، کوئٹہ)

سوال: کاروباری شرکت مفاوضہ میں شریک کی اجازت کے بغیر قرض دینا ناجائز ہے۔ تو کیا ضرورت کی بنا پر کاروبار کے لئے قرض لینا بھی ناجائز ہے؟

جواب: دوسرے کی اجازت کے بغیر شرکت مفاوضہ والے کاروبار کے لئے قرض لینا جائز ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:"امّاالاستقراض فقدم انه یجوز"ترجمہ:قرض لینا جائز ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الشرکۃ، یملك الاستدانۃ، جلد6، صفحہ 488، کوئٹہ)

سوال: زیدوبکر نے مل کرشرکت مفاوضہ سے کاروبارشروع کیااورکسی کومالِ شرکت (سامان) دَین (ادھار) میں دیا۔جس کودیاوہ زیدکادوست تھا۔زیدنے اپنے حصے کامعاف کردیاتوکیابکرکے حصہ کابھی معاف ہوجائے گا؟

جواب: جس نے اپنے حصے کامعاف کیااسی کاحصہ معاف ہوگا۔لہٰذابکراپنے حصہ کولے سکتاہے۔مفتی امجدعلی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں:"مالِ شرکت کسی پردَین ہے اور ایک شریک نے معاف کردیاتوصرف اس کے حصہ کی قدرمعاف ہوگا،دوسرے شریک کا حصہ معاف نہ ہوگا۔"

(بہارشریعت،شرکت مفاوضہ کے احکام،حصہ 10،صفحہ498،مکتبۃ المدینہ)

سوال: زیداوربکرنے شرکت مفاوضہ سے کاروبارکیااورعمروکومالِ شرکت دَین یعنی قرض دیا(ادھارمال) اورایک مہینہ پیسے دینے کی مدت مقررہوئی۔ایک مہینہ کے بعدعمرونے کہاکہ ابھی میرے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں مجھے مزیدوقت دیاجائے،زیدنے کہا: ٹھیک ہے تمہیں ایک ماہ کی مدت مزیددی جاتی ہے۔جبکہ بکرکواس بات کاعلم بھی نہیں توکیابکراپنے حصہ کاقرض مانگ سکتاہے یااس کوبھی مزیدایک ماہ صبرکرناپڑے گا؟

جواب: جی ہاں!اب بکرکوبھی مزیدایک ماہ صبرکرناپڑے گاکہ شرکت مفاوضہ میں دونوں ایک دوسرے کے وکیل وکفیل ہوتے ہیں،زیدکامہلت دیناگویابکرکامہلت دیناہی ہے۔ مفتی امجدعلی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریرفرماتے ہیں:"دَین کی میعادپوری ہوچکی ہے اور

ایک نے میعاد (مدت کی مدت) میں اضافہ کر دیا تو دونوں کے حق میں اضافہ ہو گیا۔"

(بہارشریعت، شرکت مفاوضہ کے احکام، حصہ 10، صفحہ 498، مکتبۃ المدینہ)

ہندیہ میں ہے "وإذا أخر أحد المتفاوضين دينا وجب لهما جاز تأخيره في النصيبين إجماعا، كذا في الظهيرية سواء وجب الدين بعقد المؤخر أو بعقد صاحبه أو بعقدهما، كذا في الذخيرة۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل السادس، جلد 2، صفحہ 314، کوئٹہ)

سوال: زید اور بکر نے مل کر شرکت مفاوضہ سے کاروبار شروع کیا اور کسی سے مال خریدا مثلاً کپڑا خریدا اور اس کا ثمن (قیمت) ان پر دَین تھا یعنی قرض تھا اور کہا تھا کہ دو ماہ بعد ادا کر دیں گے۔ ابھی دس دن گزرے تھے کہ زید نے کہا کہ میں نے دو ماہ کی مدت کو ختم کیا اور ابھی دین یعنی قرض ((قیمت)) دیتا ہوں۔ کیا بکر کہہ سکتا ہے کہ میں تو دو ماہ کے بعد دوں گا یا اس کو بھی ابھی سے ہی دینا ہو گا؟

جواب: اس شرکت میں جب ایک مدت کو ختم کر دے اور مدت سے قبل ہی دَین (قیمت) کی ادائیگی کرے تو دوسرے کی بھی مدت ساقط ہو جاتی ہے یعنی اسے بھی فی الفور (قیمت) دینی ہو گی۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "ان شریکوں پر میعادی دین ہے جس کی میعاد ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اور ایک شریک نے میعاد (مدت) ساقط (ختم) کر دی تو دونوں سے ساقط ہو جائے گی۔"

(بہارشریعت، شرکت مفاوضہ کے احکام، حصہ 10، صفحہ 498، مکتبۃ المدینہ)

ہندیہ میں ہے "إذا كان على المتفاوضين دين إلى أجل فأبطل أحدهما الأجل بطل وحل المال عليهما جميعا۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل السادس، جلد 2، صفحہ 314، کوئٹہ)

سوال: شرکت مفاوضہ میں اگر ایک شریک فوت ہوجائے تو اب قرض کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی؟

جواب: جو فوت ہوا ہے اس کی مدت ختم ہوجائے گی یعنی اب اس کے ترکہ (جو مال واسباب یہ چھوڑ کر مرا) سے فوراً قرض (پیمنٹ) ادا کیا جائے گا جبکہ جو زندہ ہے اس سے مدت پوری ہونے تک (پیمنٹ) کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہندیہ میں ہے "ولو مات أحدهما حل على الميت حصته ولم يحل على الآخر"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل السادس، جلد 2، صفحہ 314، کوئٹہ)

سوال: شرکت مفاوضہ میں کاروبار کرتے کرتے ادھار مال خریدنے کی صورت میں مقروض ہوجانے کی صورت میں ایک شریک نے قرض خواہ کے مزید مہلت نہ دینے کی وجہ سے شرکت کا آدھا یا سارا مال (سامان) رہن (گروی) رکھوا دیا تاکہ کچھ پیسے ملیں اور ادھار خریدے ہوئے مال کی پیمنٹ کرسکے، یا جس کو پیمنٹ دینی تھی اسی کے پاس رہن رکھ دیا کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! ایسا کرنا جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے "ولأحدهما أن يرهن مال المفاوضة بدين المفاوضة"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل الخامس، جلد 02، صفحہ 312، بیروت)

سوال: شرکت مفاوضہ میں کوئی اپنے ذاتی قرض اور شرکت کے قرض کے عوض میں شرکت مفاوضہ کے مال کو رہن میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: شرکت مفاوضہ میں اپنے ذاتی قرض اور شرکت کے قرض کے عوض میں کسی شریک نے شرکت مفاوضہ کے مال کو رہن میں رکھ دیا تو اس پر رہن کے احکام جاری

ہو جائیں گے،اور اس کا ایسا کرنا جائز ہے۔ہندیہ میں ہے"ولأحدهما أن يرهن مال المفاوضة بدين المفاوضة وبدين عليه خاصة بغير إذن شريكه لأن الرهن قضاء الدين حكما وأحدهما يملك قضاء دين المفاوضة ودينه خاصة من مهر أو غيره بغير إذن شريكه"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب الثاني، الفصل الخامس، جلد02، صفحہ 312،بیروت)

سوال: اگر ایک شریک نے شرکت مفاوضہ کا مال اپنے ذاتی قرض کے عوض میں رہن رکھ دیا تو کیا دوسرا شریک اپنے حصے کا یا سارا مال مرتہن (جس کے پاس سامان گروی رکھوایا) سے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مرتہن سے دوسرا شریک واپس نہیں لے سکتا۔ہاں دوسرا پارٹنر اپنے حصہ کا شریک (اپنے پارٹنر) سے تقاضا کر سکتا ہے۔ہندیہ میں ہے"حتى لم يكن لشريكه أن يسترده من يد المرتهن، كذا في المحيط، فإن كان الدين من شركتهما فلا ضمان عليه، وإن كان الدين عليه خاصة يرجع شريكه عليه بنصف ذلك، وإن كانت قيمة الرهن أكثر من الدين فلا ضمان عليه في الزيادة، كذا في المبسوط"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب الثاني، الفصل الخامس، جلد02، صفحہ 312،بیروت)

سوال: شرکت مفاوضہ سے کام کیا،قرض چڑھ گیا،ایک نے اپنا ذاتی سامان قرض خواہ (جس کے کاروبار کے لئے سامان خریدا تھا) کے ہاں رہن رکھ دیا جو کہ مرتہن کے پاس ہلاک (ضائع) ہو گیا۔کیا یہ رہن اس کا تبرع سمجھا جائے گا یا نہیں؟

جواب: شریک (پارٹنر) کی طرف سے اپنا ذاتی سامان رہن (گروی) رکھوانے کی صور

ت میں یہ متبرع نہ ہوگا۔یعنی اگر رہن ضائع ہوا تو دونوں کا ضائع ہوگا۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سامان تمہارا تھا،تم نے رکھوایا تھا،ضائع بھی تمہارا ہی ہوگا بلکہ یہ نقصان دونوں پارٹنر کا ہوگا۔ہندیہ میں ہے"وكذا لو رهن متاعا من خاصة متاعه بدين المفاوضة لم يكن متبرعا ويرجع على شريكه بنصف الدين، وإن كان الرهن قد هلك في يد المرتهن، كذا في المحيط۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب الثانی، الفصل الخامس، جلد02، صفحہ 312،بیروت)

سوال: شرکت مفاوضہ میں جب دونوں جدا ہوجائیں یعنی پارٹنرشپ ختم کردیں اوران پر کاروباری قرض ہو تو قرضخواہ کس سے وصول کریں؟

جواب: قرضخواہ دونوں میں سے جس سے چاہیں اپنا تمام قرض وصول کرسکتے ہیں۔ہاں یہ ہے کہ اگر ایک نے قرض ادا کیا تو دوسرے پارٹنر سے اس کے حصہ کا ادا کیا ہوا قرض واپس لے سکتا ہے۔ہندیہ میں ہے"المتفاوضان إذا افترقا فلأصحاب الديون أن يأخذوا أيهما شاءوا بجميع الدين ولا يرجع أحدهما على صاحبه حتى يؤدي أكثر من النصف فيرجع بالزيادة"

(ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الخامس،جلد3،صفحہ 284،دارالفکر،بیروت)

☆۔۔باب دوم:شرکت عنان کا بیان۔۔☆

شرکت عنان کی تعریف

شرکت عنان (پارٹنرشپ کی ایک قسم) کی عام فہم تعریف یہ ہے کہ دو یا اس سے زائد افراد کا کاروبار (پارٹنرشپ) کرنا جس میں ہر ایک کے پیسے ونفع برابر ہونا ضروری نہ ہو۔یعنی کسی کی انویسمنٹ لاکھ روپے ہو تو کسی کی پچاس ہزار،اوراسی طرح کسی کا نفع

ستر فیصد ہو اور کسی کا تیس فیصد، اس میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے ضامن نہیں ہوتا۔

سوال: شرکت عنان میں ایک دوسرے کی مرضی کے بغیر قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرکت عنان میں دوسرے کی اجازت کے بغیر قرض دینا ناجائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہے یعنی امین ہے اور امین مال میں اس طرح کا (جیسے قرض دینا) تصرف نہیں کرسکتا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''شریک کے پاس جو کچھ مال ہے اس میں وہ امین ہے۔''

(بہارشریعت، شرکت عنان، جلد02، حصہ 10، صفحہ 503، مکتبۃ المدینہ کراچی)

ہندیہ میں ہے ''وأما الهبة والقرض وما كان إتلافا للمال وتمليكا بغير عوض فإن ذلك لا يجوز له إلا أن ينص عليه'' یعنی مالِ شرکت سے قرض دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر دونوں پارٹنر نے ایک دوسرے کو صراحتاً اجازت دے دی تھی کہ اگر کسی کو قرض دینا پڑا تو دے دینا۔ اب قرض دینا بھی جائز ہے۔

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل الخامس، جلد02، صفحہ 312، بیروت)

سوال: مذکورہ قسم کی شرکت میں کاروبار کے لئے قرض لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر لیا تو ادا کون کرے گا؟

جواب: شرکت عنان میں کاروبار بڑھانے کے لئے قرض لینا جائز ہے۔ حتی کہ اگر ایک شریک (پارٹنر) نے واقعی بوجہ ضرورت کاروبار کے لئے قرض لیا تو واپس کرنا دونوں کی ذمہ داری ہوگا۔ ہندیہ میں ہے ''ولو استقرض أحد شريكي العنان مالا للتجارة لزمهما كذا في فتاوى قاضي خان هكذا في البدائع ومحيط السرخسي''

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثانی، الفصل الخامس، جلد02، صفحہ 312، بیروت)

سوال: زید اور بکر نے مل کر شرکت عنان سے کام کیا۔ زید نے بکر سے کہا: ہمارے اوپر کچھ دَین یعنی قرض ہے۔ وہ یوں کہ میں کچھ سامان دوکان پر لے کر آیا تھا اور وہ سیل بھی ہو گیا لیکن ابھی اس کے دام دینے باقی ہیں۔ یا یہ ہوا کہ سامان مزدور سے اٹھوا کر یا کسی گاڑی میں لایا تھا اس کی مزدوری یا کرایہ ابھی باقی ہے۔ بکر کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں کہ کب لایا تھا۔ اب یہ دین یعنی قرض کون دے گا؟

جواب: اگر زید اس پر گواہ پیش کرے کہ اس دن میں خرید کر لایا تھا یا مزدور سے اٹھوا کر لایا تھا جب تو زید کی طرح بکر کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے ادا کرے اور اگر زید گواہ پیش نہ کر سکا تو پھر تنہا زید اس قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ”کسی ایسے دین کا اقرار کیا کہ شرکت کے کام کے لئے میں فلاں چیز لایا تھا وہ خرچ ہو چکی اور اس کے دام دینے ہیں یا فلاں مزدور کی مزدوری باقی ہے یا فلاں گزشتہ مہینہ کا کرایہ دوکان باقی ہے تو اگر گواہوں سے ثابت کر دے جب تو اس کے شریک (پارٹنر) کے ذمہ بھی ہے ورنہ تنہا اسی کے ذمہ ہو گا۔“

(بہار شریعت، شرکت کا بیان، حصہ 10، صفحہ 507، مکتبہ المدینہ، کراچی)

سوال: شرکت عنان میں ایک شریک (پارٹنر) اپنے لئے کسی سے قرض لے کر شرکت کا مال رہن (گروی) رکھوا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں! شرکت عنان میں پارٹنر کی اجازت کے بغیر مال شرکت رہن رکھوا کر کسی شریک (پارٹنر) کا قرض لینا جائز نہیں۔ ہندیہ میں ہے ”ولا یرھن أحدھما من الشرکة بدین علیه إلا بإذن شریکه کذافی محیط السرخسي۔“

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثالث، الفصل الثاني، جلد 02، صفحہ 322، بیروت)

سوال: شرکت عنان میں دونوں شریکوں (پارٹنر) پر قرض تھا، یعنی کاروبار کے لئے کچھ سامان خریدا تھا۔ کسی پارٹنر کا دوکان کے سامان کو دونوں پر جو قرض ہے اس کے عوض گروی میں رکھوا دینا جائز ہے؟

جواب: دوسرے شریک کی اجازت سے اس طرح کرنا جائز نہیں۔ اگر ایسا کسی شریک نے کیا تو اس پر ضمان ہوگا یعنی وہ اس سامان کی قیمت اپنے پارٹنر کو دینے کا پابند ہوگا، ہاں اگر گروی اس پارٹنر نے رکھوایا جس نے کاروبار کے لئے سامان خریدا تھا یا پھر گروی رکھنے کی اجازت پارٹنر نے دی تھی تو پھر اس پر کوئی تاوان وضمان نہیں۔ السراج الوہاج کے حوالہ سے ہندیہ میں لکھا ہے "ولو رهن أحدهما متاعا من الشركة بدين عليهما لا يجوز ويكون ضامنا للرهن، كذا في فتاوى قاضي خان۔ إلا أن يكون هو العاقد في موجب الدين أو يأمره شريكه بذلك، كذا في السراج الوهاج۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثالث، الفصل الثاني، جلد 02، صفحہ 322، بیروت)

سوال: شرکت عنان میں ادھار مال سیل کیا اور اس کی پیمنٹ ابھی باقی تھی، خریدنے والے نے کہا کہ ابھی میرے پاس پیمنٹ نہیں ہے، آپ یوں کرو کہ میری یہ چیز گروی رکھ لو، پیمنٹ دے جاؤں گا تو اپنی یہ چیز لے جاؤں گا تو کیا پیمنٹ لینے کی بجائے وہ چیز بطور گروی رکھنا جائز ہے؟

جواب: جو مال ادھار دیا تھا، شریک (پارٹنر) کی اجازت کے بغیر اس کے عوض میں کوئی شے رہن رکھنا جائز نہیں حتی کہ اپنے حصے کی پیمنٹ کے عوض میں بھی رہن رکھنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے پارٹنر کی اجازت کے بغیر کوئی چیز رہن (گروی) رکھ لی اور وہ ضائع ہوگئی اور اس کی قیمت بھی پیمنٹ برابر تھی تو اس کا سارا نقصان گروی رکھنے والے پارٹنر پر

ہوگا۔دوسرا پارٹنر اپنے حصے کے پیسے لینے کا حق دار ہوگا جبکہ رہن اس کی مرضی سے نہیں رکھا تھا۔رہی بات کہ اب یہ پارٹنر اپنے حصے کے پیسے کس سے لے گا؟ اپنے پارٹنر سے یا دوکان سے ادھار مال خریدنے والے سے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں سے جس سے چاہے وصول کرسکتا ہے۔اگر دوکان سے ادھار مال خریدنے والے سے وصول کرے گا تو وہ جس پارٹنر کے پاس گروی رکھوا کر گیا تھا اس سے اتنا مال واپس لے گا۔ہندیہ میں ہے ”وكذا لا يرتهن رهنا بدين من الشركة في نصيب شريكه إلا إذا ولي عقده بنفسه أو أمر من يليه، فإن هلك الرهن في يده، وقيمته والدين سواء ذهب نصف الدين وهو حصة المرتهن ولشريكه الخيار إن شاء رجع على المديون بنصف دينه ويرجع المديون على المرتهن بنصف قيمة الرهن وإن شاء أخذ من شريكه حصته مما اقتضى، كذا في محيط السرخسي۔“

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب الثالث، الفصل الثانی، جلد02، صفحہ 322،بیروت)

سوال: ایک شریک نے اقرار کیا کہ ہم پر اتنا قرض ہے،یعنی فلاں سے اتنا مال ادھار خریدا تھا اور اس کے اتنے پیسے دینے ہیں جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں دینا۔اب اس قرض کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔اگر پارٹنر یوں کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے دوکان کے لئے اتنے کا مال خریدا تھا اور دوسرا پارٹنر کہتا ہے کہ نہیں خریدا تھا تو اب یہ پیسے جو اقرار کر رہا ہے اسی کو دینے ہوں گے۔اور اگر وہ یوں اقرار کرتا ہے کہ ہم دونوں نے فلاں چیز ادھار خریدی تھی تو اب آدھا اس پر ہے اور آدھا دوسرے شریک پر۔ہندیہ میں ہے ”وإن أقر أحدهما بدين في تجارتهما وأنكر الآخر لزم المقر جميع الدين إن كان أقر أنه

ولـي الـعقد بأن قال:اشتريت من فلان عبدا بكذا، كذا في المحيط، فأما إذا أقر أنهما ولياه لزمه نصفه إن كان أقر أنه ولي العقد بأن قال:اشتريت من فلان عبدا بـكـذا، كذا في المحيط، فأما إذا أقر أنهما ولياه لزمه نصفه، وإن أقر أن صاحبه وليـه ذكـر فـي جميع نسخ كتاب الإقرار أنه لا يلزمه شيء وهو الصحيح، كذا في الظهيرية"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثالث، الفصل الثالث، جلد02، صفحہ 324، بیروت)

سوال: دونوں شریکوں کا کسی پر دین (قرض) تھا یعنی دونوں پارٹنر نے کسی کو ادھار مال دیا تھا۔ایک پارٹنر کہتا ہے کہ اس سے قیمت لینے کا وقت چھ ماہ طے ہوا تھا جبکہ دوسرا پارٹنر کہتا ہے کہ دو ماہ طے ہوئے تھے،اب کس کی بات مانی جائے گی اور قیمت کی وصولی وادائیگی کا وقت عندالشرع کیا ہوگا؟

جواب: جس پارٹنر نے چھ ماہ کا اقرار کیا ہے تو وہ اپنے حصے کی قیمت چھ ماہ سے پہلے نہیں لے سکتا جبکہ دوسرا شریک (پارٹنر) اپنے وقت پر لے سکتا ہے۔اس پر چھ ماہ انتظار کرنا ضروری نہیں بلکہ جو اس کے نزدیک طے پایا تھا یا وہاں مال دے کر پیسے لینے دینے کا جو عرف ہے اس کے مطابق اپنے حصہ کی مقدار رقم لے سکتا ہے۔ہندیہ میں ہے"أحد شريكي الـعـنـان إذا أقر أن دينهما مؤجل إلى شهر صح إقراره بالأجل في نصيبه عندهم جـمـيـعـا، وكـذا لـو أبـرأ أحدهما صح إبراؤه عن نصيبه، كذا في فتاوى قاضي خان" (ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثالث، الفصل الثالث، جلد2، صفحہ 324، بیروت)

سوال: شرکت عنان میں کسی کو پچاس ہزار روپے کا ادھار مال دیا۔بعد میں ایک شریک نے کہا کہ ہم نے اسے پچاس ہزار معاف کر دیا۔کیا وہ معاف ہو جائے گا؟

جواب: اس پچاس ہزار میں جتنا اس کا حصہ ہے اس سے مقروض یعنی ادھار مال خریدنے والا بری ہو جائے گا یعنی معاف ہو جائے گا۔ دوسرا پارٹنر اپنے حصے کو جب تک معاف نہ کرے گا، معاف نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے"وکذا لو أبرأ أحدهما صح إبراؤه عن نصيبه، كذا في فتاوى قاضي خان۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب الثالث، الفصل الثالث، جلد02، صفحہ 324، بیروت)

سوال: شرکت عنان کی۔ ایک مارکیٹنگ کرتا تھا، ادھار مال خریدا، بعد میں شرکت (پارٹنر شپ) ختم کی، ایک پارٹنر کہتا ہے کہ آدھا سامان مجھے دے دو اور مارکیٹ ایک لاکھ روپے دینے ہیں وہ تم دے دینا، میں بعد میں پچاس ہزار تمہیں دے دوں گا، تو کیا وہ اس طرح کر سکتا ہے؟

جواب: دوسرے پارٹنر کی رضامندی کے بغیر اس طرح نہیں کر سکتا۔ بلکہ جتنا دین (قرض) ہے اپنے حصے کا اسے دے تاکہ وہ مارکیٹ کلیئر کر سکے یا پھر اتنا سامان کم کرے۔ ہندیہ میں ہے"وفيه أيضا، وفي شريكي العنان إذا كان أحدهما يلي البيع والشراء فاستدان دينا ثم ناقض صاحبه الشركة وأراد قبض نصف المتاع، وقال: إذا أخذ الدين منك فأرجع علي، ليس له ذلك، كذا في المحيط۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد02، صفحہ 338، بیروت)

☆۔ باب سوم: شرکت کے متفرق مسائل۔☆

سوال: کسی کو ہزار روپے دیئے اور کہا کہ پانچ سو قرض اور پانچ سو جو تم کاروبار کرو گے اس میں شرکت (پارٹنر شپ) کے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے" إذا دفع إليه ألفا وقال خمسمائة قرضا

وخمسمائة شركة جاز“ ترجمہ: ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ پانچ سو قرض اور پانچ سو کاروبار میں شرکت کے طور پر ہیں تو یہ جائز ہے۔ یعنی وہ پارٹنر بن جائے گا اور پانچ سو قرض ہوگا۔

(ردالمحتار، کتاب القسمة، مطلب لکل من الشرکاء، جلد 09، صفحہ 40، کوئٹہ)

سوال: چند افراد مل کر کاروبار کرتے تھے، جن میں ان کا منشی بھی شامل تھا۔ تجارت میں نقصان ہوا تو منشی کا خسارہ دیگر پارٹنرز نے اپنے جیب سے پورا کر دیا۔ ان سب پارٹنرز کا انتقال ہو چکا ہے۔ صرف منشی زندہ ہے جس کے نام پر ایک دوکان ہے۔ پارٹنرز جو مر چکے ہیں ان کے ورثاء کا مطالبہ ہے کہ ہمارے لوگوں نے منشی کا قرض اتارا تھا منشی وہ قرض ہمیں واپس کرے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا منشی سے رقم کا مطالبہ کرنا، ان لوگوں کے لئے جائز ہے؟

جواب: منشی کے کھاتے میں نقصان کی جو رقم جمع کی گئی، جمع کرنے والوں نے اگر وہ رقم منشی کے مطالبہ پر قرض دی تھی (یعنی منشی نے کہا تھا کہ میرا قرض اتار دو) یا اپنی طرف سے بغیر منشی کے کہے بطور قرض جمع کرائی تھی، یعنی منشی کا قرض اتارا تھا اور صورتحال یہی تھی کہ بعد میں منشی واپس کر دے گا اور یہ دونوں صورتیں گواہوں سے ثابت ہو جائیں تب تو اس رقم کا مطالبہ منشی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر گواہوں سے ثابت نہ ہو تو یہ ایک عطیہ اور منشی پر احسان سمجھا جائے گا۔ اور اس کا رقم کا منشی سے مطالبہ کرنے کا حق خود دینے والوں کو نہیں ہے چہ جائیکہ کسی اور کو۔ لہٰذا ورثاء کا یہ مطالبہ غلط ہے۔

(ماخوذ از وقار الفتاویٰ، جلد 03، صفحہ 281، بزم وقار الدین- کراچی)

سوال: زید نے بکر سے بزنس کے لئے قرض لیا۔ بکر نے قرض دیتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی بزنس میں شریک پارٹنر سمجھنا۔ اور جو نفع ہو مجھے بھی آدھا دینا۔ کیا حکم ہے؟

جواب: یہ قرض نہیں۔ بلکہ دونوں پارٹنر ہیں۔فتاوی فقیہ ملت میں ہے: ''جب زید نے بکر سے کچھ روپیہ بزنس کے لئے لیا اور بکر نے یہ کہہ کردیا کہ مجھے بھی بزنس میں شریک سمجھنا مگر میں وقت نہ دوں گا اور اخراجات وضع کرنے کے بعد جو نفع ہو اس میں آدھا مجھے دینا تو اس صورت میں روپیہ قرض نہیں ہے۔''

(فتاوی فقیہ ملت، جلد 02، صفحہ 124، شبیر برادرز، لاہور)

لہٰذا اگر کاروبار تباہ ہوتا ہے تو بکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے تو قرض دیا تھا میری رقم واپس کرو، کاروباری نقصان ہوا تو دونوں کا ہوا گا۔

سوال: دین (قرض) مشترک سے کیا مراد ہے؟

جواب: دو شخصوں کا دَین (قرض) ایک شخص پر ہو، اور ایک ہی سبب سے ہو تو وہ دین مشترک ہے۔ مثلاً دونوں کی ایک مشترک چیز تھی اور اسے کسی کے ہاتھ اُدھار بیچا یا دونوں نے اپنی چیز ایک عقد کے ساتھ کسی کے ہاتھ بیچ کی، یا دونوں نے اُسے ایک ہزار قرض دیا یا دونوں کے مورِث (مرنے والے) کا کسی پر دَین (قرض) ہے۔ یہ سب دین مشترک کی صورتیں ہیں۔

(بہار شریعت، شرکت کے متفرق مسائل، حصہ 10، صفحہ 516، مکتبۃ المدینہ)

سوال: دَین مشترک کا کیا حکم ہے؟

جواب: دین مشترک کا حکم یہ ہے کہ جو کچھ اس دین یعنی قرض میں سے ایک نے وصول کیا تو اس میں دوسرے کا بھی حصہ ہوگا۔ اپنے حصہ کے موافق تقسیم کرلیں اور اگر یہ شریک اُس قرض کی بجائے اپنے شریک کو دوسری چیز دینا چاہتا ہے تو بغیر اُسکی مرضی کے نہیں دے سکتا۔ یعنی یہ نہیں کرسکتا کہ اس قرض کو خود رکھ لے اور دوسرے کو کوئی اور چیز دے کر چپ

کرادے یا پھر یہ خودکوئی دوسری چیز لینا چاہتا ہے اور دوسرے کو کہتا ہے کہ وہ قرض کی ساری چیز ،رقم خود رکھ لو اور مجھے فلاں چیز دے دو تو دوسرے کی مرضی کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔اور جس نے وصول نہیں کیا ہے اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وصول کنندہ سے نہ لے بلکہ مدیون (مقروض) سے یہ بھی وصول کرسکتا ہے۔مگر جبکہ مدیون نے تمام مطالبہ ادا کردیا ہے تو اب مدیون سے وصول نہیں کرسکتا بلکہ شریک ہی سے لے گا۔

(بہارشریعت،شرکت کے متفرق مسائل،حصہ 10،صفحہ516،مکتبۃ المدینہ)

ہندیہ میں ہے"کل دین وجب للاثنین علی واحد بسبب واحد حقیقۃ وحکما کان الدین مشترکا بینھما، فإذا قبض شیئا منہ کان للآخر أن یشارکہ فی المقبوض، کذا فی المحیط۔" یعنی ہروہ دین جو دو شخصوں کا ہو اور حقیقتاً وحکماً ہر لحاظ سے ایک ہی سبب سے ہو تو وہ دین مشترک ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایک بھی قرض کے کسی حکم پر قبضہ کرے گا تو دوسرا شریک بھی اس میں حصہ دار ہوگا۔

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ،الباب السادس،جلد02، صفحہ 336،بیروت)

سوال: زید،عمرو،بکر نے مل کر کاروبار کیا۔زید اور بکر نے عمرو سے کہا کہ تم اپنے دوست سے قرض لے کر کاروبار کو بڑھاؤ اور یہ قرض فقط تم اپنے لئے نہیں بلکہ ہم سب کے لئے لینا جس میں ہم اور تم برابر شریک ہوں گے۔اس قرض کا بھار کس پر ہے؟

جواب: عمرو نے اگر اپنے دوست سے یوں کہا: ہم تین پارٹنر ہیں اور ہم تینوں کو قرض چاہیے۔اس صورت میں اس قرض کا بھار تینوں پر ہے۔اور قرض سے جتنا کاروبار بڑھے گا سبھی اس میں شریک ہوں گے۔اور اگر عمرو نے یوں کہا کہ: مجھے قرض چاہیے تو قرض کا بھار فقط عمرو پر ہوگا۔ماخوذ از فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ 110،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: دو افراد نے زید سے ہزار روپیہ لینا ہے۔ ہر ایک کا پانچ پانچ سو ہے۔ اور قرض کی نوعیت بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ یعنی دین مشترک جو اوپر بیان ہوا ویسا نہیں ہے۔ اب اگر کوئی زید سے پانچ سو روپے لیتا ہے تو کیا دوسرا قرض خواہ بھی اس میں حصہ دار ہوگا یا نہیں؟

جواب: جب وہ دین مشترک نہیں کہ ہر ایک کے قرض کی جہت مختلف ہے، اس صورت میں اگر ایک اس سے کچھ رقم وصول کرتا ہے تو دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا یعنی دوسرا رقم وصول کرنے والے کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں سے کچھ مجھے بھی دو۔ ہندیہ میں ہے "وكل دين وجب لاثنين بسببين مختلفين حقيقة وحكما أو حكما لا حقيقة لا يكون مشتركا حتى إذا قبض أحدهما شيئا ليس للآخر أن يشاركه فيه، كذا في المحيط۔" (ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد02، صفحہ 337، بیروت)

سوال: ایک شخص کسی کا مقروض تھا۔ دو بندوں نے اس کے قرض کی کفالت کی اور ادا بھی کر دیا۔ دونوں میں سے ایک نے مقروض کی کسی شے پر قبضہ کیا خواہ زبردستی یا مقروض کی مرضی سے تو کیا اس میں دوسرا بھی حق دار ہوگا؟

جواب: اگر دونوں نے اس کا قرض مال مشترک سے ادا کیا تھا تو دوسرا بھی اس مقبوضہ چیز میں حصہ دار ہوگا اور اگر مال مشترک سے قرض ادا نہ کیا تو دوسرے کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ مال مشترک کیا ہے اوپر دین مشترک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ ہندیہ میں ہے "ولو كان على رجل ألف درهم لرجل فكفل عن الغريم رجلان وأديا ثم قبض أحد الكفيلين من الغريم شيئا يكون للآخر حق المشاركة إن أديا من مال مشترك، كذا في خزانة المفتين"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد02، صفحہ 337، بیروت)

سوال: مذکورہ دونوں کفیل حضرات میں سے کسی نے اس کے درہم ودنانیز پر قبضہ تو نہیں کیا لیکن اس کی کسی چیز مثلاٹی وی وغیرہ اس سے اپنے قرض کے عوض خرید لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: چیز تو اسی کے پاس جائے گی جس نے اپنے قرض کے عوض میں خریدی اور اس کا قرض بھی وصول ہو گیا۔ہاں دوسرا اس سے چیز کی آدھی قیمت اس وقت وصول کرسکتا ہے جب دونوں نے مال مشترک سے قرض اتارا ہو۔ہندیہ میں ہے"ولو لم یقبض أحدھما شیئا لکن اشتری بنصیبه ثوبا فللشریك أن یضمنه نصف ثمن الثوب ولا سبیل له علی الثوب"

(ہندیہ،کتاب الشرکۃ،الباب السادس،جلد02،صفحہ 337،بیروت)

سوال: اگر کسی ایسی چیز پر قبضہ کیا تھا کہ جو دو حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہے۔یا وہ دونوں اس کو مال شرکت سے بنالیں اور بیچ کر نفع آدھا آدھا کرلیں تو کیا مقروض کی قبضہ کی ہوئی شے کے ساتھ اس طرح کرنا بھی جائز ہے؟

جواب: اگر اس کا قرض مال مشترک سے ادا نہیں کیا تو پھر چاہے دو حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہو یا نہ ہوسکتی ہو جس نے قبضہ کیا وہ اسی کی ہے اور اگر مال مشترک سے قرض ادا کیا اور دونوں باہمی رضامندی سے اسے بیچ کر نفع آدھا آدھا کرنا چاہیں تو یہ بھی ان کے لئے جائز ہے۔ہندیہ میں ہے"فإن اجتمعا جمیعا علی الشرکة فی الثوب فذلك جائز، کذا فی السراج الوھاج"

(ہندیہ،کتاب الشرکۃ،الباب السادس،جلد02،صفحہ 337،بیروت)

سوال: اگر مقروض سے اپنے قرض کے عوض کوئی شے خریدی نہیں،بلکہ صلح کرلی،مثلا اسے کہا کہ میرے قرض کے عوض میں تم مجھے اپنا موبائل دے دو،خواہ موبائل اس کے حصہ کے قرض سے کم ہو یا زیادہ۔مقروض نے صلح کرلی،یعنی موبائل دے دیا۔اب دوسرا اس سے

مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جس نے صلح کی اس کی مرضی ہے چاہے تقسیم کرے چاہے دوسرے شریک کا اس میں جتنا حصہ بنتا ہے اس قدر پیسے دے دے۔ صلح کرنے والا جو کرنا چاہے ویسا کرسکتا ہے۔ اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا اگرچہ اس کا قرض مال مشترک سے ادا کیا ہو۔ یعنی صلح کرنے کی صورت میں صلح کرنے والا دوسرے کے کسی تقاضے کا پابند نہیں۔ ہندیہ میں ہے " فإن لم يشتر بحصته ثوبا ولكن صالحه من حقه على ثوب وقبضه ثم طالبه شريكه بما قبض فإن القابض بالخيار إن شاء سلم إليه نصف الثوب، وإن شاء أعطاه مثل نصف حقه من الدين، كذا في البدائع۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد02، صفحہ 337، بیروت)

سوال: ایک آدمی دو شخصوں کا مقروض تھا۔ اور دَین کی میعاد مقرر تھی۔ اس نے ایک کا حصہ میعاد (مقررہ وقت) سے پہلے ہی دے دیا۔ اب یہ حصہ کون لے گا؟

جواب: دونوں آدھا آدھا آپس میں تقسیم کریں گے اور باقی آدھا جو مؤجل ہے اس میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے "رجلان لهما دين مؤجل على آخر فعجل نصيب أحدهما اقتسماه نصفين والباقي لهما إلى الأجل، كذا في السراجية" (ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد02، صفحہ 338، بیروت)

سوال: ایک عورت دو مردوں کی مقروض تھی۔ قرض ہزار روپیہ تھا۔ ایک نے اپنے حصے کے بدلے عورت سے نکاح کرلیا تو کیا دوسرا ساتھی ناکح سے اپنا حصہ وصول کرسکتا ہے؟

جواب: اس صورت میں دوسرا قرض خواہ نکاح کرنے والے قرض خواہ سے کچھ وصول نہیں کرسکتا۔ ہندیہ میں ہے "ولو تزوج أحدهما المرأة التي عليها الدين على

حصته لا یرجع علیه شریکه بشيء"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد 02، صفحہ 338، بیروت)

سوال: کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مال مشترک سے قرض ادا کرنے کے باوجود مقروض کی کوئی چیز لی جائے اور شریک اس میں حصہ دار نہ ٹھہرے؟

جواب: جی ہاں! اس کا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مقروض قرض برابر رقم قرض خواہ کو ہبہ کرے اور اس پر قبضہ بھی دے دے۔ پھر قرض خواہ اپنے حصہ کے قرض سے مقروض کو بری کر دے یعنی معاف کر دے۔ تو اب جو ہبہ کے طریق سے مقروض سے وصول کیا اس میں دوسرا شریک حصہ دار نہ ہوگا۔ فتاوی قاضی خان میں ایسا ہی ہے۔ ہندیہ میں ہے" وإن أراد أحدهما أن يأخذ من مال المديون شيئا ولا يشاركه صاحبه فيما أخذ فالحيلة في ذلك أن يهب المديون منه مقدار حصته من الدين ويسلم إليه ثم هو يبرء الغريم عن حصته من الدين فلا يكون لشريكه حق المشاركة فيما أخذ بطريق الهبة، كذا في فتاوى قاضي خان"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد 02، صفحہ 338، بیروت)

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ جتنا اس سے قرض لینا ہے اتنے کی اسے اپنی پنسل بیچ ڈالے اور پنسل اسے دے بھی دے۔ پھر اسے قرض سے بری کر دے۔ اب اس سے اپنا قرض نہ مانگے بلکہ جو پنسل بیچی ہے اس کا ثمن یعنی قیمت وصول کرے۔ ہندیہ میں ہے "وقال أبو بكر: يبيع من الغريم كفا من زبيب مثلا بمثل ما له عليه ويسلم إليه الزبيب ثم يبرئه مما كان له عليه ثم يطالبه بثمن الزبيب لا بالدين۔"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد 02، صفحہ 338، بیروت)

سوال: کسی کو کہا کہ مجھے ہزار روپے قرض دو۔ میں اس سے فلاں شے خریدوں گا۔ جو نفع ہوگا وہ آدھا آدھا کرلیں گے۔ ایسے قرض، ایسی تجارت و نفع کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس صورت میں جس نے قرض دیا ہے اسے نفع میں سے کچھ نہ ملے گا۔ سارا نفع مقروض ہی کا ہوگا، قرض خواہ فقط اس سے اپنا قرض لے سکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے "إذا قال لغيره أقرضني ألفا أتجر بها ويكون الربح بيننا فأقرضه ألفا واتجر فالربح كله للمستقرض لا شركة للمقرض فيه، كذا في الذخيرة"

(ہندیہ، کتاب الشرکۃ، الباب السادس، جلد 02، صفحہ 347، بیروت)

سوال: ایک شخص نے دوسرے کو مال دیا جس میں آدھا قرض اور آدھا پارٹنرشپ کے لئے تھا، ابھی مال فروخت نہیں ہوا کہ مال دینے والا اپنا قرض واپس مانگ رہا ہے تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: مال فروخت ہونے تک انتظار کرے یا پھر مال کی اِس وقت جو قیمت ہو اِس حساب سے اپنے قرض کے عوض مال رکھ لے۔ بہارشریعت میں ہے "ایک شخص نے دوسرے کو اِس طور پر مال دیا کہ اِس میں کا آدھا اُسے بطور قرض دیا ہے اور دونوں نے اس روپیہ سے شرکت کی اور مال خریدا اور جس نے روپیہ دیا ہے وہ اپنے قرض کا روپیہ طلب کررہا ہے اور ابھی تک مال فروخت نہیں ہوا کہ روپیہ ہوتا اگر فروخت تک انتظار کرے فبہا ورنہ مال کی جو اِس وقت قیمت ہو اُسکے حساب سے اپنے قرض کے بدلے میں مال لے لے

۔

(بہارشریعت، شرکت کے متفرق مسائل، حصہ 10، جلد 2، صفحہ 519، مکتبۃ المدینۃ)

سوال: زید کا کپڑے کا کاروبار ہے جس کا سرمایہ مثلاً 10,000 روپے ہے۔ بکر جو زید کا

والد ہے اس نے اپنا کاروبار ختم کر کے جو رقم آتی گئی وہ زید کے پاس بطور قرض جمع کراتا رہا جو مثلاً 12,000 روپے ہوگئی۔ عمر جو کہ زید کا چھوٹا بھائی ہے اس نے مثلاً 5000 روپے بطور قرض زید کے پاس جمع کروائے۔ کچھ عرصے بعد بکر یعنی والد اور عمر یعنی چھوٹے بھائی نے زید کو اپنی رقم بطور شراکت شامل کرنے کو کہا۔ زید نے اپنے کاروبار کا حساب کیا جو کہ 13000 روپے بنتا تھا جس میں دکان میں موجود مال اور دوسروں سے جو مال دے کر رقم لینی تھی وہ بھی شامل تھی، زید نے اس میں مزید 6000 ملائے، یوں زید کا سرمایہ 19000 ہو گیا، بکر کا 12000 ہوا اور عمر کا 5000 سرمایہ ہوا۔ قرار پایا کہ تینوں مل کر دکان پر کام کریں گے، ہاں باپ کی محنت کچھ کم ہوگی اور یہ طے ہوا کہ تینوں منافع میں برابر برابر شریک ہوں گے اور نقصان کی صورت میں جس کا جتنا سرمایہ ہوگا وہ اسی حساب سے نقصان برداشت کرے گا۔ یہ شرکت چلتے کاروبار میں کی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا شراکت کی یہ صورت جائز ہے اور اگر جائز نہیں ہے تو اس کو درست کس طرح کریں جبکہ مذکورہ بالا شراکت کا ایک اچھا وقت گزر چکا ہے اور اب وہ سارا مالِ شرکت سرمایہ مال کی صورت میں اور لوگوں کے پاس قرض کی صورت میں ہے اور بازار میں بھی لوگوں کو ادا کرنے ہیں۔

جواب: یہ شرکت سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ تحفۃ الفقہاء 6/3، البحر الرائق 186/5، درمختار 611/4 اور فقہ المعاملات میں قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر ہے کہ "یشترط جمھور الفقھاء أن یکون رأس مال الشرکۃ عینا حاضرۃ لا دینا ولا مالا غائبا فلا یصح عقد الشرکۃ بمال غائب حاضر ولا برأس مال ھو دین یحتاج للتحصیل لأن المقصود من الشرکۃ الربح وذلك بواسطۃ التصرف ,والتصرف

لا یمکن فی المال الغائب أو فی الدین ,فلا یتحقق المقصود من الشرکۃ , ولأن المدیون ربما لا یدفع الدین کما قد لا یحضر المال الغائب۔" یعنی جمہور فقہاء کے نزدیک شرکت کے صحیح ہونے کے لئے رأس المال کا وقت خریداری حاضر ہونا اور دین نہ ہونا شرط ہے۔کیونکہ شرکت سے مقصود نفع لینا ہے جو بلا تصرف کے حاصل نہیں ہوتا اور جو مال موجود نہیں یا دین کی صورت میں ہے اس میں تصرف ممکن نہیں لہذا مقصود شرکت بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقروض قرض ادا ہی نہیں کرتا جس طرح مال غائب بعض دفعہ موجود نہیں ہو پاتا۔

(فقہ المعاملات،کتاب الشرکۃ،یکون رأس المال عینا حاضرا لا دینا،جلد1،صفحہ 528)

اور بیان کردہ تمام کتب اور ہندیہ میں یہ عبارت درج ہے کہ "ولا تصح بمال غائب أو دین فی الحالتین"ترجمہ:مال غائب اور دین سے شرکت صحیح نہیں ہوتی۔

(ہندیہ،کتاب الشرکۃ،الفصل الثالث فیما یصح أن یکون رأس المال وما لا یصح،جلد2،صفحہ 306،دار الفکر،بیروت)

پارٹنرشپ سرے سے نہ ہونے یعنی باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلے کو وہاں ذکر کیا جہاں آپ نے شرکت باطل کی صورتیں بیان فرمائیں۔چنانچہ لکھتے ہیں"یوہیں اگر اس مال سے شرکت کی جو اس کے قبضے میں بھی نہیں بلکہ دوسرے پر دین ہے جب بھی شرکت صحیح نہیں۔"

(بہار شریعت،کتاب الشرکۃ،شرکت مفاوضہ کے باطل ہونے کی صورتیں،جلد2،حصہ 10،صفحہ 497،مکتبۃ المدینۃ،کراچی)

لہٰذا زید تن تنہا پورے کاروبار کا مالک ہے بکر و عمرو اس میں رتی برابر شریک نہیں۔

ہاں یہاں ایک اور مسئلہ واجب التنبیہ یہ ہے کہ بکر و عمرو نے آج تک جتنا نفع حاصل کیا وہ

سود تھا جو زید نے دیا اور بکر وعمر نے لیا کہ بکر کا بارہ اور عمرو کا پانچ زید پر قرض تھا اور قرض سے زیادہ جو بھی دیا لیا جائے وہ سود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"کل قرض جر منفعة فھو ربا" ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، باب کل قرض۔۔جلد06،صفحہ 180،دار سلفیة، ھند)

ان پر سچی توبہ کرنا اور جو سود کھایا اسے زید کو واپس کرنا ضروری ہے اور زید چاہے تو جو جتنا انہیں سود بنام نفع کے دیتا رہا وہ قرض کے عوض مقاصہ کر لے یعنی ادلہ بدلہ کر لے۔ اگر ان کی طرف قرض سے زیادہ نام کا نفع جاتا رہا تو ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ان کے قرض کی مقدار کم نفع انہوں نے لیا تو حساب کر کے جتنا باقی ہے فقط وہ لوٹائے۔ سچی توبہ کے بعد زید چاہے تو بکر وعمر کو معاف بھی کر سکتا ہے۔ اور انہیں کاروبار میں کوئی دعوی نہیں۔

۔۔۔کتاب الوقف۔۔۔

سوال: وقف کا متولی و مہتمم وقف کی ضرورت کے لئے قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: وقف یعنی مسجد و مدرسہ کے لئے اگر قرض کی ضرورت ہے تو متولی و مہتمم یعنی انتظامیہ کو قرض لینے کی اجازت ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:۔

(1) وقف کو حاجت ہو اور قاضی یا مفتی کی اجازت ہو، مثلا مدرسہ کی تعمیر یا ضروری مرمت وغیرہ کے لئے۔ اگر قاضی و مفتی موجود نہ ہوں تو مہتمم و متولی کو ازخود قرض لینے کی بھی اجازت ہے جبکہ وہ فاسق معلن نہ ہو۔ پاکستان میں کسی مفتی سے اجازت لینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

(2) قرض کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ وقف کی ضرورت پوری کرنے کا نہ ہو لہذا اگر وقف کے کسی حصہ کو کرایہ وغیرہ پر دے کر وقف کی ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے تو

اب قرض لینے کی اجازت نہیں۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"لا تجوز الاستدانة على الوقف إلا إذا احتيج إليها لمصلحة الوقف كتعمير وشراء بذر، فيجوز بشرطين :الاول إذن القاضي، فلو يبعد منه يستدين بنفسه.الثاني: أن لا تتيسر إجارة العين والصرف من أجرتها، والاستدانة القرض والشراء نسيئة ."یعنی وقف کے لئے قرض لینا جائز نہیں۔ناچار اگر لینا ہی پڑے کہ وقف کو ضرورت ہے تو اس کی دو شرطیں ہیں:۔اذن قاضی۔اگر قاضی دور ہونے کی وجہ سے اس سے اجازت لینی مشکل ہو تو متولی یعنی انتظامیہ خود لے لے۔دوسری شرط کہ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہو کہ مسجد کی کوئی شے وغیرہ کرایہ پر دی جائے اور مسجد کی ضرورت پوری کر لی جائے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف ،باب الاستدانة،جلد07، صفحہ673، کوئٹہ)

سوال: ایک وقف کا مال دوسرے وقف میں بطور قرض صرف کر سکتے ہیں؟مثال کے طور پر ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا کہ جب چندہ آئے گا تو اس مسجد کو واپس کر دیا جائے گا۔

جواب: ایک وقف کا مال دوسرے وقف میں خرچ کرنا ناجائز وحرام ہے۔سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"ناجائز ہے"لان الاقراض تبرع والتبرع اتلاف فی الحال والناظر للنظر لاللاتلاف" قرض دینا تبرع (احسان) ہے اور تبرع تلف (مال کو ضائع) کرنا ہے جبکہ متولی (انتظامیہ) تو حفاظت کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ تلف کرنے کیلئے۔"

(فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ570،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: کسی ضرورت مند مسلمان کو مسجد ومدرسہ کے مال سے قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ہرگز ہرگز نہیں دے سکتے کیونکہ یہ غیر مصرف میں صرف کرنا ہے جو جائز نہیں۔

ہدایہ اخیرین میں ہے "لایملك القرض من لایملك التبرع كالوصی والصبی" ترجمہ: وصی (جس کو وصیت کی ہو) وصبی (بچہ) کی طرح جو تبرع کا اہل نہیں وہ قرض دینے کا بھی اہل نہیں۔

(فتاوی فیض الرسول ،جلد02،صفحہ 638-39،شبیر برادرز،اردو بازار،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فرمایا: " لانـــه صـــرف فـي غيـر مصرف " کیونکہ یہ غیر مصرف میں خرچ کرنا ہے۔

(فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ570،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: امام مسجد ومؤذن کو مسجد کے مال سے قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: امام مسجد ومؤذن کو بھی مسجد کے مال سے قرض دینا ناجائز ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "لانه صرف في غير مصرف" (کیونکہ یہ غیر مصرف میں خرچ کرنا ہے) (فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ570،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اس کے جواز کی ایک صورت ہے جو آگے بیان ہوگی۔

سوال: مسجد ومدرسہ کی رقم متولی یعنی انتظامیہ نے قرض دی۔ جس کو دی وہ واپس نہ کرے تو کیا حکم؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ متولی وانتظامیہ کا قرض دینا ہی ناجائز وحرام وسخت گناہ تھا۔ وہ واپس کرے یا نہ کرے متولی وانتظامیہ اپنی جیب سے اتنی رقم مسجد کے چندہ میں داخل کرے اور توبہ کرے۔ امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "لانـــه صرف في غير مصرف" (فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ570،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ مسجد یا مدرسہ کے چندہ کو بطور قرض خود استعمال کرسکتی ہے

یا نہیں؟ یعنی ان کے چندے کو اپنی ذاتی استعمال میں لے آئیں اور بعد میں واپس کر دیں۔

جواب: مسجد و مدرسہ کے مال کو بطور قرض انتظامیہ کا اپنے استعمال میں لانا حرام حرام سخت حرام ہے۔ "لانه تعدی علی الوقف و القیم اقیم حافظ لا متلف" یعنی یہ وقف پر تعدی (زیادتی وظلم) ہے حالانکہ انتظامیہ کو بطور محافظ بنایا جاتا ہے نہ اس لئے کہ وہ مال وقف کو ضائع کریں اور اپنے استعمال میں لانا شروع کر دیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 570-574، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(فتاوی فقیہ ملت، باب القرض، جلد 02، صفحہ 201، شبیر برادرز، لاہور)

جو لوگ مال وقف کو اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کرتے ہیں وہ اپنا پیٹ جہنم کی آگ سے مت بھریں۔

سوال: مدرسہ کے چندہ سے مسجد کا قرض ادا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جیسے مسجد کی تعمیر یا مسجد کا بل یا امام وغیرہ کی تنخواہ دینے کے لئے مدرسہ کا چندہ استعمال کرنا اس نیت سے کہ جب مسجد کو فنڈ آئے گا تو مدرسہ کو واپس کر دیا جائے گا۔

جواب: مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض، بل یا امام کی تنخواہ ادا کرنا ناجائز وحرام ہے۔ امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جا سکتا جو ادا کرے گا وہ مدرسہ کو اپنی جیب سے دے گا، مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا۔" (یعنی اگر کسی نے ایسا کر دیا اور ایسا کرنے کے بعد مسجد کے پاس چندہ آگیا تو اب بھی مدرسہ کو یہ چندہ واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ جس نے یہ ناجائز فعل کیا وہ مدرسہ کو اپنی جیب سے واپس کرے گا۔)

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 157، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: ایک مقروض شخص نے اپنی جائیداد وقف کردی۔ اس کے بعد قرض ادا کرنے سے قبل ہی مرگیا۔ تو اب ادائیگی قرض کی صورت کیا ہوگی؟

جواب: اگر اس نے کوئی مال ودولت چھوڑی ہے تو اسی سے قرض ادا کریں گے۔ اور اگر کوئی مال ودولت نہیں چھوڑا تو وقف کو ختم کرکے قرض ادا کیا جائیگا۔ (یعنی اسے بیچ کر)

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 115، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: زید مسجد کی انتظامیہ کا رکن یا صدر ہے اسے کسی نے چندہ دیا جسے اس نے آگے کسی کو قرض دے دیا۔ جس نے چندہ دیا ہے اگر وہ معاف کردے تو معاف ہوجائے گا یا نہیں؟ یا زید جو رکن یا صدر ہے اسے تاوان ہی دینا پڑے گا؟

جواب: جس نے چندہ دیا تھا اس کے معاف کرنے سے معاف نہ ہوگا، جس رکن نے یہ چندہ قرض میں دیا اسے مسجد کو تاوان یعنی اتنی رقم اپنی جیب سے دینی ہی ہوگی۔ فتاویٰ رضویہ شریف میں امام اہلسنت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

”متولی کو روا (جائز) نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔“

(فتاوی رضویہ شریف، جلد 16، صفحہ 574، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

یاد رہے چندہ جس مد میں لیا جائے اسی مد میں خرچ کرنا واجب ہے۔ متولی مسجد نے مسجد کے اخراجات کے علاوہ کسی بھی کام میں جتنا قرض کے طور پر دیا ہے اتنا اس پر تاوان واجب ہے اتنی رقم مسجد کے چندے میں ڈالے اس فعل کے سبب وہ گناہ گار ہوا اس سے توبہ بھی کرے اور آئندہ ایسا نہ کرے۔ جس سے چندہ لیا ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال اس کو بتانے یا اس کے معاف کردینے سے بھی تاوان ساقط نہیں ہوگا وہ اس کو ادا کرنا ہی پڑے گا۔

سوال: ایک شخص کی جتنی مالیت کی جائیداد ہے اتنا ہی اس پر قرض ہے۔اس نے اپنی جائیداد وقف کردی تاکہ قرض خواہ کو واپسی قرض تاخیر سے دیا جائے یا وقف ہی اس نیت سے کیا کہ مقروض کا قرض واپس نہیں کریں گے۔کیا اس طرح سے وقف درست ہو جائے گا؟

جواب: وقف درست ہے لیکن اس طرح وقف کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ہندیہ میں ہے "رجل لہ ضیعہ تساوی عشرین الف درھم وعلیہ دیون فوقف الضیعۃ وشرط صرف غلاتھا الی نفسہ قصدا منہ الی المماطلۃ وشھد الشھود علی افلاسہ جاز الوقف والشھادۃ۔" ترجمہ:کسی کے پاس جائیداد تھی جس کی قیمت بیس ہزار تھی اور اتنا ہی قرض تھا اس نے ساری جائیدا جان بوجھ کر اس نیت سے وقف کردی قرض خواہ کو قرض تاخیر سے دوں گا اور اپنا غریب ہونا یعنی اس کے علاوہ کوئی اور پونجی نہ ہونے پر گواہ بھی پیش کردیئے تو وقف جائز ہے۔

(ہندیہ، کتاب الوقف ،الباب الرابع عشر ،جلد02، صفحہ 489، کوئٹہ)

اوپر بیان کردیا کہ اگر اس کے علاوہ قرض ادا کرنے کی کوئی صورت ہی نہ ہوئی حتی کہ وہ مرگیا تو وقف ختم کر کے قرض ادا کیا جائے گا۔یہ اصول ہے کہ ہر وہ وقف جس میں قرض خواہ کا نقصان ہو اسے ختم کردیا جائے۔جیسا کہ قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ میں ہے" اسی طرح وہ وقف جس میں قرض خواہوں کو نقصان پہنچے یا نقصان پہنچانا مقصود ہو،تو اس وقف کو توڑ دیا جائے۔"

(قواعدفقہیہ مع فوائدرضویہ،صفحہ 105،شبیر برادرز،لاہور)

سوال: ایک شخص مرض الموت میں مبتلا ہے یعنی مرنے کے قریب ہے،اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔اس پر لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ اگر اس کا تمام مال قرض میں ادا کیا جائے

تب بھی قرض ادا نہ ہو،ایسی حالت میں اگر وہ اپنی جائیداد مثلاً گھر، پراپرٹی مال واسباب وغیرہ مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کردے تو کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی صورت میں وہ جائیداد وغیرہ وقف نہ ہوگی اور نہ ہی اس جگہ پر مسجد و مدرسہ بنانا جائز ہوگا۔ (وقف کے شرعی مسائل،صفحہ45،مکتبہ اہل سنت ،فیصل آباد)

سوال: اگر کسی تندرست پر اتنا قرض ہو کہ اگر سارا قرض میں ادا کیا جائے پھر بھی قرض ادا نہ ہو وہ وقف کرے تو کیسا ہے؟

جواب: تندرست مقروض کا وقف درست ہے۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:"وبطل وقف راھن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لو قبل الحجر۔"ترجمہ:تنگ دست راہن اور مریض مدیون جس کا قرض اس کے پورے مال کو محیط ہو اس کا وقف باطل ہے۔ہاں تندرست کا درست ہے جبکہ حجر سے قبل ہو۔

(درمختار، کتاب الوقف،جلد06،صفحہ608،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: ایک مکان مدرسہ کے نام وقف تھا لیکن کسی وجہ سے وہ ضائع ہو رہا ہے اور اگر اسے ایسے ہی رکھ دیا گیا فروخت نہ کیا گیا تو وہ ناقابل استعمال ہو جائے گا اب اسے بیچنا ہے لیکن اس کا متولی یعنی ناظم (انتظامیہ،صدر) زید کا مقروض ہے،کیا ناظم اپنے قرض خواہ کو وہ وقف کا مکان فروخت کر سکتا ہے؟

جواب: انتظامیہ کا کوئی رکن وقف کی چیز جسے شرع بیچنے کی اجازت دے، پھر بھی اپنے مقروض کو نہیں بیچ سکتے، بلکہ کسی اور کو بیچنا ضروری ہے۔

(وقف کے شرعی مسائل،صفحہ55،مکتبہ اہل سنت ،فیصل آباد)

سوال: کوئی صورت ہے کہ مسجد وغیرہ کے چندہ کو بطور قرض دے سکیں؟

جواب: جی ہاں! اس کی ایک دو صورتیں ہیں:۔

(1) اسلام و مسلمین پر کوئی مصیبت نازل ہوئی جیسے اسلام و کفر کی جنگ ہو اور راشن و مال و پیسے کی حاجت ہو اور مال موقوفہ (چندہ) جو جمع ہے جس کی فی الحال مسجد و مدرسہ وغیرہ کو ضرورت نہیں تو اب اسے قاضی اسلام یا مفتی اسلام کی اجازت یا متدین (دین دار، متقی و پرہیزگار) حضرات کی باہم مشاورت سے بطور قرض مسلمانوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

(2) اسی طرح اگر وقف کے مال کے چوری یا کسی بھی طریق سے ضائع ہونے کا واقعی، حقیقی و یقینی خطرہ ہو اور قرض میں دینے سے اس کی حفاظت و واپسی ملنے کا غالب گمان ہو تو اب بھی قرض دینے کی اجازت ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے "ومال موقوف على المسجد الجامع واجتمعت من غلاتها ، ثم نابت الإسلام نائبة مثل حادثة الروم واحتيج إلى النفقة في تلك الحادثة ، أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفيء ، وأما المال الموقوف على الفقراء فهذا على ثلاثة أوجه :إما أن يصرف إلى المحتاجين ، أو إلى الأغنياء من أبناء السبيل ، أو إلى الأغنياء من غير أبناء السبيل .في الوجه الأول والثاني جاز لا على وجه القرض ، وفي الوجه الثالث المسألة على قسمين :إما أن رأى قاض من قضاة المسلمين جواز ذلك أو لم ير ففي القسم الأول جاز الصرف لا بطريق القرض ، وفي القسم الثاني يصرف على وجه القرض فيصير دينا في مال الفيء ، كذا

فی الواقعات الحسامیۃ۔ "ترجمہ: عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مُسلمانوں پر کوئی حادثہ آپڑا جس میں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور اس وقت سوائے اوقاف کے مال حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں، مسجد کی آمدنی جمع ہے اور مسجد کو اس وقت حاجت بھی نہیں تو بطور قرض مسجد سے رقم لی جاسکتی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی، جلد 02، صفحہ 464، کوئٹہ)

امام وخطیب ومؤذن کو قرض دینے کے بارے تحقیق

فی زمانہ وقف کے مال (چندہ) سے خطیب وامام ومؤذن اور مدرسہ ہے تو مدرس وناظم وغیرہ کو قرض دے سکتے ہیں اور اس پر عرف کا جاری ہونا اس کی دلیل ہے۔ ہمارے ملک میں الاماشاء اللہ کوئی ایسی مسجد ہوگی کہ جس کا امام ومؤذن قرض مانگے تو اسے نہ دیا جائے الا یہ کہ مسجد کا غلہ خالی ہو نیز یہی حال دینی مدارس وتنظیموں کا بھی ہے کہ یہ بھی اپنے افراد کو مخصوص شرائط وضوابط کے تحت قرض دے دیتے ہیں اتنا کہ جتنے کی بعد میں واپسی ممکن ہو یا پھر اس کی تنخواہوں سے کاٹ لیتے ہیں۔ یہ مسئلہ بالکل مذکورہ افراد کو پیشگی تنخواہیں دینے کی مثل ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا: "مدرسین وقف کو دو چار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟" جواباً آپ نے فرمایا: "روا نہیں مگر جہاں اجازت واقف یا تعامل قدیم ہو" لانہ یحمل علی المعھود من عند الواقف "(کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔)"

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 569، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

جیسے مسجد ومدرسہ کی رقم بنک میں رکھنے پر عرف مسلمین جاری ہے جس سے ہر عام وخاص بلانکیر واقف اس میں مبتلا ہے۔ اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر وقف کے مال کو قرض میں دینے میں اس کی حفاظت کے زیادہ پہلو نظر آتے ہوں تو انہیں قرض میں دینا جائز ہے۔

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے"وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به وفي العدة يسع المتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز۔"

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الوقف، تصرفات الناظر، جلد5، صفحه 259، بيروت)

مجمع الضمانات میں ہے"ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه فلو أقرض ضمن، وكذا المستقرض، وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة، وهو أحرز من إمساكه فلا بأس، وفي (عده) يسع المتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز"

(مجمع الضمانات، باب في الوقف، جلد1، صفحه 333، دار الكتاب الاسلامی)

لہٰذا اگر مدرسہ کی انتظامیہ باہم مشاورت سے باعتماد مدرس و مفتی و کمیٹی مسجد کسی بڑے عالم و مفتی کے مشورہ کے بعد یا دستیاب نہ ہونے کی صورت میں باہم مشاورت سے بعد کتابت کے کسی با اعتماد امام و مؤذن کہ جس کی کبھی خیانت ظاہر نہ ہو کو قرض دے تو یہ جائز ہے کہ اس میں مال وقف کی حفاظت بھی ہے اور پھر ان حضرات کو دلالۃً قرض دینے کی چندہ دہندگان کی طرف سے عموماً اجازت بھی ہے۔ عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے

"(سئل) في ناظر وقف أهلي أمره القاضي العام بإقراض مال الوقف فأقرضه من زيد ثم مات زيد قبل قضاء القرض المزبور مفلسا فهل يكون الناظر غير ضامن للمال المزبور؟

(الجواب):نعم فإن قلت إذا أمر القاضي القيم بشيء ففعله ثم تبين أنه ليس بشرعي أو فيه ضرر على الوقف هل يكون القيم ضامنا قلت قال في القنية طالب أهل المحلة القيم أن يقرض من مال المسجد للإمام فأبى فأمره القاضي

به فأقرضه ثم مات الإمام مفلسا لا يضمن القيم اهـ مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد قال في جامع الفصولين ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا المستقرض وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به وفي العدة يسع للمتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز۔" ترجمہ: قاضی نے متولی کو حکم دیا کہ یہ کام کرو بعد میں معلوم ہوا کہ اس طرح کرنا تو شرعا درست نہ تھا یا اس طرح کرنے میں وقف کا نقصان ہے تو کیا متولی پر ضمان ہوگا یا نہیں؟ میں کہتا ہوں: قنیہ میں کہا کہ اگر اہل محلہ متولی سے کہیں کہ امام صاحب کو ضرورت ہے انہیں اتنی رقم مسجد کے مال سے قرض دو، متولی انکار کر دے، پھر وہ قاضی کے حکم سے امام صاحب کو قرض دے اور امام مفلسی کی حالت میں بغیر قرض ادا کیے مر جائے تو متولی پر کچھ ضمان نہ ہوگا۔ حالانکہ اسے اجازت نہیں ہوتی کہ یہ مال وقف سے کسی کو قرض دے۔ جامع الفصولین میں ہے متولی کو جائز نہیں کہ اپنے عیال کے سوا کسی کے پاس وقف کا مال بطور امانت کے رکھے اور نہ ہی اسے وقف کا مال قرض میں دینے کی اجازت ہے ، قرض دے گا تو اپنے پاس سے ضمان بھرے گا اور یہ بھی اس کتاب میں مذکور ہے کہ اگر متولی اس وجہ سے مسجد کا مال قرض میں دے کہ اس میں مال وقف کی حفاظت زیادہ سمجھے (جس طرح ہمارے ہاں بنک میں ہے) تو یہ اپنے پاس رکھنے سے زیادہ بہتر ہے اور عدہ میں ہے کہ متولی کو شرعا اس کی اجازت ہے کہ مسجد کے ضروری اخراجات سے جو بچے اسے بنظر حفاظت قرض میں دے دے۔

(العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الوقف، الباب الثالث، جلد 1، صفحہ 229، دار المعرفۃ)

لہٰذا فی زمانہ متدین حضرات جن کی کبھی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو اور غیر فاسق جن سے وقف کا مال ہڑپ کرنا بعید ہو ایسے افراد کو قرض دینا جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو اس صورت میں قرض دینے کی اجازت ہے جبکہ مال وقف اپنے پاس رکھنے کی بنسبت اسے قرض دینے میں مال کی حفاظت کا یقین ہو جیسے بنک میں۔

سوال: جس صورت میں مال وقف قرض میں دینے کی اجازت ہے اس میں کیا کیا احتیاط رکھیں جائیں؟

جواب: قرض قاضی دے کہ وہ واپس لینے پر قادر ہے۔ اب جبکہ ہمارے زمانے میں قاضی نہیں۔ تو مشہور و معروف مفتی دے۔ یا کوئی اثر و رسوخ والا دین دار شخص قرض دے۔ گواہ بنا کر دے کہ وقف کا مال اس فرد کو اتنا قرض میں دیا جا رہا ہے۔ پھر بہت زیادہ غریب و محتاج وست کام چور کو نہ دیا جائے یعنی ایسے بندے کو قرض دیا جائے کہ جس کی ظاہری حالت بتاتی ہو کہ یہ قرض واپس کر سکتا ہے نیز قرض کا اسٹام بنائے اپنے گواہوں اور لینے والے کے انگوٹھے و دستخط کروائے۔ کوئی قیمتی یا قرض کی مقدار برابر چیز ممکن ہو تو گروی میں رکھی جائے یعنی ہر وہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے وقف کا مال محفوظ رہے۔ کوئی کھا کر ہضم نہ کر جائے۔ درمختار میں ہے " (يقرض القاضي مال الوقف والغائب

واللقطة (واليتيم) من ملیء مؤتمن حيث لا وصي ولا من يقبله مضاربة ولا مستغلا يشتريه ، وله أخذ المال من أب مبذر ووضعه عند عدل ، قنية (ويكتب الصك) "

(درمختار، کتاب القضاء، جلد08، صفحہ124، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: مقروض کا اس شرط پر وقف کرنا کہ پہلے اس کی آمدن سے میرا قرض ادا ہو گا پھر

فقراء کو تقسیم کیا جائے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ایسی شرط لگانا جائز ہے اور اس کی آمدنی سے قرض ادا کرنا بالکل جائز بلکہ ضروری ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے:"ومن صور الاشتراط لنفسه ما لو قال :علی أن یقضی دینه من غلته ، و کذا إذا قال:إذا حدث علی الموت وعلی دین یبدأ من غلة هذا الوقف بقضاء ما علی فما فضل فعلی سبیل کل ذلك جائز" یعنی وقف میں جو اپنے لئے شرائط لگائی جاتی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ واقف کہے کہ پہلے اس کی آمدن سے میرا قرض ادا ہوگا تو یہ شرط جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف،الباب الرابع،جلد02،صفحہ398، کوئٹہ)

سوال: کچھ کھیت مسجد یا مدرسہ پر وقف ہوں لیکن کاشت کرنے کے لئے رقم نہ ہو تو ان میں کاشت کرنے کے لئے قرض لے سکتے ہیں؟ کاشت میں مسجد کو فائدہ ہے کہ فصل بیچ کر مسجد ومدرسہ کے اخراجات آسانی سے پوریں ہوں گے۔

جواب: جی ہاں! قاضی یا کسی مشہور ومعروف مفتی سے اجازت لے کر مسجد انتظامیہ قرض لے سکتی ہے۔اور اگر کمیٹی والے سارے دیندار ہیں تو قاضی ومفتی صاحب کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں باہم مشاورت سے لے سکتے ہیں۔(آج کل مسجد کمیٹی کے اکثر ارکین فاسق ہوتے ہیں، کمیٹی والوں کی جہالت کا عالم یہ ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ شرعا دیندار کسے کہتے ہیں؟) عالمگیری میں ہے"قال هلال رحمه الله تعالی فی وقفه :إذا استرمت الصدقة ولیس فی ید القیم ما یرمها فلیس له أن یستدین علیها وعن الفقیه أبی جعفر رحمه الله تعالی أن القیاس هکذا لکن یترك القیاس فیما فیه ضرورة ، نحو أن یکون فی أرض الوقف زرع یأکله الجراد

ویحتاج القیم إلی النفقة أو طالبه السلطان بالخراج جازت له الاستدانة ، والأحوط فی هذه الضروریات أن یستدین بأمر الحاکم إلا أن یکون بعیدا منه ولا یمکنه الحضور فحینئذ لا بأس بأن یستدین بنفسه ، کذا فی الظهیریة هذا إذا لم تکن فی تلك السنة غلة فأما إذا کانت ففرق القیم الغلة علی المساکین ولم یمسك للخراج شیئا فإنه یضمن حصة الخراج ، کذا فی الذخیرة .قیم وقف طلب منه الخراج والجبایات ولیس فی یده شیء من مال الوقف فأراد أن یستدین قال :إن أمر الواقف بالاستدانة له ذلك وإن لم یأمر تکلموا فیه والأصح أنه لم یکن له بد منه یرفع إلی القاضی حتی یأمر بالاستدانة کذا قال الفقیه رحمه الله تعالی ثم یرجع فی الغلة ، کذا فی المضمرات والعمارة لا بد منها فیستدین بأمر القاضی وأما غیر العمارة فإن کان تصرفا علی المستحقین لا تجوز الاستدانة ولو بإذن القاضی ، کذا فی البحر الرائق۔ولو استدان علی الوقف لیجعل ذلك فی ثمن البذر بأمر القاضی یجوز بالإجماع ، وإن فعل لا بأمره ففیه روایتان ، کذا فی الغیاثیة۔وکذا فی الذخیرة المتولی إذا أراد أن یستدین علی الوقف لیجعل ذلك فی ثمن الرهن فإن کان بأمر القاضی یملك ذلك وإلا فلا ، کذا فی السراجیة وتفسیر الاستدانة أن لا یکون للوقف غلة فیحتاج إلی القرض والاستدانة ، أما إذا کان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لإصلاح الوقف کان له أن یرجع بذلك فی غلة الوقف ، کذا فی فتاوی قاضی خان ۔"یعنی وقف کی طرف سے زراعت کرنے کے لئے تخم وغیرہ کی ضرورت ہے اور روپیہ خرچ کرنے کے لئے موجود نہیں ہے تو قاضی سے اجازت لے کر اسکے لئے بھی قرض

لے سکتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، جلد 02، صفحہ 424، کوئٹہ)

سوال: قاضی اپنی ذات کے لئے مال وقف سے قرض لے سکتا ہے؟

جواب: قاضی بھی اپنی ذات کے لئے مال وقف میں سے قرض نہیں لے سکتا۔ فتاوی شامی ہے "لیس للقاضی ان یستقرض ذالك لنفسه" ترجمہ: قاضی کو اپنی ذات کے لئے قرض لینا جائز نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب القضاء، للقاضی اقراض مال الیتیم، جلد 08، صفحہ 124، کوئٹہ)

سوال: مسجد و مدرسہ وغیرہ کی دوکان و مکان کرایہ پر لی جس کی مرمت کرانا ضروری تھا کرایہ دار نے مسجد و مدرسہ کی انتظامیہ کے کہنے پر ان کی مرمت کروائی کیا یہ خرچہ انتظامیہ پر قرض ہوگا؟

جواب: جی ہاں! جب کرایہ دار نے وقف کی دکان یا مکان کی مرمت اپنی جیب سے انتظامیہ کے کہنے سے کروائی تو انتظامیہ پر اتنی رقم قرض ہوگی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" (قوله : کقرض) قلت: الظاهر أن منه مال المرصد المشهور فی دیارنا ؛ لأنه إذا أنفق المستأجر لدار الوقف علی عمارتها الضروریة بأمر القاضی للضرورة الداعیة إلیه یکون بمنزلة استقراض المتولی من المستأجر ، فإذا قبض ذلك کله أو أربعین درهما منه ولو باقتطاع ذلك من أجرة الدار تجب زکاته لما مضی من السنین والناس عنه غافلون۔"

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، فی دین المرصد، جلد 03، صفحہ 281، کوئٹہ)

سوال: زید نے اپنی جائیداد بایں الفاظ وقف کی کہ تاحیات اپنی آمدنی جائیداد موقوفہ کی

اپنے مصارف میں لاتا رہوں، بعد میرے اولاد اپنی ضروریات میں صرف کرتی رہے، جب میرے اولاد میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے تو علمائے صالحین محل مشروع میں صرف کرتے رہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو دائن زید مدیون کی اس آمدنی پر جو تاحیات اس کو جائداد موقوفہ سے اپنے مصارف میں لا رہا ہے اجرائے ڈگری چاہتا ہے تو وہ شرعاً کراسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "جائیداد پر نہیں کرسکتا آمدنی جو زید کو ملتی ہے اس پر کرسکتا ہے کہ جائیداد وقف ہے اور آمدنی زید کی ملک۔

(فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ 217، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: ایک مسجد یا مدرسہ کی آمدن بہت زیادہ ہے۔ مثلاً مسجد یا مدرسہ کی بہت زیادہ دکانیں و زمین وقف ہے ان کی آمدن مثلاً گندم و چاول وغیرہ اتنا ہے کہ ان کی ضرورت سے زائد ہے۔ یا کسی مدرسہ میں گوشت بہت زیادہ آتا ہے وہ محلے والوں کو دیں اس طور پر کہ جب مدرسہ کو ضرورت پڑے گی تو واپس کرنا ہوگا۔ یا اس کے چاول و گندم کسی دکان والے یا مدرسین کو دیں کہ جب ضرورت پڑے گی تو آپ سے لئے جائیں گے۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب: اس طرح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ بھی دوسرے کو مسجد و مدرسہ کی چیز قرض دینا ہے جس کی شرع میں اجازت نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے "فی الیتیمیۃ سئل أبو الفضل عن الوقف إذا کان ربع غلتہ إلی العمارۃ وثلاثۃ أرباعہا إلی الفقراء فلم تحتج المدرسۃ فی ہذہ السنۃ ہل یجوز للقیم أن یصرف من ذلک إلی الفقہاء علی وجہ الدین ویأخذ ذلک من غلتہم من السنۃ الثانیۃ إذا احتاج إلیہا؟

فقال:لا۔سئل أبو حامد فأجاب بمثله كذا في التتارخانية۔“

(ہندیہ ، کتاب الوقف،الباب الخامس ،جلد2،صفحہ 416،دارالفکر،بیروت)

❁۔۔۔ کتاب البیوع۔۔۔❁

سوال: جو چیز قرض لی، کیا قرض خواہ کو وہی شے بیچی جا سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! مقروض قرض لی ہوئی شے کو قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے کہ اب وہ اس کا مالک ہے جبکہ ادھار نہ ہو یعنی قرض خواہ کو نقد بیچے ادھار نا بیچے۔ درمختار میں ہے ”فجاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراهم مقبوضة فلو تفرقاقبل قبضها بطل لانه افتراق عن دينه“

(ردالمحتار، کتاب البیوع،باب القرض،جلد07،صفحہ 12-411،مطبع کوئٹہ)

سوال: اگر ایک نے پچاس ہزار لینا تھا، دوسرے نے اسے لاکھ کی شے بیچی تو پچاس پچاس کے عوض ادل بدل ہو گا یا اب پہلے ایک دوسرے کو دیں پھر واپس کریں؟

جواب: جس نے زیادہ لینے ہیں وہ اتنے زیادہ لے لے اور بقیہ ادلہ بدلہ ہو جائے گا۔ البحرالرائق میں ہے ”وإن كان نصيب أحدهما أكثر من نصيب الآخر يأخذ منه الزيادة“ یعنی اگر ان دونوں میں سے ایک کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہو تو زیادتی والا بقدر زیادتی لے لے۔

(البحرالرائق، کتاب العتق ،باب الاستیلاد،جلد4،صفحہ460، کوئٹہ)

سوال: وہ ملک جہاں درہم و دینار کا رواج ہے وہاں کسی نے ایک کے درہم دینے ہیں دوسرے نے کسی وجہ سے اس سے دینار لینے ہیں اب کیا کیا جائے کیا دینار والا اس کے درہم دے کر اپنے تمام دینار کا مطالبہ کرسکتا ہے یا اس میں بھی ادلہ بدلہ ہو گا نیز اگر یوں ہو

کہ جتنی مالیت درہم کی ہے اتنی ہی دینار کی ہے تو کیا اب ادلہ بدلہ ہو سکتا ہے یا دینار والے کو اختیار ہے؟

جواب: اس میں دینار والے کی رضامندی پر ہے۔ اگر چاہے تو اسی قدر ادلہ بدلہ کروا دے ورنہ اس کے درہم دے کر اپنے تمام دینار وصول کر سکتا ہے اگرچہ دونوں کی مالیت برابر ہو کہ دینار درہم سے عمدہ ہے اور جس کا مال عمدہ ہوتا ہے ادلہ بدلہ میں اس کی رضامندی ضروری ہوتی۔ فتح القدیر میں ہے "لو قوم نصيب أحدهما بالدراهم والآخر بالذهب كان له أن يدفع الدراهم ويأخذ الذهب" یعنی ایک دراہم کا مقروض تھا اور اسی نے اپنے مقروض سے سونا لینا تھا تو اسے جائز ہے کہ اس کے درہم دے اور اپنا قرض دیا ہوا سونا واپس لے لے۔

(فتح القدیر، کتاب العتاق، باب الاستیلاد، جلد 05، صفحہ 47، کوئٹہ)

سوال: زید نے بکر سے پچاس ہزار روپیہ قرض لیا بعد ازاں زید نے بکر کو پچاس ہزار کی ادھار گندم فروخت کی اب گویا کہ دونوں ایک دوسرے کے مقروض ہیں۔ کیا ان کا قرضہ ادل بدل ہو کر معاف ہو جائے گا یا ایک دوسرے کو دینا لازم ہوتا ہے؟

جواب: نفقہ (بیوی، بچوں ووالدین وغیرہ کے خرچہ) کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین (قرض خواہ ومقروض) پر مساوی (برابر برابر) ہوں ادل بدل ہو کر ساقط ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ دونوں اس پر راضی نہ بھی ہوں۔ ہاں اگر ایک کا مال عمدہ ہو اور دوسرے کا ردی یعنی نکما یا جنس مختلف ہو مثلا ایک کی کرنسی پاکستانی ہے تو دوسرے کی ڈالر میں تو پھر رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں اگر گندم دینے والا راضی ہو تو ادل بدل ہو کر معاف ہو سکتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے "وأما التقاص فلعدم فائدة الاشتغال بالاستيفاء"

یعنی ادل بدل اس وجہ سے ہوں گے کہ ایک دوسرے سے لینے کا فائدہ ہی نہیں کہ جتنے لینے ہیں اتنے ہی دینے ہیں۔

(البحرالرائق، کتاب العتق، باب الاستیلاد، جلد4، صفحہ460، کوئٹہ)

اختلاف ابی حنیفۃ وابی لیلۃ میں ہے"قال: واذا کان لرجل علی رجل مال وله علیه مثله، فان أباحنیفة رضی الله عنه کایقول: هو قصاص۔ وبه نأخذ۔ وکان ابن أبی لیلة یقول: لایکون قصاصا الاأن یتراضیابه۔ فان کان لاحدهاعلی صاحبه مال مخالف لذلك لم یکن قصاصافی قولهماجمیعا"

(اختلاف ابی حنیفۃ وابی لیلۃ، باب فی الدین، صفحہ93، دارالمعارف نعمانیہ، مصر)

کسان اور آڑھتی کے مابین قرض کے کچھ مسائل

سوال: آج کل منڈی میں ایک طریقہ کار ہے کہ جو پارٹی باغ بیچتی ہے وہ ہم سے آکر رقم ادھار مانگتی ہے اور ہم اس نیت سے رقم دیتے ہیں کہ جب یہ مال لے کر آئے گا اور ہمیں بیچے گا تو ہماری رقم بھی ہمیں مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہم پھل وغیرہ خرید کر منافع بھی کما لیں گے۔ قرض دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ پھل کسی اور کو نہ بیچے اگرچہ اس میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ وہ ہمیں ہی بیچے گا۔ اس کا شرعا کیا حکم ہے؟

جواب: اس شرط پر قرض دینا کہ وہ اس کے بدلے میں باغ کے پھل، کھیت کی فصل ہمیں ہی بیچے گا ناجائز و گناہ ہے کیونکہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہے اور قرض سے فائدہ اٹھانا سود اور گناہ ہے۔ اور اگر قرض دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ باغ ہمیں ہی بیچوں گے لیکن منڈی والے کو پتہ ہے کہ ہم سے قرض لے کر گیا ہے ہمیں ہی بیچے گا اسی طرح باغ و کھیت کے مالک کو پتہ ہے کہ فلاں سے رقم لی ہے اس کو ہی بیچنے ہیں، یعنی مارکیٹ میں ہوتا ہی ایسا ہے

۔تب بھی ناجائز وگناہ ہے کہ جب معروف (معلوم۔پتا) ہے تو مشروط (شرط والی صورت کی)ہی کی طرح ہوگیا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"کل قرض جر منفعۃ فھو ربا"جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔

(کنز العمال،جلد06،صفحہ238،مؤسسۃ الرسالۃ۔بیروت)

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں"یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس (جوس) لیں گے اور اسی بناء (وجہ) پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع (خرید وفروخت) نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ نفع حاصل کرنا ہوا اور وہ سود ہے۔"

(فتاوی رضویہ،جلد17،ص588،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: ایک کسان،یا کسی بھی دوکاندار نے زید سے قرض لیا اور اپنی خوشی سے یہ وعدہ کیا کہ میں اس قرض کے بدلے آپ کو گندم یا فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا تو کیا اس وعدہ پر قرض لینا دینا جائز ہے؟

جواب: اگر شرط رکھی ہوئی ہے یا وعدہ ایسا ہے کہ اگر پورا نہ کیا تو معاملہ خراب ہوجائے گا یعنی لڑائی کی نوبت آئے گی تو یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ شرط ہی تھی اس صورت میں قرض لینا دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی زید کا گندم لینا جائز ہوگا کیونکہ یہ تو سود ہے۔جس کی تفصیل اوپر بھی گزری،ہاں اگر زید اپنی مرضی وخوشی سے قرض دے اور گندم وغیرہ لینے دینے کی شرط نہ ہو بلکہ صورتحال ایسی ہو کہ اگر زید کو گندم وغیرہ نہ بھی ملے،صرف اپنا قرض واپس ملے تو اسے کوئی پرابلم نہیں اور نہ ہی قرض لینے والا اب زید کو گندم وغیرہ دینے کا پابند ہو بلکہ گندم وغیرہ کسی مخصوص ریٹ پر اپنی مرضی وخوشی سے دے،قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہ دے تو اب اس میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاوی رضویہ،جلد17،صفحہ586،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

(فتاوی خیریہ، کتاب البیع ،باب السلم، جلد01، صفحہ225، بیروت)

سوال: بعض لوگ کسانوں کو ان کی ضرورت کے وقت کچھ رقم فصل پکنے سے قبل دیتے ہیں اور شرط لگاتے ہیں کہ فصل پکنے پر ہم اتنی گندم یا دھان لیں گے۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) کسانوں کو وہ رقم بطور قرض دیتے ہیں تو پھر یہ ناجائز وحرام ہے۔اس معاملے کو ختم کرنا ضروری ہے، یعنی کسان صرف ان لوگوں ان کی رقم واپس کرے گا، فصل نہیں دے گا، فصل دینا سود ہے۔

(2) اور اگر اس گندم کی قیمت کے طور پر دیے تو یہ گندم کو بیچنے کا وعدہ ہے، اب کسان کی مرضی ہے کہ اب گندم یا دھان دے یا نہ دے بلکہ پیسے لوٹا دے جبکہ پہلی صورت میں کسان صرف پیسے ہی واپس کرے گا۔

(ملخص از فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ578، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بہر کیف ہمارے ہاں عمومی طور پر کسانوں کو قرض دیا جاتا ہے قیمت کے طور پر دینے کا ان کے ذہن میں کم ہی ہوتا ہے بلکہ ہوتا ہی نہیں اور یہ جائز نہیں۔

سوال: آج کل کسان آڑھت میں اپنا مال یعنی گندم و چاول وغیرہ لاتے ہیں تا کہ آڑھتی اس کو آگے فروخت کرے۔ لیکن فصل بکنے سے قبل ہی کسان آڑھت والے سے اس فصل کی رقم لے لیتا ہے اور کہتا ہے جب مال بک جائے گا اس وقت حساب کرلیں گے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فصل کاٹی اور آڑھت پر لے گئے اور اس سے پیسے لے لئے جبکہ ابھی فصل آڑھتی کے پاس رکھی ہوتی ہے اور اس سے پیسے لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باقی حساب اس کے بکنے پر کریں گے۔

جواب: فصل فروخت ہونے سے قبل کسان جو آڑھت والے سے پیشگی رقم لیتا ہے۔ یہ رقم قرض ہے جو آڑھت والا اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ کسان یہ رقم لینے میں آڑھتی پر جبر نہیں کر سکتا، آڑھتی کی مرضی ہے کہ پیسے دے یا نہ دے۔ اگر آڑھتی نے پیسے دیے تو یہ گناہ نہیں۔ اور اگر کسان آڑھتی سے مال یعنی فصل کی قیمت وصول کرتا ہے اور یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ فروخت ہونے پر کمی بیشی کا حساب ہو جائے گا تو یہ حرام اور گناہ ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 126، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں ہے: آڑھت میں غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیز بیچنے والے لاکر جمع کر دیتے ہیں اور خریدنے والے آڑھت والے سے خریدتے ہیں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار سے ابھی دام وصول نہیں ہوئے اور بیچنے والے اپنے وطن کو واپس جانا چاہتے ہیں آڑھت والے اپنے پاس سے دام دے دیتے ہیں خریدار سے وصول ہوگا تو رکھ لیں گے یہاں اگرچہ بظاہر حوالہ نہیں مگر اس کو حوالہ ہی کے حکم میں سمجھنا چاہیے یعنی بائع نے آڑھتی سے قرض لیا اور مشتری پر حوالہ کر دیا کہ اُس سے وصول کر لے لہٰذا اگر آڑھتی کو مشتری سے دَین وصول نہ ہو سکا کہ وہ مفلس مرا تو آڑھتی بائع سے اُس روپیہ کو وصول کر سکتا ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 12، حوالہ کا بیان، صفحہ 882، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: کسی کو پرانی اور لگی ہوئی گندم یا چاول دیے اور واپسی اس سے اچھے چاول یا گندم لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اچھی گندم و چاول واپس لینے کی شرط نہ لگائی تھی اور مقروض نے اپنی خوشی سے عمدہ چاول و گندم دے دیا۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر پرانے چاول و گندم قرض میں اس شرط پر دیے تھے کہ واپس اچھے اور نئے لوں گا تو ناجائز و حرام ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ

میں ہے "عن حبيب بن أبي مرزوق قال سئل ابن عباس عن رجل استقرض طعاما عتيقا ، فقضى مكانه حديثا ، قال:إن لم يكن بينهما شرط فلا بأس بــه" ترجمہ: حبیب بن ابی مرزوق سے روایت ہے کہ ابن عباس سے ایک ایسے شخص سے متعلق سوال ہوا جس نے پرانا اناج قرض لیا اور ادائیگی کے وقت نیا اناج دیا۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے جواباارشاد فرمایا: اگر اس کی شرط نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(مصنف،یستقرض الطعام العتیق،جلد07،صفحہ274، دار سلفیۃ ، ہند)

سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر اس شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا،تو یہ ناجائز ہے۔"لكونه خلاف حكم الشرع من ان الديون تقضى بامثالها ولم يجز التنقيص ايضا لان الشرط المساواة قد راوالجيد والردى فيه سواء "ترجمہ: کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار سے مساوات (برابری) شرط ہے،عمدہ اور گھٹیا اس میں برابر ہیں۔ (فتاوی رضویہ ،جلد17،صفحہ277،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ مجھے سو روپے قرض دو،بکر نے کہا کہ سوا سو روپے کی یہ گندم لے لو،اسے بیچ لینا تمہیں کم از کم بازار سے سو روپے ضرور مل جائیں گے۔زید نے گندم لی اور خالد کو ادھار ایک سو روپے کی بیچ ڈالی۔خالد نے وہ گندم جہاں سے آئی تھی یعنی زید کو سو روپے نقد میں بیچ کر زید کو سو روپیہ دیا۔اس طرح ہوا یوں کہ بکر کو اس کی گندم بھی مل گئی اور مزید بعد میں زید سے پچیس روپے لینے کی سہولت بھی مل گئی۔کیا بکر کا اس طرح کرنا شرعا درست ہے؟

جواب: یہ صورت بیع عینہ کی جس کو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکروہ فرمایا ہے کیونکہ اس میں قرض کی خوبی اور حسن سلوک سے محض چند روپوں کی خاطر بچتا ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں بلکہ بیع (بیچنے والا) کرنے والا مستحق ثواب ہے کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ہمارے زمانہ کی اکثر بیعوں (خرید و فروخت) سے بہتر ہے۔

(ملخص از فتاویٰ فیض الرسول، جلد 02، صفحہ 378، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

النافع الکبیر میں ہے "والعينة أن يأتي الرجل إلى آخر فيستقرضه عشرة فلا يرغب المقرض في الإقراض طمعا في الفضل الذى لا يناله بالقرض فيقول :ليس يتيسر لي القرض ولكن أبيعك هذا الثوب إن شئت باثني عشر نسيئة وقيمته عشرة لتبيعه بعشرة ففعلا كذلك فيحصل لرب الثوب درهمان بطريق البيع فيسمى عينة لأنه أعرض عن الدين إلى العين۔"

(النافع الکبیر، کتاب الکفالت، باب الکفالت بالمال، جلد 01، صفحہ 371)

سوال: پانچ ہزار اس شرط پر قرض دیا کہ تین ہزار روپے ایسے ہی واپس کرنا اور دو ہزار کے عوض تم سے گندم یا چاول لے لوں گا کیسا ہے؟

جواب: باہمی رضامندی سے اس طرح کرنا جائز ہے کہ یہ بیع سلم کی صورت ہے جس میں سلم کی شرائط پائی گئیں تو گندم و چاول دینا لازم ہوگا ورنہ وہی رقم ہی دینی ہوگی۔ جیسا کہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "اس میں اگر بیع سلم کے شرائط پائے جائیں تو اس طرح کرنا درست ہے اور میعاد آنے پر غلہ دینا پڑے گا اور باقی روپیہ کے بدلے روپیہ ہی دینا ہوگا۔ اور اگر بیع سلم کے شرائط نہ پائیں جائیں تو یہ پھر ساری رقم ہی دینی لازم ہوگی

۔گندم وچاول کی ادائیگی کچھ لازم نہ ہوگی۔"

(فتاوی امجدیہ،جلد03،صفحہ200،مکتبہ رضویہ، کراچی)

سوال: مقروض اپنا قرض قرض خواہ سے خرید سکتا ہے؟نیز اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اگر کسی شخص پر دوسرے کا دین لازم ہو تو اس دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنا جائز ہے ۔اس بیع کے درست ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اگر یہ بیع صرف ہو تو مجلس میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے چاہے دونوں پر حقیقی قبضہ ہو یا دونوں پر حکمی قبضہ ہو یا ایک پر حقیقی اور دوسرے پر حکمی قبضہ ہو،اگر ایک پر قبضہ ہو دوسرے پر قبضہ نہ ہو تو یہ بیع صرف میں جائز نہیں ۔اور اگر بیع صرف نہیں تو ایک پر حقیقی قبضہ ضروری ہے،اگر بدلین میں سے ایک پر حکمی قبضہ ہوا اور دوسرے پر بالکل قبضہ نہ ہوا تو یہ بیع صرف کے علاوہ میں بھی جائز نہیں ۔مجلس بدلنے کے یہاں یہ معنٰے ہیں کہ دونوں جدا ہو جائیں ۔اس بیع کی چند صورتیں یہ ہیں (1) زید نے بکر کے دس دراہم دینے تھے اور بکر نے زید کا ایک دینار دینا تھا،دونوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے سے لینا ہے اس کے بدلہ وہ خرید لیا جو اس کے ذمہ ادا کرنا لازم تھا۔تو یہ جائز ہے اور یہ عقد صرف ہے۔(2) زید نے بکر کے کچھ روپے یا کھانا دینا تھا اور بکر نے زید کا ایک درہم دینا تھا پھر دونوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے سے لینا ہے اس کے بدلہ وہ خرید لیا جو اس کے ذمہ ادا کرنا لازم تھا۔تو یہ جائز ہے اور یہ عقد صرف نہیں ہے۔(3) زید نے بکر کے دس درہم دینے تھے،پھر زید نے بکر سے ایک دینار کے بدلہ وہ دس درہم خرید لیے اور وہ ایک دینار مجلس میں ہی اسے ادا کر دیا تو یہ جائز ہے،یہ بیع صرف ہے۔(4) زید نے بکر کی ایک من گندم دینی تھی پھر زید نے بکر سے وہ ایک من گندم دس دراہم کے بدلے خرید لی اور وہ دراہم مجلس میں ہی ادا کر دیے تو یہ جائز ہے،یہ بیع صرف نہیں ہے۔

(کتب عامہ)

سوال: دو شخصوں کی آپس میں بیع (خرید و فروخت) ہوئی،بعد میں کسی وجہ سے اس بیع کو

فسخ (ختم) کردیا۔بائع ثمن (رقم) واپس کرنے سے پہلے ہی مرگیا۔اب جو شے بیچی گئی تھی وہ بائع یعنی بیچنے والے ہی کے پاس ہے۔تو کیا قرض خواہ اس کو اپنے قرض کے عوض میں لے سکتے ہیں؟

جواب: نہیں لے سکتے۔اس لئے کہ مشتری اس کا حقدار ہے۔درمختار میں ہے"(فإن مات) أحدهما أو المؤجر أو المستقرض أو الراهن فاسدا.عيني وزيلعي بعد الفسخ (فالمشتري) ونحوه (أحق به) من سائر الغرماء۔بل قبل تجهيزه فله حق حبسه حتى يأخذ ماله" ترجمہ: بیع فسخ (ختم) ہو چکی ہے اور بائع (بیچنے والا) رقم واپس کرنے سے پہلے ہی مرگیا تو مشتری (خریدنے والا) اُس مبیع (بیچی ہوئی شے) کا حقدار ہے یعنی اگر بائع پر لوگوں کے دیون (قرضے) تھے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مبیع سے دوسرے قرض خواہ اپنے قرضے وصول کریں بلکہ اس کا حق تجہیز و تکفین (میت کے کفن دفن کے معاملات) پر بھی مقدم ہے۔مثلاً فرض کرو مبیع کپڑا ہے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسی کا کفن دیدیا جائے یہ کہہ سکتا ہے جب تک ثمن واپس نہیں ملے گا میں نہیں دونگا۔یونہی اگر بائع کے مرنے کے بعد اُس کے وارث یا مشتری نے بیع کو فسخ کیا تو مشتری مبیع کو اپنا حق وصول کرنے کے لئے روک سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب البیوع،باب البیع الفاسد،جلد07،صفحہ302،مطبوعہ، کوئٹہ)

سوال: دوکاندار کسی کا مقروض تھا اس نے قرض واپس کرنا چاہا تو قرض خواہ نے کہا: واپس نہ کریں میں اس قرض کے عوض حسب ضرورت آپ کی دکان سے سودا لے لیا کروں گا۔اسی طرح کسی دکاندار سے پانچ روپے کی چیز لی اور نوٹ پانچ ہزار کا دیا،اس نے کہا کہ کھلے نہیں ہیں۔پانچ کی چیز لینے والے نے کہا کہ کوئی بات نہیں تم یہ ساری رقم اپنے پاس رکھو، میں اس

کے عوض تم سے سودا سلف لے لیا کروں گا جب پیسے پورے ہو جائیں تو مجھے بتا دینا۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جتنی بات سوال میں لکھی ہے اگر اتنی ہی ہوئی تو جائز نہیں کہ وہی قرض سے نفع اٹھانا ہے یعنی سود کے زمرے میں داخل ہوگا اور اگر دوکاندار سے کہہ دیا کہ اچھا اپنے پاس رکھیں بعد میں لے لوں گا اور سودا لینے دینے کی بات نہ ہو یا دوکاندار سے کہہ دیا کہ یہ میری رقم آپ کے پاس امانت ہے تو ان دو صورتوں میں سودا لینا بھی جائز ہے۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے "ویکرہ أن یقرض بقالا درھما لیأخذ منہ أی من البقال بہ أی بالدرھم ما یحتاج من الطعام وغیرہ إلی أن یستغرقہ أی الدرھم فإنہ قرض جر نفعا وھو منھی عنہ وینبغی أن یودعہ إیاہ ثم یأخذ منہ۔" یعنی یہ مکروہ ہے کہ کسی سبزی فروش وغیرہ کو قرض دیا جائے پھر اس کے بدلے اس سے بقدر ضرورت سبزی لی جائے حتی کہ قرض پورا ہو جائے کہ یہ قرض سے نفع حاصل کرنا ہے جس سے شرع نے منع فرمایا ہے اور اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ اسے بطور امانت دے پھر اس کے عوض اس سے کچھ خرید لے۔"

(مجمع الانہر، فصل فی البیع، جلد04، صفحہ225، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

سوال: زید دودھ کا کاروبار کرتا ہے۔ بکر اس سے ادھار دودھ لیتا ہے۔ زید بکر سے کہتا ہے کہ مجھے کچھ پیسے پہلے دے دو اور باقی پیسے بعد میں دے دینا بکر زید کو کچھ نہ کچھ رقم دے دیتا ہے اور دودھ لیتا رہتا ہے اور مہینے کے آخر میں حساب کرتا ہے اور جو بقایا پیسے دینے ہوتے ہیں ادا کر دیتا ہے یعنی جو ایڈوانس رقم دی تھی وہ روزانہ دودھ کے حساب سے کٹتی رہتی ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: اصول بیع کے پیش نظر ایسا کرنا جائز نہیں کہ یہ بیع بشرط القرض ہے یعنی اگرچہ اس میں بظاہر شرط کے لفظ نہیں لیکن ہمارے ہاں مروج یہی ہے کہ دودھ والے کو جو ایڈوانس دیتا ہے یہ اُسی کو دودھ دیتا ہے اور بعض دفعہ کچھ لوگ یوں کرتے ہیں کہ اپنے خرچ کا حساب کتاب رکھنے کے لئے یا دودھ کی خرچ کی ٹینشن ختم کرنے کے لئے دودھ والے کو پورے مہینے کے پیسے پہلے دے دیتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم سے روز نہیں دیئے جاتے ،خرچ ہو جاتے ہیں اسی لئے سب پہلے ہی دے دیئے تو یہ بھی جائز نہیں۔ حدیث میں قرض کی شرط پر خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے"عن عمرو بن شعیب عن أبیه قال نهی رسول الله صلی الله علیه و سلم عن سلف و بیع و عن شرطین فی بیع واحد و عن بیع ما لیس عندك وربح مالم یضمن" ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا بیع سلف سے، ایک بیع میں دو شرطیں لگانے اور ایسا نفع جس میں ضمان نہ ہو۔

(مصنف عبدالرزاق، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع الطعام، جلد8، صفحه39، بیروت)

مگر میری رائے یہی ہے کہ فی زمانہ اس کی اجازت ہے کیونکہ جتنے میں بڑے بزنس ہیں وہ ایڈوانس لئے بغیر ڈیلیوری نہیں دیتے، جن کا کام نیشنل یا انٹرنیشنل سطح پر ہے اسی طرح جن کی جو پروڈکٹ مارکیٹ میں خوب چلتی ہے یا وہ کمپنیاں جن کا ایک بہت بڑا نام ہے ان سے بزنس اسی صورت میں متوقع ہے جب آپ ایڈوانس دیں، اسی طرح چھوٹے موٹے بے شمار ایسے کام ہیں جو ایڈوانس رقم دئے بغیر ہوتے ہی نہیں تو بوجہ تعامل وضرورت وحرج حکم جواز کا ہے۔

سوال: مچھلیوں کے شکار میں کچھ ایسی چھوٹی مچھلیاں بھی حاصل ہوتی ہیں جنہیں عموما کھایا نہیں جاتا یہ مچھلیاں سکھا کر فیکٹری مالکان کو بیچی جاتی ہیں جو اسکو پیس کر مرغی کی فیڈ میں استعمال کرتے ہیں لانچ مالکان (کشتی کے مالک) فیکٹری والوں سے قرض لیتے ہیں اور پھر اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ اسی فیکٹری کو یہ کچرا مال بیچیں گے جس سے قرض لیا ہے البتہ اس کچرا مال کا ریٹ فکس ہے قرض لینے یا نہ لینے کی وجہ سے اس کے ریٹ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور قرض نہ لینے کی صورت میں بھی لانچ مالکان کسی نہ کسی مخصوص فیکٹری کو ہی مال بیچتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: قرض دینے والے کا صراحۃ یا دلالۃ یہ شرط لگانا کہ مال مجھے ہی بیچنا ناجائز ہے کیونکہ قرض کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جس میں قرض دینے والے کا نفع ہو سود ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فیکٹری والوں کا ایڈوانس رقم بطور قرض دیکر یہ شرط لگانا کہ مجھے ہی بیچنا یہ جائز نہیں کہ اس میں فیکٹری والوں کا نفع ہے لہٰذا فیکٹری والوں سے قرض لئے بغیر کچرا مال کی خرید وفروخت کریں تو یہ جائز ہے۔ یا پھر فیکٹری مالکان سے کہہ دیا جائے کہ آپ قرض اپنی مرضی وخوشی سے دیں اور اس قرض کی وجہ سے ہم آپ کو کچرا مال بیچنے کے پابند نہیں، دل کیا تو آپ کو سیل کریں گے، یہ بات چیت ہونے کے بعد اب اگر چہ اسی کو سیل کریں تو جائز ہے۔

سوال: مقروض کو کہا کہ تم نے میرے پیسے دینے ہیں اس کے عوض فلاں شئی خرید لاؤ تو؟

جواب: زید کا عمرو پر دَین ہے زید نے عمرو سے کہا کہ تمہارے ذمہ جو میرے روپے ہیں اُن کے بدلے فلاں چیز معین میرے لئے خرید لو یا فلاں سے فلاں چیز خرید لو یعنی چیز معین کر

دی ہو یا بائع کو معین کر دیا ہو یہ توکیل صحیح ہے عمرو خرید کر جب وہ روپیہ بائع کو دیدے گا زید کے دَین سے بری الذمہ ہو جائے گا زید نہ تو چیز کے لینے سے انکار کر سکتا ہے نہ اب دَین کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر نہ چیز کو معین کیا نہ بائع کو معین کیا اور مدیون نے چیز خرید لی اور روپیہ ادا کر دیا تو بری الذمہ نہیں ہوا زید اس سے دَین کا مطالبہ کر سکتا ہے اور وہ چیز جو خریدی ہے مدیون کی ہے زید اُس کے لینے سے انکار کر سکتا ہے اور فرض کرو ہلاک ہو گئی تو مدیون کی ہلاک ہوئی زید سے تعلق نہیں۔ (درمختار)

۔۔۔ کتاب الکفالت ۔۔۔

☆۔ باب اول: ضمانت کی تعریف، ثبوت واوصاف ۔۔☆

سوال: کفالت کا مطلب کیا ہے؟

جواب: کفالت کا لفظی معنی ملانا ہے۔ اور شرع میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ملا دے۔ اور آسان لفظوں میں کسی معاملے میں جو ضامن بنایا جاتا ہے تو اس معاملہ کو کفالت کہتے ہیں۔ ردالمحتار اور اللباب فی شرح الکتاب میں ہے "(الکفالة) لغة: الضم"

(اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الکفالة، جلد 01، صفحہ 209، دار الکتاب العربی)

"ضم ذمة الکفیل الی ذمة الاصل فی حق المطالبة"

(فتاوی نوازل، کتاب الکفالت، صفحہ 413، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور، پاکستان)

مزید آسانی کے لئے کفالت کی تعریف میں غور کریں۔ تعریف میں یہ الفاظ ہیں کہ اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ملا دینا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کفالت کی وجہ سے اب قرض خواہ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو مقروض سے قرض مانگے

یا ضامن سے۔ اور اگر اصل مقروض قرض نہ دے گا تو ضامن کو اپنی جیب سے دینا ہوگا، بعد میں یہ خود اصل مقروض سے واپس لے، یہ اس کی اپنی سر دردہوگی۔ بعض دفعہ تقاضا کی کفالت ہوتی ہے اور بعض دفعہ نفس مال کی کفالت ہوتی ہے۔ جس کی وضاحت آگے بیان ہوگی۔

سوال: آجکل رائج ہے قرض دینے والے ولینے والے کے درمیان میں کوئی ضامن رکھتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں اور شرع میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

جواب: قرض دیتے وقت کوئی ضامن بنانا جائز ہے۔ اور اس کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قرآن سے ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴿وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ﴾ترجمہ کنزالایمان: اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (پارہ 13، سورۃ یوسف، آیت72)

حدیث سے ثبوت

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ سنن کبری بیہقی، مصنف عبدالرزاق، الادب المفرد، لفظ مصنف کے ہیں "والزعیم غارم یعنی الکفیل" ترجمہ: کفیل ضامن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 20940، جلد06، صفحہ145، الدار السلفیۃ الھندیۃ)

صحابہ کے فعل سے ثبوت

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضمانت دی تھی۔ (بہار شریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ837، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

قرض کے ضمانتی کی شرائط کا بیان

سوال: جس کو قرض کا ضامن بنانا ہو وہ کیسے اوصاف وشرائط کا حامل ہو؟

جواب: ضامن میں چند ایک وہ اوصاف جن کا ہونا ضروری ہے وہ یہ ہیں

(1) عاقل ہو۔

(2) بالغ۔

(3) آزاد ہو۔

(4) تندرست ہو، مریض نہ ہو۔

(بہارشریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ 39-838، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: ضامن بنانے کا فائدہ کیا ہوتا ہے؟

جواب: ضامن بنانے کے فوائد وثمرات بالکل واضح ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(1) ضامن بنانے سے مقروض سے قرض کے دبا لینے کا خطرہ کم یا ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بعض دفعہ قرض دینے والے کو ڈر رہتا ہے کہ کہیں مقروض قرض واپس ہی نہ کرے تو وہ ضامن لیتا ہے تاکہ ملنے کی امید باقی رہے۔

(2) مقروض کو ضامن کے بغیر قرض ہی نہیں ملتا اس لئے بنایا جاتا ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قرض ملتا ہی ایسے شخص سے ہے کہ جو ہمیں جانتا نہیں تو قرض لینے والا ایسا فرد تلاش کرتا ہے جو قرض دینے والے کو جانتا ہے۔

(3) اور بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والے کو خدشہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ واپس نہ کر پاؤں یا اتنی مدت میں واپس نہ کر پاؤں تو وہ ضامن بناتا ہے تاکہ قرض خواہ کی طرف سے کوئی پریشانی نہ ہو۔ قرض خواہ ومقروض کا ایک دوسرے کی طرف سے نقصان سے بچنے کی خاطر ضامن بنانا محمود وحسن ہے۔ تورات مقدس میں ہے کہ کفالت کی ابتدا

ملامت ہے اور اوسط ندامت ہے اور آخر غرامت ہے یعنی ضامن ہوتے ہی خود اس کا نفس یا دوسرے لوگ ملامت کریں گے اور جب اس سے مطالبہ ہونے لگا تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور آخر یہ کہ گرہ سے دینا پڑتا ہے۔

(ملخص از بہار شریعت ، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ836، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

قرض کا ضمانتی بنانے کا طریقہ

سوال: قرض کے معاملے میں کفیل بنانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: کفیل بنانے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ کفیل کہے کہ میں فلاں کے قرض کا کفیل ہوں، مکفول لہ (قرض خواہ) کہے میں نے تیری کفالت قبول کی۔ یا مکفول لہ (قرض خواہ) کسی سے کہے کہ فلاں کے قرض کی کفالت کرلو یہ کہے میں نے کی۔ تو یہ کفیل (ضمانتی) بن جائے گا۔ المختصر یہ کہ ایجاب وقبول کفالت کے رکن ہیں۔ قرض خواہ و جس نے ضمانتی بننا ہے دونوں میں سے کوئی التزام والے الفاظ بولے جیسے کفالت ہی ہے سے ایجاب کرے دوسرا قبول کرے۔

(ملخص از بہار شریعت ، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ837، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کفالت یعنی قرض کی ضمانت کا حکم

سوال: کفالت کا حکم کیا ہے؟

جواب: کفالت کا حکم یہ ہے کہ اصیل (مقروض) کی طرف سے اس نے جس چیز کی کفالت کی ہے اُس کا مطالبہ اس کے ذمہ لازم ہوگیا یعنی طالب کے لئے حق مطالبہ ثابت ہوگیا وہ جب چاہے اس سے مطالبہ کرسکتا ہے اس کو انکار کی گنجائش نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ

اس سے مطالبہ اُسی وقت کرے جب اصیل سے مطالبہ نہ کر سکے بلکہ اصیل سے مطالبہ کرسکتا ہو جب بھی کفیل سے مطالبہ کرسکتا ہے۔اور اصیل سے مطالبہ شروع کردیا جب بھی کفیل سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ہاں اگر اصیل سے اُس نے اپنا حق وصول کرلیا تو کفالت ختم ہوگئی اب کفیل بری ہوگیا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔(درمختار،ردالمحتار)

(بہارشریعت،کتاب الکفالت،حصہ 12،صفحہ 841،مکتبۃ المدینۃ،کراچی)

ضمانت کی شرط پر قرض دینا

سوال: کفالت کی شرط پر قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کفالت کی شرط پر قرض دینا جائز ہے۔اور یہ شرط لگانا کہ فلاں شخص ہی کفیل بنے پھر قرض دوں گا یہ بھی جائز ہے۔ہندیہ میں ہے"وإذا أقرض علی أن یکفل فلان جاز حاضرا کان أوغائبا کفل أو لم یکفل کذا فی الفصول العمادیة"ترجمہ:جب کوئی کسی خاص شخص کی کفالت کی شرط پر قرض دے تو یہ جائز ہے،جس کو کفیل بنانے کی شرط لگائی وہ موجود ہو نہ ہو اور بعد میں کفیل بنے یا نہ بنے۔ایسا ہی فصول العمادیہ میں ہے۔

(ہندیہ،کتاب البیوع،الباب التاسع عشر،جلد03،صفحہ207،بیروت)

جس چیز کی ضمانت دینی ہو اس کی شرط کا بیان

مکفول بہ مقدور التسلیم ہو۔

یعنی جس چیز کی کفالت کی اُس کو ادا کرنے پر قادر ہو۔حدود و قصاص کی کفالت نہیں ہوسکتی۔جس پر حد واجب ہو اُس کے نفس کی کفالت ہوسکتی ہے۔جب کہ اُس حد میں بندوں کا حق ہو۔یونہی میت کی کفالت بالنفس نہیں ہوسکتی۔کیوں کہ جب وہ مر چکا تو حاضر کیونکر کرسکتا ہے بلکہ اگر زندگی میں کفالت کی تھی پھر مر گیا تو کفالت بالنفس باطل ہوگئی کہ وہ

رہا ہی نہیں جس کی کفالت کی تھی۔

بہار شریعت، کتاب الکفالت، حصہ 12، صفحہ 840، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: کس طرح کے قرض کا کفیل بنا اور بنایا جا سکتا ہے؟

جواب: جس دین (قرض) کی کفالت کرنی ہے اس کا صحیح وقائم ہونا ضروری ہے۔ ہندیہ میں ہے "ومنه أن يكون الدين صحيحا فلا تجوز ببدل الكتابة هكذا في النهاية وبدل السعاية كبدل الكتابة فلا تصح كفالة أحد عنه؛ لأنه كالمكاتب عنده وعندهما هو حر عليه دين فتصح كذا في الكافي ولا يشترط أن يكون معلوم القدر هكذا في البحر الرائق۔ ترجمہ: دَین کی کفالت کی تو وہ دَین صحیح ہو۔ بدل کتابت کی کفالت نہیں ہو سکتی کہ یہ دَین صحیح نہیں۔ یونہی زوجہ کے نفقہ کی کفالت نہیں ہو سکتی جب تک قاضی نے اس کا حکم نہ دیا ہو کہ یہ دَین صحیح نہیں۔

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد 03، صفحہ 207، بیروت)

سوال: دین صحیح وقائم سے کیا مراد ہے؟

جواب: یعنی بغیر ادا کئے یا مدعی کے معاف کئے وہ ساقط نہ ہو سکے۔

(بہار شریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ 840-41، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وہ دَین قائم ہو۔ لہٰذا جو مفلس مرا اور ترکہ نہیں چھوڑا اُس پر جو دَین ہے قابلِ کفالت نہیں کہ ایسے دَین کا دنیا میں مطالبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ دَین قائم نہ رہا۔

(بہار شریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ 840-41، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کفالت یعنی ضمانت کی اقسام کا بیان

سوال: کفالت کی اقسام کیا ہیں؟

جواب: کفالت بالمال کی دو صورتیں ہیں:۔

ایک یہ کہ نفس مال کا ضامن ہو۔

دوسرا یہ کہ تقاضا کرنے کی ذمہ داری کرے۔

ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کچھ مال تھا تیسرے شخص نے طالب (قرض خواہ) سے کہا کہ میں ضامن ہوتا ہوں کہ اُس سے وصول کر کے تم کو دوں گا یہ مال کی ضمانت نہیں ہے کہ اپنے پاس سے دیدے بلکہ تقاضا کرنے کا ضامن ہے کہ جب اُس سے وصول ہو گا دے گا اس سے مال کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔

زید نے عمرو کے ہزار روپے غصب کر لئے تھے عمرو اُس سے جھگڑا کر رہا تھا کہ میرے روپے دیدے تیسرے شخص نے کہا لڑو مت میں اس کا ضامن ہوں کہ اُس سے لے کر تم کو دوں اس ضامن کہ ذمہ لازم ہے کہ وصول کر کے دے اور اگر زید نے وہ روپے خرچ کر ڈالے تو یہ بھی نہ رہا کہ وہ روپے وصول کر کے دے صرف تقاضا کرنے کا ضامن ہے۔

(بہارشریعت، کتاب الکفالۃ، حصہ 12، جلد2، صفحہ847، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: بعض دفعہ قرض خواہ مال قرض کی نہیں بلکہ مقروض کی ضمانت لیتا ہے کہ اگر یہ کہیں بھاگ جائے تو اسے پیش کرنا ضامن کی ذمہ داری ہوگی۔ کیا قرض میں مقروض کی ضمانت بھی دی لی جاسکتی ہے یا فقط رقم کے لینے دینے کی ضمانت ہوتی ہے؟

جواب: جی ہاں! قرض کی رقم کے بجائے خود مقروض کا کفیل بننا و بنانا بھی جائز ہے۔ یاد رہے کہ کفالت کی دو قسمیں ہیں:۔

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "مکفول بہ (جس چیز کی ضمانت لی جائے) کبھی نفس (یعنی انسان، اور یہاں مقروض) ہوتا ہے کبھی مال۔ نفس کی کفالت کا یہ

مطلب ہے کہ اس شخص کو جس کی کفالت کی حاضر لائے (یعنی مقروض کہیں غائب ہو جائے یا بھاگ جائے تو اسے پیش کرنا ضامن کی ذمہ داری ہے جیسے بعض دفعہ کرایہ داروں کو قرض دیتے ہوئے یہ خطرات لاحق رہتے ہیں کہ کہیں قرض لے کر مکان چھوڑ کر کہیں چلا گیا تو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔) جس طرح آجکل بھی کچہریوں میں ہوتا ہے کہ مدعی علیہ (جس پر کیس ہو) سے کفیل طلب کیا جاتا ہے جو اس امر کا ذمہ دار ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ (جج کی مقرر کردہ) تاریخ پر حاضر لائے۔"

(بہار شریعت، کفالت کا بیان، حصہ 12، صفحہ 838، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: اگر کسی نے کفالت بالنفس کی اور کفالت کے وقت مقروض موجود بھی نہ تھا اور نہ ہی ضمانت لینے والے کو اس کے مکان وغیرہ کا کوئی پتہ ہے تو کیا ایسی کفالت بالنفس درست ہے؟

جواب: ایسی کفالت صحیح نہیں۔ ہندیہ میں ہے "لو کفل بنفس رجل غائب لا یعرف مکانہ لا تصح الکفالۃ کذا فی الذخیرۃ"

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد 03، صفحہ 207، بیروت)

ضمانت کے لئے ضروری الفاظ کا بیان

سوال: کفالت میں کس طرح کے الفاظ کا ہونا شرط ہے؟

جواب: کفالت میں ایسے الفاظ کا ہونا ضروری ہے جن سے کفیل کی ذمہ داری کا معنی موجود ہو، جیسے وہ کہے کہ میری گارنٹی ہے، نہ دے تو مجھ پر دلواتا ہے، میں ذمہ دار ہوں، میں ذمہ داری لیتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "کفالت ایسے الفاظ سے ہوتی ہے جن سے کفیل کا ذمہ دار ہونا سمجھا جاتا ہو مثلاً خود لفظ کفالت،

ضمانت۔ یہ مجھ پر ہے۔ میری طرف ہے۔ میں ذمہ دار ہوں۔ یہ مجھ پر ہے کہ اس کو تمہارے پاس لاؤں۔ فلاں شخص میری پہچان کا ہے یہ کفالت بالنفس ہے۔

(بہارشریعت، کتاب الکفالت، حصہ 12، صفحہ 841، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

کفالت بالنفس کے الفاظ

کفالت بالنفس میں یہ کہنا ہوگا کہ اُس کے نفس کا ضامن ہوں یا ایسے عضو کو ذکر کرے جو کل کی تعبیر ہوتا ہے۔ مثلاً گردن، جزوشائع نصف وربع کی طرف اضافت کرنے سے بھی کفالت ہوجاتی ہے۔ اگر یہ کہا اُس کی شناخت میرے ذمہ ہے تو کفالت نہ ہوئی۔

(بہارشریعت، کتاب الکفالت، حصہ 12، صفحہ 841، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: ایک شخص نے کسی سے قرض مانگا، اس نے انکار کیا پاس کھڑے شخص نے کہا: کہ اس کو میری گارنٹی پر قرض دے دو۔ اس نے دے دیا تو کیا یہ قرض خواہ اس سے بھی قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ضرور مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس کا کہنا کہ میری گارنٹی پر دے دو یعنی میں ضامن ہوں، ایجاب ہے اور اس کا قرض دے دینا کفالت کو قبول کرنا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "ایک شخص دوسرے سے قرض مانگ رہا تھا اُس نے قرض دینے سے انکار کردیا تیسرے شخص نے یہ کہہ دیا کہ اس کو قرض دیدو میں ضامن ہوں اُس نے فوراً قرض دے دیا یہ ضامن ہوگیا کہ اُس کا قرض دے دینا ہی قبول کفالت ہے"

(بہارشریعت، کتاب الکفالۃ، حصہ 12، جلد 2، صفحہ 849، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: زید نے عمرو سے کہا: بکر پر جو تمہارا قرض ہے وہ میں دے دوں گا۔ تو کیا وہ زید ہی سے لے گا یا بکر سے بھی لے سکتا ہے؟ زید پر دینا لازم وضروری ہے یا نہیں؟

جواب: یہ ایک وعدہ ہے جس کو پورا کرنا زید کے لئے اچھی بات ہے زید پر ادائیگی کچھ واجب نہیں۔ اگر زید دے دے تو ٹھیک ورنہ وہ اپنا قرض بکر سے ہی وصول کرے گا۔

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 653، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یادرہے کہ یہاں زید کفیل نہیں کہ اس نے ایسے الفاظ ہی نہیں کہے کہ جو التزام یعنی زید پر کسی چیز کو لازم کرنے والے ہوں اور نہ ہی یہاں ایجاب وقبول ایسا ہے جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا۔ زید نے کہا میں دے دوں گا یہ ایک وعدہ ہے اور جسے پورا کرنا اچھی بات ہے، ضروری نہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر وعدے کو پورا کرنا واجب ہے حالانکہ ایسا کچھ نہیں۔

سوال: قرض خواہ نے ضامن سے قرض مانگا، ضامن نے کہا مقروض کا انتظار کرو، قرض خواہ نے کہا میں تو بس آپ سے ہی لوں گا تو اس کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں قرض خواہ ضامن سے بھی مطالبہ کرسکتا ہے اور اصل مقروض سے بھی۔ یعنی دونوں سے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے، ضامن کا یہ کہنا کہ مقروض کا انتظار کرو، غلط بات ہے۔ درمختار میں ہے "طالب الدائن الكفيل فقال له اصبر حتى يجئ الاصيل فقال لاتعلق لي عليه انما تعلقي عليك هل يبرأ؟ اجاب نعم وقيل لا، وهو المختار۔" ترجمہ: قرض خواہ نے کفیل یعنی ضامن سے قرض کا مطالبہ کیا ضامن نے کہا: مقروض کے آنے کا انتظار کرو، قرض خواہ نے کہا: میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میں تو آپ سے ہی لوں گا تو کیا مقروض قرضے سے بری ہو گیا؟ جواب:۔ جی ہاں فارغ ہو گیا اور کہا گیا کہ نہیں وہ بری نہیں ہوا اور یہی مختار و مفتی بہ مذہب ہے۔

(درمختار، کتاب الکفالۃ، جلد 07، صفحہ 645، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: زید نے عمرو کو کہا کہ بکر کو قرض کی ضرورت ہے، اسے دے دو، اور اُس سے قرض لے کر تمہیں دلوانا میری ذمہ داری ہے۔اب مقروض یعنی بکر قرض واپس نہ کرے تو کیا قرض خواہ عمر اس زید ضامن سے قرض وصول کر سکتا ہے؟

جواب: زید جو ضامن بنا اس سے عمرو ہر گز قرض وصول نہیں کر سکتا۔کیونکہ یہاں ضامن کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ مقروض سے وصول کر کے قرض خواہ کو دے گا نہ کہ اپنی جیب سے کہ اس طرح کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ تمہیں لے کر دلوانا میری ذمہ داری ہے یہ نہیں کہا کہ قرض واپس کرنا میری ذمہ داری ہے،لہٰذا فرق یاد رہے۔فتاوی بزازیہ میں ہے"قال للطالب ضمنت لك ماعلى فلان ان اقبضه منه وادفعه اليك ليس بكفالة ومعناه ان يتقاضاه له ويدفعه اليه اذاقبضه منه على هذا معانى كلام الناس" ترجمہ:کسی نے قرض طلب کرنے سے کہا فلاں سے جو تو نے قرض لینا ہے میری ذمداری ہے کہ اس سے لے کر تجھے دوں تو یہ کفالت نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس سے تقاضہ کروں اور لے کر تجھے دے دوں گا۔(اصل میں یہاں اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ نہ دے تو دینا میری ذمہ داری ہے بلکہ اس نے کہا ہے کہ اس سے لے کر دوں گا۔تو اب یہ اپنے پاس سے دینے کا پابند ہی نہیں بلکہ مقروض سے جب ملے تو لے کر دے گا۔)

(فتاوی بزازیہ، کتاب الکفالۃ ،نوع آخر،جلد06،صفحہ08،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مریض کے کفیل بننے سے متعلق مسائل کا بیان

سوال: مرض الموت میں کفیل بننا کیسا ہے؟

جواب: جو شخص مرض الموت میں ہو یعنی اس بیماری سے شفایابی کی امید ختم ہو چکی ہو جیسے

عام طور پر کینسر میں ہوتا ہے وہ صرف تہائی مال تک ضمانت قبول کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس پر اتنا قرض ہے کہ اس کا سارا مال قرض میں دیا جائے تو پھر اس کا قرض ادا ہو تو پھر بھی وہ ضامن نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اپنے کسی وارث کی ضمانت نہیں لے سکتا۔ ہندیہ میں ہے" المريض مرض الموت إذا كفل عن رجل بمال فإن كان عليه دين يحيط بماله فالكفالة بكلها باطلة، وإن لم يكن عليه دين جازت الكفالة بقدر الثلث، وإن كفل لوارث، أو عن وارث لا يصح أصلا۔" ترجمہ: یعنی جو شخص مرض الموت میں ہو اور ثلث مال سے زیادہ کی کفالت کرے تو صحیح نہیں۔ یونہی اگر اس پر اتنا دین ہو جو اس کے ترکہ کو محیط ہو تو بالکل کفالت نہیں کرسکتا۔ مریض نے وارث کے لئے یا وارث کی طرف سے کفالت کی یہ مطلقاً صحیح نہیں۔

(ہندیہ، کتاب الکفالۃ، مسائل شتی، جلد03، صفحہ 290، بیروت)

مرض الموت کا مطلب یہ کہ آدمی ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اب اس کے زندہ بچنے کی امید باقی نہیں رہی، بس کسی بھی وقت مرسکتا ہے۔

سوال: مریض نے کسی کی کفالت کی اور وقت کفالت یہ ظاہر نہ ہوا کہ خود مریض پر قرض ہے یا نہیں؟ بعد میں اس نے کہا کہ مجھ پر قرضہ چڑھا ہوا ہے اس صورت میں اس کی کفالت پر کیا شرعی احکام مرتب ہوں گے؟

جواب: ہندیہ میں ہے" وإن كفل المريض عن رجل بألف درهم ولا دين عليه، ثم أقر بدين يحيط بماله لأجنبي، ثم مات الكفيل كان المقر له أولى بتركه الكفيل من المكفول له، وإن كانت تركته أكثر من الدين الذي أقر به ينظر إن كانت الكفالة تخرج من ثلث ما بقي بعد الدين صحت كلها، وإن لم تخرج

کلها من ثلث ما بقی صحت بقدر ثلث ما بقی کذا فی المحیط"ترجمہ:اگر مریض پر بظاہر دین نہ تھا اُس نے کسی کی کفالت کی تھی پھر یہ اقرار کیا کہ مجھ پر اتنا دَین ہے جو کُل مال کو محیط ہے پھر مر گیا اس کا مال مقرلہ (یعنی قرض خواہوں وغیرہ کو) کو ملے گا مکفول لہ (جس کے لئے ضمانت لی تھی) کو نہیں ملے گا۔اور اگر اتنے مال کا اقرار کیا ہے جو کل مال کو محیط نہیں ہے اور دَین نکالنے کے بعد جو بچا کفالت کی رقم اُس کی تہائی تک ہے تو یہ کفالت درست ہے اور اگر کفالت کی رقم تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی کی قدر کفالت صحیح ہے۔

(ہندیہ، کتاب الکفالۃ،مسائل شتی،جلد03،صفحہ290،بیروت)

ضمانت میں مدت وخیار کا بیان

سوال: کیا کفالت یعنی ضمانت میں مدت رکھی جاسکتی ہے؟

جواب: جی ضامن نے جتنے عرصے کی ضمانت لی اتنے عرصہ تک اس سے مطالبہ ہوسکتا ہے ،اس کے بعد بری ہو جائے گا۔بہار شریعت میں ہے"میں نے فلاں کی کفالت کی آج سے ایک ماہ تک تو ایک ماہ کے بعد کفیل بری ہو جائے گا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔اور فقط اتنا ہی کہا کہ ایک ماہ کفیل ہوں یہ نہ کہا کہ آج سے جب بھی عرف یہی ہے کہ ایک ماہ کی تحدید ہے اس کے بعد کفیل سے تعلق نہ رہا۔(جیسے ایک بندہ کرایہ دار ہے کوئی کہے اس وقت تک اس کی کفالت کرتا ہوں جب تک یہاں کرایہ کی مدت ہے)

(بہار شریعت، کتاب الکفالۃ،حصہ 12،صفحہ 841،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

بہار شریعت میں لکھا ہے"کفیل نے یوں کفالت کی کہ جب تو طلب کرے گا تو ایک ماہ کی مدت میرے لئے ہوگی یہ کفالت صحیح ہے۔اور وقت طلب سے ایک ماہ کی مدت ہوگی اور مدت پوری ہونے پر تسلیم کرنا لازم ہے اب دوبارہ مدت نہ ہوگی۔

اسی میں ہے "اس شرط پر کفالت کی کہ مجھ کو تین دن یا دس دن کا خیار ہے کفالت صحیح ہے اور خیار بھی صحیح یعنی جس مدت تک خیار لیا ہے اُس کے بعد مطالبہ ہوگا اور اندرونِ مدت اُس کو اختیار ہے کہ کفالت کو ختم کر دے۔"

(بہار شریعت، کتاب الکفالت، حصہ 12، صفحہ 841، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

ضمانتی کے مقروض پر اختیارات کا بیان

سوال: زید و عمرو دونوں لاہور کے رہائشی ہیں۔ زید نے عمرو سے قرض لیا اور بکر کو ضمانتی بنایا۔ اب زید کچھ عرصہ کے لئے کراچی جانا چاہتا ہے۔ تو کیا بکر جو ضمانتی بنا وہ زید کو کراچی یعنی لمبے سفر پر جانے سے روک سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بکر جو ضمانتی بنا وہ مقروض کو لمبے سفر پر جانے سے روک سکتا ہے جب کہ قرض فوراً دینا ہو اور اگر قرض دینے کی کوئی تاریخ مقرر ہے اور قرض کی ادائیگی کی تاریخ سے قبل واپس آنا ممکن ہے تو اب نہیں روک سکتا۔ البحر الرائق میں ہے "فإن كان للمال كفيل كفل بإذنه لا يخرج إلا بإذنهما ـــ وهذا إذا كان الدين حالا ، فإن كان مؤجلا وهو يعلم بطريق الظاهر أنه يرجع قبل أن يحل الأجل فالأفضل الإقامة لقضاء الدين ، فإن خرج بغير إذن لم يكن به بأس لعدم توجه المطالبة بقضائه۔" ترجمہ: مفہوم وہی ہے جو جواب میں درج ہے۔

(البحر الرائق، کتاب السیر، تحت: لا یجب علی صبی، جلد 05، صفحہ 121، مکتبہ کوئٹہ)

قرض کی ضمانت میں متفرق مسائل کا بیان

سوال: قرض خواہ نے کفیل یعنی ضمانتی کو قرض تحفہ میں دے دیا۔ اب یہ ضمانتی مقروض سے قرض لے سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! لے سکتا ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے" کفیل کو دین ہبہ کر دینا یہ بالکل تملیک ہے یہاں تک کہ وہ مکفول عنہ سے دین وصول کر سکتا ہے۔ اور بغیر قبول کے تمام نہیں ہوگا۔ اور کفیل سے دین معاف کر دینا بالکل اسقاط ہے کہ رد کرنے سے رد نہیں ہوگا۔" (یعنی اگر قرض خواہ نے ضامن کو قرض معاف کر دیا تو اب سرے سے قرض معاف ہو جائے گا۔ اب کوئی بھی کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔)

(بہارشریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، صفحہ 99، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: پہلے کفالت کی تھی ۔ بعد میں قرض خواہ اور مقروض کے سامنے کہا کہ میں اس کفالت کو ختم کرتا ہوں ۔ تم جانو اور تمہارا کام، میں تمہارے درمیان میں آ کر ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔ تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: اب اس کے واویلا مچانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ حسب دستور کفیل ہی رہے گا اور قرض خواہ اس سے چاہے تو اپنا قرض لے سکے گا۔ ہندیہ میں ہے۔" الكفيل بالنفس ، أو المـال إذا أخرج نفسه عن عهدة الكفالة بحضرة المكفول له، والمكفول عنه لا يخرج ويبقى كفيلا كما كان"

(ہندیہ، کتاب الکفالۃ، مسائل شتی، جلد 03، صفحہ 291، بیروت)

سوال: ضامن بننے میں ضامن کو قرض کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: کفالت کے وقت قرض کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ بحر الرائق میں ہے" ولا يشترط أن يكون معلوم القدر"

(بحر الرائق، کتاب الکفالت، جلد 6، صفحہ 224، دار الکتاب الاسلامی)

سوال: ایک ہی شخص کفیل بالنفس ہو یعنی کہ اگر یہ قرض نہ دے گا تو اسے پکڑ کر تمہارے

پاس لانا میرا کام ہے اور کفیل بالمال بھی ہو یعنی اگر یہ قرض نہ دے تو قرض دینا میرے ذمہ ہے تو کیا ایک ہی شخص دونوں کفالتیں کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ایک شخص دونوں طرح کی کفالت کرسکتا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "ایک شخص نے مدعی سے کہا اس کو چھوڑ دو میں اس کی ذات کا کفیل ہوں اگر میں اُس کو کل حاضر نہ لایا تو سو اشرفیاں میرے ذمہ ہیں۔ یہاں دو کفالتیں ہیں: ایک نفس کی دوسری مال کی اور دونوں صحیح ہیں لہٰذا اگر دوسرے دن حاضر نہ لایا تو اشرفیاں دینی پڑیں گی یا وہ حق دینا ہوگا۔

(بہارشریعت، کتاب الکفالۃ، حصہ 12، جلد 2، صفحہ 846، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

ملازمہ کے مسائل

سوال: ملازمہ کا مطلب کیا ہے؟

جواب: ہر وقت مقروض یا مقروض کے ضامن کے ساتھ ساتھ رہنا حتی کہ وہ قرض واپس کردے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے ہے، باقی اس کے فقہی تفصیلات نیچے موجود ہے۔

سوال: ایک بندے نے مقروض کے قرض کی ذمہ داری لی۔ اب مکفول لہ یعنی قرض خواہ کفیل (ضامن) کے ہر وقت ساتھ ہی رہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تم نے ذمہ داری لی ہے، جب تک قرض نہیں دوگے میں تمہارے ساتھ ساتھ ہی رہوں گا۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! مکفول لہ یعنی قرض خواہ کو اس طرح کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ اور ضامن ہر وقت مقروض کے ساتھ اس وقت رہ سکتا ہے کہ جب مقروض کے کہنے پر ضامن بنا ہو، اگر اپنی مرضی سے ضامن بنا تو پھر ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس طرح اگر ضامن

مقروض کا اسی قدر مقروض تھا تو اب بھی ہر وقت مقروض کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اور یہ سب اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب مقروض قرض خواہ کا باپ دادا نہ ہو اور اسی طرح ضامن بھی مقروض کے ساتھ یہ سب اس وقت کرسکتا ہے کہ جب مقروض ضامن کا باپ دادا نہ ہو کیونکہ اصول یعنی باپ دادا کے ساتھ سختی برتنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ مزید وضاحت وتفصیل کے لئے نیچے بہار شریعت کا جزئیہ ملاحظہ فرمائیں۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ لکھتے ہیں ''طالب یعنی دائن (قرض خواہ) کو اختیار ہے کہ کفیل (ضامن) سے مطالبہ کرے یا اصیل (مقروض) سے یا دونوں (ضامن ومقروض) سے۔ اگر مکفول لہ (قرض خواہ) نے کفیل کا ملازِم کیا (یعنی جہاں جاتا ہے طالب بھی اُس کے ساتھ جاتا ہے پیچھا نہیں چھوڑتا) تو کفیل (ضامن) اصیل (مقروض) کے ساتھ ایسا ہی کرسکتا ہے۔ (یعنی ضامن بھی اگر مقروض کے ساتھ قرض نہ دینے تک ہر وقت ساتھ رہنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے) اور اگر طالب (دائن، قرض خواہ) نے کفیل کو حبس (قید) کرادیا تو کفیل اصیل کو حبس کراسکتا ہے کہ کفیل کا ملازمہ (یعنی ہر وقت اس کے ساتھ ہی رہنا، قرض دینے تک پیچھا نہ چھوڑنا) یا حبس اصیل (مقروض) کی وجہ سے ہے۔ یہ حکم اُس وقت ہے کہ اصیل کے کہنے سے اُس نے کفالت کی ہو اور اصیل کا خود کفیل کے ذمہ دَین نہ ہو۔ (یعنی ضامن ہر وقت مقروض کے ساتھ اس وقت رہ سکتا ہے کہ جب مقروض کے کہنے پر ضامن بنا ہو، اگر اپنی مرضی سے ضامن بنا تو پھر ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس طرح اگر ضامن مقروض کا اسی قدر مقروض تھا تو اب بھی ہر وقت مقروض کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔) اور اگر کفیل کے ذمہ مطلوب (مقروض) کا دَین (قرض) ہو تو کفیل نہ ملازمہ کرسکتا ہے نہ حبس کراسکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اصیل کفیل کے اصول میں نہ ہو (اصول سے مراد باپ، دادا وغیرہ ہوتے ہیں) اور اگر اصیل

اصول میں سے ہے تو کفیل اُس کے ساتھ یہ فعل (یعنی قید و ہر وقت ساتھ رہنا) نہیں کرسکتا۔ کفیل کا ملازمہ یا حبس اُس وقت ہوسکتا ہے کہ اصیل طالب کے اصول میں سے نہ ہو (یعنی قرض خواہ ضامن کو اسی وقت قید کرواسکتا ہے یا ہر وقت اسی صورت میں ساتھ رہ سکتا ہے جبکہ اصل مقروض قرض خواہ کے اصول یعنی باپ، دادا میں سے نہ ہو) ورنہ اصول کے ملازمہ و حبس کا سبب خود یہی طالب ہوا اور کوئی شخص اپنے باپ ماں دادا دادی وغیرہ اصول کے ساتھ یہ حرکت کرنے کا مجاز نہیں۔"

(بہارِ شریعت، کفالت کا بیان، حبس وملازمہ، جلد 2، حصہ 12، صفحہ 860، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: ایک عورت کسی مرد کی مقروض ہے تو کیا مرد اس کا ملازمہ کرسکتا ہے یعنی ہر وقت اس کے ساتھ رہے حتی کہ وہ قرض ادا کردے؟

جواب: مرد کو اس کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ شریعت مطہرہ نے اجنبی مرد و عورت کو تنہائی میں جمع ہونے سے منع فرمایا ہے، ہاں یوں کیا جاسکتا ہے کہ مرد اپنی بیوی یا اپنی کسی بھی عورت کے ذریعے اپنی مقروضہ لڑکی کے ساتھ رکھ دے کہ جب تک یہ قرض نہ دے وہ لڑکی اس کے ساتھ ہی رہے۔ ہندیہ، ردالمحتار اور ہدایہ میں ہے "ولو كان الدين للرجل على المرأة لا يلازمها لما فيه من الخلوة بالأجنبية ولكنه يبعث امرأة أمينة تلازمها، كذا في الهداية."

۔۔۔ کتاب الحوالۃ ۔۔۔

سوال: حوالہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: حوالہ کا لغوی معنی منتقل کرنا ہے۔جیسا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں"الحوالۃ النقل لغۃ"ترجمہ:حوالہ کا لغوی معنی نقل کرنا ہے۔

(البنایہ شرح ہدایہ، کتاب الحوالہ، جلد07، صفحہ624، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اصطلاحی تعریف وحکم

اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ قرض کا ذمہ ایک سے دوسرے پر ڈالنا۔مثلاً زید نے بکر سے قرض لینا تھا بکر میں استطاعت نہیں اور کہا عمرو سے لے لینا،عمرو نے دینے کی ذمہ داری قبول کر لی اور بکر بھی اس سے لینے پر راضی ہو جائے تو اس کا نام حوالہ ہے۔فتاوی رضویہ،فتاوی ہندیہ پھر تبیین الحقائق میں ہے:"ھی نقل الدین من ذمۃ الی ذمۃ"

(تبیین الحقائق، کتاب الحوالہ، جلد04، صفحہ171، المطبعۃ الکبری بولاق، القاہرۃ)

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے "الحوالات :وھی نقل دین من ذمۃ الی ذمۃ اخری" یعنی قرض کو ایک کے ذمے سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا حوالہ کہلاتا ہے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب الحوالہ، جلد04، صفحہ355، بیروت)

سوال: حوالہ کا حکم کیا ہے؟

جواب: حوالہ کا حکم یہ ہے کہ جب حوالہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو تو اب محیل یعنی مقروض سے محتال یعنی قرضخواہ قرض نہیں لے سکتا۔بلکہ جس نے قرض دینے کا ذمہ لیا ہے اب اسی سے قرض لے گا اور وہ اب اصل مقروض سے لے گا۔تبیین الحقائق میں ہے"ولم یرجع

المحتال علی المحیل۔"یعنی محتال (قرض خواہ) محیل (اصل مقروض) سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

(تبیین الحقائق ، کتاب الحوالۃ، جلد04،صفحہ 171،المطبعۃ الکبری،بولاق ، القاہرۃ)

کفالہ و حوالہ میں فرق

کفالہ اور حوالہ میں فرق یہ ہے کہ کفالہ میں قرض خواہ دونوں (ضامن اور مقروض) سے مطالبہ کرسکتا ہے جبکہ حوالہ میں اصل مقروض سے نہیں بلکہ جس نے ذمہ داری قبول کی فقط اسی سے قرض وصول کرے گا۔باقی جس طرح کفالہ میں ہے کہ دین (قرض) لازم ہو،قائم ہو،اسی طرح حوالہ میں بھی ہے۔الختصر یہ کہ جس قرض کی کفالت نہیں ہوسکتی اس کا حوالہ بھی نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ بہار شریعت کے کتاب الحوالہ میں میں فصل شرائط کے بیان میں ہے۔

حوالہ کا طریقہ

ایجاب وقبول قرض کے حوالہ میں رکن ہیں۔اس میں ایجاب محیل (مقروض) کی طرف سے ہوتا ہے۔اور قبول محتال علیہ (جس پر قرض ڈالا جارہا ہے) کی طرف سے۔اور محتال لہ (قرض خواہ) کا دونوں کی طرف سے قبول کرنا ہے۔یعنی مقروض قرضخواہ سے کہے گا کہ میں نے جو تیرا قرض دینا ہے، اس سے لے لینا، یافلاں سے لے لینا اور جس پر مقروض قرض کی ادائیگی کا بھار ڈال رہا ہے وہ کہے ٹھیک یہ قرض دینا میرے اوپر ہے۔اور محتال علیہ (قرض خواہ) بھی اس سے راضی ہو۔ہندیہ میں ہے"وأما رکنھا فھو الإیجاب، والقبول والإیجاب من المحیل، والقبول من المحتال علیہ، والمحتال لہ جمیعا فالإیجاب أن یقول المحیل للطالب أحلتك علی فلان بکذا، والقبول

من المحتال عليه، والمحتال له أن يقول كل واحد منهما قبلت ورضيت، أو نحو ذلك مما يدل على القبول، والرضا وهذا عند أصحابنا هكذا في البدائع۔'

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الاول،جلد03،صفحہ 295،دارالفکر،بیروت)

سوال: کوئی خود محتال علیہ بن سکتا ہے؟ یعنی کوئی قرض خواہ سے کہے کہ فلاں سے تم نے جو قرض لینا ہے،اب اس سے نہیں بلکہ مجھ سے لے لینا،اس قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار میں ہوں۔جبکہ اصل مقروض نے اسے ایسا کرنے کو نہیں کہا اور نہ ہی مقروض اس پر راضی ہے۔ اب کیا حکم ہوگا؟

جواب: حوالہ میں مقروض کا راضی ہونا اور کسی کو اپنے قرض کی ذمہ داری لینے کا کہنا کوئی ضروری نہیں محتال یعنی قرض خواہ کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے،اگر کسی نے مقروض اس کے کہے اور رضا کے بغیر اگر کوئی اس کے قرض کا بھار اپنے سر لے لے اور قرض ادا کر دے تو جائز ہے۔ہاں اگر کسی نے اس کی رضا و کہے کے بغیر اس کا قرض ادا کیا تو اب اصل مقروض سے نہیں کہہ سکتا کہ میں نے تمہارا قرض ادا کیا تھا، مجھے اتنی رقم دو۔مقروض کی مرضی پر ہے اسے دے یا نہ دے۔اسے مجبور کرنا جائز نہیں۔البتہ اسے چاہیے کہ جس نے اتنا احسان کیا اب یہ بھی اس کے ساتھ احسان کرے اور یہ رقم دے دے۔ہندیہ میں ہے"فأما رضا من عليه الدين وأمره فليس بشرط لصحة الحوالة حتى أن من قال لغيره إن لك على فلان كذا من الدين فاحتال به علي ورضي بذلك صاحب الدين صحت الحوالة فإن أدى المال لا يرجع بذلك على الذي عليه الأصل ويبرأ كذا في النهاية۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الاول،جلد03،صفحہ 295،دارالفکر،بیروت)

قرض میں مروج حوالہ کے مسائل کا بیان

سوال: بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ مقروض کہہ دیتا ہے کہ فلاں سے پیسے جا کر لے لو، فلاں بھی کہتا ہے کہ مجھ سے آ کر لے جاؤ، جیسے قرض خواہ سے باپ کہتا ہے کہ آج کے بعد تم نے میرے بچے سے پیسے نہیں مانگنے، اب وہ رقم دینے و لینے کا معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہے، فلاں دن آ کر لے جانا، لیکن قرض خواہ نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اسی سے لینے ہیں۔ باپ یا سیٹھ کہہ دیتا ہے کہ پھر نہیں ملیں گے۔ اس کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب: قرض خواہ کو چاہیے کہ وہ خواہ مخواہ ضد نہ کرے۔ جب والد صاحب یا سیٹھ صاحب قرض دینے کی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں اور کہہ رہے کہ آج کے بعد میرے بیٹے یا میرے مزدور سے تم نے تقاضا نہیں کرنا تو خواہ مخواہ اسی سے تقاضا کی ضد کرنا سوائے فتنہ کے کچھ نہیں۔ البتہ پھر بھی حکم شرعی یہ ہے کہ اگر وہ حوالہ کو قبول نہیں کر رہا تو وہ اپنے ہی اصل مقروض سے مطالبہ کرنے کا حق دار ہے۔ کیونکہ مقروض کا کہنا ہے کہ فلاں سے لے لو، یا فلاں کا قرض خواہ کو کہنا کہ اس سے نہیں مانگنے، اب اس قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری میری ہے یہ شرعاً حوالہ ہے اور حوالہ میں محتال یعنی قرض خواہ کا اس بات پر راضی ہونا ضروری ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "محتال کا راضی ہونا (صحت حوالہ کی شرط ہے۔) اگر محتال یعنی دائن کو حوالہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، حوالہ صحیح نہ ہوا۔"

(بہار شریعت، حوالہ کے شرائط، جلد 2، حصہ 12، صفحہ 875، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: قرض خواہ نے فون پر کہا کہ آپ سے جو پیسے لینے ہیں وہ براہ کرم آج عطا فرما دیں۔ مقروض نے فون پر کہا کہ فلاں سے لے لو میں نے اسے کہہ دیا ہے۔ کیا اب قرض خواہ دوبارہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے؟ یہ آج کل مارکیٹ میں بہت ہوتا ہے کہ مقروض اپنے

مقروض کی طرف بھیج دیتا ہے۔

جواب: قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا اور اسی سے اپنا قرض لے گا۔یعنی اگر قرض خواہ دوبارہ اس سے اپنے قرض کی واپسی کا کہے تو یہ جواب میں یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ آپ کو کہا بھی تھا کہ فلاں سے لے لینا، پھر فون کر رہے ہو یا پھر میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔ مقروض ایسا ہرگز نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ صورت حوالہ کی ہے اور حوالہ میں ضروری ہے کہ محتال یعنی قرض خواہ اسی مجلس میں حوالہ یعنی محتال علیہ سے قرض لینے کو قبول کرلے جبکہ یہاں مجلس ایک نہیں، محیل (مقروض) کہیں اور ہے اور محتال (قرض خواہ) کہیں اور ہے۔فون پر جو معاملات طے ہوں انہیں ایک مجلس ہونا نہیں قرار دیا جاسکتا۔مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "محتال کا اسی مجلس میں قبول کرنا (حوالہ کی شرائط میں سے ہے)۔"

(بہارشریعت ،حوالہ کے شرائط،جلد2،حصہ 12،صفحہ875،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: زید نے اپنے ملازم کو بکر کے پاس اپنا قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا۔بکر نے اس ملازم سے کہا کہ فلاں کے پاس جاؤ اور اس سے لے لو میں نے اسے کہہ دیا ہے۔ملازم نے کہا ٹھیک ہے۔یعنی ملازم اس بات پر راضی ہوگیا۔اب زید دوبارہ بکر سے اپنے قرض کی وصولی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

(1) ملازم سے جب کہا جائے کہ فلاں سے جا کر لے لو میں نے اسے کہہ دیا ہے ،ملازم کہے ٹھیک ہے ،ہم اس سے وصول کرلیں گے،ملازم یہ بات جا کر اپنے سیٹھ زید کو کہے،زید اس پر راضی ہوجائے کہ چلو جس کا اس نے حوالہ دیا ہے اس سے وصول کرلیں گے تو اب زید بکر سے نہیں بلکہ بکر نے جس کا حوالہ دیا ہے،زید اسی سے وصول کرے گا۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ زید اپنے ملازم کی بات سن کر کہے کہ: نہیں! ہم نے اسے دیئے تھے اسی سے لیں گے، اب زید بکر سے ہی مطالبہ کرے گا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "محتال کا اس مجلس میں قبول کرنا۔۔۔ہاں اگر مجلس حوالہ میں کسی نے اُس کی طرف سے قبول کرلیا، جب خبر پہنچی اس نے منظور کرلیا یہ حوالہ صحیح ہوگیا۔"

(بہارشریعت ،حوالہ کے شرائط، جلد2،حصہ 12،صفحہ875،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

یادرہے کہ محتال علیہ یعنی جس پر اب قرض دینے کا حوالہ کیا ہے، ذمہ داری ڈالی ہے، اس کا ذمہ داری ڈالنے کے وقت وہاں موجود ہونا یا اسے پہلے بتانا کوئی ضروری نہیں، فقط یہ ضروری ہے کہ جب اسے معلوم ہے کہ فلاں نے اپنا قرض دینے کی ذمہ داری مجھ پر عائد کردی ہے تو وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کو قبول کرلے انکار نہ کرے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "محتال علیہ کا قبول کرنا (حوالہ کی شرائط میں ہے) یہ ضرور نہیں کہ اسی مجلس حوالہ ہی میں اس نے قبول کیا ہو بلکہ اگر وہاں موجود نہیں ہے مگر جب خبر ملی اس نے منظور کرلیا صحیح ہوگیا۔"

(بہارشریعت ،حوالہ کے شرائط، جلد2،حصہ 12،صفحہ875،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: کیا حوالہ کے لئے ضروری ہے کہ محتال علیہ یعنی جس پر قرض کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اس پر محیل (مقروض) کا قرض ہونا ضروری ہے؟

جواب: حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ محتال علیہ جس پر قرض ادا کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی وہ بھی محیل یعنی مقروض کا مقروض ہو۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "یہ ضرور نہیں کہ محیل کا اس (محتال علیہ) کے ذمہ دین ہو۔ ہو یا نہ ہو جب قبول کرلے گا صحیح ہوجائے گا۔"

(بہارشریعت ،حوالہ کے شرائط،جلد2،حصہ 12،صفحہ875،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: بعض اوقات بلکہ اکثر دفعہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جیسے زید بکر کا مقروض تھا بکر نے زید سے واپسی قرض کا مطالبہ کیا تو زید نے کہا کہ عمرو سے لے لو، میری اس سے بات ہوگئی ہے۔بکر عمرو کے پاس آیا، عمرو نے کہا کہ آپ حامد کے پاس جاؤ میں نے اسے کہہ دیا ہے۔بکر نے کہا ٹھیک ہے؟ یہاں زید محیل، بکر محتال، عمرو اور حامد محتال علیہ۔ پوچھنا یہ ہے کہ محتال علیہ آگے حوالہ کرسکتا ہے یعنی آگے کسی کو محتال علیہ بنا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں !یوں بھی کیا جاسکتا ہے۔محتال علیہ آگے حوالہ کرسکتا ہے یعنی مزید آگے کسی اور پر ادائیگی قرض کی ذمہ داری ڈال سکتا ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "محتال علیہ نے دوسرے پر حوالہ کردیا اور تمام شرائط پائے جاتے ہوں یہ حوالہ بھی صحیح ہے۔"

(بہارشریعت ،حوالہ کے شرائط،جلد2،حصہ 12،صفحہ875،مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

سوال: زید نے بکر سے قرض لینا ہے بکر نے کہا عمر سے لے لینا۔زید بھی راضی ہوگیا۔عمرو نے بھی قبول کرلیا کہ ٹھیک ہے،اب زید بکر سے مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بکر سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔محتال علیہ یعنی عمرو جس نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہے،اب اس سے مطالبہ کرے گا۔"ولم یرجع المحتال علی المحیل "یعنی محتال (قرض خواہ) محیل (اصل مقروض) سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

(تبیین الحقائق ، کتاب الحوالۃ،جلد04،صفحہ171،المطبعۃ الکبری،بولاق ، القاہرۃ)

سوال: کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ حوالہ کے بعد قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری دوبارہ اصل مقروض پر آجائے۔جیسے اگر محتال علیہ یعنی جس نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لی

تھی، انکار کردے کہ میں نے ذمہ داری قبول نہیں کی تھی تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: اگر محتال علیہ انکار کردے اور قسم کھالے کہ میں نے ذمہ داری قبول نہیں کی تھی اور قرض خواہ ومقروض کے پاس گواہ نہ ہوں تو اب ذمہ داری باطل ہوجائے گی اور قرض خواہ اصل مقروض سے قرض کا مطالبہ کرے گا۔ فتح القدیر میں ہے"(ولا یرجع المحتال علی المحیل إلا أن یتوی حقه والتوی عند أبي حنیفة رحمه الله أحد الأمرین: إما أن یجحد الحوالة ویحلف ولا بینة له علیه"یعنی محتال محیل کی طرف رجوع نہ کرے گا مگر یہ کہ جب اس کا حق ضائع ہوتا ہو۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حق کے ضائع ہونے کی دو صورتیں ہیں:۔ کہ وہ حوالہ ہی کا منکر ہوجائے یہاں تک کہ قسم کھالے اور اس کے پاس گواہ نہ ہو۔

(فتح القدیر، کتاب الحوالۃ، جلد07، صفحہ226، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: جس نے ذمہ داری قبول کی، اب اس کے پاس مال ہی نہیں یا وہ مرگیا تو اب قرض کس سے لیا جائے؟

جواب: محتال علیہ (جس پر قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری عائد ہوئی) کے پاس واقعی مال نہیں، مفلس ہوگیا، کوئی جائیداد نہیں، یا مرگیا اور کچھ مال نہیں چھوڑا کہ اس سے قرض ادا کردیا جائے اور نہ ہی کوئی ضامن چھوڑا جو اس کے مرنے کے بعد دے دیتا تو اب پھر یہ ذمہ داری ختم ہوکر دوبارہ اصل مقروض کی طرف عود کر آئے گی اور اصل مقروض ہی قرض واپس کرے گا۔

(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ710، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(فتح القدیر، کتاب الحوالۃ، جلد07، صفحہ226، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: زید عمرو کا مقروض تھا اور بکر زید کا، عمرو نے بکر سے کہا کہ میں نے زید سے پیسے

لینے ہیں آپ اس کو دینے کی بجائے مجھے دے دینا، بکر نے زید سے پوچھے بغیر عمرو کو دے دئے۔ اب کیا زید بکر سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے میرا قرض دو اور کیا بکر کو اس کا اختیار تھا کہ وہ عمرو کو دے دیتا؟

جواب: جی ہاں! زید کو اختیار ہے، اسے حق ہے کہ وہ بکر سے اپنا قرض وصول کرے کہ جب اسے زید نے اجازت نہ دی تھی تو پھر اسے بالکل اختیار نہ تھا کہ وہ ایسا کرے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اس صورت میں بکر ان روپوں کے مجرا لینے کا مستحق نہیں، نہ زید پر ان کا مجرا دینا لازم۔''

(فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ70، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: زید بکر کا مقروض تھا، زید نے کہا رضوان سے پیسے لے لو، بکر نے کہا ٹھیک ہے یعنی بعد از حوالہ بکر نے زید کو قرض معاف کر دیا تو کیا معاف ہو جائے گا؟

جواب: معاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب اس پر قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری نہ تھی، اب تو قرض رضوان نے ادا کرنا ہے۔ ہندیہ میں ہے ''فلو أبرأ المحتال المحيل عن الدين، أو وهبه له لا يصح وعليه الفتوى كذا في الظهيرية''

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ، الباب الاول، جلد03، صفحہ 295، دار الفکر، بیروت)

سوال: محیل (اصل مقروض) خود قرض ادا کر سکتا ہے؟

جواب: بعد از حوالہ محیل خود قرض دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے ''وإذا أدى المحيل ولم يقبل المحتال له يجبر على القبول كذا في الخلاصة ولا يكون متبرعا إذ المتبرع من يقصد الإحسان إلى الغير من غير أن يقصد دفع الضرر عن نفسه وبهذا الأداء قصد دفع الضرر عن نفسه حيث أسقط عن نفسه المطالبة،

والحبس حال إعساره۔ کذافی الکافی۔" ترجمہ: اگر محیل (مقروض) محتال لہ (قرض خواہ) کو قرض واپس کرے اور محتال لہ (قرض خواہ) قبول کرنے سے انکار کردے تو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ، الباب الاول، جلد3، صفحہ 297، دار الفکر، بیروت)

سوال: محتال لہ (قرض خواہ) محتال علیہ (جس پر حوالہ کیا) کا اور محتال علیہ محیل (اصل مقروض) کا ملازمہ کرسکتا ہے؟

جواب: ثبوت وصحت حوالہ کے بعد محتال لہ محتال علیہ کا ملازمہ کرسکتا ہے اور جب تک محتال لہ محتال علیہ کا ملازمہ نہ چھوڑے یہ محیل کا ملازمہ بھی کرسکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے "(ومنها ثبوت حق الملازمة للمحتال عليه على المحيل إذا لازمه المحتال له فكلما لازمه المحتال له فله أن يلازم المحيل ليخلصه عن ملازمة المحتال له"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ، الباب الاول فی تعریف الحوالۃ، جلد 3، صفحہ 297، دار الفکر، بیروت)

سوال: محتال لہ اگر محتال علیہ کو پکڑ کر قید کرادے تو کیا محتال علیہ محیل کے ساتھ یہ سلوک کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کرسکتا ہے جبکہ محتال علیہ نے ذمہ داری محیل کے کہنے سے قبول کی ہو اور محتال علیہ خود محیل کا مقروض نہ ہو۔ اگر اپنی مرضی سے قرض اتارنے کی ذمہ داری لی اور اسی طرح اگر محتال علیہ محیل کا اسی قدر مقروض ہو تو اب محیل کو قید نہیں کرا سکتا۔ اور ان دونوں صورتوں میں محتال علیہ محیل کا ملازمہ بھی نہیں کرسکتا۔ ہندیہ میں ہے" وإذا حبسه له أن يحبسه إذا كانت الحوالة بأمر المحيل ولم يكن على المحتال عليه دين مثله

للمحيل، وإن كانت الحوالة بغير أمره، أو كان للمحيل على المحتال عليه دين مثله، أو الحوالة مقيدة بالدين لم يكن للمحتال عليه أن يلازم المحيل إذا لوزم ولا أن يحبسه إذا حبسه كذا في البدائع"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الاول،جلد3،صفحہ 297، دار الفکر،بیروت)

سوال: محتال علیہ قرض دینے سے پہلے محیل سے قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں لے سکتا۔ ہندیہ میں ہے "وليس للمحتال عليه أن يرجع على المحيل قبل أن يؤدي"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الثانی،جلد3،صفحہ 298، دار الفکر،بیروت)

سوال: محتال علیہ کن صورتوں میں محیل پر رجوع (قرض کا مطالبہ) کرسکتا ہے؟

جواب: چار صورتوں میں:۔

(1) محتال علیہ نے اگر محتال لہ کو قرض ادا کر دیا۔

(2) یا محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض ہبہ کر دیا۔

(3) یا محتال لہ نے محتال علیہ پر قرض صدقہ کر دیا۔

(4) محتال لہ مر گیا محتال علیہ اس کا وارث ہوا۔

ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل پر رجوع کرے گا۔ ہندیہ میں ہے "وإذا أدى المحتال عليه إلى المحتال له، أو وهبه له، أو تصدق به عليه، أو مات المحتال له فورثه المحتال عليه يرجع في ذلك كله على المحيل۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الثانی،جلد3،صفحہ 298، دار الفکر،بیروت)

سوال: کن صورتوں میں محتال علیہ محیل سے رجوع نہیں کرسکتا؟

جواب: محتال لہ قرض معاف کردے تو اب محتال علیہ محیل سے قرض نہیں لے سکتا، ہاں اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو یہ کہا کہ میں نے اس قرض کو تیرے واسطے چھوڑ دیا یعنی اب تو اس سے لے لے تو اب محتال علیہ محیل سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ ہندیہ میں ہے" و لو أبرأ المحتال له المحتال عليه بريء ولم يرجع على المحيل كذا في الخلاصة وإذا قال للمحتال عليه قد تركته لك كان للمحتال عليه أن يرجع على المحيل كذا في خزانة الفتاوى۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالة، الباب الثاني، جلد3، صفحہ 298، دار الفکر، بیروت)

❁ ــــ کتاب القضاء ــــ ❁

سوال: زید بکر کا مقروض تھا اور قرضہ نہیں دے رہا تھا۔ بکر نے کوٹ میں دعوی کر دیا۔ کوٹ سے زید کو قرض کی ادائیگی کا حکم جاری ہوا۔ اور ساتھ یہ آسانی کردی کہ قسطوں میں ادا کردو، ہر مہینہ اس کو اتنا دے دیا کرو۔ کیا کوٹ کو قسط بندی کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: کوٹ کا یہ فیصلہ دینا کہ مقروض قسطوں میں قرض واپس کردے، کوٹ کو اس کا کوئی اختیار نہیں بلکہ وہ ایک لغو ناقابل التفات فیصلہ ہے۔ ہاں! اگر قرض خواہ راضی ہو تو الگ بات ہے بلکہ اچھا ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد18، صفحہ 470، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: یتیم کے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو کیا اسے قرض میں دے سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! یتیم کے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو اسے قرض میں دے سکتے ہیں جبکہ قرض کے علاوہ اس کی حفاظت کا کوئی اور بہتر طریقہ نہ ہو۔ درمختار میں ہے" (يقرض القاضي مال الوقف والغائب) واللقطة(واليتيم)من مليء مؤتمن حيث

لا وصی ولا من یقبلہ مضاربۃ۔ " یعنی قاضی وقف وغائب شخص ولقطہ ویتیم کے مال کو کسی امانت دار شخص جو بعد میں واپس کرنے کی طاقت رکھتا ہو کو بطور قرض دے سکتا ہے جبکہ نہ اس کا کوئی وصی ہو اور نہ مضاربت میں دینا ممکن ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

(درمختار، کتاب القضاء، جلد 08، صفحہ 126، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: یتیم کا مال قاضی اپنے لئے قرض لے سکتا ہے؟

جواب: یتیم کا مال قاضی اپنے لئے قرض میں نہیں لے سکتا۔ فتاوی شامی ہے "لیس للقاضی ان یستقرض ذالك لنفسہ" ترجمہ: قاضی کو اپنی ذات کے لئے قرض لینا جائز نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب: للقاضي اقراض مال الیتیم، جلد 8، صفحہ 124، کوئٹہ)

سوال: کسی کو بھی اجازت نہیں کہ اپنے نابالغ بچہ کا مال قرض میں دے۔ تو کیا قاضی و مفتی کو اجازت ہے کہ اپنے نابالغ بچے کا مال قرض میں دیں؟

جواب: قاضی و مفتی صاحب کو بھی اپنے بچے کا مال کسی کو قرض دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے "(لا)یقرض(الأب)ولو قاضیا ؛ لأنہ لا یقضي لولدہ" ترجمہ: بچے کے مال کو باپ بھی قرض نہیں دے سکتا اگرچہ باپ خود قاضی ہی کیوں نہ ہو۔

(درمختار، کتاب القضاء، جلد 08، صفحہ 126، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: اگر باپ یا کسی نے نابالغ بچہ کا مال قرض میں دیا اور ضائع ہو گیا کہ اب وہ واپس نہیں دیتا کہ کہیں چلا گیا ہے، اس کی خبر نہیں مل رہی یا مر گیا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟

جواب: جو نابالغ بچہ کا مال قرض میں دے گا وہ ضامن ہو گا کہ نہ ملنے کی صورت میں اپنی جیب سے بچہ کو دے گا۔ بہار شریعت میں ہے: "اگر یہ لوگ قرض دیں گے ضامن ہوں گے

تلف ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔"

(بہار شریعت،قضاء کابیان،حصہ 12،صفحہ908،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: کوئی صورت ہے کہ باپ یا وصی یا نابالغ بچہ جس کی پرورش میں ہو وہ اس کے مال کو قرض میں دے دے؟

جواب: جی ہاں! اگر ایسی صورت حال ہے کہ بچے کے مال کی حفاظت نہیں ہوسکتی کہ چوری ہونے وغیرہ کا خطرہ ہے تو بچہ کا مال قرض دینے کی اجازت ہے۔"(یقرض القاضی مال الوقف والغائب)واللقطة (والیتیم)من ملیء مؤتمن" ترجمہ: قاضی وقف وغائب شخص ولقطہ ویتیم کے مال کو کسی امین شخص کے ہاتھ بطور قرض دے سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب القضاء،جلد08،صفحہ126،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: یتیم کا مال قرض دیتے ہوئے کیا احتیاطیں کی جائیں کہ ضائع نہ ہو؟

جواب: قرض قاضی دے کہ وہ واپس لینے پر قادر ہے۔اب جبکہ ہمارے زمانے میں قاضی نہیں ۔تو ایسا مفتی یا اگر دین دار شخص جس کا اثر ورسوخ ہو وہ قرض میں دے۔ کچھ افراد کو گواہ بنا کر دے کہ مال یتیم اس فرد کو اتنا قرض میں دیا جارہا ہے۔نیز قرض کا اشٹام بنائے اپنے گواہوں اور لینے کے والے کے انگوٹھے و دستخط کروائے۔

یعنی ہر وہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے یتیم کا مال محفوظ رہے۔کوئی کھا کر ہضم نہ کرجائے۔بہار شریعت میں ہے: اور (یتیم کا مال) قرض دینے کی صورت میں دستاویز لکھی جائے تاکہ یادداشت رہے مگر قاضی اپنی ذات کے لئے یہ اموال بطور قرض نہیں لے سکتا۔کذافی بہار شریعت

سوال: نابالغ بچہ جس کی پرورش میں ہو، وہ اپنی جیب سے بچے پر کچھ خرچ کرے تو کیا وہ

بعد میں بچے کے مال سے لے سکتا ہے؟

جواب: اگر خرچ کرتے وقت گواہ بنا لئے تھے کہ بچے پر بطور قرض خرچ کر رہا ہوں یا ابھی خرچ کرتا ہوں بعد میں بچہ کے مال سے لے لوں گا تو اب لے سکتا ہے۔ اگر گواہ نہیں بنائے تھے تو اب لینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے"(وصی أنفق من ماله و) الحال أن (مال الیتیم غائب فهو)أی الوصی کالاب (متطوع إلا أن یشهد أنه قرض علیه أو أنه یرجع)علیه" ترجمہ: وصی وسرپرست نے بچہ پر اپنا مال خرچ کیا کیونکہ اُس کا مال ابھی آیا نہیں ہے تو اس کا معاوضہ نہیں ملے گا ہاں اگر اُس نے خرچ کرنے سے پہلے اس پر گواہ بنا لئے ہیں کہ یہ قرض دیتا ہوں یا میں خرچ کرتا ہوں اس کا معاوضہ لوں گا تو اب بعد میں بچے یا یتیم کے مال سے واپس لے سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالخصومۃ، جلد08، صفحہ315، کوئٹہ)

سوال: اگر یتیم کا مال موجود ہو، اس کے باوجود یتیم کا خرچہ اس کے مال سے نہیں کیا بلکہ وصی نے اپنے پاس سے خرچ کیا، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اب بھی وہی حکم ہے جو اوپر گزرا یعنی اگر خرچ کرتے وقت گواہ بنائے تھے کہ بعد میں بچہ کے مال سے لے لوں گا تو اب کیا ہوا خرچہ بچہ و یتیم کے مال سے لیا جا سکتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں"قوله:(غائب) والحاضر كذلك بالأولى"

(فتاوی شامی، کتاب القضاء، باب الوکالۃ بالخصومۃ والقبض، جلد8، صفحہ315، کوئٹہ)

کتاب الشھادۃ

سوال: مریض زید نے بکر پر قرض بتایا اور مر گیا جبکہ بکر منکر ہے اب کیا کیا جائے؟

جواب: اگر دو مسلمان عاقل بالغ عادل گواہی دیں کہ بکر نے زید کا قرض دینا ہے تو بکر پر دینا لازم ہے۔اس کا انکار غلط و باطل ہے۔اور اگر ثبوت کے لئے کوئی گواہ نہ ہو اور بکر انکار کر دے اور قسم کھا لے کہ مجھ پر زید کا قرض نہیں تو یہ بری الذمہ ہے۔أحمد بن الحسین بن علی بن موسی أبو بکر البیہقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں"البینۃ علی من ادعی والیمین علی من أنکر" ترجمہ:جو دعوی کرے اس پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔

(السنن الکبری للبیہقی،کتاب القسامۃ،جلد08،صفحہ123، مکتبۃ دار الباز،مکۃ)

سوال: زید کہتا ہے کہ میں نے بکر کا قرض دے دیا ہے جبکہ بکر کہتا ہے نہیں دیا۔زید نے گواہ پیش کر دیے تو قبول ہوں گے یا نہیں؟

جواب: زید کے گواہ قبول ہوں گے۔ہدایہ میں ہے"من ادعی علی اخر مالا فقال ما کان لك علی شیء قط فاقام المدعی البینۃ علی الف واقام ھو البینۃ علی القضاء قبلت بینتہ وکذلك علی الابراء"

(ہدایہ،کتاب القضاء،جلد03،صفحہ154،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور)

سوال: شوہر غائب ہو گیا،عورت کے پاس خرچہ نہیں،جن کے پاس شوہر کی امانتیں اور قرض تھا انہیں قاضی نے عورت کے خرچہ کے لئے واپس دینے کا حکم دیا۔مودع اور مقروض نے قاضی کے پاس آ کر کہا کہ ہم نے دے دیا ہے۔تو کیا ان کی بات کو مان لیا جائے گا؟

جواب: مودع یعنی جس کے پاس امانت تھی اس کی بات بغیر گواہوں کے مان لی جائے گی، جبکہ مقروض کی بات بغیر گواہی کے نہیں مانی جائے گی۔فتاوی ہندیہ میں ہے "ولا یقبل فی قول المدیون إلا بینة"

(ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول، جلد1، صفحہ 550، بیروت)

❁.... کتاب الوکالۃ ....❁

سوال: قرض دینے و لینے کا کسی کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کو قرض دینے کا وکیل بنانا جائز ہے۔قرض لینے کا وکیل بنانا جائز نہیں۔ جامع الفصولین میں ہے "التوکیل بالاقراض جائز لا بالاستقراض" یعنی قرض دینے کا وکیل بنانا جائز ہے، قرض لینے کا وکیل بنانا جائز نہیں۔

(جامع الفصولین، الفصل الثلاثون، جلد02، صفحہ77، اسلامی کتب خانہ کراچی)

سوال: قرض لینے و دینے کا وکیل بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: قرض لینے و دینے کا وکیل بنانے سے مراد یہ ہے کہ جس نے قرض دینا ہے وہ کسی کو کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں کو قرض دے دینا۔البتہ جس نے قرض لینا ہے وہ کسی کو نہیں کہہ سکتا کہ تم فلاں سے قرض لے کر آؤ۔ بالفرض اگر یہ لے آیا تو قرض اسی پر ہوگا جو لینے گیا۔ بھیجنے والے پر نہیں ہوگا۔اور قرض دینے والا اسی سے مطالبہ کرے گا جو قرض لینے آیا ہے، نہ کہ جس نے بھیجا ہے۔

تنبیہ:۔یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے کہ لوگ کسی کو بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ فلاں سے قرض لے کر آؤ۔ یاد رہے جو لینے گیا قرضے کا بھار اس پر ہوگا، بھیجنے والے پر نہیں ہوگا۔مگر اس میں اور بھی بہت تفصیل ہے جو آگے بیان ہوگی۔

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ میں نے عمرو کو فون کیا ہے وہ مجھے کچھ رقم بطور قرض دینے آئے گا۔ اگر میں دفتر یا گھر میں موجود نہ ہوں تو اس سے تم لے لینا میں تم سے وصول کرلوں گا۔کیا یہ بھی قرض لینے کا وکیل بنانا ہے؟ اور اگر قرض لینے کا وکیل بنانا نہیں تو پھر کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: یہ جائز ہے۔اور یہ قرض لینے کا وکیل بنانا نہیں بلکہ قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے ۔دونوں میں فرق ہے اور اسی سے احکام میں فرق آئے گا۔قرض لینے کا وکیل بنانا جائز نہیں ہقرض پر قبضہ کرنے کا وکیل بنانا جائز ہے۔"أن التوكيل بقبض القرض يصح، وإن لم يصح التوكيل بالاستقراض كذا في القنية"

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ 207، دار الفکر، بیروت)

ہندیہ میں ہے "عشرون رجلا جاء وا واستقرضوا من رجل وأمروه أن يدفع الدراهم إلى واحد منهم ودفع ليس له أن يطلب منه إلا حصته وحصل بهذا رواية مسألة أخرى أن التوكيل بقبض القرض يصح، وإن لم يصح التوكيل بالاستقراض كذا في القنية" بیس افراد نے زید سے قرض مانگا، اور کہا: ہم جا رہے ہیں، اس کو دے دینا۔ زید نے ان میں سے ایک کو دے دیا۔تو زید نے جس کے ہاتھ میں دیا تھا سارے قرض کا اس سے تقاضہ نہیں کرسکتا بلکہ جتنا اس کا قرض میں حصہ ہے اتنا مطالبہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ انہوں نے ایک کو قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے قرض لینے کا وکیل نہیں بنایا۔

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ 207، دار الفکر، بیروت)

سوال: کیا قرض لینے کا کسی کو قاصد بنانا بھی جائز نہیں؟

جواب: قرض لینے کا قاصد بنانا جائز ہے۔ یعنی جس سے قرض لینا ہے اس کے پاس قرض لینے والے نے کسی آدمی کو بطور وکیل نہیں بلکہ بطور قاصد بنا کر بھیجا کہ جاؤ اس سے کہو کہ مجھے اتنا قرض دے دو اور یہ جا کر اس سے کہے کہ فلاں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس نے کہا ہے کہ میرے لئے قرض لے کر آؤ۔ " والرسالة بالاستقراض تجوز" قرض لینے کے لئے قاصد بھیجنا جائز ہے۔ (جیسے کاروباری ورشتے دار یا دوست، احباب ایک دوسرے کو فون کر دیتے ہیں کہ اتنا قرض چاہیے۔ وہ کہتا ہے ٹھیک ہے دے دوں گا، آنا اور لے جانا، قرض لینے والا اپنے کسی عزیز یا شاگرد وغیرہ کو بھیجتا ہے تو وہ لے آتا ہے ایسا کرنا جائز ہے۔ اوپر والی صورت اور اس میں فرق واضح ہے اسے ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔)

(ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب: کل قرض جر نفعا، جلد07، صفحہ414، کوئٹہ)

سوال: ایک شخص نے کسی سے کہا: میری فلاں شے کسی کو بیچ دینا۔ اب جسے کہا تھا کہ میری شے بیچ دینا اس نے ادھار بیچ دی۔ کیا اس کا ادھار بیچنا جائز ہے؟

جواب: جسے بیچنے کا کہا تھا شرعی لحاظ سے وہ وکیل بن گیا۔ اور جو وکیل ہوتا ہے اسے نقد اور قرض یعنی ادھار دونوں طرح بیچنے کا اختیار ہوتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "صح بالنسیئة ان التوکیل بالبیع للتجارة " ترجمہ: ادھار بیع بھی درست ہے کہ وکالت بیع (خرید و فروخت کی وکالت) تجارت کے لئے ہی ہوتی ہے۔

(درمختار، کتاب الوکالة، باب الوکالة بالبیع، فصل لا یعقد، جلد8، صفحہ 295 ، کوئٹہ)

سوال: کسی کو کہا کہ میرے گھر کے لئے ضروری سامان خرید لانا۔ وہ قرض یعنی ادھار کی صورت میں خرید لایا۔ تو کیا اس کا قرض یعنی ادھار کی صورت میں خرید کر لانا جائز ہے؟

جواب: جائز ہے۔ فقیہ النفس امام قاضی خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں "الوکیل بالشراء اذااشتری بالنسیئۃ فمات الوکیل حل علیہ الثمن ویبقی الاجل فی حق المؤکل۔" یعنی جسے خرید وفروخت کا وکیل کیا اور وہ ادھار شے خرید لایا، پھر مر گیا تو ثمن حالی ہو جائے گا اور مدت مؤکل کے حق میں باقی رہے گا۔

(فتاوی قاضی خان، کتاب الوکالۃ، فصل فی التوکیل فی البیع، جلد3، صفحہ 37 کوئٹہ)

سوال: جو مقروض نہیں اس کے علاوہ کسی اور کو قرض کا مالک بنا سکتے ہیں؟

جواب: مقروض کے علاوہ کسی کو قرض کا مالک نہیں بنا سکتے۔ہاں اگر اسے قرض وصول کرنے کا وکیل بنادیں اور کہہ دیں کہ جب تو اس سے وصول کرے تو پھر وہ پیسے آپ کے ہیں، اب جائز ہے۔ اشباہ میں ہے "لا یصح تملیکہ ای الدین من غیر من ھو علیہ الا اذاسلطہ علی قبضہ فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسہ۔" یعنی قرض کی مقروض کے غیر کو تملیک جائز نہیں تاوقتیکہ اس غیر کو قرض کی وصولی پر مقرر نہ کردے تاکہ یہ اس مالک کی طرف سے وصولی کا وکیل بن کر پھر اپنے لئے وصولی کا مالک بن جائے۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، القول فی الدین، فائدہ نمبر5، جلد2، صفحہ213، کراچی)

مثلاً بعض دفعہ کسی نے قرض دیا ہوتا ہے اور اپنے میں اتنا اثر ورسوخ نہیں کہ اس سے لیں سکیں کسی کو کہہ دیا کہ جا ہم نے اس قرض کا تمہیں مالک بنایا تم لے لو، ایسا کرنا درست نہیں۔ اور یوں کہا کہ اگر آپ اس سے ہمارا قرض لے لو تو وہ تمہارا، یہ ٹھیک ہے۔

سوال: بشارت نے مظہر کو لاکھ روپیہ دیا اور کہا: فلان کا مجھ پر قرض ہے اسے دے آؤ۔ مظہر بشارت صاحب کا قرض اتارنے کے لئے گیا کہ راستے میں رقم چوری یا گم ہوگئی۔ اب قرض اتارنا مظہر پر لازم ہوگا یا دوبارہ بشارت ہی اتارے گا؟

جواب: مطلقا مظہر سے یہ رقم نہیں لے سکتے بلکہ اس میں تفصیل ہے: اگر مظہر کی کوتاہی کی وجہ سے گم ہوئی تو مظہر اپنی جیب سے دے گا مثلا اس نے ایسی جگہ رقم رکھی جہاں عموما رکھی نہیں جاتی تو اس پر اتنی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ اور اگر اس نے محفوظ جگہ پر رکھی تھی، حتی الوسع اس کی حفاظت کرتا رہا لیکن اس کے باوجود چوری ہوگئی یا کسی اور وجہ سے ضائع ہوگئی تو مظہر پر کچھ الزام نہیں۔ کہ اس کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ ایک طرح کی امانت ہے اور امانت کا یہی حکم ہوا کرتا ہے جو لکھ دیا گیا۔" لأنہ أمین والقول قول الأمین مع الیمین؛ لإنکارہ السبب الموجب للضمان "ترجمہ: کیونکہ وہ امین ہے اور اور قول امین قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے کہ وہ وجوب ضمان کے سبب کا انکار کر رہا ہے۔

(کتاب المبسوط، کتاب الودیعۃ، جلد 11، صفحہ 121، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: بشارت صاحب نے کسی سے لاکھ روپیہ لینا تھا اور مظہر کو بھیجا کہ جاؤ لے کر آؤ۔ مظہر صاحب گئے اور اس سے رقم وصول کی کہ راستے میں گم یا چوری ہوگئے۔ اب کیا حکم ہے مقروض دوبارہ قرض ادا کرے گا یا اب اس کا بوجھ مظہر کی گردن پر آئے گا؟

جواب: اس صورت میں مقروض کا قرض ادا ہوگیا کہ مظہر قرض خواہ یعنی بشارت کا وکیل تھا۔ لہذا مقروض سے دوبارہ نہیں مانگے جاسکتے۔ اور اگر چوری و گم ہونے میں مظہر نے لاپرواہی نہیں کی تو اس سے بھی نہیں لئے جاسکتے۔

سوال: زید نے بکر کو قرض دیا لیکن دینے میں عمرو کو واسطہ بنایا جس کا طریقہ یوں ہوا کہ زید نے عمرو کے ہاتھ مال دیا اور کہا یہ بکر کو قرض میں دے دینا اب زید بکر سے مطالبہ کرے گا یا عمرو سے؟

جواب: بکر سے مطالبہ کرے گا نہ کہ عمرو سے۔ کہ عمرو قرض دینے کا وکیل ہے اور قرض دینے کا وکیل بنانا جائز ہے۔

سوال: ایک شخص زید کا مقروض تھا۔ زید نے بکر سے کہا کہ فلاں شخص میرا مقروض ہے اس سے قرضہ وصول کرنے کا تمہیں اختیار دیتا ہوں۔ بکر نے اس شخص کو قرض معاف کر دیا۔ کیا اس کا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: شرعا بکر زید کا قرض وصول کرنے کا وکیل تھا۔ اور وکیل کو موکل کا قرض معاف کرنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا معاف نہ ہوگا۔ امام نیشاپوری کی کتاب الاجماع میں ہے "و اجمعوا علی ان الرجل اذا وکل الرجل بقبض دین له علی آخر فأبرأ الوکیل الغریم من الدین الذی علیه ان ذلك غیر جائز۔ لانه لا یملکه "ترجمہ: فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو اپنے قرض کی وصولی کا وکیل بنایا تو وکیل کا مقروض کو قرض معاف کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ قرض کا مالک نہیں لہٰذا معاف کرنے کا بھی مالک نہیں۔

(الاجماع، کتاب الوکالۃ، صفحہ 182، مکتبۃ الفرقان، دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ)

...کتاب المضاربة...

سوال: مضاربت کسے کہتے ہیں؟

جواب: دو شخص کوئی کاروبار کریں جس میں ایک مال لگائے (انویسٹ کرے) اور دوسرا کام کرے اور مال لگانے والا ساتھ کام نہ کرے۔ (بزنس کی ایک قسم ہے)

سوال: مضاربت میں مضارب قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر رب المال یعنی جس نے مال لگایا ہے وہ صراحت کے ساتھ اجازت دے تو مضارب قرض دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اختلاف ابی حنیفۃ و ابی لیلۃ میں ہے "ولو اقرضه قرضا ضمن فی قولهم جمیعا لان القرض لیس من المضاربة" ترجمہ: اگر مضارب نے قرض دیا تو اس پر بالاتفاق ضمان لازم ہوگا کیونکہ قرض دینے کی عقد مضاربت میں اجازت نہیں ہوتی۔

(اختلاف ابی حنیفة وابی لیلة، باب المضاربة، صفحه 30، مطبعة الوفا، دار المعارف، مصر)

تبیین الحقائق میں ہے "وقد قالوا لیس للمضارب أن یأخذ سفتجة ؛ لأن ذلك استدانة وهو لا یملك الاستدانة و كذلك أیضا لا یعطی سفتجة ؛ لأن ذلك قرض وهو لا یملك القرض۔"

(تبیین الحقائق، کتاب المضاربة، جلد 05، صفحه 58، المطبعة الکبری، بولاق، القاهرة)

سوال: مضارب کو اگر قرض لینے کی صراحتاً اجازت دے دی کہ جب ضرورت پڑے قرض لے لیا کرو۔ اب لینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: رب المال یعنی جس نے کاروبار کرنے کے لئے مال لگایا ہے، وہ اجازت دے

پھر بھی مضارب (کام کرنے والا) کا قرض لینا جائز نہیں کہ مضارب وکیل ہے اور کسی کو قرض لینے کا وکیل بنانا جائز نہیں۔ردالمحتار میں ہے"قلت:والمراد بالاستدانة نحو ما قدمناه عن القهستاني فهذا يملكه إذا نص أما لو استدان نقودا ، فالظاهر أنه لا يصح ؛ لأنه توكيل بالاستقراض ، وهو باطل كما مر في الوكالة وفي الخانية من فصل شركة العنان ، ولا يملك الاستدانة على صاحبه ، ويرجع المقرض عليه لا على صاحبه ؛ لأن التوكيل بالاستدانة توكيل بالاستقراض ، وهو باطل ؛ لأنه توكيل بالتكدي إلا أن يقول الوكيل للمقرض :إن فلانا يستقرض منك كذا فحينئذ يكون على الموكل لا الوكيل أي:لأنه رسالة لا وكالة والظاهر أن المضاربة كذلك كما قلنا"یعنی مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ کسی سے قرض لے اگرچہ رب المال نے صاف لفظوں میں قرض لینے کی اجازت دیدی ہو کیونکہ قرض لینے کے لئے وکیل کرنا بھی درست نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب المضاربۃ، جلد08، صفحہ506، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: مضاربت جس میں ایک کا روپیہ اور دوسرے کا ہنر ہو، اس میں اگر یہ شرط رکھ دی کہ سارا نفع اسی کا ہے جو کام کرے گا تو اب جس نے کام کرنے کے لئے پیسے دیے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: مضاربت میں جب نفع سارا کام کرنے والے ہی کا رکھا جائے تو وہ رقم کی شرعی حیثیت مضاربت کی نہیں بلکہ قرض کی سی ہوگی، کما في شرح الوقاية لملاعلي قاري قال "ولأن القَرْض أَدْنَى من الهبة، فكان بالاعتبار أَوْلَى لكونه أقل ضرراً۔" لہٰذا پیسے دینے والا جب چاہے مطالبہ کرسکتا ہے کہ میری رقم واپس کرواور اگر نقصان ہوا تو پھر بھی

رقم دینے والا مکمل رقم لینے کا حق دار ہے۔ مجمع الانہر میں ہے "وإن شرط كل الربح له أي للمضارب فمستقرض فإن استحقاق كل الربح لا يكون إلا بعد أن يصير رأس المال ملكا له لأن الربح فرع المال واشتراطه له يوجب تمليكه رأس المال اقتضاء۔" ترجمہ: شرط یہ طے ہوئی کہ سارا نفع مضارب یعنی کام کرنے والے ہی کا ہوگا تو وہ مال قرض ہے کیونکہ پورے مال کے نفع کا مالک ہونا اسی صورت میں متصور ہے کہ وہ پورے مال کا مالک ہو کہ نفع مال کی فرع ہے تو پورے نفع کی شرط کام کرنے والے کے لئے ہونے کا تقاضہ ہے کہ وہ پورے مال کا مالک ہو۔

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب المضاربۃ، جلد03، صفحہ444، بیروت)

سوال: اگر کسی مضارب کو مسئلے کا پتہ نہ تھا کہ مضاربت میں قرض نہیں لے سکتے اگرچہ مال لگانے والے کی طرف سے صراحت ہو، اس نے قرض لے لیا۔ اب کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مضارب قرض لے گا تو اس کا ذمہ دار یہ خود ہوگا۔ رب المال (انویسٹر) سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے "قلت: والمراد بالاستدانة نحو ما قدمناه عن القهستاني فهذا يملكه إذا نص أما لو استدان نقودا، فالظاهر أنه لا يصح؛ لأنه توكيل بالاستقراض، وهو باطل كما مر في الوكالة وفي الخانية من فصل شركة العنان، ولا يملك الاستدانة على صاحبه، ويرجع المقرض عليه لا على صاحبه؛ لأن التوكيل بالاستدانة توكيل بالاستقراض، وهو باطل؛ لأنه توكيل بالتكدي إلا أن يقول الوكيل للمقرض: إن فلانا يستقرض منك كذا فحينئذ يكون على الموكل لا الوكيل أي: لأنه رسالة لا وكالة والظاهر أن المضاربة كذلك كما قلنا" ترجمہ: مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ کسی سے قرض لے اگرچہ

رب المال نے صاف لفظوں میں قرض لینے کی اجازت دیدی ہو کیونکہ قرض لینے کے لئے وکیل کرنا بھی درست نہیں۔قرض لے گا تو خود ہی مقروض ہوگا اور واپس کرنے کی ذمہ داری بھی اس کی ہے رب المال سے مطالبہ نہیں کر سکتا ہے کہ تمہارے لئے قرض لیا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب المضاربۃ، جلد08، صفحہ506، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: مضاربت کے لئے رقم دی تھی، کام بھی ہوا، منافع بھی حاصل ہوا، لیکن رب المال یعنی جس نے کاروبار کے لئے پیسہ لگایا تھا وہ مر گیا، اس پر اتنا قرض ہے کہ سارا مال اس کا قرض ہی میں چلا جائے گا۔اب مضارب جو کام کرتا تھا پہلے وہ اپنا حصہ لے گا یا پہلے قرض خواہ اپنے قرض لیں گے؟

جواب: رب المال مرجائے تو کیے ہوئے کاروبار میں سے پہلے مضارب اپنا نفع لے گا پھر کچھ بچے گا تو قرض خواہ لیں گے۔بہار شریعت میں ہے: ''ہزار روپے مضارب کو دیئے تھے اُس نے اپنا کام کیا اور نفع بھی ہوا اور مالک مر گیا اور اُس پر اتنا دَین ہے جو کل مال کو مستغرق ہے تو مضارب اپنا حصہ پہلے لے لے گا اس کے بعد قرض خواہ اپنے دین وصول کریں گے۔'' یہ تب ہے جب مضاربت قرآن وحدیث کے مطابق ہو یعنی فاسد نہ ہو، فاسد ہونے کی صورت میں یہ پہلے اپنا حق نہیں لے گا بلکہ قرض خواہوں کے ساتھ بقدر حصہ ہی لے گا۔۔۔اور اگر یہ مضاربت فاسد ہو تو مضارب کو اُجرت مثل ملے گی اور وہ رب المال کے ذمہ ہوگی جس طرح دیگر قرض خواہ اپنے دین لیں گے یہ بھی حصۂ رسد کے موافق پائے گا۔

(بہار شریعت، مضاربت کا بیان، حصہ 14، صفحہ26، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

سوال: رب المال اور مضارب میں رقم دینے و لینے کی جہت میں اختلاف ہو جائے تو کیا

حکم شرعی ہے یعنی کس کی بات معتبر ہوگی؟

جواب: اس کی مختلف صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(1) مالک کہتا ہے یہ بطور بضاعت دیئے تھے اس میں ایک ہزار نفع ہوا ہے یہ خالص میرا ہے اور وہ کہتا ہے مضاربت بالنصف (آدھا آدھا نفع) کے طور پر مجھے دیئے تھے لہٰذا آدھا نفع میرا ہے اِس صورت میں مالک کا قول معتبر ہے کہ یہی منکر ہے۔

(2) یونہی اگر مضارب کہتا ہے کہ یہ روپے تم نے مجھے قرض دیئے تھے لہٰذا کل نفع میرا ہے اور مالک کہتا ہے میں نے امانت یا بضاعت یا مضاربت کے طور پر دیئے تھے اس میں بھی رب المال (جس نے مال لگایا ہے) ہی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اور دونوں نے گواہ پیش کیے تو مضارب کے گواہ معتبر ہیں۔

(3) اور اگر مالک کہتا ہے میں نے قرض دیئے تھے اور مضارب کہتا ہے بطور مضاربت دیے تھے تو مضارب کا قول معتبر ہے اور جو گواہ قائم کردے اُس کے گواہ معتبر ہیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کیے تو مالک کے گواہ معتبر ہوں گے۔

(بہارِشریعت،مضاربت کا بیان،حصہ 14،جلد03،صفحہ 27،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: کسی نے قرض مانگا، اسے کہا: یہ رقم لو ایک ماہ اس سے مضاربت کرو۔ ایک ماہ کے بعد یہ تجھ پر قرض ہوں گے۔ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے مگر اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر یہ پیسے ایسے ہی رکھے رہے حتی کہ ایک مہینہ پورا ہوگیا تو اب یہ پیسے قرض شمار ہوں گے اور اگر ان پیسوں سے مال خرید لیا تو جب تک مال فروخت نہ ہوجائے اور پیسے وصول نہ ہوجائیں اس وقت تک قرض نہ ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "ومن دفع إلى غيره ألف درهم مضاربة، وقال: هذا مضاربة

عندك شهرا، فإذا مضى الشهر فهو قرض فهو كذلك، فإذا مضى الشهر وهو عنده ورق كان قرضا يعني إذا قبضه، وإن كان عرضا لم يكن قرضا حتى يبيعه فيصير ورقا فيكون قرضا عنده، كذا في المحيط" یعنی ایک ہزار روپے مضاربت پر ایک ماہ کے لئے دیے اور کہہ دیا کہ مہینہ گزر جائے گا تو یہ قرض ہوگا تو جیسا اُس نے کہا ہے ویسا ہی سمجھا جائے گا مہینہ گزر گیا اور روپے بدستور باقی ہیں تو قرض ہیں اور سامان خرید لیا تو جب تک انہیں بیچ کر روپے نہ کرلے قرض نہیں۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب المضاربة، الباب الثالث والعشرون، جلد 04، صفحہ 334، بیروت)

سوال: کسی نے قرض مانگا اسے کہا: یہ رقم لو ایک ماہ اس سے مضاربت کرو۔ ایک ماہ کے بعد یہ تجھ پر قرض ہوں گے۔ اس طرح کرنا جائز ہے۔ اگر اس کا عکس ہو یعنی رقم دی اور کہا: ایک ماہ کے لئے قرض دیتا ہوں اس کے بعد اس رقم سے مضاربت شروع کر دینا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ جائز نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے "ولو أقرضه شهرا ثم بنى مضاربة لم يكن مضاربة، كذا في التتارخانية ناقلا"

(فتاوی ہندیہ، کتاب المضاربة، الباب الثالث والعشرون، جلد 04، صفحہ 335، بیروت)

کتاب الودیعت

سوال: قرض ادا کرنے کے لئے زید کو رقم دی۔ زید سے گم ہوگئی تو قرض زید اتارے گا؟

جواب: مطلقاً زید سے یہ رقم نہیں لے سکتے بلکہ اس میں تفصیل ہے: اگر زید کی کوتاہی کی وجہ سے گم ہوئی تو زید اپنی جیب سے دے گا مثلاً اس نے ایسی جگہ رقم رکھی جہاں عموماً رکھی نہیں جاتی تو اس پر اتنی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ اور اگر اس نے محفوظ جگہ پر رکھی تھی، حتی الوسع اس کی حفاظت کرتا رہا لیکن اس کے باوجود چوری ہوگئی یا کسی اور وجہ سے ضائع ہوگئی تو زید پر کچھ الزام نہیں کہ اس کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ ایک طرح کی امانت ہے اور امانت کا یہی حکم ہوا کرتا ہے۔ "لأنه أمين والقول قول الأمين مع اليمين ؛ لإنكاره السبب الموجب للضمان" ترجمہ: کیونکہ وہ امین ہے اور قول امین مع الیمین یعنی قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے کہ وہ ضمان کو لازم کرنے والے سبب کا منکر ہے۔

(کتاب المبسوط، کتاب الودیعۃ، جلد 11، صفحہ 121، کوئٹہ)

سوال: زید نے بکر سے پچاس روپے قرض مانگے لیکن غلطی سے ساٹھ روپے چلے گے۔ زید واپس کرنے آرہا تھا کہ وہ گم یا چوری ہوگئے۔ اب کیا حکم ہے؟

جواب: بہار شریعت میں ہے: ایک شخص سے پچاس روپے قرض مانگے اُس نے غلطی سے پچاس کی جگہ ساٹھ دیدیے اس نے مکان پر آکر دیکھا کہ دس زائد ہیں واپس کرنے کو دس روپے لے گیا راستہ میں یہ ضائع ہوگئے اس پر پانچ سدس کا ضمان ہے اور ایک سدس یعنی دس روپے میں سے چھٹے حصہ کا ضمان نہیں کیونکہ جو روپے اُس نے غلطی سے دیئے وہ اس کے پاس ودیعت ہیں اور وہ کل کا چھٹا حصہ ہے لہٰذا ان دس کا چھٹا حصّہ بھی ودیعت ہے صرف اس چھٹے حصے کا ضمان واجب نہیں اور اگر کل روپے ضائع ہوئے تو پچاس ہی روپے

اس کے ذمہ واجب ہیں کیونکہ دس ودیعت ہیں ان کا تاوان نہیں۔

سوال: زید بکر کا پچاس روپے کا مقروض تھا۔زید نے پچاس روپے قرض واپس کر دیا۔ اس میں ساٹھ چلے گئے۔بکر واپس کرنے آرہا تھا کہ دس ضائع ہو گئے تو؟

جواب: اس کا بھی یہی حکم ہے۔بہار شریعت میں ہے: یونہی اگر کسی کے ذمہ پچاس روپے باقی تھے،اس نے غلطی سے ساٹھ لے لئے۔دس روپے واپس کرنے جا رہا تھا راستہ میں ضائع ہو گئے تو پانچ سدس کا ضمان اس پر واجب ہے۔

(بہار شریعت،ودیعت کا بیان،حصہ 14،صفحہ 37،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

سوال: بعض مزدور جہاں کام کرتے ہیں تو اپنی مزدوری سیٹھ صاحب کو دیتے ہیں کہ سیٹھ صاحب اس کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔جب ہم گھر جائیں گے تو آپ سے وصول کر لیں گے۔اور سیٹھ کو اجازت بھی دیتے ہیں کہ آپ کو اگر ضرورت ہو تو آپ خرچ کر سکتے ہیں کہ ہمیں تو اس وقت چاہیے جب ہم نے گھر جانا ہے۔اب سیٹھ نے خرچ کر ڈالے،تو اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟

جواب: یہ رقم سیٹھ کے پاس بطور امانت ہوتی ہے اور جب سیٹھ کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کی اجازت دی تو اب یہ رقم امانت سے نکل کر قرض کی صورت اختیار کر جائے گی۔“

(فتاری رضویہ،جلد 19،صفحہ 166،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اور مزدور جب چاہے اس سے وصول کر سکتا ہے کہ جب یہ قرض ہے تو قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا باطل ہے جیسا کہ ماقبل میں بھی گزرا۔”تاجیلہ باطل“ ترجمہ: ادائیگی قرض کی مدت مقرر کرنا باطل ہے۔

(درمختار،کتاب البیوع،باب فی التصرف فی المبیع والثمن،جلد 07،صفحہ 404، کوئٹہ)

یہی احناف وشوافع وکثیر حنابلہ اور امام احمد سے یہی منصوص ہے جیسا کہ الفروع میں لکھا ہے"وهذا القول الثالث هو مذهب الحنفية والشافعية وقد قال به أكثر الحنابلة وهو المنصوص(عند أحمد."

(الفروع، دار مصر للطباعة، القاہرۃ، 1381ھ، ط 2، ج 4، ص 202)

سوال: کسی مال کا امانت سے نکل کر قرض کی صورت اختیار کر جانے کا فائدہ کیا ہوا کہ پہلے بھی لیتے تھے اب بھی لیتے ہیں، پہلے اس کو امانت کہتا، خرچ کی اجازت دینے کی صورت میں اس کو قرض کہنا بے فائدہ ہے یا نہیں؟

جواب: بے فائدہ نہیں بلکہ مزدور کے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے کہ جب وہ امانت تھی تو چوری یا غصب یا آگ لگ جانے کی صورت میں سیٹھ پر واپس کرنا کچھ ضروری نہیں تھا اور جب اس کو ذاتی کام میں خرچ کرنے کی اجازت دے دی تو یہ رقم اب قرض بن گئی، تو اب اس پر ہر حال میں دینا لازم ہو گیا خواہ کچھ بھی ہو جائے جیسا کہ قرض کا حکم ہوتا ہے۔

سوال: کسی کی امانت کو اپنے استعمال میں لانا یہ سمجھ کر کہ بعد میں دے دوں گا کیسا ہے؟

جواب: امانت کو اس نیت سے خرچ کرنا کہ بعد میں واپس کر دوں گا ناجائز و حرام ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں" کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام و خیانت ہے توبہ واستغفار فرض ہے اور تاوان لازم، پھر دے دینے سے تاوان ادا ہو گیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 489، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: اپنے پاس کسی کی امانت تھی۔ قرض خواہ نے قرض کا مطالبہ کیا۔ اس نے دے دی اس نیت سے کہ بعد میں جس کی امانت ہے اُسے اپنے پاس سے دوں گا۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: کسی کی رکھی ہوئی امانت سے اپنا قرض ادا کرنا حرام ہے۔کنز کی شرح عینی میں ہے"وليس له أن يوفي دينه بمال غيره بغير اذنه" ترجمہ:مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے اپنا قرض ادا کرنا جائز نہیں۔

(شرح العيني ، كتاب العارية،جلد02،صفحه256،ادارة القرآن والعلوم ، كراچي)

سوال: کسی کے پاس بطور امانت روپیہ رکھا تھا،بعد میں اسے استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔اب اسے امانت کہیں گے یا قرض؟

جواب: یہ قرض ہوگا جیسا کہ پیچھے بھی گزرا۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشادفرماتے ہیں:"جب زید نے عمرو سے کہہ دیا کہ خرچ کرسکتے ہوتو اب یہ رقم امانت وودیعت نہیں کہ ودیعت کا بعینہ واپس اور رد کرنا واجب ہے۔بلکہ یہ قرض ہے جو مثل کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔اور واجب فی الذمہ ہوگا۔"

(فتاوی امجدیه،جلد03،صفحه203،مکتبه رضویه، کراچی)

سوال: جو رقم اپنے پاس کسی کی امانت ہے،اسے آگے کسی کو قرض دے سکتے ہیں؟

جواب: امانت کی رقم کو آگے قرض دینا ناجائز وحرام ہے۔مبسوط میں ہے"لأن القرض تبرع" ترجمہ:"قرض محض تبرع ہے۔

(المبسوط، كتا ب الماذون الكبير،جلد25،صفحه09،مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اور ملک غیر میں تصرف ہے جو کہ حرام ہے۔"التصرف في ملك الغير حرام"

(منحة الخالق، كتاب الشركة،باب في شركة الملك،جلد05،صفحه280، كوئٹه)

سوال: رقم دینے میں اختلاف ہوگیا۔دینے والا کہتا ہے کہ میں نے تجھے قرض دیا تھا جبکہ لینے والا کہتا ہے نہیں تم نے مجھے رقم امانتاً دی تھی تو کسی کی بات کا اعتبار ہوگا؟

جواب: جس نے رقم دی تھی وہ قسم کے ساتھ جس مد کو متعین کرے وہی ہوگی۔فتاوی رملی میں ہے" (سئل)عما لو اختلفا فی أن المقبوض قرض أو قراض أو وديعة أو غصب أو أمانة فمن المصدق منهما ؟(فأجاب)بأن القول قول المالك بيمينه في مسائل الاختلاف المذكورةوإن خالف بعضهم في بعضها" عبارت کا مطلب وہی ہے جو سوال وجواب میں درج ہے۔

(فتاوی رملی،باب القراض،جلد3،صفحہ267،مکتبہ شاملہ)

سوال: ایک شخص جس کے پاس لوگوں کی امانتیں تھی،وہ فوت ہوگیا لیکن اس کے گھر سے وہ امانتیں نہ نکلیں،تو کیا یہ اُس مرنے والے پر قرض ہوگا؟

جواب: جی ہاں قرض ہوگا۔فتاوی سبکی میں ہے " والأصل في هذا أن المستودع إذا مات ولم توجد الوديعة في تركته فإن حكمها حكم الديون يضارب بها صاحبها عند الشافعي ومالك وأبي حنيفة وصححه الشيخ أبو حامد والقاضي حسين وغيرهما ونص عليه الشافعي في اختلاف العراقيين وذكره المزني في المختصر ، وهو قول أكثر السلف" خلاصہ یوں کہ کسی شخص کے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں اور وہ مرگیا اور امانتوں کا کچھ پتہ نہیں اور نہ ہی اس کے ترکہ میں نظر آئیں تو ان کا حکم قرض کی طرح ہے۔ (فتاوی سبکی،کتاب القراض،جلد02،صفحہ259،مکتبہ شاملہ)

سوال: ایک شخص مرا اس پر قرض بھی تھا اور یہ بھی پتا تھا کہ اتنا قرض ہے اور اسی طرح اس کے پاس لوگوں کی امانتیں بھی تھیں مگر امانتیں کتنی تھی یہ معلوم نہیں تھا تو اب کیا حکم ہوگا؟

جواب: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ میت نے جو کچھ چھوڑا وہ قرض خواہوں کو دیا جائے گا اور جو امانتیں ہیں وہ ان کے مالکوں میں ان کی امانتوں کے

حصوں کے مطابق ہوں گی جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی کیا امانت ہے اور جس کی امانت کی کوئی چیز متعین ہے تو وہ چیز اسی کو ملے گی۔قال:و اذامات الرجل وعليه دين معروف وقبله وديعة بغيرعينهافان أباحنيفة رضي الله عنه كان يقول:جميع ماترك بين الغرماء وصاحب الوديعة بالحصص وبهذانأخذ۔۔۔وقال أبو حنيفة :فان كانت الوديعة بعينهافهى لصاحب الوديعة اذاعلم ذلك و كذلك قال ابن أبى ليلى"

(اختلاف ابی حنیفة وابی لیلة،باب فی الودیعة،صفحه 52،دارالمعارف نعمانیه،مصر)

سوال: عورت کا شوہر معلوم نہیں کہ کہاں چلا گیا،عورت کو خرچے کی حاجت ہے۔شوہر نے بعض کے پاس اپنا مال امانت اور بعض کے پاس قرض کے طور پر ہے۔عورت کے خرچہ کے لئے امانت کو پہلے لیا جائے یا قرض کو؟

جواب: پہلے امانتیں وصول کی جائیں۔ہندیہ میں ہے"الو د یعة أولى من الدين في البداء ة بالإنفاق عليها"

(فتاوی ہندیہ،کتاب الطلاق،الباب السابع عشر،فصل 1،جلد1،صفحه 550،بیروت)

کتاب العاریت

سوال: عاریت سے کیا مراد ہے؟

جواب: عاریت کا لغوی معنی: "هي مشتقة من التعاور" ترجمہ: تعاور سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے: منگنی دینا۔ وہ چیز جس کو لوگ آپس میں لیں دیں۔

(المنجد، ع، و، ر، صفحہ 594، خزینہ علم وادب، اردو بازار، لاہور)

(شرح عینی، کتاب العاریۃ، جلد 02، صفحہ 255، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

شرعی معنی: "هي اى العارية تمليك المنفعة بلاعوض" یعنی بغیر معاوضہ کے کسی کو منفعت کا مالک بنانا عاریت کہلاتا ہے۔

(شرح عینی، کتاب العاریۃ، جلد 02، صفحہ 255، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

سوال: عاریت والی شے کو خرچ کرکے نفع حاصل کیا کہ اسے خرچ کرنے کے بغیر نفع ممکن ہی نہ تھا تو وہ قرض ٹھہرے گا یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! عاریت والی شے کو خرچ کرکے نفع حاصل کیا تو وہ قرض ٹھہرے گا۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو خرچ کرکے ہی نفع حاصل کیا جا سکتا ہو تو وہ عندالشرع قرض ہوتا ہے مثال کے طور پر کسی کو عاریتاً آٹا دیا تو اب آٹا قرض ٹھہرے گا کہ آٹا کو باقی رکھ کر نفع نہیں حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کی روٹی پکا کر ہی نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن نجیم مصری حنفی ارشاد فرماتے ہیں: "ومراده أن إعارة ما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء العين قرض"

(البحرالرائق، کتاب العاریۃ، تحت قولہ عاریۃ الثمنین، جلد 07، صفحہ 480، مکتبہ کوئٹہ)

متن بدایۃ المبتدی میں ہے "وعارية الدراهم والدنانير والمكيل و

الموزون والمعدود قرض" ترجمہ: دراہم ودنانیز و مکیلی وموزونی اورعددی شے کی عاریت قرض ہوتی ہے۔

(متن بداية المبتدي، كتاب العارية، جلد 01، صفحه 181، مكتبة الشامله)

حتی کہ اگر ایسی چیزوں کو دیتے ہوئے کہا کہ تجھے عاریتاً دے رہا ہوں پھر بھی درست ہے کہ ایسی چیز جسے خرچ کرکے نفع حاصل کیا جاتا ہے اسے قرض دیتے ہوئے عاریت بولا پھر بھی قرض ہوگا، نیز عاریت کہا اور لین دین بھی عاریت کے طور پر ہو پھر بھی وہ قرض ہوگا۔ عاریت نہ ہوگا۔ ملا علی قاری کی شرح وقایہ میں ہے "ولنا: أنّ القرض إعارةٌ وتبرّعٌ ابتداءً ولهذا يصحّ بلفظ الإعارة، ومعاوضةٌ انتهاءً حتّى يلزمه ردّ مثله۔" (شرح وقايه لملاعلي قاري، فصل في بيع المنقول، جلد2، صفحه 397)

سوال: قرض اور عاریت کے حکم میں فرق ہے یا نہیں؟

جواب: قرض اور عاریت میں فرق یہ ہے کہ عاریت میں کسی شے کی منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے اصل شے کا نہیں اور نہ ہی اسے ہلاک (خرچ) کرنے کی اجازت ہوتی ہے جبکہ قرض میں اصل شے پر ملکیت حاصل ہوتی ہے اور بندے کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ اسے باقی رکھ کر نفع حاصل کرے یا ہلاک کرے۔ درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے: "(عارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود المتقارب قرض) لأن الإعارة تمليك المنفعة ولا ينتفع بهذه الأمور إلا باستهلاك عينها ولا يملك استهلاكها إلا إذا ملكها فاقتضت تمليك عينها ضرورة وذلك بالهبة أو القرض ۔الخ" ترجمہ: سونے وچاندی ومکیلی وموزونی وعددی متقارب چیزوں کی عاریت بھی قرض ہے۔ کیونکہ عاریت میں منفعت کی تملیک ہوتی ہے اور ان چیزوں سے انتفاع ہلاک کیے

بغیر ممکن نہیں اور ہلاک اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ جب اسے مالک بنایا جائے گا پس اس کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ بدیہی طور پر ان کا مالک ہی ہے کہ وہ یا تو ہبہ ہے یا قرض۔

بہار شریعت میں ہے" مکیل وموزون وعددی متقارب کو عاریت لیا اور عاریت میں کوئی قید نہیں تو عاریت نہیں بلکہ قرض ہے مثلاً کسی سے روپے پیسے' گیہوں جو وغیرہا عاریت لئے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں کو خرچ کرے گا اور اسی قسم کی چیز دے گا یعنی روپیہ لیا ہے تو روپیہ دے گا پیسہ لیا ہے تو پیسہ دے گا اور جتنا لیا اُتنا ہی دے گا یہ عاریت نہیں بلکہ قرض ہے کیونکہ عاریت میں چیز کو باقی رکھتے ہوئے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور یہاں ہلاک وخرچ کرکے فائدہ اُٹھایا ہے لہٰذا فرض کرو کہ قبل انتفاع یہ چیزیں ضائع ہو جائیں جب بھی تاوان دینا ہوگا کہ قرض کا یہی حکم ہے کہ لینے والا مالک ہو جاتا ہے نقصان ہوگا تو اس کا ہوگا دینے والے کا نہیں ہوگا (اس مسئلے کو بغور اور پھر پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں، ضروری مسئلہ ہے۔) ہاں اگر ان چیزوں کی عاریت لینے میں کوئی ایسی بات ذکر کردی جائے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہو کہ حقیقۃً عاریت ہی ہے قرض نہیں تو اُسے عاریت ہی قرار دیں گے مثلاً روپے یا پیسے مانگتا ہے کہ اس سے کوئی چیز وزن کرے گا یا اس سے تول کر باٹ بنائے گا یا اپنی دوکان کو سجائے گا تو عاریت ہے۔ (ہدایہ، درمختار)"

سوال: جس کا قرض لینا جائز ہے اسے عاریتاً لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جسے قرض لینا جائز ہے اسے عاریت کے طور پر لیا بھی تو وہ قرض ہوگا نہ کہ عاریت۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "عارية كل شئي يجوز قرضه قرض وعارية كل شئي لايجوز قرضه عارية" ترجمہ: جس چیز کا قرض جائز ہے اُسے عاریت کے طور پر لیا تو وہ قرض ہے اور جس کا قرض ناجائز ہے اُسے عاریت لیا تو عاریت ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب البیوع،التاسع عشرفی القرض،جلد03،صفحہ207، کوئٹہ)

سوال: عموماً دیکھا گیا ہے کہ ہمسائے ایک دوسرے کو سالن لیتے دیتے رہتے ہیں یہ کیا ہے؟

جواب: ہمارے زمانے میں ہمسائے جو اس طرح پیالہ دو پیالہ سالن دیتے و لیتے ہیں وہ اباحت ہوا کرتی ہے ۔اور اگر وہ قرض ہی کہہ کر دیں ولیں تو قرض ہی ہوگا۔لیکن ایسا ہوتا نہیں یا بہت کم ہوتا ہے۔بہار شریعت میں ہے: کسی سے ایک پیالہ سالن مانگا یہ قرض ہے اور اگر دونوں میں انبساط و بے تکلفی ہو تو اباحت ہے۔گولی چھرے عاریت لئے یہ قرض ہے اور اگر نشانہ پر مارنے کے لئے یعنی چاند ماری کے لئے گولی لی ہے تو عاریت ہے کیونکہ اُسے واپس دے سکتا ہے۔

(بہار شریعت،حصہ 14،عاریت کا بیان،صفحہ 43،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

سوال: اگر کسی سے کہا کہ یہ سوٹ دو میں نے پہن کر شادی پر جانا ہے،تو کیا یہ قرض نہیں ہوگا؟

جواب: یہ قرض نہیں بلکہ عاریت ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے "وتصح بقول أقرضتك هذا الثوب تلبسه يوما أو أقرضتك هذه الدار تسكنها سنة ، هكذا في التتارخانية" یعنی عاریت قرض کا لفظ استعمال کرنے کی صورت میں صحیح ہوجاتی ہے جیسے کسی نے کہا کہ مجھے کپڑے قرض دو یہ عاریت ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب العارية،الباب الثاني ،جلد04،صفحہ363، کوئٹہ)

بہار شریعت میں لکھا ہے کہ اس طرح کپڑے لینا دینا عرفاً عاریت کے حکم میں ہے۔

سوال: منفعت کو قرض میں دینا جائز ہے یا نہیں کہ ایک دن آپ میرے گھر میں رہائش

کر لیتا اسکے بدلے میں تمہارے گھر میں رہائش کر لوں گا؟

جواب: جائز ہے اور یہ قرض نہیں ہے۔فتاوی کبری میں ہے "ویجوز قرض المنافع مثل أن یحصد معه یوما ویحصد معه الآخر یوما أو یسکنه دارا لیسکنه الآخر بدلها ، لکن الغالب علی المنافع أنها لیست من ذوات الأمثال حتی یجب رد المثل بتراضیهما"

(فتاوی کبری، کتاب البیع،باب القرض،جلد08،صفحہ147،مکتبہ شاملہ)

سوال: قرض لینے کی خاطر عاریت پر لی ہوئی چیز کو رہن رکھ سکتے ہیں؟

جواب: ایسا کرنا جائز نہیں۔بہار شریعت میں ہے"عاریت کو نہ اُجرت پر دے سکتا ہے اور نہ رہن رکھ سکتا ہے مثلاً مکان یا گھوڑا عاریت پر لیا اور اس کو کرایہ پر چلایا یا روپیہ قرض لیا اور عاریت کو رہن رکھ دیا یہ نا جائز ہے ہاں عاریت کو عاریت پر دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ چیز ایسی ہو کہ استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے اُس میں نقصان نہ پیدا ہو جیسے مکان کی سکونت۔جانور پر بوجھ لادنا۔عاریت کو ودیعت رکھ سکتا ہے مثلاً عاریت کی چیز کا خود پہنچانا ضروری نہیں ہے دوسرے کے ہاتھ بھی مالک کے پاس بھیج سکتا ہے۔(بحر،درمختار،ہدایہ)

(عاریت کو مزید یوں سمجھیں کہ کسی کی کوئی چیز استعمال کے لئے لینا،بعد از استعمال وہی چیز جس کی تھی اسے واپس کر دینا جیسے ہم کسی سے گاڑی استعمال کے لئے لیتے ہیں،موبائل لیتے ہیں،کتاب لیتے ہیں اور پڑھ کر واپس کر دیتے ہیں یہ سب عاریت ہے۔)

....کتاب الدعوی....

سوال: ایک شخص مرا جس کے دو لڑکے ہوں۔ایک کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے ایک ہزار روپے لینے ہیں یعنی اس نے مجھ سے اتنا قرض لیا تھا۔اور باپ ایک ہزار روپیہ ہی چھوڑ کر مرا۔اس کے علاوہ باپ کا کوئی مال نہیں۔اور وہ ہزار روپیہ جو چھوڑ کر مرا وہ بھی کسی پر قرض ہو یا گھر ہی میں رکھا ہوا ہو تو کیا یہ لڑکا اس رقم کو لے کر اپنے قرض میں مجرا کر سکتا ہے؟

جواب: نہیں کر سکتا جب تک دوسرے بھائی و ورثاء نہ آجائیں اور اگر وہ موجود ہے اور اسے معلوم ہے کہ واقعی باپ اس کا مقروض تھا تو پھر قرض خواہ بیٹا وہ ہزار روپیہ رکھے گا اور اگر دیگر ورثاء کو اعتراض ہے پھر قرض خواہ بھائی کو ثابت کرنا ہوگا کہ والد میرا مقروض تھا۔اگر ثابت ہو جائے تو ٹھیک ورنہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔فتاوی ہندیہ میں ہے"رجل مات وله ابنان احدهما غائب فادعى الحاضران له على ابيه الف درهم دينا و لامال لميت غير الف درهم على رجل فاني اقبل بينة الابن الحاضر فی اثبات الدين على الاجنبي ولااسمع بينته على ابيه بدينه ولااقضي له من الالف التي قضيت على الاجنبي بشيء فاوقف الالف حتى يجيء الخ"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الدعوی، الباب الخامس، جلد04، صفحہ39، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: زید کا دعوی ہے کہ بکر میرا 1000 روپے کا مقروض ہے، جبکہ بکر کہتا ہے کہ میں اس کا مقروض نہیں، زید کہتا ہے کہ میرے پاس گواہ ہیں، گواہ لائے جاتے ہیں تو ایک گواہ کہتا ہے کہ بکر نے زید کا 1000 روپے دینے ہیں جبکہ دوسرا گواہ کہتا ہے کہ 2000 دینے ہیں تو اب کیا کیا جائے؟ مطلب کہ کیا ان کی گواہی کی وجہ سے زید کو ہزار روپے ملیں گے جبکہ گواہوں کی گواہی میں فرق ہے۔

جواب: جی اس صورت میں زید کو ہزار روپے ضرور ملیں گے۔ اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلۃ میں ہے "قال: واذاادعی الرجل علی الرجل الف درھم وجاء علیہ بالبینۃ فشھد احد شاھدیہ بالالف وشھد الآخر بالفین،فان اباحنیفۃ رضی اللہ عنہ کان یقول :لاشھادۃ لھما الا انھما قد اختلفا۔ وکان ابی ابی لیلۃ یجیزمن ذلک الف درھم ویقضی بھا للطالب۔ وبہ نأخذ ولو شھد أحدھما بالف وشھد الاخر بالف وخمسمائۃ کانت شھادۃ الالف جائزۃ فی قولھما جمیعا۔ وانما اجازھذا أبو حنیفۃ لانہ کایقول :قد سمی الشاھدان جمیعا الفا وقال الآخر خمسمائۃ فصارت ھذہ مفصولۃ من الالف"

(اختلاف ابی حنیفۃ وابی لیلۃ،باب فی الدین،صفحہ 66-65،دارالمعارف نعمانیہ،مصر)

کتاب الاقرار

سوال: زید مقروض تھا وہ بکر کو قرض واپس کرنے آیا، بکر نے کہا کہ یہ میرا نہیں بلکہ یہ قرض میرے فلاں بھائی کا ہے۔ تو اب اس کا مالک کون ہے؟

جواب: بکر جس بھائی کے لئے اقرار کر رہا ہے وہی بھائی اس قرض کا مالک ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "یونہیں اگر یوں کہ فلاں پر جو میرا دَین ہے وہ فلاں کا ہے۔ (تو وہ فلاں ہی کو دیا جائے گا)۔"

(بہار شریعت،ہبہ،متفرق مسائل،جلد3،حصہ 14،صفحہ102،مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

سوال: زید نے بکر کو قرض دیا اور اسٹام بھی لکھا گیا، پھر جب بکر قرض واپس کرنے آیا تو زید نے کہا کہ یہ قرض عمرو کا ہے۔ میرا نام تو فرضی طور پر لکھا گیا ہے۔ اب کیا حکم ہوگا؟

جواب: ظاہر ہے کہ جب یہ خود کہہ رہا ہے کہ میرا نام تو فرضی طور پر لکھا گیا تھا، اصل قرض

دینے والا کوئی اور ہے تو اس کی بات مانی جائے گی اور جس کا نام لے رہا ہے اسے یہ رقم دی جائے گی۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''دائن نے یہ اقرار کیا کہ یہ دین فلاں کا ہے میرا نہیں ہے میرا نام فرضی طور پر کاغذ میں لکھ دیا گیا ہے اس کا اقرار صحیح ہے لہٰذا مقرلہ اُس دین پر قبضہ کر سکتا ہے۔''

(بہارشریعت، کتاب الھبہ، متفرق مسائل، جلد03، حصہ 102، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: زید کہتا ہے کہ میں نے بکر سے پاکستانی ہزار روپے قرض لیا تھا جبکہ بکر کہتا ہے کہ اس نے مجھ سے ڈالر قرض لیا تھا تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: قرض دینے والے کا کہنا ہے کہ میں نے ڈالر میں قرض دیا تھا جبکہ قرض لینے والے کا قول ہے کہ میں نے پاکستانی کرنسی کی صورت میں لیا ہے تو اس صورت میں قرض دینے والا مدعی ہے اور قرض لینے والا منکر، اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہیں تو ایسی صورت میں قرض لینے والے پر حلف لازم ہوگا جب وہ قسم کھا لے گا تو اسے پاکستانی کرنسی کے مطابق ہی قرض ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ السنن الکبری للبیھقی میں ہے ''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماءهم ,ولكن البينة على المدعي ,واليمين على من أنكر ''ترجمہ: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی بناء پر عطا کر دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے مالوں اور ان کے خونوں کا دعویٰ کریں گے اور لیکن دعویٰ کرنے والے پر گواہ ہیں اور جو منکر ہو اس پر قسم ہے۔

(السنن الکبری للبیھقی، کتاب الدعوی والبینات، ج10، ص427، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

بدائع الصنائع میں ہے ''والأصل أن الاختلاف متى وقع بين صاحب

الدین وبین المدیون فی قدر الدین أو فی جنسه أو نوعه أو صفته کان القول قول المدیون مع یمینهلأن صاحب الدین یدعی علیه زیادة وهو ینکر فکان القول قوله مع یمینه" ترجمہ: اور اصل یہ ہے کہ اختلاف جب واقع ہو دین کے مالک اور مدیون کے درمیان دین کی مقدار میں یا اس کی جنس میں یا اس کی نوع میں یا اس کی صفت میں تو مدیون کا قول اس کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا کیونکہ دین کا مالک اس پر زیادت کا دعوی کرتا ہے اور وہ انکار کرتا ہے تو اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

(بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی حکم البیع، ج05، ص262، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سوال: زید مرض الموت میں تھا، مقروض بھی تھا پھر اسی مرض میں اس نے مزید بیان دیا کہ میں فلاں فلاں کا مقروض ہوں تو اب کیا حکم ہے؟ یعنی مرض الموت میں یہ اقرار معتبر ہے؟ اگر معتبر ہے تو اب قرض کی ادائیگی میں کیا طریقہ برتا جائے؟

جواب: بیماری سے پہلے یقینی طور پر جن کا مقروض تھا اور قرض ادا نہیں کیا تھا تو سب سے پہلے ان کا قرض ادا کیا جائے گا، اس کے بعد اگر کچھ مزید بچے تو اب ان کا قرض بمطابق حصہ ادا کیا جائے گا جن کے قرضے کا اقرار اس مرض الموت میں کیا کیونکہ مرض الموت میں وہ اپنے مال کا مالک نہ رہا یہی وجہ ہے اگر یہ اس حالت میں وصیت کرتا تو وہ وصیت درست نہ ہوتی کیونکہ اس پر قرض تھا اور یہی صورتحال اقرار کی ہے۔ قال: واذا اقر الرجل فی مرضه الذی مات فیه بدین وعلیه دین بشهود فی صحته ولیس له وفاء، فان أبا حنیفة رضی الله عنه کان یقول: یبدأ بالدین المعروف الذی فی صحته فان فضل عنهم شی کان للذین اقر لهم فی المرض بالحصص الا تری أنه حین مرض انه لیس یملك من ماله شیا، ولا تجوز وصیته فیه لما علیه من الدین فکذلك

اقراره،وبه نأخذ۔

(اختلاف ابی حنیفة وابی لیلة،باب فی الدین،صفحه 62،دارالمعارف نعمانیه،مصر)

سوال: اشٹام پیپر پر دکھلاوے کے طور پر قرض لکھا گیا لیکن حقیقتاً وہ مال مضاربت کے لیے تھا۔بعد میں اختلاف ہوگیا اور پیسے دینے والا اسے قرض کہتا ہے جبکہ اس کے پاس گواہ نہیں اور مقروض کے پاس جو گواہ ہیں وہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ ان دونوں نے ہمیں خبر دی تھی کہ انہوں نے اشٹام پیپر پر قرض توثیق کے لیے لکھا تھا حقیقۃً یہ مال قرض نہیں ہے بلکہ مضاربت کے طور پر دیا گیا تھا تو اب قرض کہلائے گا یا مضاربت؟

جواب: مذکورہ بیان میں یہ صورت مضاربت کہلائے گی قرض نہیں۔جب شرعی گواہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ یہ قرض کا لکھا جانا ویسے ہی تھا حقیقتاً یہ عقد مضاربت تھا اور پیسے دینے والے کہ پاس اپنے موقف پر گواہ نہیں تو یہ عقد مضاربت کہلائے گا۔البتہ اگر پیسے دینے والے کے پاس بھی شرعی گواہ ہوں اور پیسے لینے والے کے پاس بھی گواہ ہوں تو اس صورت میں قرض دینے والی گواہی کو ترجیح ہوگی۔

الاصل میں ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی 189ھ) فرماتے ہیں:وإذا دفع الرجل إلى الرجل ألف درهم مضاربة بالنصف، وأشهد عليه في العلانية أنها قرض يتوثق بذلك، فعمل المضارب بالمال فربح أو وضع؛ فإن تصادقوا أن الأمر كان على ذلك، وأنهم إنما أشهدوا بالقرض على وجه التوثق، وليس بقرض، إنما هي مضاربة، فالمال مضاربة، والوضيعة على رب المال، والربح على ما اشترطا .وإن تكاذبا وقامت البينة بهذا الذي وصفت لك، فقالت البينة :نشهد أن رب المال دفع المال مضاربة، وأشهد عليه

بالقرض، وأخبرانا جميعاً أنهما إنما أشهدا بالقرض على وجه التوثق، وليس بالقرض، وإنما هي مضاربة، فالمال مضاربة، والوضيعة فيه على رب المال، والربح على ما اشترطا، وأيهما ادعى القرض لم يصدق .فإن شهد شاهدان بالمضاربة وشهد شاهدان بالقرض، ولم يفسروا شيئاً غير ذلك، فالبينة بينة الذي يدعي القرض: اور جب کسی شخص نے دوسرے کو ہزار درہم بطور مضاربت نصف نفع کے طور پر دیے اور اس نے بظاہر مضبوطی کے لئے اس بات پر گواہ بنالیکہ یہ قرض ہے، پس مضارب نے اس مال کے ساتھ کام کیا اور اس کو نفع یا نقصان ہوا، اگر وہ تصدیق کر دیں کہ معاملہ ایسے ہی تھا اور انہوں نے مضبوطی کے لئے قرض پر گواہ بنا لیے تھے ورنہ یہ قرض نہیں یہ تو مضاربت ہے، تو یہ مال مضاربت ہی ہے اور نقصان رب المال کا ہوگا، اور نفع اس طور پر ہوگا جو شرط ہوا تھا۔ اگر دونوں تکذیب کر دیں اور گواہی پیش کریں اس پر جو میں نے تم کو بیان کیا، اور گواہ یہ کہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رب المال نے مال تو بطور مضاربت دیا تھا، اور اس پر قرض کا گواہ بنالیا تھا، اور ہم سب یہ خبر دیتے ہیں کہ ان دونوں نے صرف مضبوطی کے لئے قرض پر گواہ بنائے تھے ،اور یہ قرض نہیں ہے، یہ تو مضاربت ہے ،تو وہ مال مضاربت کا ہی ہوگا اور نقصان رب المال کا ہوگا، اور نفع ان دونوں کی شرط کے مطابق ہوگا، اور ان میں سے جو بھی قرض کا دعوی کرتا ہے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اگر دو گواہوں نے مضاربت کی گواہی دی اور دو گواہوں نے قرض کی گواہی دی، اور اس کے علاوہ کسی چیز کی وضاحت نہیں کی، تو گواہی اس کی مقبول ہوگی جو قرض کا دعوی کرتا ہے۔ (الاصل، کتاب المضاربۃ، باب الشرکۃ فی المضاربۃ والخلط وحکمہ، جلد 4، صفحہ 279، دار ابن حزم، بیروت)

المبسوط میں محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمۃ السرخسی (المتوفی 483ھ) فرماتے

ہیں ولو دفع إليه ألف درهم مضاربة بالنصف، وأشهد عليه في العلانية أنها قرض يتوثق بذلك، فعمل المضارب بالأمر فإن تصادقوا أن الأمر كان على ذلك وأنهم إنما شهدوا بالقرض على جهة الثقة، فالمال على حكم المضاربة؛ لأن تصادقهما حجة تامة في حقهما .وكذلك إن تكاذبا فقامت البينة أنه دفعه مضاربة وأشهد عليه بالقرض، وقالوا :أخبرنا أنهما إنما أشهدا بالقرض على وجه التوثق، وليس بقرض إنما هو مضاربة، فإن الثابت بالبينة كالثابت باتفاق الخصمين، أو أقوى منه، وإن شهد شاهدان بالمضاربة، وشاهدان بالقرض، ولم يفسروا شيئا غير ذلك؛ فالبينة بينة الذي يدعي القرض؛ لأنه لا تنافي بينهما، فيجعل كأن الأمرين كانا، والقرض يرد على المضاربة، والمضاربة لا ترد على القرض، فيجعل كأنه دفع المال إليه مضاربة أولا، ثم أقرضه منه، وفي بينة من يدعي القرض إثبات الزيادة وهو الملك في المقبوض للقابض، واستحقاق القرض عليه : اگر کسی نے ہزار درہم نصف نفع کے طور پر بطور مضاربت دئیے اور اس پر مضبوطی کے لئے بظاہر اس بات پر گواہ بنالئے کہ یہ قرض ہے، پس مضارب نے اس کے حکم پر کام کیا۔ تو اب اگر وہ دونوں اس بات کی تصدیق کردیں کہ معاملہ اس طرح ہے اور انہوں نے صرف مضبوطی کے لئے قرض پر گواہ بنائے تھے، تو یہ مال مضاربت کے حکم میں ہوگا، کیونکہ ان دونوں کی تصدیق کرنا ان دونوں کے حق میں حجت تامہ ہے۔ اسی طرح اگر دونوں کے تکذیب کردی پھر اس بات پر گواہی قائم ہوگئی کہ اس (رب المال) نے اس کو مال بطور مضاربت دیا تھا اور اس پر قرض کا گواہ بنالیا تھا اور انہوں نے (ان الفاظ کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے) کہا کہ ہم خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے صرف مضبوطی کے لئے

قرض پر گواہ بنائے تھے، لیکن یہ قرض نہیں تھا یہ تو مضاربت تھی، پس جو گواہی بات سے ثابت ہوگئی وہ ایسے ہی ہے جیسے دونوں جھگڑنے والوں کے اتفاق سے ثابت ہوگئی، یا اس سے بھی مضبوط ہے۔ اگر دو گواہوں نے مضاربت کی گواہی دی اور دو نے قرض کی گواہی دی اور اس کے علاوہ کسی شے کی وضاحت نہیں کی، تو گواہی اس کی معتبر ہوگی جو قرض کا دعوی کرتا ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی تنافی نہیں ہے، تو اس کو ایسے ہی بنایا جائے گا جیسے یہ دونوں تھے۔ قرض سے مضاربت تو مراد لی جاتی ہے، اور مضاربت سے قرض مراد نہیں لیا جاتا، تو اس معاملے کو ایسے بنایا جائے گا جیسا کہ اس نے پہلے تو مال بطور قرض دیا تھا اور پھر اس سے قرض دے دیا، اور جو قرض کا دعوی کرتا ہے اس کی گواہی میں زیادتی کو ثابت کرتا ہے اور وہ (زیادتی) مقبوض کا قابض کی ملک ہونا ہے، اور اس پر قرضے کا مستحق بنانا ہے۔ (المبسوط، کتاب المضاربۃ، باب الشرکۃ فی المضاربۃ، جلد 22، صفحہ 139، دار المعرفۃ، بیروت)

ہندیہ میں ہے إذا دفع إلى رجل ألف درهم مضاربة بالنصف وأشهد عليه في العلانية أنه قرض يتوثق بذلك حتى يجتهد المضارب في حفظ المال مخافة أن يأخذه رب المال بالقرض فعمل المضارب بالمال وربح أو وضع،فإن تصادقاأن القرض كان تلجئة في الظاهر وأن الثابت في الباطن هي المضاربة كان كما تصادقا، وإن اختلفا في ذلك، فقال رب المال :كان القرض حقيقة ولم يكن تلجئة، وقال المضارب :لا بل كان القرض تلجئة والثابت في الحقيقة المضاربة وأقام المضارب بينة على ما قال فهذا وما لو تصادقا أن القرض كان تلجئة سواء ، كذا في الذخيرة.وإن شهد شاهدان بالمضاربة وشاهدان بالقرض ولم يفسروا شيئا غير ذلك فالبينة بينة الذي

یدعی القرض، کذا فی المبسوط فی آخر باب شرکة المضارب. وإن شهد شهود المضاربة أن القرض کان تلجئة وأن الثابت حقیقة المضاربة فشهادتهم أولی، کذا فی الذخیرۃ ترجمہ: اگر کسی کو ہزار درہم آدھے نفع کی مضاربت پر دیئے اور ظاہر میں مضبوطی کی غرض سے اس بات پر گواہ بنالئے کہ یہ قرض ہے تاکہ مضارب مال کی حفاظت کی کوشش کرے اس خوف سے کہ رب المال قرض (کا دعوی کر کے) واپس نہ لے لے، پس مضارب نے مال میں کام کیا اور نفع یا نقصان ہوا، تو اگر دونوں (مضارب اور رب المال) اس بات کی تصدیق کردیں کہ یہ ظاہرا تو قرض تھا (تلجیہ کرتے ہوئے) اور باطن (حقیقت) میں مضاربت ہی تھی تو معاملہ ایسا ہی ہوگا جس کی دونوں نے تصدیق کردی۔ اگر ان دونوں کا اس بات میں اختلاف ہوگیا، رب المال نے کہا کہ یہ حقیقت میں قرض ہی تھا تلجیہ نہیں تھا اور مضارب کہتا ہے کہ یہ تلجیۃ تو قرض تھا مگر حقیقت میں یہ مضاربت تھی اور مضارب نے اپنے کہنے کے مطابق گواہ قائم کردیے، تو یہ صورت اور قرض کے تلجیہ ہونے پر باہم تصدیق کرنے کی صورت یکساں ہے، ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔ اگر دو گواہوں نے مضاربت کی گواہی دی اور دو گواہوں نے قرض کی گواہی دی، اور اس کے علاوہ کوئی شے کی وضاحت نہیں کی، تو گواہی اس کی معتبر ہوگی جو قرض کا دعوی کررہا ہے، ایسا ہی مبسوط میں مضارب کی شرکت کے باب کے آخر میں ہے، اور اگر مضاربت کے گواہوں نے گواہی دی (اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ) یہ تلجیۃ تو قرض تھا مگر حقیقت میں مضاربت تھی تو ان کی گواہی اولی ہے، ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب المضاربۃ، النوع السابع فی المتفرقات من ہذا الباب، جلد4، صفحہ 328، دارالفکر، بیروت)

---- كتاب الهبة ----

سوال: حالت قرض میں جائیداد کا ہبہ (تحفہ) کرنا کیسا ہے؟

جواب: مقروض بھی اپنی جائیداد و دیگر چیزیں ہبہ کرسکتا ہے "کل تصرف باشره بعدالحجر قبل العلم به یکون صحیحا" یعنی ہر وہ تصرف جس کو مباشر مجور ہونے کے علم سے قبل کرے وہ صحیح ہوتا ہے۔ (مجور وہ جس کے لین دین پر گورنمنٹ پابندی لگا دے)

(فتاوی ہندیه، کتاب الحجر، الباب الثالث، جلد05، صفحه60، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

سوال: کسی شخص کے قرض خواہوں نے کوٹ میں درخواست دی کہ ہمارے مقروض پر پابندی لگائی جائے کہ وہ اپنے مال و جائیداد کو ہبہ و صدقہ نہ کرسکے تو کیا اس پابندی کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟

جواب: جی ہاں! بالکل شرعی حیثیت ہے۔ قرض خواہ مقروض کے ہبہ و صدقہ کرنے پر پابندی لگا سکتے ہیں اور آئندہ اس کا کوئی بھی ہبہ و صدقہ نافذ نہ ہوگا مگر اس میں شرط ہے قرض اس کی جمیع جائیدار برابر یا اس سے زائد ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "فالحجر بسبب الدین أن یرکب الرجل دیون تستغرق أمواله أو تزید علی أمواله فطلب الغرماء من القاضي أن یحجر علیه حتی لا یهب ماله ولا یتصدق به ولا یقر به لغریم آخر فالقاضي یحجر علیه عندهما ویعمل حجره حتی لا تصح هبته ولا صدقته بعد ذلك" خلاصہ یہ کہ بہت زیادہ مقروض شخص اپنا مال ہبہ و صدقہ وغیرہ نہ کرسکنے کی پابندی قاضی لگا سکتا ہے۔ (تفصیل ترجمہ جواب میں مع قیود کے موجود ہے۔)

(فتاوی ہندیه، کتاب الحجر، الباب الثالث، جلد05، صفحه61، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

سوال: قرض کا ہبہ کرنا کیسا ہے؟ مثلاً عدنان شکیل کا مقروض ہے۔ شکیل نے اعجاز سے کہا

کہ اعجاز بھائی میں نے عدنان سے اتنی رقم لینی ہے۔ وہ میں نے آپ کو تحفہ دی، یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض کے علاوہ کسی دوسرے کو قرض ہبہ کرنا جائز نہیں۔ یوں کرنے سے اعجاز اس قرض کا مالک نہ ہوگا۔ اس کا حل یہ تھا کہ شکیل اعجاز کو کہتا کہ میں نے عدنان سے اتنے پیسے لینے ہیں وہ آپ اس سے وصول کر لینا اور پھر خود ہی رکھ لینا۔ جامع الفصولین میں ہے: "هبة الدين ممن ليس عليه لم تجز الا اذا سلطه على قبضه فيصير كانه وهبه حين قبضه ولا يصح الا بقبضه" ترجمہ: قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے، تو یوں قبضہ کر لینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کا قبضہ ہو جانے پر صحیح ہو جائے گا۔

(جامع الفصولين، الفصل الرابع والثلاثون، هبة الدين، جلد2، صفحہ216، کراچی)

سوال: بکر نے زید سے بیس ہزار لینے تھے۔ عمرو سے کہا: میں نے تجھے بیس ہزار کا مالک کیا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہاں پر عمرو کو مالک بنانا درست نہیں۔ مقروض کے علاوہ کسی دوسرے کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور اگر قرض خواہ کسی دوسرے کو اپنے قرض کا مالک بنانا چاہے تو اس کے تین طریقے ہیں:۔

(1) حوالہ: اپنے قرض خواہ کو اپنے مدیون (مقروض) پر حوالہ کر دے۔ یعنی اپنے قرض خواہ کو کہہ دے کہ جو قرض میں نے تمہارا دینا ہے وہ فلاں سے وصول کر لو۔

(2) وصیت: یوں کہ فلاں سے میں نے قرض لینا ہے، میرے مرنے کے بعد وہ لے کر فلاں کو دے دیا جائے۔

(3) قبضہ کرنے کی ڈیوٹی لگادے: یعنی کسی سے کہے کہ فلاں سے میرا قرض وصول کر لینا اور بعد میں خود رکھ لینا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''دَین کا اُسے مالک کر دینا جس پر دین نہیں ہے یعنی مدیون کے سوا کسی دوسرے کو مالک کر دینا باطل ہے مگر تین صورتوں میں اول حوالہ کہ اپنے دائن کو اپنے مدیوں پر حوالہ کر دے دوسری وصیت کہ کسی کو وصیت کردی کہ فلاں کے ذمہ جو میرا دین ہے میرے مرنے کے بعد وہ دین فلاں کے لئے ہے تیسری صورت یہ ہے کہ جس کو مالک بنائے اُسے قبضہ پر مسلط کر دے۔ یونہی عورت کا شوہر کے ذمہ جو دین تھا اُسے اپنے بیٹے کو جو اُسی شوہر سے ہے ہبہ کر دیا یہ بھی صحیح ہے جب کہ اسے قبضہ پر مسلط کر دیا ہو۔ یوہیں عورت کا شوہر کے ذمہ جو دین تھا اسے اپنے بیٹے کو جو اسی شوہر سے ہے ہبہ کر دیا یہ بھی صحیح ہے جبکہ اسے قبضہ پر مسلط کر دیا ہو۔''

(بہار شریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، جلد03، صفحہ 101، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مقروض کو قرض تحفہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: مقروض کو قرض تحفہ کر سکتے ہیں جیسا کہ پیچھے ضمناً گزرا۔ بہار شریعت میں ہے: ''مدیون کو دین ہبہ کر دینا ایک وجہ سے تملیک ہے اور ایک وجہ سے اسقاط لہٰذا رد کرنے سے رد ہو جائے گا اور چونکہ اسقاط بھی ہے لہٰذا قبول پر موقوف نہ ہوگا۔''

(بہار شریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، جلد03، صفحہ 99، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مقروض کو قرض تحفہ کر دیا۔ مقروض کو اختیار ہے کہ اسے قبول کرے یا نہ کرے، یا کرنا ہی ہوگا؟

جواب: مقروض کو اختیار ہے۔ چاہے تو قبول کرے یا رد کر دے اور اگر مقروض نے رد کیا تو وہ بدستور مقروض ہی رہے گا۔ ہندیہ میں ہے ''لأن هبة الدين ترتد بالرد۔''

(ہندیہ، کتاب المکاتب، باب المتفرقات، جلد5، صفحہ 24، دارالفکر، بیروت)

سوال: مقروض کا قرض خواہ کو تحفے دینا کیسا ہے؟

جواب: اگر قرض لینے سے پہلے بھی ان کا آپس میں تحائف لینے دینے کا سلسلہ تھا تو جتنا پہلے تھا اسی قدر مقروض کا قرض خواہ کو تحفہ دینا جائز ہے، اور اگر قرض لینے سے پہلے قرض خواہ کو تحائف دینے کا کوئی سلسلہ نہ تھا تو اب ناجائز وحرام ہے۔اسی طرح اگر قرض لینے سے پہلے مقروض تحائف دیتا تھا مگر قرض لینے کے بعد تحائف زیادہ دینا شروع کر دیئے تو قرض خواہ ہرگز ہرگز نہ لے۔مشکل الاثار میں ہے"عن أنس قال إذا أقرضت رجلا قرضا فلا ترکب دابته ، ولا تقبل هديته ، إلا أن تکون قد جرت بينك وبينه قبل ذلك مخالطة۔۔۔ رأى أبى بن كعب أن أهدى لعمر بعد استقراضه منه ما استقرض ؛ لأنه كان يهاديه قبل ذلك" ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں: جب تو کسی شخص کو قرض دے تو اس کی سواری پر سوار نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف سے کسی تحفہ کو قبول کر۔ہاں اگر تحفہ وغیرہ کا لین دین پہلے تمہارے درمیان رہتا تھا تو اب لینے بھی حرج نہیں۔صحابی رسول ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحفہ دیا حالانکہ یہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقروض تھے،لیکن ان کے درمیان تحائف لینے و دینے کا سلسلہ پہلے سے ہی جاری تھا۔

(مشکل الاثار للطحاوی، باب اذا اقرضت رجلا قرضا، جلد10، صفحہ206، بیروت)

سوال: اگر پتہ نہ چلے کہ مقروض قرض کی وجہ سے تحفہ ودعوت کا اہتمام کرتا ہے یا پیار ومحبت و دوستی وسخاوت کی بناء پر تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: اگر ان میں پیار ومحبت کی فضا قائم ہے اور پہلے سے تحائف لینے کا سلسلہ ہے

تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اسی طرح مقروض کی عادت سب کو معلوم ہے کہ وہ سخاوت کرتا رہتا ہے، دعوت وتحائف اس کی عادات میں سے ہے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ،اور اگر ایسا کچھ نہیں اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ تحائف و دعوت کا سلسلہ کس بناء پر ہے تو پھر تحائف نہ لئے جائیں، بچنا بہتر ہے اور اگر معلوم ہے کہ قرض کی وجہ سے اس قدر مہربان ہے تو اب لینا دینا جائز نہیں کہ سیدھا سود ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولا بـأس بهدية مـن عـلـيـه الـقرض والأفضل أن يتورع من قبول الهدية إذا علم أنه يعطيه لأجل الـقـرض، وإن عـلـم أنـه يـعـطيه لا لأجل القرض بل لقرابة أو صداقة بينهما لا يتـورع عـنـه وكذا لو كان المستقرض معروفا بالجود والسخاء كذا في محيط السـرخسـي، وإن لـم يـكـن شـيء من ذلك فالحالة حالة الإشكال فيتورع عنه حتـى يتبيـن أنه أهدى لا لأجل الدين قال محمد -رحـمه الله تعالى- لا بأس بـأن يجيب دعوة من كان عليه دين قال شيخ الإسلام هذا جواب الحكم .فأما الأفـضـل فـأن يتورع عن الإجابة إذا علم أنه لأجل الدين أو أشكل عليه الحال قال شمس الأئمة ما ذكر محمد -رحمه الله تعالى- محمول على ما إذا كان يـدعـوه قبـل الإقراض أما إذا كان لا يدعوه أو كان يدعوه قبله في كل عشرين يـومـا وبعد الإقراض جعل يدعوه في كل عشرة أيام أو زاد في الباجات فإنه لا يـحل ويكون خبيثا وإذا رجح في بدل القرض ولـم يكن الرجحان مشروطا في الـقـرض فـلا بـأس بـه كـذا في المحيط" یعنی جس پر قرض ہے اُس نے قرض دینے والے کو کچھ ہدیہ کیا تو لینے میں حرج نہیں جبکہ ہدیہ دینا قرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ دونوں میں قرابت یا دوستی ہے یا اُس کی عادت ہی میں جود وسخاوت ہے کہ لوگوں

کو ہدیہ کیا کرتا ہے۔۔۔اور اگر قرض کی وجہ سے ہدیہ دیتا ہے تو اس کے لینے سے بچنا چاہئے اور اگر یہ پتا نہ چلے کہ قرض کی وجہ سے ہے یا نہیں جب بھی پرہیز ہی کرنا چاہئے جب تک یہ بات ظاہر نہ ہوجائے کہ قرض کی وجہ سے نہیں ہے۔اُس کی دعوت کا بھی یہی حکم ہے کہ قرض کی وجہ سے نہ ہو تو قبول کرنے میں حرج نہیں اور قرض کی وجہ سے ہے یا پتا نہ چلے تو بچنا چاہیے۔اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ قرض نہیں دیا تھا جب بھی دعوت کرتا تھا تو معلوم ہوا کہ یہ دعوت قرض کی وجہ سے نہیں اور اگر پہلے نہیں کرتا تھا اور اب کرتا ہے یا پہلے مہینے میں ایک بار کرتا تھا اور اب دو بار کرنے لگا یا اب سامان ضیافت زیادہ کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قرض کی وجہ سے ہے اس سے اجتناب چاہیے۔

(ہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد03، صفحہ 203، بیروت)

(بہار شریعت وہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر، جلد3، صفحہ 203، کوئٹہ)

سوال: شادی کی آجکل عجیب وغریب رسوم ہیں کہ کئی طرح کی چیزیں دی لی جاتی ہیں۔کوئی لڑکی کو فریج دیتا ہے تو کوئی ٹی وی تو کوئی کپڑے دھونے والی مشین۔اس کا کیا حکم ہے۔یہ بھی قرض ہے یا نہیں؟

جواب: ہمارے ہاں عموما یہ بھی قرض ہی کے حکم میں ہے کہ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ اس نے فلاں کی لڑکی کو جو شے دی ہوتی ہے جب اس کی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہی اشیاء یا اس قیمت کی شے دی جاتی ہے۔اور جہاں ایسا نہ ہو تو وہاں اسے گفٹ قرار دیا جائے گا۔بہار شریعت میں ہے:"شادی وغیرہ تمام تقریبات میں طرح طرح کی چیزیں بھیجی جاتی ہیں اس کے متعلق ہندوستان میں مختلف قسم کی رسمیں ہیں ہر شہر میں ہر قوم میں جدا جدا رسوم ہیں ان کے متعلق ہدیہ اور ہبہ کا حکم ہے یا قرض کا عموماً رواج سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ

ہے کہ دینے والے یہ چیزیں بطور قرض دیتے ہیں اِسی وجہ سے شادیوں میں اور ہر تقریب میں جب روپے دیئے جاتے ہیں تو ہر ایک شخص کا نام اور رقم تحریر کر لیتے ہیں جب اُس دینے والے کے یہاں تقریب ہوتی ہے تو یہ شخص جس کے یہاں دیا جاچکا ہے فہرست نکالتا ہے اور اُتنے ضرور دیتا ہے جو اُس دیئے تھے اور اس کے خلاف کرنے میں سخت بدنامی ہوتی ہے اور موقع پا کر کہتے بھی ہیں کہ نیوتے روپیہ نہیں دیا اگر یہ قرض نہ سمجھتے ہوتے تو ایسا عرف نہ ہوتا جو عموماً ہندوستان میں ہے۔''

(بہارشریعت، ہبہ کا بیان، حصہ 14، جلد03، صفحہ 80-79، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

البتہ بعض رشتہ دار جیسے بھائی کا بہن کو شادی پر سامان دینا، دوست کا شادی کے موقع پر کچھ دینا، قرض نہیں بلکہ تحفہ ہوتا ہے۔

❁۔۔۔ کتاب الاجارۃ ۔۔۔❁

سوال: قرض وصول کرنے میں جو خرچہ ہو وہ مقروض سے لینا کیسا؟ جیسے ہمارا موٹر سائیکل کی خرید وفروخت کا کام ہے۔ ہم قسطوں میں بھی موٹر سائیکل دیتے ہیں۔ بعض اوقات جو شخص قسط میں تاخیر کرتا ہے، ہم یا ہمارا نوکر اس کے پاس خود جا کر قسط وصول کرتے ہیں۔ اس صورت میں کیا ہم آنے جانے کا کرایہ یا نوکر اپنا کرایہ اس سے وصول کر سکتے ہیں؟

جواب: قسط دینے والے سے قسط وصول کرنے کا خرچہ بصورت کرایہ وغیرہ نہیں لے سکتے کہ یہ نوکر اُسی قسط وصول کرنے والے شخص کا نوکر اور اُسی کے کام پر مقرر، اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا، تو تنخواہ یا خوراک، کرایہ جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے۔ قرضدار و ں سے کچھ تعلق نہیں۔ اور یہ خیال کہ ہمارا کرایہ وغیرہ ان کے قسط لیٹ کرنے کی وجہ سے خرچ ہوا، کوئی دلیل نہیں۔ "فان الحکم انما یضاف الی المباشر دون

المسبب "یعنی (حکم مرتکب پر عائد ہوتا ہے سبب مہیا کرنے والے پر نہیں ہوتا۔)"

(فتاوی رضویہ، جلد 19، صفحہ 440، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہاں اگر وہ اپنی مرضی وخوشی سے کرایہ دیں تو دینا لینا جائز ہے۔لیکن اس میں بھی خیال رہے کہ پہلے سے نہ طے ہوا ور نہ ان کے ذہن میں ہو کہ مذکورہ کرایہ لینا دینا ہے۔

سوال: قرض کی وصولی کے لئے کمیشن پر ملازم رکھنے کا حکم؟ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ادھار کی وصولیابی کرنے والے ملازم کو تنخواہ کی بجائے کمیشن دیا جاتا ہے جیسے سو روپے میں سے پانچ روپے تم رکھ لینا۔کیا یہ طریقہ کار جائز ہے؟

جواب: کمیشن پر قرضہ وصول کرنا ناجائز ہے۔أحمد بن الحسین بن علی بن موسی أبو بکر البیہقی ایک حدیث نقل فرماتے ہیں ""نهى عن عسب الفحل زاد عبيد الله وعن قفيز الطحان" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جفتی اور قفیز طحان کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مزدور کے فعل سے جو چیز حاصل ہوگی، اس میں مزدوری مقرر کرکے اجارہ ناجائز ہے۔

(سنن الکبری للبیہقی، کتاب البیوع، باب النهی عن عسب، جلد 5، صفحہ 339، بیروت)

اور اگر وہ یوں نہیں کہتے کہ جو رقم وصول کرو اس میں سے سو میں سے پانچ خود رکھ لینا بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تمہیں سو روپے کی وصولی پر پانچ روپے دئے جائیں گے، تو اب جائز ہے خواہ انہیں وصول ہونے والوں میں سے دیں یا علیحدہ سے۔فرق یاد رکھنے کی چیز ہے۔یعنی اسی میں سے آپ کو اتنی کمیشن ملے گی اور دوسرے الفاظ کہ اتنے وصول کرنے پر اتنے پیسے آپ کو ملیں گے۔جملہ یاد رکھیں مسئلہ سمجھ آجائے گا۔

سوال: ملازم نے خود قرض لیا یا کسی کو دلوایا اور جس کے ہاں نوکری کرتا ہے اسے کہہ دیا کہ

تنخواہ سے اس کو قرض واپس کر دینا، درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے: ''یونہی ملازم پر دَین ہے جس کے یہاں نوکر ہے اُس پر حوالہ کر دیا کہ میری تنخواہ سے اس کا دَین ادا کر دیا جائے، صحیح ہے۔''

(بہارِ شریعت، حوالہ کا بیان، حصہ 6، صفحہ 876، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: زید بہت زیادہ مقروض تھا۔ اس نے اپنا مکان کرایہ پر دیا اور دس سال کا کرایہ اکٹھا ہی لے لیا۔ اب قرضے ادا کرنے سے پہلے ہی مر گیا۔ قرض ادا کرنے کے لئے اس کا یہ مکان بیچا گیا اب پہلے کرایہ دار اپنا پیشگی دیا ہوا کرایہ پہلے وصول کرے یا پہلے قرض خواہوں کے قرضے ادا کیے جائیں؟

جواب: سب سے پہلے پیشگی دیا ہوا کرایہ واپس کیا جائے گا، بعد میں کچھ بچے گا تو دیگر قرض خواہوں کو دیا جائے گا۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''اذا مات المؤجر وعلیہ دیون لغیر المستأجر فبیعت العین المستأجرۃ کان المستأجر أحق بالثمن من سائر الغرماء۔'' ترجمہ: مکان کرایہ پر لیا تھا اور اس کی اُجرت پہلے ہی دے دی۔ مالک مکان مر گیا، اجارہ ختم ہو گیا۔ اس پر کئی ایک لوگوں کے قرض تھے۔ قرض ادا کرنے کے لئے مکان فروخت کیا گیا تو بہ نسبت دوسرے قرض خواہوں کے جس نے مکان کرایہ پر لیا تھا وہ پہلے اپنا دیا ہوا کرایہ وصول کرے گا۔ (جیسے بعض لوگ کئی کئی مہینوں کا کرایہ پیشگی ہی دے دیتے ہیں۔)''

(حاشیہ طحطاوی علی الدر، کتاب الاجارۃ، جلد04، صفحہ13، مطبوعہ کوئٹہ، پاکستان)

سوال: اپنے مقروض کے مکان کو کرایہ کے عوض میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: مقروض کے مکان کو اپنے قرض کے عوض کرایہ پر لینا جائز ہے، مگر یاد رہے کہ

اگر مکان کرائے پر لینے کی مدت پوری ہوگئی اور ابھی بھی مالک مکان پر کچھ قرض باقی ہے تو زبردستی اس کے مکان کو استعمال نہیں کرسکتے بلکہ اس کی رضامندی سے دوبارہ مکان کا اگریمنٹ کرنا ہوگا یا پھر اسے خالی کرنا ہوگا۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارشادفرماتے ہیں''جس کے ذمہ دین ہے اُس کے مکان کو اپنے دین کے عوض میں کرایہ پرلیا یہ جائز ہے اور اگر مالک مکان پر مستاجر کا دین ہے کچھ دین کرایہ میں مُجرا کردیا اور کچھ باقی ہے اور مدت اجارہ ختم ہوگئی تو مستاجر بقیہ دین میں مکان کو نہیں روک سکتا بلکہ بعد ختم مدت مکان خالی کرنا ہوگا۔'' (عالمگیری)(بہارشریعت،اجارہ کا بیان،مسئلہ 52)

سوال: مالک مکان مقروض ہے اوراس کے پاس اس مکان کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر قرض ادا کیا جاسکے اور مکان بھی رینٹ پر لگا ہے تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: اس کرائے نامے کو ختم کیا جائے گا اور مکان بیچ کر قرض کی ادائگی کو یقینی بنایا جائے گا۔ہاں اگر مالک مکان اتنا ایڈوانس اور کرایا لے چکا کہ جو مکان کی قیمت برابر یا اس سے زیادہ ہے تو اب کرایا پر رہنے والوں کو پریشان نہیں کرسکتے حتی کہ مدت اجارہ مکمل ہوجائے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں''مالک مکان کے ذمہ دَین ہے جس کا ثبوت گواہوں سے ہو یا خود اُس کے اقرار سے اور اُسکے پاس اس مکان کے سوا کوئی دوسرا مال نہیں جس سے دین ادا کیا جائے تو اجارہ فسخ کرکے اس مکان کو بیچ کر دَین ادا کیا جائے گا۔یونہی اگر مالک مکان مفلس ہوگیا اُس کے لئے اور بال بچوں کے لئے کچھ کھانے کو نہیں ہے اس مکان کو بیچ سکتا ہے قاضی اس بیع کے نفاذ کا حکم دے گا اُسی کے ضمن میں اجارہ بھی فسخ ہوجائے گا اس کے لئے دوسرے حکم کی ضرورت نہیں ہے۔مالک مکان پیشگی کرایہ لے چکا ہے اور وہ اتنا ہے کہ مکان کی قیمت کو مستغرق ہے تو اگرچہ اُس کے ذمہ

دیون ہوں ان کے ادا کرنے کے لئے مکان نہیں بیچا جائے گا اور اجارہ فسخ نہیں کیا جائے گا۔ (بہارشریعت، اجارہ کا بیان، مسئلہ 22-21)

سوال: قرض خواہ نے کسی سے کہا کہ فلاں شخص سے میں نے اتنے پیسے لینے ہیں اگر تو لے دے گا تو تجھے اتنے پیسے دوں گا؟ اس کے بارے شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ایسا کرنا شرعا جائز ہے، مگر یاد رہے کہ اگر یہ کہا اگر تم پیسے نکلوا دو تو ان پیسوں میں سے اتنے دوں گا تو اب جائز نہ ہوگا بلکہ اب اسے اجرت مثل دی جائے گی جو طے شدہ پیسوں سے زیادہ نہ ہو اگر اجرت مثل زیادہ ہوئی اور طے شدہ پیسے کم ہوئے تو طے شدہ دیئے جائیں گے یعنی دونوں میں سے جو کم ہو اتنی رقم دی جائے گی۔ ایک دو دفعہ بغور پڑھیں گے تو سمجھ آئے گا، ایک بات یہ کہ اتنے پیسے دوں گا دوسری بات یہ کہ انہی میں سے اتنے دوں گا، پہلی صورت جائز دوسری ناجائز۔ فتاوی شامی میں ہے "ولو قال طالب غريمي في مصر كذا فإذا أخذت مالي فلك عشرة منه، يجب أجر المثل لا يزاد على عشرة۔" ترجمہ: قرض خواہ نے کسی سے کہا کہ فلاں سے میں نے اتنے پیسے لینے ہیں اگر تم مجھے وہاں سے لا کر دے دو تو تمہیں اس میں سے دس روپے دوں گا۔ تو حکم یہ ہے کہ اسے اتنے پیسے دے گا جتنے اس طرح کا کام کرنے کی مزدوری رائج ہو وہی دی جائے گی جبکہ وہ دس روپے سے زیادہ نہ ہو۔ (درمختار، کتاب الکفالۃ، جلد 7، صفحہ 668، مطبوعہ کوئٹہ)

۔۔۔ کتاب الاکراہ ۔۔۔

سوال: زبردستی قرض معاف کروایا گیا کہ نہ کرنے کی صورت میں مارنے یا جان لینے کی دھمکی دی۔اس ڈر سے معاف کردیا تو کیا قرض معاف ہوجائے گا؟

جواب: زبردستی قرض معاف کروایا تو قرض معاف نہ ہوگا۔

(ملخص از فتاوی دیداریہ،باب الاکراہ،صفحہ626،مکتبۃ العصر،گجرات)

سوال: شوہر نے زبردستی مہر معاف کروایا مثلاً مارنے وغیرہ کی دھمکی دی اور پتہ بھی ہے کہ یہ ظالم ہے معاف نہ کروں گی تو سخت مار مارے گا۔بیوی نے اس ڈر سے مہر معاف کردیا،کیا مہر معاف ہوگیا؟

جواب: نہیں!زبرستی شوہر نے مہر معاف کروایااور بیوی نے اس ڈر سے معاف بھی کر دیا کہ نہ کروں گی تو سخت مار مارے گا،قرض معاف نہ ہوگا۔

(فتاوی دیداریہ،باب اکراہ،صفحہ 626،مکتبۃ العصر،گجرات)

۔۔۔ کتاب الحجر ۔۔۔

سوال: حجر سے کیا مراد ہے؟

جواب: حجر کا لغوی معنیٰ منع کرنا،روک دینا،پابندی لگانا ہے۔اور بہار شریعت میں اس کی فقہی تعریف یوں لکھی ہے:کسی شخص کے تصرفات قولیہ روک دینے کو حجر کہتے ہیں۔اور ارشادالساری میں ہے "وھو فی الشرع:منع التصرف فی المال" یعنی تعریف یہ ہے کہ کسی پر مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگادی جائے۔

(ارشادالساری،کتاب الاستقراض،جلد04،صفحہ459،دارالفکر،بیروت)

سوال: ایک شخص اتنا مقروض ہے کہ قرض اس کی تمام جائیداد سے بھی زیادہ ہے تو اس پر صدقہ، ہبہ، خرید وفروخت کی پابندی لگا سکتے ہیں؟

جواب: اگر قرض خواہوں کو ڈر ہے کہ صدقہ وہبہ وبیع کی صورت میں وصولی قرض مشکل ہے اور شکایت کریں تو پابندی لگا سکتے ہیں جبکہ پابندی لگانے والا قاضی اسلام ہو اور ہمارے زمانے میں یہ ذمہ داری گورنمنٹ کی یا شہر کے سب سے بڑے مفتی کی ہے۔ بہار شریعت میں لکھا ہے "صاحبین کے نزدیک ان صورتوں (یعنی مقروض ہونے کی صورت) میں بھی حجر کیا جاسکتا ہے۔اور صاحبین ہی کے قول پر یہاں فتوی دیا جاتا ہے۔"

(بہار شریعت، حجر کا بیان، حصہ 15، صفحہ 201، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

عالمگیری میں ہے "(الباب الثالث في الحجر بسبب الدين) فالحجر بسبب الدين أن يركب الرجل ديون تستغرق أمواله أو تزيد على أمواله فطلب الغرماء من القاضي أن يحجر عليه حتى لا يهب ماله ولا يتصدق به ولا يقر به لغريم آخر فالقاضي يحجر عليه عندهما ويعمل حجره حتى لا تصح هبته ولا صدقته بعد ذلك" (فتاوی ہندیہ، کتاب الحجر، جلد 5، صفحہ 61، دار الفکر، بیروت)

۔۔۔کتاب الغصب۔۔۔

سوال: دوسرے کے مال سے اپنے لئے شے خریدی، تو یہ غصب ہوگا یا قرض؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) جس کا مال ہے اس کی اجازت سے خرچ کیا تو قرض ہے۔واپس کرنا ہوگا

(2) اور اگر اجازت نہیں تھی تو غصب وحرام ہے اس میں بھی واپس کرنا ہوں گے لیکن گناہ گار ہوگا۔ (فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 138، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: قاضی یعنی کوئی گورنمنٹ پولیس آفیسر کے ہاں شکایت کی کہ فلاں شخص قرض نہیں دے رہا تو کیا وہ اس کے مال کو جبراً بغیر اس کی رضا کے قرض خواہ کو دے سکتا ہے؟

جواب: دے سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے "ان کان دینہ دراھم ولہ دراھم قضی القاضی بغیرامرہ وھذابالاجماع لان للدائن حق الاخذ من غیر رضاہ فللقاضی ان یعینہ" ترجمہ: اگر قرض درہم کا ہے اور مقروض کے پاس بھی وہی کرنسی ہے تو قاضی مقروض سے زبردستی لے کر ادا کر سکتا ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کیونکہ قرض خواہ کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مقروض کی مرضی سے زبردستی اپنا قرض وصول کر لے اور بذریعہ قاضی بھی جائز ہے کہ وہ ایک طرح سے اس کی مدد کر رہا ہے۔

(الھدایہ، کتاب الحجر، باب الحجر بسبب الدین، جلد03، صفحہ360، لاہور)

قرض درہم و دنانیر ہی کی جنس سے ہو پھر یہ حکم ہے ایسا نہیں بلکہ کسی بھی طرح کا ہو یہی حکم ہے کہ زبردستی لے سکتے ہیں جیسا کہ اوپر شامی کے حوالہ سے گزرا کہ خلاف جنس پر قابو پانا ان کے زمانوں میں ناجائز تھا نہ کہ ہمارے زمانہ میں۔

سوال: بکر زید کا مقروض تھا۔ زید نے بکر کی موٹر سائیکل یا کوئی اور چیز زبردستی چھین لی اور کہا کہ جب قرض لوٹاؤ گے، موٹر سائیکل لے جانا۔ یہ کیسا ہے؟

جواب: یہ رہن وضمانت وغیرہ کچھ نہیں۔ محض غصب ہے جو کہ جائز نہیں۔ شامی میں ہے "(قولہ وقبضہ) أی بإذن الراھن صریحا أو ما جری مجراہ فی المجلس"

(ردالمحتار، کتاب الرہن، جلد10، صفحہ 81، مطبوعہ کوئٹہ)

ہاں! البتہ اگر اسے اپنے قرض کے عوض میں لیتے تو جتنی مالیت کی تھی اتنا قرض وصول ہو جاتا اور شرعاً بھی کوئی قباحت نہ ہوتی۔ جیسا کہ عالمگیری میں ہے "رجل لہ علی

آخر دین فأخذ من ماله مثل حقه قال الصدر الشهید المختار أنه لا یصیر غاصبا؛ لأنه أخذ بإذن الشرع لکن به یصیر مضمونا علیه؛ لأن هذا طریق قضاء الدین کذا فی المحیط"

(الفتاوی الهندیه، کتاب الغصب، الباب السادس، جلد5، صفحه 135 ، دار الفکر ، بیروت)

سوال: ایک شخص مقروض تھا، قرض خواہ کے دوست نے بتائے بغیر مقروض سے پیسے لئے اوراصل قرض خواہ اپنے دوست کولوٹائے اور جا کر کہا کہ میں بڑے طریقے سے آپ کا قرض نکلوا کر لایا ہوں تو اس کے بارے کیا حکم ہے؟ آیا قرض ادا ہو گیا یا نہیں؟

جواب: اس مسئلے کے اندر مشائخ کا اختلاف ضرور ہے مگر فتوی اسی پر ہے کہ قرض ادا ہو گیا"ولو کان علی رجل دین فأخذ غیر صاحب الدین من المدیون ودفع إلی صاحب الدین اختلف المشایخ فیه قال نصیر بن یحیی یصیر قصاصا عن الدین؛ لأن الآخذ بمنزلة المعین له علی أخذ حقه والفتوی علی هذا القول هکذا فی فتاوی قاضی خان"

(الفتاوی الهندیه، کتاب الغصب، الباب السادس، جلد5، صفحه 135 ، دار الفکر ، بیروت)

---کتاب المزارعت---

سوال: بیج قرض دینا جائز ہے؟

جواب: کسانوں کا ایک دوسرے کو بیج قرض دینا جائز ہے۔ بہار شریعت میں ہے: ایک شخص نے دوسرے کو بیج دیئے اور یہ کہا کہ تم انھیں اپنی زمین میں بو دو اور جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ تمہارا ہے یا یوں کہا کہ اپنی زمین میں میرے بیج سے کاشت کرو جو کچھ پیداوار ہو وہ تمہاری ہے یہ دونوں صورتیں جائز ہیں مگر یہ مزارعت نہیں ہے کیوں کہ پیداوار میں شرکت نہیں ہے

بلکہ اس شخص نے اپنے بیج اسے قرض دیئے اور اگر بیج والے نے مالک زمین سے یہ کہا کہ میرے بیج سے تم اپنی زمین میں کاشت کرو اور جو کچھ پیداوار ہو میری ہے یہ صورت بھی جائز ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی زمین کاشت کے لئے عاریت لی۔

(بہار شریعت، مزارعت کا بیان، جلد03، حصہ 15، صفحہ292، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

۞۔۔۔ کتاب الاضحیۃ ۔۔۔۞

سوال: زید غریب ہے۔ وہ ایک بکرے کا مالک ہے، جس کی قربانی کرنا چاہتا ہے۔ قرض خواہ نے بھی زور دے دیا کہ میرا قرض علی الفور ادا کرو۔ اب زید کے لئے جائز ہے کہ وہ بکرا فروخت کر کے قرض ادا کرے یا قربانی ہی کرنا ہوگی؟

جواب: جائز ہے کہ وہ بکرا بیچ کر قرض ادا کرے، یا پھر اس نے بکرا خریدا تھا مگر قربانی کی نیت سے نہیں خریدا تھا، یا پھر قربانی کی نیت سے ہی خریدا تھا مگر اس پر قربانی واجب تھی تو پھر بھی جائز ہے کہ اسے بیچ کر قرض ادا کر دے کیونکہ اس پر اس بکرے کی قربانی کرنا واجب ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ بکرا خریدا تھا اور عین خریدتے وقت اسے قربانی میں ذبح کرنے کی نیت تھی اور اس شخص پر قربانی واجب نہ تھی تو اب اسی جانور کی قربانی واجب ہونے کی وجہ سے اسے بیچنا جائز نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقير" ترجمہ: کوئی شخص بکری کا مالک ہوا پھر نیت کی کہ اس کو قربانی میں دوں گا۔ یا بکری خریدی لیکن خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ تھی، بعد میں نیت کی کہ اسے قربانی میں ذبح کروں گا تو اس جانور کو قربانی میں ذبح کرنا کچھ واجب نہیں، خواہ غنی ہو یا فقیر۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الاضحیہ، الباب الاول، جلد05، صفحہ 291، مکتبہ کوئٹہ)

سوال: کسی پر قربانی یا زکوۃ یا فطرہ کی ادائیگی لازم ہوئی لیکن ادا نہ کئے حتی کہ ادائیگی سے عاجز آ گیا یعنی کوئی مال واسباب پاس نہ رہا، تو کیا قرض لے کر ادا کرنے کی اجازت ہے؟ یا قرض لے کر ادا کرنا ضروری ہے؟

جواب: اجازت ہے، قربانی وفطرہ واجب تھا، ادا نہ کیا کہ اب مفلس ہو گیا، تو قرض لے کر ان کی ادائیگی ضروری نہیں۔ قرض لے کر ادا کرنا صرف افضل ہے وہ بھی اس صورت میں جبکہ یقین ہو کہ بعد میں قرض واپس کر دوں گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "ولو لم یکن عندہ مال فأراد أن یستقرض لأداء الزکاۃ:ان کا أکبر رأیہ أنہ یقدر علی قضاء ہ فالأفضل الاستقراض والافلا، لأن خصومۃ صاحب الدین أشد" عبارت کا مفہوم وہی ہے جو جواب میں درج ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، مطلب :فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء، جلد03، صفحہ228، کوئٹہ)

سوال: غریب نے قربانی کا جانور لیا۔ جانور مر گیا یا چوری ہو گیا، مزید استطاعت نہیں تو کیا قرض لے کر قربانی دینا ضروری ہے؟

جواب: نہیں! غریب کا جانور مر جائے تو قرض لے کر قربانی دینا کچھ ضرور نہیں۔ بلکہ اب اسے معاف ہے۔ ہدایہ میں ہے "وعلی الفقیر بشرائہ بنیۃ الأضحیۃ فتعینت ، ولا یجب علیہ ضمان نقصانہ کما فی نصاب الزکاۃ ، وعن ھذا الأصل قالوا :إذا ماتت المشترلۃ للتضحیۃ ؛ علی الموسر مکانھا أخری ولا شیء علی الفقیر" ترجمہ: فقیر پر جب قربانی کرنے کی نیت سے جانور خریدے تو اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے اور اسی ہی جانور کی قربانی کرنا واجب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جانور میں عیب

واقع ہونے کی صورت میں فقیر پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔اسی کلیہ کے پیش نظر فقہاء نے فرمایا کہ جانور کو قربانی کے لئے خریدا تھا اگر وہ مرگیا تو امیر پر دوسرا جانور ذبح کرنا لازم ہوگا اور فقیر پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔اس کے تحت عنایہ شرح ہدایہ میں ہے"یعنی کون الوجوب علی الغنی بالشرع لا بالشراء وعلی الفقیر بالعکس۔" ترجمہ:غنی پر قربانی کوشرع نے واجب کیا ہے اس کے برخلاف فقیر پرشرع نے واجب نہ کیا تھا اس نے جانور خرید کر خود اپنے اوپر قربانی واجب کی ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ، کتاب الاضحیۃ،جلد09،صفحہ530،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

(فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الاضحیۃ،جلد09،صفحہ530،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: جس پر لوگوں کے قرضے ہوں کہ اگر ادا کرے تو صاحب نصاب نہیں رہتا۔اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب: جس پر لوگوں کے قرضے ہوں، اتنے کہ ادا کرے تو صاحب نصاب نہیں رہتا اس پر قربانی کرنا واجب نہیں۔فتاوی اہلسنت میں بہار شریعت کے حوالہ سے ہے"اگر کسی پر قرضہ ہے اور اتنی رقم یا مال واسباب موجود ہیں کہ قرض کی ادائیگی کے بعد بھی نصاب کی مقدار (ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی مقدار رقم) بچ جاتی ہے تو اس پر قربانی واجب ہے اور اگر نہ بچے تو واجب نہیں۔"

(فتاوی اہلسنت،سلسلہ نمبر6،قربانی کے مسائل،صفحہ 19،مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

سوال: مقروض قربانی دے تو قربانی قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض اگر قربانی دے تو اسے بھی ثواب ملے گا۔لوگوں میں غلط مشہور ہے کہ مقروض کی قربانی قبول نہیں۔یاد رہے کہ بعض دفعہ مقروض ہونے کے باوجود بھی قربانی

کرنا واجب ہوتا ہے۔ہاں البتہ اگر یہ غنی نہیں تو اس کو چاہیے کہ پہلے قرض ادا کرے۔

فتاوی اہلسنت میں ہے"یہ جاہلانہ خیال ہے کہ مطلقا قرض ہو تو قربانی واجب نہیں۔"(فتاوی اہلسنت،سلسلہ نمبر6،قربانی کے مسائل،صفحہ 19،مکتبۃ المدینہ)

سوال: میری والدہ نے مجھ سے ایک لاکھ روپے قرض لئے تھے جو ابھی تک لوٹائے نہیں ،عید کے ایام میں بھی بڑے ادب سے عرض کی کہ امی جان قربانی کرنی ہے رقم عطا فرمائیں اگرچہ فی الوقت اتنی ہی کہ قربانی کرلوں مگر امی نے کہا ابھی نہیں دے سکتی ،اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں سوائے ماہانہ دو سے تین ہزار خرچہ کے وہ بھی ابو دیتے ہیں تو اب مجھ پر قربانی کا حکم کیا ہے؟

جواب: جب ظن غالب ہو کہ مقروض سے قرض کی ادائیگی کا کہوں گا تو اس قدر لوٹائے گا کہ قربانی کرسکوں گا،یا حصہ ہی ڈال سکوں گا تو اب واجب ہوتا ہے کہ اس سے قرض کا مطالبہ کیا جائے ،جبکہ آپ نے یہ بھی کرلیا اور رقم نہ ملی تو اب آپ پر قربانی واجب نہیں،او رنہ ہی آپ پر یہ واجب کہ قرض لے کر قربانی کرتے اور بعد میں جب رقم ملے تو اس وقت بھی یہ ضروری نہیں کہ آپ جانور جتنی رقم صدقہ کریں۔

یہ مسئلہ تاتارخانیہ کے حوالے سے فتاوی ہندیہ میں ہے"قیل :لعلی بن أحمد لو كان لرجل دين على مقر مفلس هل تحل له الزكاة؟ (قال :لا) فقيل:وهل عليه الأضحية؟فقال:لا ما لم يصل إليه، كذا في التتارخانية .له دين حال أو مؤجل على مقر ملي وليس في يده ما يمكنه شراء الأضحية لا يلزمه أن يستقرض فيضحي، ولا يلزمه قيمتها إذا وصل إليه الدين، لكن يلزمه أن يسأل منه ثمن الأضحية إذا غلب على ظنه أنه يدفعه"یعنی حضرت علی بن احمد سے پوچھا گیا کہ ایک

شخص مفلس مقر شخص پر قرض ہے، کیا ایسے قرضخواہ کا زکوۃ لینا حلال ہے؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا گیا کہ ایسے شخص پر قربانی ہے؟ فرمایا نہیں جب تک کے اسے اس کا قرض مل نہ جائے جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ اگر کسی کا دوسرے شخص پر حالیہ یا مقررہ مدت تک قرض ہو اور وہ قرض لوٹانے کا اقرار بھی کرتا ہو مگر ٹال مٹول کرتا ہو اور قرضخواہ کے پاس کوئی پیسہ نہیں کہ قربانی کا جانور خرید سکے تو اس پر لازم نہیں ہے کہ قرض لے کر قربانی کرے اور نہ ہی قرض واپس ملنے پر اس پر لازم ہوگا کہ قربانی کے جانور جتنی قیمت صدقہ کرے۔ البتہ اگر اسے غالب گمان ہے کہ مقروض سے قربانی کے جانور جتنی رقم مل جائے گی تو لازم ہے کہ اتنی رقم لے کر قربانی کرے۔ (الفتاوی الهندیة، کتاب الاضحیة، الباب التاسع، جلد5، صفحه 307، بیروت)

فتاوی بزازیہ میں ہے: "له دين حال على مقر وليس عنده ،مايشتريها به لايلزمه الاستقراض ولا قيمة الاضحية اذا وصل الدين اليه ولكن يلزمه ان يسال منه ثمن الاضحية اذا غلب على ظنه انه يعطيه " ترجمہ: صاحب نصاب کا کسی ایسے شخص پر قرض فوری ہے جس کا وہ اقرار کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی شئی نہیں کہ جس سے وہ قربانی کے لیے جانور خرید سکے تو اس کے لیے قربانی کے لیے قرض لینا لازم نہیں اور نہ ہی قرض واپس ملنے پر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنا لازم، لیکن اس کے لیے قربانی کی قیمت جتنی رقم کا سوال کرنا اس کے لیے لازم ہے جبکہ اس کو ظن غالب ہو کہ وہ دے دے گا۔ (فتاوی بزازیه، جلد2، صفحه406، قدیمی کتب خانه، کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے: "ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب، وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيامه" ترجمہ: اگر کسی شخص پر اتنا دین ہو کہ وہ اپنا مال اس دین کی ادائیگی میں صرف کرے تو نصاب باقی نہ رہے

تو اس پر قربانی نہیں ہے اسی طرح جس شخص کا مال اس کے پاس موجود نہیں اور قربانی کے ایام میں وہ مال اسے ملے گا بھی نہیں (بلکہ ایام قربانی کے بعد ملے گا تو اس پر بھی قربانی واجب نہیں)۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الاضحیۃ، جلد5، صفحہ292، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "اوس شخص پر دَین ہے اور اوس کے اموال سے دَین کی مقدار مُجرا کی جائے تو نصاب نہیں باقی رہتی اوس پر قربانی واجب نہیں اور اگر اس کا مال یہاں موجود نہیں ہے اور ایامِ قربانی گزرنے کے بعد وہ مال اوسے وصول ہوگا تو قربانی واجب نہیں۔

(بہار شریعت، اضحیہ کا بیان، جلد3، حصہ 15، صفحہ 333، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

۞۔۔۔ کتاب الحظر والاباحۃ ۔۔۔۞

☆۔۔باب اول: کھانے پینے کا بیان۔۔☆

سوال: شادی پر کھانے کے اہتمام کی وجہ سے سودی قرض لیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کھانا تو حرام نہیں ہے۔ ہاں جسے معلوم ہو اسے چاہیے کہ نہ کھائے۔ اس طرح قرض لینا ضرور حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ268، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

☆۔۔باب دوم: ولیمہ وضیافت کا بیان۔۔☆

سوال: قرض لے کر ولیمہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: معلوم ہے بعد میں ادا کر سکوں گا تو سنت ولیمہ کے لئے قرض لینا جائز ہے۔

☆۔۔باب سوم: خبر کا بیان۔۔☆

سوال: باپ نے بازار میں کسی کو قرض دیا ہوا تھا جس کا علم کسی کو بھی نہ تھا۔ بازار میں ایک شخص جو والد صاحب کا دوست تھا اس نے کہا کہ تمہارے والد نے فلاں شخص کو قرض دیا تھا

وہ لے لینا۔آیا اس کی یہ بات قابل قبول ہوگی اور اس شخص کے کہنے کی وجہ سے اس شخص سے قرض کا تقاضہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟]

جواب: اس شخص کی بات نہیں مانی جائے گی کہ یہ مسئلہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور اس میں صورت الزام ہے یعنی کسی پر کچھ لازم کرنا ہے اور ایسی صورت حال میں ایک فرد کی نہیں بلکہ دو افراد کی بات قابل قبول ہوگی جنہوں نے ان کے والد کو قرض دیتے ہوئے باقاعدہ دیکھا ہو۔لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص سے تقاضہ کرنا درست نہیں اور اگر کریں تو ان پر دو گواہ پیش کرنا لازم ہے۔اور اگر دو گواہ ایسے نہیں کہ جنہوں نے ان کے والد کو قرض دیتے ہوئے دیکھا ہو تو جس شخص پر دعوی ہے وہ قسم کھالے کہ مجھے تمہارے باپ نے قرض نہ دیا تھا اور نہ ہی میں نے ان کا کچھ دینا ہے تو وہ بری ہے۔فصول الحواشی میں ہے" خبر الواحد حجة فی اربعة مواضع خالص حق اللہ تعالیٰ مالیس بعقوبة و خالص حق العبد مافیه الزام محض وخالص حقه مالیس فیه الزام و خالص حقه مافیه الزام من وجه اما الاول فیقبل فیه خبرا لواحد فان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل شهادة الاعرابی فی هلال رمضان وهو خالص حق اللہ تعالیٰ ولیس بعقوبة فمثل عامة شرائع العبادات مثل الصلوة والصوم وماشابههمامثل الوضوء والعشر وصدقة الفطر یقبل فی کلهاخبر الواحد علی ماقلنامن شرائطه عند الجمهور وزعم بعض العلماء انه لایقبل خبر الواحد فیماهو ابتداء عبادة یقبل فیماهو مفروع عنهالان خبر الواحد دلیل لاقوة فیه فجاز ان یعمل فیمالیس فیه قوة وهو الفرع وللجمهور ان المقصود من العبادات هو العمل

اصلا کانت العبادة او فرعافیجب العمل فیهمابالدلائل الموجبة للعمل ویؤیده

انہ علیہ الصلوۃ والسلام قبل شہادۃ الاعرابی فی ھلال رمضان واماالثانی فیشترط فیہ العدد والعدالۃ ونظیرہ المنازعات وھو ماکان خالص حق العبد وفیہ الزام محض وھی المنازعات کالبیوع والاشریۃ والاملاک المرسلۃ بان ادعی احد علی اخر انہ باع ھذاالعبد او اشتری ذلک او ان لہ الف علیہ فانہ یشترط فیہ العدد والعدالۃ بالنصوص من الکتاب والسنۃمثل قولہ تعالیٰ واستشھدواشھیدین من رجالکم وقولہ تعالیٰ واستشھدواذوی عدل منکم ولان المنازعۃ قائمۃ بین اثنین بخبرین متعارضین من الدعوی والانکارفلم یقع الفصل والرجحان بجنسہ من خبرہ بل یخبرظھرت لہ مزیۃ علی غیرہ من یمین او شھادۃ وطمانیۃ القلب الی قول اثنین اکثر وھذا ای اشتراط العدد انماھوفیماامکن ان یطلع الرجال علیہ واما فیمالا یمکن ان یطلع الرجال علیہ مثل البکارۃ والولاۃ وعیوب النساء التی لایطلع الرجال علیہ فان شھادۃ المرءۃ الواحدۃ فیھامقبولۃ فاذن یشکل قول المصنف یشترط فیہ العدد علی الاطلاق، واماالثالث فیقبل فیہ خبر الواحد عدلا کان اوفاسقاونظیرہ المعاملات وھو من حقوق العباد مالیس فیہ الزام کالوکالات والمضاربات والشرکات والرسالات فی الھدایاوالاذن فی التجارات اما الرابع فیشترط فیہ اما العدد او العدالۃ عند ابی حنیفۃ ونظیرہ الحجر والعز وھو من خالص حق العبد ففیہ الزام من وجہ دون وجہ فیشترط فیہ احد شطرین الشھادۃ۔" ترجمہ:

خبر واحد چار صورتوں میں قابل قبول ہے پہلی یہ کہ خبر خالص حق اللہ کے بارے میں ہو اور عقوبت سے خالی ہو، خالص حقوق العباد کے متعلق ہو اور اس میں الزام محض ہو یا بالکل الزام

کی کوئی صورت نہ ہو یا پھر من وجہ الزام ہو، پہلی صورت میں ایک شخص کی خبر بھی قابل قبول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے چاند کی رویت کے متعلق ایک اعرابی کی گواہی کو قبول کیا جو کہ خالص حق اللہ ہے اور اس میں عقوبت بھی نہیں یہی حال نماز روزہ وغیرہ کا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اصل عبادت میں قابل قبول نہیں البتہ جو عبادت کی فرع ہو اس میں قبول کر لی جائے کیونکہ خبر واحد دلیل قوی نہیں تو چاہیے کہ اس کو اس شئی کے بارے قبول کیا جائے جو خود قوی نہ ہو اور وہ عبادت کی فرع ہے جبکہ جمہور علماء کا کہنا ہے عبادات سے مقصود عمل کرنا ہوتا ہے خواہ وہ عبادت اصلی ہو یا فرعی پس دونوں میں دلائل کی موجودگی میں عمل کرنا واجب ہے جس کی تائید سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہوتی ہے کہ آپ نے ہلال رمضان میں اعرابی کی گواہی کو قبول کیا۔ دوسری صورت اس میں عدد یعنی دو گواہ ہونا اور عادل ہونا ضروری ہے اس کی مثال منازعات یعنی لڑائی جھگڑے ہیں اور یہ وہ صورت ہے جو خاص بندوں کے حق سے متعلق ہے جس میں الزام کی صورت پائی جاتی ہے جس میں خرید و فروخت وغیرہ کی صورتیں ہیں جیسا کہ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو غلام بیچا ہے اور اس سے ہزار روپیہ لینا ہے اگر اس کو ثابت کرنے کی ضرورت پڑی تو دو عاقل بالغ آزاد مسلمان عادل کی حاجت ہوگی۔ تیسری قسم جس میں فرد واحد کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی قطع نظر اس کے کہ وہ عادل ہے یا فاسق، اس کی مثال معاملات ہیں جیسا کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ فلاں نے تجھے وکیل کیا ہے اس کو قبول کرنے میں خبر دینے والے کا عادل ہونا ضروری نہیں فاسق بھی اس طرح کی خبر دے تو ماننے میں حرج نہیں۔ چوتھی صورت میں یا تو عدد ہو یعنی دو گواہ ہو یا پھر ایک ہی لیکن شرط ہے کہ عادل ہو اگر خبر دے تو مان لی جائے گی کیونکہ اس میں ایک جہت سے الزام ہے اور ایک جہت سے

نہیں ہے۔ (فصول الحواشی لاصول الشاشی ،صفحہ 72-371،مکتبہ الحرم،لاہور)

☆۔باب چہارم: انگوٹھی وزیورات کا بیان۔☆

سوال: سونے وچاندی کے زیورات یا کوئی بھی شے قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: سونا وچاندی اوران سے تیارشدہ ہرطرح کی چیز کا قرض جائز ہے۔

☆۔باب پنجم: خریدوفروخت کا بیان۔☆

سوال: زید پرایک لاکھ روپیہ قرض ہے وہ چکانے پر قادر نہیں۔اس نے اپنے قرض خواہ بکر سے کہا کہ آپ پچاس ہزار کی میری فلاں شے رکھ لیں تیس ہزار کی کتابیں رکھ لیں اور بیس ہزار نقد لیں،کیا اس طرح ہوسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بالکل ہوسکتا ہے کسی بھی شے کو اپنے قرض کے عوض میں دے سکتے ہیں جبکہ قرض خواہ اس شے کو لینے پر راضی ہو کہ شرعا یہ خرید وفروخت کے زمرے میں داخل ہے ۔ردالمحتار میں ہے"طالب مدیونہ فبعث إلیہ شعیرا قدرا معلوما وقال:خذہ بسعر البلد والسعر لھما معلوم کان بیعا"

(ردالمحتار،کتاب البیوع،جلد07،صفحہ28،مکتبہ رشیدیہ ،کوئٹہ)

سوال: کسی کا دیوالیہ ہوگیا۔اس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں سوائے چند ایک چیزوں کے جسے اس نے خریدا ہے۔اور ابھی ان کی قیمت بھی دینی ہے۔اب یہ چیزیں بائع یعنی جس سے خریدی اسے واپس کی جائیں گی یا قرض خواہوں کو دیکر قرض میں منہا کی جائیں؟

جواب: بائع کو واپس نہ کی جائیں گی اور نہ ہی انہیں بیچ کر فقط بائع کو رقم دی جائے گی بلکہ اس میں قرض خواہ بھی شریک ہوں گے اور بائع کو اس کے حصہ کے مطابق دی جائے

گی۔ہاں اگر خریدنے کے بعد اس نے ان چیزوں پر ابھی قبضہ نہیں کیا یا پھر قبضہ کیا مگر بیچنے والے کی اجازت کے بغیر کیا تو پھر ان چیزوں پر صرف بیچنے والے کا حق ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں''ایک شخص مفلس (دیوالیا) ہوگیا اور اس کے پاس کچھ وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے خریدا ہے اور ثمن بائع کو نہیں دیا ہے تو یہ چیز تنہا بائع کو نہیں ملے گی بلکہ اس میں دیگر قرض خواہ بھی شریک ہیں جتنی بائع کے حصہ میں آئے اتنی ہی لے سکتا ہے اور اگر اس نے اب تک اس چیز پر قبضہ ہی نہیں کیا ہو یا بغیر اجازت بائع قبضہ کر لیا ہے تو تنہا بائع اس کا حقدار ہے۔''

(بہارشریعت، کتاب الحجر، جلد03، حصہ 15، صفحہ 203، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆۔۔باب ششم: آداب مسجد وقبلہ کا بیان۔۔☆

سوال: مسجد میں اپنے مقروض سے قرض کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! مسجد میں قرض خواہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے جبکہ آداب مسجد کا خیال رکھا جائے۔حدیث میں ہے ''وعن کعب بن مالك انه تقاضى ابن ابى حدرد دينا له عليه فى عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المسجد'' ترجمہ: کعب بن مالک نے ابن ابی حدرد سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر اپنے قرض کا مطالبہ کیا تھا۔

(شرح طیبی، کتاب البیوع، باب الافلاس، جلد06، صفحہ 110، کراچی)

☆۔۔باب ہفتم: ظلم کا بیان۔۔☆

سوال: مقروض کے علاوہ دوسرے سے جو مقروض کا تعلق والا ہو یعنی اس کا دوست ورشتے دار وغیرہ، اس سے جبراً قرض وصول کرنا کیسا ہے جبکہ اس نے ادا کی کچھ ضمانت نہ لی تھی۔

جواب: مقروض کے رشتہ داروں سے زبردستی قرض وصول کرنا ظلم وغصب اور سخت حرام ہے۔قرض جس سے لینا ہے اسی سے لیا جائے گا دوسرا بلاوجہ شرعی ماخوذ نہ ہوگا۔اللہ ارشاد فرماتا ہے﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے۔

(سورۃ الانعام،آیت164)

سوال: قرضہ کی وصولی کے لئے مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ بھی مقروض سے لیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: قرضہ کی وصولی کے لئے مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ لینا ناجائز وحرام اور مسلمان پر ظلم ہے۔

(فتاوی رضویہ،جلد19،صفحہ440،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

☆۔۔باب ہشتم:سلوک کرنے کا بیان۔۔☆

سوال: کچھ قرض معاف کرنا اور باقی واپس لینا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے اور اچھی بات ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن سلوک ونیکی ہے۔فتاوی خلیلیہ میں ہے:"جب کہ بکر نے اپنے قرض کی رقم مبلغ ایک ہزار روپے معاف کرکے بقایا رقم وصول کرلی تو یہ صورت جائز ہے۔"

(فتاوی خلیلیہ،جلد03،صفحہ115،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،پاکستان)

سوال: اگر معلوم ہے کہ مقروض غربت یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے قرض نہ دے گا تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اگر معلوم ہے کہ اس سے قرض لینے کی کوئی سبیل نہیں تو بہتر ہے کہ اسے معاف کردیا جائے تاکہ آپ کی وجہ سے کوئی مسلمان آخرت کے عذاب میں گرفتار نہ ہو۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"مدیوں سے دین وصول ہونے کی اُمید نہ ہو تو اُس

پر دعوی کرنے سے یہ بہتر ہے کہ معاف کر دے کہ وہ عذاب سے بچ جائے گا اور اس کو ثواب ملے گا۔"

(بہار شریعت، ہبہ کا بیان، متفرق مسائل، جلد03، صفحہ 101، مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

سوال: میاں بیوی کا ایک دوسرے کو قرض لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میاں بیوی کا ایک دوسرے کو قرض دینا جائز ہے کہ اپنی ملک میں تصرف ہے اور بہتر تو یہی ہے کہ قرض کی بجائے تحفہ دے تا کہ آپس میں پیار و محبت بڑھے اور شوہر کے واسطے آسانی ہو۔ المبسوط میں ہے:" التصرف فی ملکه مباح له مطلقا"

(المبسوط، کتاب الدیات، باب النہر، جلد27، صفحہ26، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سوال: شرابی و زانی کو قرض دینا کیسا ہے؟

جواب: شرابی و زانی کو بھی قرض دینا جائز ہے کہ انسان کا اپنا مال ہے اور اپنے مال میں جائز تصرف مطلقا جائز ہے۔ اور اگر اس وجہ سے نہ دیا جائے کہ یہ شرابی و زانی ہے تا کہ اسے غیرت آئے کہ میری بے غیرتی کی وجہ سے لوگ مجھے منہ نہیں لگاتے تو اچھی بات ہے۔ المبسوط میں ہے "التصرف فی ملکه مباح له مطلقا۔"

(المبسوط، کتاب الدیات، باب النہر، جلد27، صفحہ26، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور اگر معلوم ہے کہ قرض اس وجہ سے مانگ رہا ہے کہ اس کے پاس شراب و زنا کرنے کے لئے پیسے نہیں تو اب بالکل نہ دے کہ اس نیت سے دینا بھی جائز نہیں۔

☆۔۔باب نہم: ایصال ثواب کا بیان۔۔☆

سوال: ایصال ثواب کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ایصال ثواب کا اہتمام کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے۔

سوال: میں نے ایک شخص کے لاکھ روپے دینے تھے وہ فوت ہوگیا۔کیا میں اس کے ایصال ثواب کے لئے وہ رقم کسی مدرسہ وغیرہ میں دے سکتا ہوں؟

جواب: ہرگز نہیں دے سکتے کہ ناجائز ہے،اس کے ورثاء کو دینا لازم ہے۔تفہیم المسائل میں ہے''ایک لاکھ روپے کسی خیراتی ادارے کو دیئے جائیں اس کا شرعا آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔یہ اردو محاورہ کے مطابق''حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ''والی بات ہو جائے گی۔یہ سارا مال اب مرحومہ کا ترکہ ہے جو اس کے وارثین میں تقسیم ہوگا۔''

(ملخص از تفہیم المسائل،جلد02،صفحہ320،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

☆۔۔دسواں باب :رسم ورواج کا بیان۔۔☆

سوال: نیوتا جسے نیوندرا بھی کہتے ہیں،کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: نیوتا کی دو صورتیں ہیں:۔ایک صورت میں یہ قرض ہے اور ایک صورت میں یہ ہدیہ ہے۔جن برادریوں میں نیوتا کو باقاعدہ لکھا جاتا ہے اور واپسی نہ ہونے پر مطالبہ کیا جاتا ہے وہاں یہ قرض ہے۔فتاوی رضویہ میں ہے:''اب جو نیوتا دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے۔اگر رہ گیا تو مطالبہ رہے گا اور بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا''و المسئلة فی الفتاوی الخیریة''(اور یہ مسئلہ فتاوی خیریہ میں موجود ہے۔)۔''

(فتاوای رضویہ،جلد23،صفحہ586،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

جن برادریوں میں مطالبہ نہیں،وہاں یہ ہدیہ ہے۔اسی طرح جو دوست دیں وہ بھی ہدیہ ہے جیسا کہ مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''جن لوگوں میں برادری نظام ہے ان میں نیوتا قرض ہی شمار کیا جاتا ہے،وہ لکھ کر رکھتے ہیں کس نے کتنا دیا ہے۔اس کے یہاں شادی ہونے کی صورت میں اتنا ہی واپس کرتے ہیں۔ان برادریوں

میں نیوتا قرض ہی سمجھا جاتا ہے۔

(وقارالفتاوی، جلد3،صفحہ116،بزم وقارالدین ، کراچی)

سوال: نیوتا سے زائد لینا دینا کیسا ہے؟

جواب: جن برادریوں میں یہ قرض ہے وہاں زائد لینا دینا سود ہے، جو سخت حرام ہے۔ لہٰذا کم یا زیادہ نہیں کر سکتے۔ اصل سے زیادہ دیں گے تو وہ زیادتی سود شمار ہوگی۔ اور جن برادریوں میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے یا غیر برادری کے لوگ دوستی، تعلقات اور عقیدت کی وجہ سے شادی میں کچھ دیتے ہیں وہ ہدیہ ہے۔''

(وقارالفتاوی، جلد3،صفحہ116،بزم وقارالدین ، کراچی)

سوال: کسی نے بہن، بھائی، باپ، ماں، بیوی، دوست، استاد، پیر یا کسی بھی عزیز کو کچھ رقم دی تو کیا یہ قرض ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح چند بھائی بہن ایک جگہ رہتے ہوں، ان کا کھانا پکانا اکٹھا ہو، کسی نے دوسرے کے پیسے استعمال کر لئے تو کیا وہ قرض ہوں گے یا نہیں؟

جواب: ان مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے، اگر دیتے وقت صاف صاف کہہ دے مثلاً تحفہ یا قرض ہے جب تو جو کہا وہی ہے اور اگر ویسے ہی دے دیے کچھ نہیں بتایا تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے۔ اگر کہے: میں نے قرض دیا تھا اور اس پر قسم اٹھا لے تو مان لیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف کہے مثلاً دینے والا کہتا ہے کہ بطور قرض دیا تھا اور لینے والا کہتا ہے نہیں بطور ہبہ (تحفہ) دیا تو تحفہ ثابت کرنے کے لئے دو گواہ لانے ہوں گے۔ فقیہ النفس امام قاضی خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"دفع الی غیرہ دراھم فانفقھا وقال صاحب الدراھم اقرضتکھا وقال القابض لابل وھبتنی کان القول قول صاحب

الـــــدراهــــــم۔" ترجمہ: کسی نے دوسرے کو دراہم دیے اس نے خرچ کر ڈالے، دینے والا کہتا ہے کہ میں نے قرض دیا تھا جبکہ لینے والا کہتا ہے تو نے مجھے ہبہ یعنی تحفہ میں دے تھے ،تو بات اس کی مانیں گے جس نے دیے تھے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے۔

(فتاوی قاضی خان ، کتاب النکاح،فصل فی حبس المرأۃ ،جلد1، صفحہ392، کوئٹہ)

(جامع الفصولین،فصل 34،جلد02،صفحہ217،اسلامی کتب خانہ کراچی)

سوال: لیکن اگر وہاں عرف ورواج یہی ہو کہ مذکورہ افراد کو جو رقم دی جاتی ہے وہ واپس نہیں لیتے یا جس طور پر اس نے دی وہ قرض شمار نہیں ہوتا۔اب اگر کہے: میں نے قرض دیا تھا اور واپسی کا مطالبہ کرے تو پھر بھی اس کی بات کا اعتبار کریں گے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں قرائن ودلائل یعنی جس طرح اس نے دیا تھا اگر اس طرح دینا ان کے ہاں ایسا ہو کہ واپس نہیں کیا جاتا جیسے کہ چند بھائی اکٹھے رہتے ہوں،ایک نے دوسرے کے پیسے خرچ کر لئے اور یہ خرچ کرنا ان کے درمیان رائج ہو کہ جو چاہتا ہے دوسرے کی رقم خرچ کر لیتا ہے اور تقاضہ نہیں کرتا تو اب اس کو قرض نہیں کہیں گے،اسی طرح شوہر و بیوی کے مابین جو ایک دوسرے کی اشیاء بلانکیر استعمال کرنے کا رواج ہے،یہ قرض نہیں ہوتا۔اور اگر اس صورت میں جس کی رقم خرچ ہوئی،وہ کہے کہ قرض ہے تو اب اس کی بات بغیر گواہوں کے قبول نہیں ہوگی۔ برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں"(من بعث الی امرأته شیئا فقالت هو هدیة وقال الزوج هو من المهر فالقول قوله) لانه هو المملك فكان اعرف بجهة التملیك كیف وان الظاهر انه یسعی فی اسقاط الواجب(الا فی الطعام الذی یؤكل) فان القول قولها او المراد منه مایكون مهیأ للاكل لانه یتعارف هدیة۔" عبارت کا مفہوم جواب سے

واضح ہے۔ (ہدایہ، کتاب النکاح، باب المہر، جلد02، صفحہ357، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"کذا مایعطیھا من ذلك او من دراھم اودنانیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبیحۃ فان کل ذلك تعورف فی زمانھا کونہ ھدیۃ" ترجمہ: یونہی شب زفاف کی صبح کو جو درہم یا دینار دیے جاتے ہیں ان کو عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ ہدیہ ہونے پر عرف بن چکا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المہر، مطلب فیمایرسلہ الی، جلد4، صفحہ300، کوئٹہ)

سوال: زید نے اپنے بیٹے و بیٹی کی شادی کی تقریب کرنی ہے۔ اور آج کل شادی کے جو اخراجات ہیں وہ سب پر سورج کی طرح روشن ہیں کہ کئی تولے سونا، بری کے کپڑے، جہیز اور ولیمہ میں کئی قسم کی ڈشوں کا اہتمام کرنے کے اخراجات کے علاوہ اور کئی رسوم ہیں جن کے لئے لاکھوں لاکھ روپیہ کی حاجت ہے۔ لیکن اتنی پاس رقم نہ ہو تو قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: شادی بیاہ کے لئے قرض لینا جائز ہے جبکہ سودی نہ ہو۔ البتہ لینے سے قبل اچھی طرح غور کر لیا جائے، کہیں کل ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ملفوظات امجدیہ

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "شادیوں میں طرح طرح کے رسمیں برتی جاتی ہے ہر ملک میں نئے نئے رسوم ہر قوم و خاندان کے رواج اور طریقے جداگانہ جو رسمیں ہمارے ملک میں جاری ہیں ان میں بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رسوم کی بنا عرف پر ہے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اُسے حرام و ناجائز نہیں کہہ سکتے کھینچ تان کر

ممنوع قرار دینا زیادتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اسی حد تک کر سکتا ہے کہ کسی فعل حرام میں مبتلا نہ ہو۔ بعض لوگ اسقدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہو گا کہ رسوم چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگتے طرح طرح کی فکریں کرتے۔ اس خیال میں کہ کہیں سے مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ قرض لے کر رسوم کو انجام دیتے ہیں۔ یہ ظاہر کہ مفلس کو قرض دے کون؟ پھر جب یوں قرض نہ ملا تو بنیوں کے پاس گئے اور سودی قرض کی نوبت آئی سود لینا جس طرح حرام اسی طرح دینا بھی حرام حدیث میں دونوں پر لعنت آئی اللہ اور رسول کی لعنت کے مستحق ہوتے اور شریعت کی مخالفت کرتے ہوتے مگر رسم چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ پھر اگر باپ دادا کی کمائی ہوئی کچھ جائداد ہے تو اُسے سودی قرض میں مکفول کیا ورنہ رہنے کا جھونپڑا ہی گِروی رکھا تھوڑے دنوں میں سود کا سیلاب سب کو بہا لے گیا۔ جائداد نیلام ہو گئی مکان بنیے کے قبضہ میں گیا در بدر مارے مارے پھرتے ہیں نہ کھانے کا ٹھکانہ نہ رہنے کی جگہ اسکی مثالیں ہر جگہ بکثرت ملیں گی کہ ایسے ہی غیر ضروری مصارف کی وجہ سے مسلمانوں کی بیشتر جائدادیں سود کی نذر ہو گئیں پھر قرضخواہ کے تقاضے اور اُسکے تشدد آمیز لہجہ سے رہی سہی عزت پر بھی پانی پڑ جاتا ہے۔ یہ ساری تباہی بربادی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر اب بھی عبرت نہیں ہوتی اور مسلمان اپنی فضول خرچیوں سے باز نہیں آتے یہی نہیں کہ اس پر بس ہو اس کی خرابیاں اسی زندگی دنیا ہی تک محدود ہوں بلکہ آخرت کا وبال الگ ہے۔ بموجب حدیث صحیح لعنت کا استحقاق۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اکثر جاہلوں میں رواج ہے کہ محلہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید برآں عورت کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق وہجر ووصال کے اشعار یا گیت۔ جو عورتیں اپنے گھروں میں چلا کر بات کرنا پسند نہیں کرتیں گھر سے باہر آواز جانے کو معیوب جانتی ہیں ایسے موقعوں پر وہ بھی شریک ہو جاتی ہیں گویا ان کے نزدیک گانا کوئی عیب ہی نہیں کتنی ہی دُور تک آواز جائے کوئی حرج نہیں۔ نیز ایسے گانے میں جوان کنواری لڑکیاں بھی ہوتی ہیں ان کا ایسے اشعار پڑھنا یا سننا کس حد تک ان کے دبے جوش کو ابھارے گا اور کیسے کیسے ولولے پیدا کرے گا اور اخلاق وعادات پر اس کا کہاں تک اثر پڑے گا۔ یہ باتیں ایسی نہیں جن کے سمجھانے کی ضرورت ہو ثبوت پیش کرنے کی حاجت ہو۔ نیز اسی ضمن میں رتجگا بھی ہے کہ رات بھر گاتی ہیں اور گلگلے پکتے ہیں۔ صبح کو مسجد میں طاق بھرنے جاتی ہیں۔ یہ بہت سی خرافات پر مشتمل ہے۔ نیاز گھر میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر مسجد ہی میں ہو تو مرد لے جا سکتے ہیں عورتوں کی کیا ضرورت پھر اگر اس رسم کی ادا کے لئے عورت ہی ہونا ضرور ہو تو اس جمگھٹے کی کیا حاجت۔ پھر جوانوں اور کنواریوں کی اس میں شرکت اور نامحرم کے سامنے جانے کی جرأت کس قدر حماقت ہے۔ پھر بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا کہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے چلتی ہیں تو وہی گانا بجانا ساتھ ہوتا ہے اسی شان سے مسجد تک پہنچتی ہیں ہاتھ میں ایک چومک ہوتا ہے یہ سب ناجائز۔ جب صبح ہو گئی چراغ کی کیا ضرورت اور اگر چراغ کی حاجت تو مٹی کا کافی ہے آٹے کا چراغ بنانا اور تیل کی جگہ گھی جلانا فضول خرچی ہے۔ دولھا، دلھن کو بٹنا لگانا، مائیوں بٹھانا جائز ہے ان میں کوئی حرج نہیں۔ دولھا کو مہندی لگانا ناجائز ہے۔ یونہی کنگنا باندھنا، دال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز۔ دولھا کو

ریشمی کپڑے پہنانا حرام یونہی مغرق جوتے بھی ناجائز اور خالص پھولوں کا سہرا جائز۔ بلاوجہ ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔ ناچ باجے آتش بازی حرام ہیں۔ کون اس کی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے بے باک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ محرمات نہ ہوں تو اُسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک تو گناہ ہے اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے مجموعہ کے برابر اس پر گناہ کا بوجھ۔ آتشبازی میں کبھی کپڑے جلتے کبھی کسی کے مکان یا چھپر میں آگ لگ جاتی ہے کوئی جل جاتا ہے۔ ناچ میں جن فواحش و بدکاریوں اور مخرب اخلاق باتوں کا اجتماع ہے ان کے بیان کی حاجت نہیں ایسی ہی مجلسوں سے اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں۔ دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں۔ بازاریوں سے تعلق اور گھر والی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیسے بُرے بُرے نتائج رونما ہوتے ہیں اور اگر ان بیہودہ کاریوں سے کوئی محفوظ رہا تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ حیاوغیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ بعضوں کو یہاں تک سنا گیا ہے کہ خود بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ جوان بیٹیوں کو دکھاتے ہیں۔ ایسی بدتہذیبی کے مجمع میں باپ بیٹے کا ساتھ ہونا کہاں تک حیاوغیرت کا پتا دیتا ہے، شادی میں ناچ باجے کا ہونا بعض کے نزدیک اتنا ضروری امر ہے کہ نسبت کے وقت طے کر لیتے ہیں کہ ناچ لانا ہوگا ورنہ ہم شادی نہ کریں گے۔ لڑکی والا یہ نہیں خیال کرتا کہ بیجا صرف نہ ہو تو اُسی کی اولاد کے کام آئے گی۔ ایک وقتی خوشی میں یہ سب کچھ کر لیا مگر یہ نہ سمجھا کہ لڑکی جہاں بیاہ کر گئی وہاں تو اب اُس کے بیٹھنے کا بھی ٹھکانہ نہ رہا۔ ایک مکان تھا وہ بھی سود میں گیا اب تکلیف ہوئی تو میاں بی بی میں لڑائی ٹھنی اور اس کا سلسلہ دراز ہوا تو اچھی خاصی جنگ قائم ہوگئی۔ یہ

شادی ہوئی یا اعلانِ جنگ۔ہم نے مانا کہ یہ خوشی کا موقع ہے اور مدت کی آرزو کے بعد یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے بے شک خوشی کرو مگر حد سے گزرنا اور حدودِ شرع سے باہر ہو جانا کسی عاقل کا کام نہیں۔ولیمہ سنت ہے بہ نیت اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ولیمہ کرو خویش واقارب اور دوسرے مسلمانوں کو کھانا کھلاؤ۔بالجملہ مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے ہر کام کو شریعت کے موافق کرے اللہ ورسول کی مخالفت سے بچے اسی میں دین ودنیا کی بھلائی ہے۔

(بہارشریعت،نکاح،شادی کے رسوم،حصہ 7،صفحہ104-106،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆۔۔گیارھواں باب:کسب کابیان۔۔☆

سوال: قرض اتارنے کے لئے رقم نہیں ،تو کیا جو کما کر قرض ادا کرنے کی طاقت رکھنے والے کا لوگوں سے مانگنا کیسا ہے؟

جواب: کسب پر قادر شخص کا بقدر ادائیگی قرض کمانا واجب ہے،قرض ادا کرنے کے لئے لوگوں سے مانگنا جائز نہیں۔کتاب الکسب میں ہے"فإن كان عليه دين فالاكتساب بقدر ما يقضي به دينه فرض عليه لأن قضاء الدين مستحق عليه عينا قال صلى الله عليه وسلم الدين مقضي وبالاكتساب يتوصل إليه"

(کتاب الکسب،صفحہ57،دمشق)

---کتاب الرھن(گروی)---

رہن میں قرض کے مسائل سمجھنے کے لئے رہن، راہن، مرتہن، مرہون وغیرہ کسے کہتے ہیں اس کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ اس کے بغیر عام قاری کو کچھ سمجھ نہ آئے گا لہٰذا پہلے ان کی تعریفات کو آسان کر کے بیان کیا جاتا ہے۔

☆۔۔فصل اول:رھن کی تعریف وفائدہ جواز۔۔☆

رہن کا لغوی معنی روکنا ہے۔شرعی معنی یہ ہے کہ دوسرے کے مال کو اپنے پاس اس لئے رکھ لینا تا کہ دیئے ہوئے قرض کو وصول کرنا ممکن ہو۔اردو میں اسے گروی کہتے ہیں۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"لغت میں رہن کے معنی روکنا ہیں اس کا سبب کچھ بھی ہو۔اوراصطلاح شرع میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لئے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کلا یا جزء وصول کرنا ممکن ہو۔مثلاً کسی کے ذمہ اس کا دَین(قرض)ہے۔اس مدیون(مقروض)نے اپنی کوئی چیز دائن(قرض خواہ)کے پاس اس لئے رکھ دی ہے کہ اُس کو اپنے دَین کو وصول پانے کے لئے ذریعہ بنے۔رہن کو اُردو زبان میں گروی رکھنا بولتے ہیں۔

مرہون کی تعریف

جو چیز قرض خواہ کے پاس رکھ کر قرض لیا جائے اس رکھی ہوئی شے کو رہن یا مرہون وگروی کہتے ہیں۔مفتی صاحب لکھتے ہیں"کبھی اُس چیز کو بھی رہن کہتے ہیں جو رکھی گئی ہے اس کا دوسرا نام مرہون ہے۔

راہن کی تعریف

جو چیز رکھ کر قرض لے اس کو راہن کہتے ہیں۔مفتی صاحب لکھتے ہیں"چیز کے

رکھنے والے کو راہن۔“

مرتہن کی تعریف

جو ضمانت کے طور پر اپنے پاس کوئی چیز سونا و چاندی وغیرہ رکھ کر لوگوں کو قرض دیتا ہے اسے مرتہن کہتے ہیں۔ صدر الشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں: ”اور جس کے پاس رکھی گئی اُس کو مرتہن کہتے ہیں۔“

رہن (گروی) کا فائدہ و جواز

عقد رہن بالاجماع جائز ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف سے اس کا جواز ثابت ہے۔ رہن میں یہ خوبی ہے کہ دائن و مدیون دونوں کا اس میں بھلا (فائدہ) ہے کہ بعض مرتبہ بغیر رہن رکھے کوئی قرض دیتا نہیں۔ مدیون کا بھلا یوں ہوا کہ دَین مل گیا اور دائن کا بھلا ظاہر ہے کہ اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب میرا روپیہ مارا نہ جائے گا۔“

(بہارشریعت، رہن کا بیان، جلد03، حصہ 17، صفحہ696، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆۔فصل دوم: رھن میں مسائل قرض۔☆

سوال: جائیداد پر قرض ہونے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: عرف عوام میں جائیداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں:۔

(1) جائیداد رہن ہو، مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو۔

(2) کسی سے قرض لیا اور لکھ کر دیا کہ جب تک قرض نہ دوں یہ جائیداد نہ بیچی جائے نہ کسی کو تحفہ دی جائے اور جائیداد مالک کے قبضہ ہی میں رہے۔ دوسری صورت محض باطل و بے اثر ہے اور اس صورت میں جائیداد مقروض نہ سمجھی جائیگی۔ کیونکہ کسی کے مال کو اپنا حق وصول کرنے کیلئے محبوس کرنا یعنی روک لینا رہن ہے اور رہن میں قبضہ شرط ہے کہ رہن

بغیر قبضہ کے باطل ہے۔جس کی بین دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ فرھٰن مقبوضۃ ﴾ تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ (البقرۃ،سورۃ نمبر02،آیت 283)

قواعد فقہیہ لابن رجب میں ہے "اَلْمُحَرَّرِ لَمْ یَذْکُرْ فِی الرَّھْنِ اِلَّا اَنَّ الْقَبْضَ شَرْطٌ لِلُزُومِہٖ وَصَرَّحَ اَبُو بَکْرٍ بِاَنَّہٗ شَرْطٌ لِصِحَّتِہٖ وَاَنَّ الرَّھْنَ یَبْطُلُ بِزَوَالِہٖ ۔"

(قواعدفقھیہ لابن رجب،جلد1،صفحہ 65)

سوال: رہن رکھ کر قرض لینے کا طریقہ کیا ہے؟یعنی جب قرض کے عوض میں کوئی چیز رہن رکھنی ہے تو اس میں کوئی شرط ہے یا نہیں؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض لے کر کہے: اس قرض کے عوض میں یہ شے لے لو اور اسے رہن (گروی) رکھ لو قرض دینے والا کہے: میں نے اسے رہن رکھا۔یعنی اس میں بھی ایجاب وقبول شرط ہیں۔اس میں یہ کچھ ضروری ہی نہیں کہ پہلے قرض لے بعد میں رہن رکھنے کے لئے کوئی چیز دے۔اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مذکورہ جملے بولیں جائیں۔اگر فقط رہن میں رکھنے کے لئے کوئی چیز دی اور قرض دینے والے نے پکڑ کر اپنے پاس رکھ لی پھر بھی درست ہے۔

(بہارشریعت،رہن کا بیان،جلد03،حصہ 17،صفحہ 697،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ ایک لاکھ روپیہ قرض دو۔بکر نے کہا کہ گروی میں کیا رکھو گے؟اس نے کہا:دس تولہ سونا۔بکر نے اسی ہزار قرض دیا اور سونا گروی رکھ لیا اور کہا کہ دو دن بعد بیس ہزار اور دے دوں گا۔اب بکر کہتا ہے کہ مزید بیس ہزار نہیں دے سکتا۔اتنا ہی ہے۔تو کیا زید زبردستی بیس ہزار وصول کر سکتا ہے؟

جواب: نہیں،زبردستی بیس ہزار وصول نہیں کر سکتا۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

لکھتے ہیں: ''قرض دینے کا وعدہ کیا تھا اور قرض مانگنے والے نے قرض لینے سے پہلے کوئی چیز رہن رکھ دی اور مرتہن نے کچھ قرض دیا اور کچھ باقی ہے تو باقی کا جبراً اس سے مطالبہ نہیں ہوسکتا۔''

(بہارشریعت، رہن کا بیان، جلد03، حصہ 17، صفحہ 701، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: پانچ لاکھ روپیہ قرض لیا۔ اور سونا گروی رکھ دیا۔ پھر ایک لاکھ اسی شخص سے اور قرض لیا اور کہا کہ اس کی گروی وہی سونا ہی ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسا نہیں کرسکتے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو پہلے جو قرض لیا تھا اتنا واپس کرنے کے بعد مرتہن یعنی قرض خواہ رہن میں رکھی ہوئی چیز کو روک نہیں سکتا بلکہ راہن یعنی مقروض کو واپس کرنی ہوگی۔ بہار شریعت میں ہے: دَین میں زیادتی ناجائز ہے یعنی دَین کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھ دی اس کے بعد راہن یہ چاہے کہ پھر قرض لوں اور اس قرض کے مقابل میں بھی وہی چیز رہن رہے یہ نہیں ہوسکتا یعنی اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو دوسرے دَین پر اس کا اثر نہیں پڑے گا یہ ساقط نہیں ہوگا اور پہلا دَین ادا کردیا دوسرا باقی ہے تو مرتہن اُس چیز کو روک نہیں سکتا کہ دوسرے دَین سے رہن کو تعلق نہیں۔

(بہارشریعت، رہن کا بیان، حصہ 17، صفحہ 40، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب گروی رکھ کر قرض لیا جائے تو قرض خواہ کو قرض مانگنے کی اجازت نہیں ہوتی جب مقروض چاہے واپس کرے۔ اس کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب: مذکورہ خیال فاسد ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اب بھی قرض خواہ جب چاہے اپنے قرض کا تقاضہ کرسکتا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''دائن نے مدیون سے اپنے دَین کے مقابل میں کوئی چیز رہن (گروی) رکھوالی تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب وہ

دَین کا مطالبہ ہی نہیں کرسکتا خاموش بیٹھا رہے بلکہ اب بھی مطالبہ کرسکتا ہے۔

(بہارشریعت، رہن کابیان، جلد03، حصہ 17، صفحہ 701، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مرتہن یعنی قرض خواہ مقروض کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرا قرض واپس کرو تو کیا اس پر فوراہی واپس کرنا ضروری ہے؟

جواب: نہیں۔ فوراواپس کرنا کوئی ضروری نہیں۔ مرتہن پر لازمی ہوگا کہ پہلے مرہونہ یعنی گروی کی شے کو لے آئے، جب لائے گا تو مقروض سے کہا جائے گا کہ اب قرض دو، جب یہ پورا قرض ادا کردے گا تو گروی کی شے اسکے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''مرتہن نے راہن سے دَین طلب کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ پہلے مرہون چیز حاضر کرو جب وہ حاضر کردے تو راہن سے کہا جائے گا کہ دَین ادا کرو جب یہ پورا دَین ادا کردے اب مرتہن سے کہا جائے گا اس کی چیز دے دو۔'' (بہارشریعت، رہن کابیان، جلد03، حصہ 17، صفحہ 708، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: جانور رہن میں رکھ کر قرض لیا۔ مقروض قرض واپس کرنے گیا تو مرتہن یعنی قرض خواہ نے کہا کہ تین ہزار مزید دو کہ تمہارے جانور کے چارہ وغیرہ پر خرچ ہوئے ہیں تو کیا مقروض مزید تین ہزار دینے کا پابند ہے اور قرض خواہ کو لینا جائز ہے؟

جواب: مرتہن یعنی قرض خواہ کا تین ہزار اضافی جانور کے چارے کی خرچی لینا جائز نہیں اور نہ مقروض پر دینا لازمی ہے۔ حکم یہ ہے کہ مرہونہ یعنی گروی رکھی ہوئے شے کی حفاظت مرتہن یعنی قرض خواہ کے ذمہ ہے اگرچہ کتنا ہی خرچہ آئے قرض خواہ اپنی جیب سے کرے گا حتی کہ اگر شرط بھی لگادی جائے کہ مقروض خرچہ خود کرے گا تو پھر بھی مقروض پر لازم نہیں بلکہ قرض خواہ پر ہی لازم ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''مرہون کی

حفاظت میں جو کچھ صرف ہوگا وہ سب مرتہن کے ذمہ ہے کہ حفاظت خود اس کے ذمہ ہے۔"

(بہار شریعت،رہن کا بیان،جلد03،حصہ 17،صفحہ708،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: اگر راہن یعنی مقروض مرہون (گروی رکھی) شے کو اس نیت سے بیچ ڈالے کہ مرتہن (قرض خواہ) کا قرض ادا کروں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: راہن (مقروض) کا مرہونہ (گروی رکھی) شے کو بیچنا جائز نہیں۔اگر بیچنے کی غلطی کی تو بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی۔درمختار میں ہے"توقف بیع الراهن رهنه علی اجازته مرتهنه أوقضاء دينه" ترجمہ:راہن مرہونہ شے کو فروخت کرے تو یہ مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

(درمختار، کتاب الرهن،باب التصرف فی الرهن،جلد10،صفحہ124، کوئٹہ)

مرہونہ (جس چیز کو گروی رکھا گیا) چیز کا حقیقی مالک اگرچہ راہن ہی ہے مگر اس کے باوجود فقہاء کا اجماع ہے کہ راہن اسے بیچ سکتا ہے اور نہ ہی صدقہ وغیرہ کرسکتا ہے جیسا کہ امام نیشاپوری کی کتاب الاجماع میں ہے"واجمعوا علی ان الراهن ممنوع من بیع الرهن وهبته و صدقته۔" ترجمہ:فقہاء کا اجماع ہے کہ راہن کو مرہونہ کی بیع وہبہ وصدقہ سے روکا جائے گا۔

(الاجماع، کتاب الرہن،صفحہ 138،مکتبۃ الفرقان،الامارات العربیۃ المتحدۃ)

یاد رہے کہ جب راہن مرتہن کے قبضہ میں مرہونہ چیز دے دے تو اب اس پر راہن سے زیادہ مرتہن کا حق ہے۔راہن اس کی اجازت کے بغیر اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔اختلاف العلماء میں ہے"واجمعوا انه اذا رهن رهنا وقبضه المرتهن فلیس للراهن علیه سبیل و المرتهن احق به۔"

(اختلاف العلماء،باب الرہن،صفحہ 270،عالم الکتب،بیروت)

سوال: کوئی شے گروی رکھ کر قرض لیا تھا۔اب قرض واپس کرنے کیلئے پاس کچھ نہیں۔ راہن (گروی رکھنے والا،مقروض) مرتہن یعنی قرض خواہ سے کہتا ہے: میری شے واپس کردو،اسے بیچ کر تمہارا قرض دے دیتا ہوں۔کیا مرتہن پر اس کی بات ماننا ضروری ہے؟

جواب: کوئی ضروری نہیں،مرتہن کی مرضی پر ہے۔بہار شریعت میں ہے: "راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون چیز مجھے دے دو میں اسے بیچ کر تمہارا دَین ادا کردوں گا مرتہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ مرہون کو دیدے۔یونہی اگر کچھ حصہ دَین کا ادا کردیا ہے کچھ باقی ہے یا مرتہن نے کچھ دَین معاف کردیا ہے کچھ باقی ہے راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون کا ایک جز مجھے دے دیا جائے کیونکہ میرے ذمہ کُل دَین باقی نہ رہا اس صورت میں بھی مرتہن پر یہ ضرور نہیں کہ مرہون کا جز واپس کرے جب تک پورا دَین ادا نہ ہو جائے یا مرتہن معاف نہ کردے واپس کرنے پر مجبور نہیں ہاں اگر دو چیزیں رہن رکھی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں دَین کا حصہ مقرر کردیا ہے مثلاً سو روپے قرض لئے اور دو چیزیں رہن کیں کہہ دیا کہ ساٹھ روپے کے مقابل میں یہ ہے اور چالیس کے مقابل میں وہ تو اس صورت میں جس کے مقابل کا دَین ادا کیا اُسے چھوڑا سکتا ہے کہ یہاں حقیقۃً دو عقد ہیں۔"

(بہار شریعت،حصہ 17،رہن کا بیان،صفحہ 23،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

سوال: زید نے عمرو کے پاس زمین یا اور کوئی شے گروی رکھی۔عمرو نے مدت قرض ختم ہونے پر زید کی اجازت کے بغیر اس کو بیچ دیا۔کیا حکم ہے؟

جواب: مرتہن یعنی عمرو کا گروی رکھی ہوئی شے کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کردینا سخت حرام ہے۔زید مقروض کو اختیار ہے کہ اس بیع کو نافذ کردے اور چاہے تو فسخ (ختم) کردے۔ردالمحتار میں ہے "توقف علی إجازة الراهن بيع المرتهن ، فإن أجازه جاز

والا فلا، ولہ أن یبطلہ ویعیدہ رھنا" ترجمہ: مرتہن کے مرہونہ شے کو بیچ دینے کی صورت میں بیچ کا نفاذ راہن کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ راہن جائز قرار دے تو ٹھیک ورنہ بیچ ختم ہوجائے اور وہ شے دوبارہ رہن میں لوٹ آئے گی۔

(ردالمحتار، کتاب الرھن، باب التصرف فی الرھن، جلد10، صفحہ124، کوئٹہ)

سوال: وہ کون سا قرض خواہ ہے جس کا حق تمام قرضخواہوں سے مقدم ہے؟

جواب: مرتہن ایسا قرض خواہ ہے جس کا حق تمام قرض خواہوں سے مقدم ہے۔ یعنی جس کے پاس کوئی شے رہن (گروی) رکھ کر قرض لیا جاتا ہے اس کا قرض تمام قرضوں سے مقدم ہوتا ہے۔ یعنی سب سے پہلے اس کے قرض کو ادا کرنے کا حکم ہے۔

(ملخص از فتاوی رضویہ، جلد18، صفحہ728، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: ایک شخص دس افراد کا مقروض ہے۔ ان میں ایک ایسا قرض خواہ ہے جس سے قرض کوئی شے گروی رکھ کر لیا تھا۔ اب یہ مقروض مرگیا اس کے ترکہ سے سب سے پہلے کس کے قرض کو ادا کیا جائے گا یا سب کو تھوڑا تھوڑا دیا جائے گا؟

جواب: سب سے پہلے مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا یعنی جس کے پاس کوئی شے رکھ کر قرض لیا تھا، پہلے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر باقی میں ان کے حصوں کے مطابق دیا جائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "وأما حکمہ فملك العین المرھونة فی حق الحبس حتی یکون أحق بإمساکہ إلی وقت إیفاء الدین فإذا مات الراھن فھو أحق بہ من سائر الغرماء فیستوفی منہ دینہ فما فضل یکون لسائر الغرماء والورثة، ولو مات وأفلس وعلیہ دیون یکون المرتھن أخص بہ من سائر الغرماء" ترجمہ: مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ جب تک قرضہ وصول نہ ہوجائے مرہونہ شے کو اپنے

قبضے میں رکھے۔اور اگر راہن مرجائے تو قرض خواہوں سے مرتہن کا حق مقدم ہے کہ وہ اپنے قرض وصول کرے اور بچنے کی صورت میں وہ بقیہ قرض خواہوں پھر ورثہ میں تقسیم ہوجائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الرہن،الباب الاول،الفصل الاول،جلد05،صفحہ433،مکتبہ ، کوئٹہ)

سوال: مقروض راہن کے پاس شے مرہونہ(جس شے کو گروی میں رکھا جائے) کے علاوہ کچھ اور مال نہیں۔اگر گروی رکھی شے مرتہن کے ہی قرض کے عوض چلی جائے تو بقیہ قرض خواہوں کو کیا ملے گا؟

جواب: بقیہ کو کچھ نہ ملے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الرہن،الباب الاول،الفصل الاول،جلد05، صفحہ 433، کوئٹہ)

سوال: اگر جائیداد پر قرض ہو یعنی رہن(گروی) میں رکھی ہو اور قبضہ مرتہن(جس کے پاس گروی رکھی ہے) بھی ہو چکا تو ادائیگی قرض سے قبل اس جائیداد کو وقف کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی بھی دو صورتیں ہیں:۔

(1)اگر اس کے پاس مال ہے کہ قرض ادا ہو سکے تو وقف بالکل درست ہے۔

(2)اور مال نہیں تو وقف برقرار نہ رہے گا اور اسے بیچ کر قرض ادا کیا جائے گا۔

(فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ115،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

☆۔۔فصل سوم:رھن میں سود کی آمیزش۔☆

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین ، یا مکان یا اور کوئی شے کسی شخص کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے ایک سو روپیہ قرض لیا۔مرتہن نے اس شرط پر قرض دیا کہ مقروض سے قرض

کی وصولی تک زمین میں کاشتکاری کرے گا یا مکان ہونے کی صورت میں اسے استعمال کرے گا۔کیا ایسا قرض دینا جائز ہے اور قرض دینے والے کا اس زمین یا مکان کو استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: قرض دینا جائز ہے۔البتہ زمین میں کاشتکاری کرنا یا مکان کو استعمال کرنا حرام ہے کہ مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا بوجہ سود نا جائز وحرام ہے۔سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:''تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مرتہن کو رہن سے انتفاع جس طرح رائج ہے قطعا مطلقا اجماعا حرام ہے۔''

(فتاوی رضویہ،جلد25،صفحہ302،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

(فتاوی فیض الرسول،جلد01،صفحہ402،شبیربرادرز،لاہور)

سوال: جس کو قرض چاہیے وہ خود ہی آکر کہے:مجھے پچاس ہزار قرض دے دو اور میرا مکان یا کوئی شے اپنے پاس گروی رکھوا ور اسے استعمال کرو۔اب اس کا مکان کو استعمال کرنا جائز ہونا چاہیے کہ نہیں کیونکہ اب وہ خود اجازت دے رہا ہے؟

جواب: اس صورت میں بھی ناجائز وحرام ہے کہ اگر وہ اپنا مکان آپ کو نہ دے تو کیا آپ اسے قرض دیں گے،ہرگز نہ دیں گے۔نیز اس انداز سے لینا دینا ہی ہمارے زمانے میں رائج ہے کہ اسے معلوم ہے کہ گروی رکھوں گا تو قرض ملے گا ورنہ وہ گروی کی بات ہی نہ کرتا،ڈریکٹ قرض کا ہی کہتا تو گویا کہ یہ" المعروف کالمشروط "کی طرح ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں"الغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع۔" ترجمہ:لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ

رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو تو قرض پر درھم ہی نہ دیں گے، اور وہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف کا حکم مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے اور یہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الرہن، جلد10، صفحہ87، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''جب یہ اصل کلی معلوم ہولی حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ اگر مکان وغیرہ شے مرہون سے مرتہن کا بذریعہ سکونت وغیرہ نفع لینا مشروط ہو چکا ہے جیسا کہ دخلی رہن ناموں میں اس کی صاف تصریح ہوئی ہے جب تو اس کا صریح سُود حرام ہونا ظاہر، ورنہ غالب عرف وعادت رسم ورواج زمانہ صراحۃً حاکم ابنائے زمان اسی نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے دینے والے سب بغیر ذکر اسے قرار یافتہ سمجھتے ہیں، اگر مرتہن جانے کہ مجھے انتفاع نہ ملے گا ہرگز عقد نہ کرے اور راہن بوجہ قرض دبا ہوا نہ ہو تو کبھی مجبوراً اجازت انتفاع نہ دے ولہٰذا مرتہن اس نفع وسود کو اپنا حق واجب جانتے ہیں اور راہن کو اس پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ انتفاع اگرچہ لفظاً مشروط نہ ہو عرفاً بیشک مشروط ومعہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ225، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: مکان گروی رکھوا کر قرض لیا اور قرض دیتے وقت کوئی شرط نہ رکھی گئی کہ مکان استعمال کروں گا۔ بعد میں قرض دینے والے نے اسے اپنی رہائش گاہ بنالیا۔ کیا اب جائز ہوگا کہ اب تو نفع کی کوئی شرط وگفتگو نہ ہوئی۔

جواب: اب بھی ناجائز وحرام ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''تحقیق یہ ہے کہ انتفاع مرتہن جب مشروط ہو جائے تو باہم اس کی

قرارداد عمل پر آئے تو بالاجماع حرام ہے اور جو امر عرف ظاہر سے معلوم و معہود ہو وہ بلاذکر بھی مثل مشروط ہے اور شک نہیں کہ اب انتفاع مرتہنان کی بلاضرور دائر و سائر و عالمگیر ہے تو رہن میں اگر اس کا ذکر بھی نہ آتا عرفاً مشروط قرار پاتا اور حرام ہوتا، راہنوں کی اجازت قطعاً اسی عرف پر مبنی اور اسی قرض کے دباؤ سے ناشیء ہے یہ نہ ہوتو ہرگز وہ اجازت نہ دیں کہ ہماری جائداد کا منافع زید و عمرو لیں اور ہم نہ پاسکیں، مرتہنوں کا قرض دینا بھی اسی منافع پر ہے اور وہ ضرور راہنوں کو اس پر مجبور کرتے ولہذا دستاویز میں لکھا لیتے ہیں اور اگر بعد تحریر راہن انہیں انتفاع سے منع کریں کبھی باز نہ رہیں گے بلکہ تا ادائے زرِ رہن اپنا حق جانیں گے، یہ نہ ہرگز راہنوں کی طرف سے بطور خود محض احساناً بے دباؤ اپنے ملک کی منفعت جب تک اپنا جی چاہے مباح کرنا ہے نہ مرتہنوں کی طرف سے نرے اجنبی طور پر بے کسی دعوی بے کسی داب کے صرف اجازت دہندہ کی خوشی پر جب تک وہ چاہے اس کی ملک سے نفع پاتا ہے بلکہ قطعاً وہی شرط و قرارداد لزومی اور وہ بالاجماع حرام وربا (سود) ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 242,43، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: اگر قرض دینے والا خود گروی پر لئے ہوئے مکان میں نہ رہے بلکہ اسے کرائے پر دے کر کرایہ لے تو کیا یہ جائز ہے۔؟

جواب: مرتہن (قرض دینے والا) رہن (گروی کی چیز) کا کرایہ نہیں لے سکتا کہ یہ سود میں شامل ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”خود رہنا بھی حرام اور کرایہ لینا بھی سود ہے۔“ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ”مرتہن شے مرہون کو نہ اجارے پر دے سکتا ہے نہ عاریت کے طور پر کہ جب وہ خود نفع نہیں اٹھا سکتا تو دوسرے کو نفع اٹھانے کی کب اجازت دے سکتا ہے۔“

(بہارشریعت،رہن کابیان،جلد03،حصہ 17،صفحہ703،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: کسی شخص نے مکان گروی رکھوا کر قرض لیا۔قرض دینے والے نے اس میں رہائش کرلی جو کہ جائز نہیں تھا۔ایسا کرنے کی صورت میں مقروض کے لئے وہ رقم استعمال کرنا حرام ہوگا یا نہیں؟

جواب: قرض کی رقم استعمال کرنا تو جائز ہی ہے کہ اب یہ اس کا مالک ہے اور اپنی ملک میں تصرف کرنا بالکل جائز ہے۔رہی بات قرض دینے والے کے مکان کے استعمال کرنے کی تو وہ اوپر بھی بیان ہو چکا کہ جائز نہیں کیونکہ یہ سود ہے۔علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "واما حکم القرض فھو ثبوت الملك للمستقرض فی المقرض للحال، و ثبوت مثله فی ذمة المستقرض للمقرض للحال، و ھذا جواب ظاھر الروایة" یعنی قرض کا حکم یہ ہے کہ اس پر قرض لینے والے کی ملکیت فی الحال ثابت ہو جاتی ہے اور اسکے ذمے اسکا مثل لوٹانا لازم ہو جاتا ہے،اور یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے۔ (بدائع الصنائع،کتاب القرض،فصل فی حکم القرض،جلد 6،صفحہ 519،کوئٹہ)

سوال: کھیت رہن لیتے ہیں۔جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ زمین والے کو دس لاکھ دیتے ہیں اِس شرط پر کہ تیری زمین کاشت کریں گے اور جو گورنمنٹی لگان بنے گا ہم دیں گے۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: مذکورہ طریقہ پر کھیت رہن یعنی گروی لینا جائز نہیں۔مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں"کھیت رہن رکھنے کا جو عام رواج ہے کہ کسی شخص کو کچھ روپیہ دے کر اس کا کھیت اس شرط پر رہن رکھتے ہیں کہ ہم کھیت سے نفع حاصل کرتے رہیں گے اور گورنمنٹی لگان

دیتے رہیں گے پھر جب تم روپیہ ادا کرو گے تو ہم کھیت واپس کر دیں گے۔ یہ ناجائز ہے اس لئے کہ قرض دے کر نفع حاصل کرسود ہے حرام ہے البتہ کافر کا کھیت اس طرح لینا جائز ہے۔" (انوارالحدیث،قرض کا بیان،صفحہ 291،خزینہ علم وادب،لاہور)

سوال: قرض لیا اور مکان دیا کہ جب تک قرض واپس نہیں کرتا میرا مکان استعمال کرو۔کیسا ہے؟

جواب: ناجائز وحرام ہے اور مسئلہ مکان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ قرض دے کر قرض خواہ کی کسی بھی شے کو قرض دینے کی وجہ سے استعمال کرنا حرام ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں"ایک شخص سے روپیہ قرض لیا اور اُس نے اپنا مکان رہنے کو دے دیا کہ جب تک قرض ادا نہ کردوں تم اس میں رہو یا کھیت اسی طرح دیا مثلاً سو(۱۰۰) روپے قرض لے کر کھیت دے دیا کہ قرض دینے والا کھیت جوتے بوئے گا اور نفع اُٹھائے گا یہ صورت رہن میں داخل نہیں بلکہ یہ بمنزلہ اجارہ فاسدہ ہے۔اُس شخص پر اجرت مثل لازم ہے کیونکہ مکان یا کھیت اُسے مفت نہیں دے رہا ہے بلکہ قرض کی وجہ سے دے رہا ہے اور چونکہ قرض سے انتفاع حرام ہے لہٰذا اجرت مثل دینی ہوگی۔"

(بہار شریعت،رہن کا بیان،جلد03،حصہ17،صفحہ4-703،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: ایک لاکھ روپیہ قرض دیا اور قرض خواہ کو مکان کا کرایہ مقرر کر دیا اور کہا اس وقت تک مکان استعمال کرو جب تک تمہارے پیسے پورے نہ ہو جائیں۔ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: قرض خواہ کو اپنی کوئی چیز کرایہ طے کر کے دینا کہ جب کرایہ قرض برابر ہو جائے

تو اس وقت تک استعمال کرو۔ یہ جائز ہے۔ بہار شریعت میں ہے: بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن رکھ دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کر دیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ پانچ روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زر قرض سے مجرا ہوتی رہے گی جب کُل رقم ادا ہو جائے گی اُس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا اس صورت میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کرایہ یا پٹہ واجبی اُجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے یعنی اتنے زمانہ کے لئے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زر اجرت پیشگی لے لیا۔"

(بہار شریعت، رہن کا بیان، جلد 03، حصہ 17، صفحہ 704، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قرض خواہ کو دس ہزار کرایہ والا مکان ایک ہزار میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! مقروض قرض خواہ کو دس ہزار کرائے والا مکان ایک ہزار کرائے پر دے سکتا ہے جبکہ قرض لینا دینا اس شرط پر نہ ہو کہ مکان کا کرایہ کم کرنا ہوگا بلکہ واضح الفاظ میں کہہ دے میں کہ قرض دینے یا زیادہ ایڈوانس دینے کی وجہ سے کرایہ کم نہیں کر رہا بلکہ اپنی مرضی و خوشی سے کر رہا ہوں۔ (فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 336، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: عموماً لوگوں کا اعتراض ہوتا ہے کہ یہ علماء و مفتیان کرام گروی کو ناجائز کہہ دیتے ہیں۔ اگر ناجائز ہے تو پھر گروی لے کر قرض دینے والے کو کیا فائدہ ہوا؟

جواب: عموماً جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، ان کے اعتراض کی بنیاد علم دین سے ناواقفی اور شرع کے نزدیک گروی رکھنے کا مقصد کیا ہے؟ اس سے لاعلم ہونے کی وجہ سے ہے۔ گروی کا مقصد یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اس بات کا خطرہ نہ رہے کہ میرا قرض مر جائے

گا بلکہ اسے اس بات کا اطمینان ہو کہ مجھے واپس مل جائے گا کہ مقروض کی میرے پاس فلاں شے ہے اسے واپس لینے کی تگ ودو میں وہ ضرور قرض لوٹائے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''شرع مطہر نے عقد رہن صرف اس لئے مشروع فرمایا ہے کہ قرض دہندہ کو اپنے روپیہ کا اطمینان ہو جائے اور وصول نہ ہونے کا اندیشہ جاتا رہے اس کی مالیت سے ایک حق مرتہن کا متعلق ہو جاتا ہے اور عین شے میں سوا حفظ وحبس کے کوئی استحقاق نہیں ہوتا مرہون کے رہن یا اجارہ کا اُسے اختیار نہیں کہ وہ شے اس کی مملوک نہیں صرف اس کے پاس محبوس ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ219، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: جس نے قرض دے کر گروی مکان لیا ہے اسے مکان سے نفع لینے کی کوئی جوازی صورت ہے؟

جواب: جی ہاں! ایک جوازی صورت ہے وہ یہ کہ قرض کا لینا دینا ہو گیا صاف کہہ دیا کہ کوئی نفع لیں گے نہ دیں گے، بعد میں آپس کی رضامندی سے بطور احسان یا دوستی ورشتہ داری یا ایک مسلمان سے خیر خواہی کی بناء پر مالک نے اجازت دے دی کہ آپ اس میں رہیں یا کرایہ پر دے کر کرایہ حاصل کریں تو جائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے: " ان کان النفع مشروطا فی القرض فھو حرام والقرض بھذا الشرط فاسد والاجاز، الاتری انه لو قضاہ احسن مما علیه لایکرہ اذا لم یکن مشروطا وقالوا وانما یحل ذلك عند عدم الشرط اذا لم یکن فیه عرف ظاھر، فان کان یعرف ان ذلك یفعل لذلك فلا۔" یعنی اگر قرض میں نفع کی شرط لگائی گئی تو نفع حرام، اور قرض اس شرط کے ساتھ فاسد ہوگا، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو جائز ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس پر قرض ہے اگر وہ

قرض سے زیادہ بہتر واپس کرے تو یہ مکروہ نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ مشائخ نے کہا عدم شرط کی صورت میں یہ حلال تب ہوگا جب زیادہ واپس کرنے کا عرف ظاہر نہ ہو اور اگر یہ معروف ہے تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں۔

(ماخوذ از فتح القدیر، کتاب الحوالہ، جلد 07، صفحہ 232، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اور اگر اس بناسے جدا ویسی ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تو وہ مدیون کی مرضی پر ہے اس کے خالص رضا واذن سے ہو تو روا (جائز) ورنہ حرام، اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یا بطور سلوک اس کے لئے معیار شرط وقرار داد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا، اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا پھر آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت بطور احسان ومروّت حاصل ہوئی تو وہ بربنائے حسن سلوک ہے نہ بربنائے قرض تو مدار کار شرط پر ٹھہرا، یعنی نفع مشروط سُود اور نفع غیر مشروط سود نہیں بلکہ باذن مالک مباح، پھر شرط کی دو صورتیں ہیں: نصا یعنی بالتصریح قرارداد انتفاع ہو جائے، اور عرفا کہ زبان سے کچھ نہ کہیں مگر بحکم رسم ورواج قرارداد معلوم اور دادوستد خود ہی ماخوذ ومفہوم ہو، ان دونوں صورتوں میں وہ نفع حرام وسُود ہے، فـــــان المعھود کالمشروط لفظا۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

☆۔۔فصل چھارم: رھن کے ضائع ھونے میں مسائل قرض ۔۔☆

سوال: زید نے بکر کے پاس اپنی کوئی شے گروی رکھ کر قرض لیا۔ بکر کی کوتاہی کی وجہ سے وہ شے ضائع ہوگئی۔ اب اِن دونوں کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

جواب: اس کی تین صورتیں ہیں:

﴿1﴾ شے کی قیمت اور قرض دونوں کی مالیت برابر ہے۔

﴿2﴾ قرض زیادہ ہے اور شے کی قیمت کم ہے۔

﴿3﴾ شے کی قیمت زیادہ ہے اور قرض کی رقم کم ہے۔

پہلی صورت میں ادلہ بدلہ ہوگیا۔

دوسری میں گروی شے کی قیمت سے جتنا قرض زیادہ ہے، وہ دیا جائے گا۔

تیسری میں قرض سے شے کی جتنی قیمت زیادہ ہے وہ مقروض قرض خواہ سے لے گا۔ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "عن أبی حنیفة عن حماد عن إبراهیم أنه

قال فی الرهن (یهلك فی یدی المرتهن إن كانت قیمته والدین سواء ضاع بالدین وإن كانت قیمته أقل من الدین رد علیه الفضل وإن كانت قیمته أكثر من الدین فهو أمین فی الفضل۔" یعنی امام ابوحنیفہ حضرت حماد سے وہ ابراہیم رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مرہونہ شے اگر مرتہن سے ضائع ہوگئی تو دیکھا جائے کہ قرض اور رہن مالیت میں برابر ہیں تو قرض واپس نہ ملے گا اور اگر شے کی قیمت کم ہے اور قرض زیادہ تو زیادتی قرض خواہ لے سکتا ہے اور اگر شے کی قیمت زیادہ او رقرض کی کم تو مقروض زیادتی قرض خواہ سے لے گا۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الرہن، باب الرہن، جلد4، صفحہ103، بیروت)

سوال: گروی رکھا ہوا سونا ضائع ہوگیا، اس میں قرض اور سونے کا کیا کریں گے؟

جواب: بکر کا قرض ساقط ہو جائے گا اور سونے کی قیمت قرض سے جتنی زیادہ تھی وہ زید کو دے گا اور اگر سونا اور قرض دونوں قیمت میں برابر تھے تو اِس کا قرض گیا اُس کا سونا گیا۔

(ملخص از فتاوی رضویہ، جلد 18، صفحہ 378، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہ حکم فقط سونے کا ہی نہیں بلکہ گروی میں مطلقا ہر چیز کے بارے ہے۔

سوال: مقروض نے قرض ادا کر دیا اور مرہونہ شے ابھی تک مرتہن یعنی قرض خواہ کے پاس ہے۔ واپسی نہ ہو سکی اور مرہونہ شے ضائع ہو گئی۔ کیا حکم ہوگا؟

جواب: اس کا ضمان مرتہن پر ہوگا اور اس نے مقروض سے جو لیا ہے، واپس کرے گا کیونکہ ابھی بھی اس کا قبضہ ضمان والا ہے مگر اس میں وہی شرط و کلیہ ہے کہ قیمت گروی چیز کا کی زیادہ تھی یا کم یا برابر جیسا کہ پہلے گزرا یعنی یہ صرف اس وقت ہے کہ گروی شے کی قیمت قرض سے زیادہ یا برابر ہو۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "مدیون نے دَین ادا کر دیا اور ابھی تک شے مرہون مرتہن کے پاس ہے واپسی نہیں ہوئی ہے اور چیز ہلاک ہو گئی تو جو کچھ مدیون نے ادا کیا ہے مرتہن سے واپس لے گا۔ کیونکہ مرتہن کا وہ قبضہ اب بھی قبضۂ ضمان ہے اور یہ ہلاک دَین کے مقابل میں متصور ہوگا لہٰذا واپس کرنا ہوگا۔ یہ اُس وقت ہے کی مرہون کی قیمت دَین سے زائد یا دَین کے برابر ہے اگر دَین سے کم ہے تو جتنا مرہون کی قیمت تھی اُتنا ہی واپس لے سکتا ہے۔"

(بہار شریعت، رہن کا بیان، جلد 03، حصہ 17، صفحہ 702، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مقروض کا قرض معاف کر دیا اور کہا کہ کل آ کر اپنی مرہونہ یعنی گروی میں رکھی ہوئی شے واپس لیے جانا۔ اس کے کل جانے سے پہلے پہلے چیز ہلاک ہو گئی۔ اب کیا حکم ہے؟

جواب: معاف کرنے کی صورت میں مقروض مرتہن یعنی قرض خواہ سے کچھ نہیں لے سکتا۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "مرتہن نے راہن سے دَین معاف کر دیا ہبہ کر دیا اور ابھی مرہون کو واپس نہیں دیا تھا اُسی کے پاس ہلاک ہو گیا اس صورت میں

راہن مرتہن سے چیز کا تاوان نہیں لے سکتا کہ یہاں مرتہن نے دَین کے مقابل میں کوئی چیز وصول نہیں کی ہے جس کو واپس دے بلکہ دَین کو ساقط کیا ہے۔"

(بہارشریعت،رہن کابیان ،جلد03،حصہ 17،،صفحہ702،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قرض دینے لینے کی بات ہوگئی اور پانچ تولے سونا اس کے پاس رہن یعنی گروی رکھ دی۔ابھی قرض لیا نہیں تھا کہ مرتہن یعنی قرض دینے والے سے سونا ضائع ہوگیا۔اب کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) قرض کا فگر یعنی مقدار بیان نہیں کی گئی تو پانچ تولے سونا راہن کا ہی ضائع ہوا مرتہن پر کچھ واپس کرنا ضروری نہیں۔

(2) اور اگر کوئی فگر یعنی قرض کی مقدار بیان کردی گئی تھی تو اب اس کا ضمان مرتہن پر ہے۔یعنی قرض اور اس چیز کی قیمت میں جو کم ہے اس کے مقابل میں اس کو ہلاک ہونا سمجھا جائے گا۔جیسا کہ اوپر رہن ضائع ہونے کی صورت میں برابری او رکمی وزیادتی کی صورت بیان ہوئی۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "ایک شخص کچھ دَین لینا چاہتا ہے بات چیت ہوگئی اور یہ بھی ٹھہر گیا کہ اس کے مقابلہ میں فلاں چیز رہن رکھوں گا چنانچہ اس چیز پر مرتہن کا قبضہ ہوگیا اور ابھی دَین دیا نہیں ہے اب فرض کرو کہ قرض دینے سے پہلے مرتہن کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگئی اس کی دو صورتیں ہیں اگر قرض کی کوئی مقدار نہیں بیان کی گئی ہے فقط اتنی بات ہوئی کہ تم سے کچھ روپے قرض لوں گا اس صورت وہ چیز مرتہن کے ضمان میں نہیں ہے۔ہلاک ہونے سے اُس کو کچھ دینا واجب نہیں۔اور اگر قرض کی مقدار بیان کردی ہے مثلاً سو روپے لوں گا اور یہ رہن ہوگی اس

صورت میں ضمان ہے اس کا وہی حکم ہے کہ سو روپے لے کر رکھ دیتا یعنی دَین اور اُس چیز کی قیمت دونوں میں جو کم ہے اس کے مقابل میں اس کو ہلاک ہونا سمجھا جائے گا مثلاً اس کی قیمت سو روپے یا زیادہ ہے تو مرتہن راہن کو سو روپے دے اور سو سے کم ہے تو جو کچھ قیمت ہے وہ دے۔

(بہارِ شریعت، رہن کا بیان، جلد 03، حصہ 17، صفحہ 700، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: جس دن مرتہن نے چیز ضائع کی اس وقت اس کی قیمت ہزار روپیہ تھی اور جس دن گروی میں رکھی اس دن پانچ سو روپیہ۔ کون سی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

جواب: گروی شے کی قیمت اُس روز کی معتبر ہے جس دن گروی میں رکھی۔ جس دن ضائع ہوئی اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں۔ یعنی رہن رکھنے کے بعد چیز کی قیمت گھٹ بڑھ گئی اس کا اعتبار نہیں۔ البتہ اگر کسی اور شخص نے گروی کی چیز کو ضائع کر دیا تو اس سے تاوان میں وہ قیمت لی جائے گی جو ضائع کرنے کے دن تھی۔ اور اب یہ قیمت مرتہن کے پاس اُس گروی کی جگہ رہن میں ہوگی۔

(بہارِ شریعت، حصہ 17، رہن کا بیان، صفحہ 699، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: گروی رکھنے والا بغیر قرض ادا کیے مرگیا تو اب کیا کیا جائے گا؟

جواب: اس کا وصی یا شہر کا بڑا عالم یا سرکاری لوگ جن کے پاس یہ اتھارٹی ہو وہ کسی کو مقرر کریں کہ وہ گروی رکھی شے کو بیچ کر اس کا قرض ادا کریں گے۔ "مات الراهن باع وصيه الرهن وقضى الدين، وإن لم يكن له وصي نصب القاضي له وصيا، وأمره ببيعه كذا في السراجية"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الرہن، الباب الاول، الفصل الخامس، جلد 5، صفحہ 439، بیروت)

سوال: مکفول عنہ (مقروض) کا کفیل (ضامن) کے پاس رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔شامی ہے"ذکر فی الأصل أنه لو كفل بمال مؤجل على الأصيل فأعطاه المكفول عنه رهنا بذلك جاز، ولو كفل بنفس رجل على أنه إن لم يواف به إلى سنة فعليه المال الذي عليه وهو ألف درهم ثم أعطاه المكفول عنه بالمال رهنا إلى سنة كان الرهن باطلا؛ لأنه لم يجب المال للكفيل على الأصيل بعد، وكذا لو قال إن مات فلان ولم يؤدك فهو على ثم أعطاه المكفول عنه رهنا لم يجز۔وعن أبي يوسف في النوادر يجوز (شامی)

۔۔قرض ،رھن او رحوالہ۔۔

سوال: گروی رکھ کر قرض لیا تھا۔مقروض نے اپنے قرض کا کسی پر حوالہ کردیا۔تو کیا اب اپنی مرہونہ یعنی گروی رکھی شے واپس لے سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! راہن جب اپنے قرض کا کسی پر حوالہ کردے (یعنی فلاں سے لے لینا) تو اب گروی میں رکھی شے کو مرتہن یعنی قرض خواہ سے واپس لے سکتا ہے۔ہندیہ میں ہے"وإذا أحال الراهن المرتهن بالدين على غيره يسترد الرهن۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الاول ،جلد3،صفحہ 296، دار الفکر،بیروت)

سوال: کیا قرض کا حوالہ کرنے کے بعد رہن رکھنا صحیح ہے؟

جواب: حوالہ یعنی قرض کی کسی اور پر ذمہ داری ڈالنے کے بعد رہن یعنی گروی رکھنا صحیح نہیں۔ہندیہ میں ہے"وكذا لو أحال بدينه فرهن لا يصح هكذا في الكافي۔"

(فتاوی ہندیہ، کتاب الحوالۃ،الباب الاول ،جلد3،صفحہ 296، دار الفکر،بیروت)

کتاب الدیت

سوال: زید پر دس ہزار قرض تھا۔کسی نے اسے قتل کر دیا۔اس کے ورثہ نے قاتلوں سے دیت کی رقم لی۔کیا اس دیت کے مال سے میت کے قرض کو ادا کرنا ضروری ہے یا وہ ورثاء کا ہے؟

جواب: مقتول کے مقروض ہونے کی صورت میں دیت کے مال سے قرض ضرور ادا کیا جائے کہ مال دیت کے سارے احکام وہی ہیں جو وراثت کے ہوتے ہیں۔
تفسیر نسفی میں ہے"﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ﴾مؤداة إلى ورثته يقتسمونها كما يقتسمون الميراث لا فرق بينها وبين سائر التركة في كل شيء فيقضى منها الدين وتنفذ الوصية ، وإذا لم يبق وارث فهي لبيت المال۔" ترجمہ:دیت مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی اور ورثاء اسے میراث کی طرح باہم تقسیم کریں گویا کہ اس کے سارے احکام وہی ہے کہ جو مال وراثت کے ہوتے ہیں۔

(تفسیر نسفی،فی التفسیر،سورۃ النساء،آیت 92،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

امام محمد کی کتاب المبسوط میں ہے"وبلغنا عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال إذا أوصى الرجل بثلث ماله دخلت ديته في تلك الوصية۔" ترجمہ:ہمیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے یہ خبر ملی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:جب کوئی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت کرے تو وصیت میں دیت کا مال بھی داخل ہوگا۔

(المبسوط ، کتاب الدیات،باب العفو عن القصاص،جلد4،صفحہ513،کراچی)

۞۔۔۔ کتاب الوصیت ۔۔۔۞

سوال: ادائیگی قرض مقدم ہے یا وصیت پر عمل مقدم؟

جواب: قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔حدیث پاک میں ہے "حدثنا ابن أبي عمر حدثنا سفيان بن عيينة عن أبي إسحق الهمداني عن الحرث عن علي أن النبي صلى الله عليه و سلم قضى بالدين قبل الوصية وأنتم تقرون الوصيةقبل الدين قال أبو عيسى و العمل على هذا عند عامة أهل العلم أنه يبدأ بالدين قبل الوصية " یعنی ترمذی و ابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ وصیت سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ابوعیسیٰ ترمذی کہتے کہ علماء کا عمل اسی پر ہے کہ وصیت سے قبل قرض ادا کیا جائے۔

(جامع ترمذی، کتاب الوصایا، یبدأبالدین، جلد04، صفحہ435، بیروت)

النکت لسرخسی میں ہے"هو دين مقدم على الوصية والميراث۔"

ترجمہ: قرض وصیت و میراث سے مقدم ہے۔

(النكت لسرخسي، الطلاق في المرض ، جلد 01، صفحہ 74، بیروت)

قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم اس وجہ سے ہے کہ قرض فرض ہے جب کہ وصیت کرنا ایک نفلی کام ہے۔جامع الرموز میں ہے کہ "لان ادائه لازم بخلاف الوصية"

(جامع الرموز، کتاب الوصایا، حصہ 04، صفحہ 597، مطبوعہ نول کشور)

مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 11

کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''کیونکہ وصیت اور دَین یعنی قرض ورثہ کی تقسیم سے مقدم ہے اور دَین وصیت پر بھی مقدم ہے۔حدیث شریف میں ہے''اِنَّ الدَّیْنَ قَبْلَ الْوَصِیَّۃِ۔''

جامع الرموز میں ہے''وقدم الدین علیھا ای الوصیۃ۔''

(جامع الرموز،کتاب الوصایا،حصہ 04،صفحہ 597،مطبوعہ نول کشور)

سوال: قرض سارے مال کو محیط تھا۔جس کی وجہ سے وصیت کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی جائز نہ تھا۔اگر سارے قرض خواہ قرض معاف کردیں تو کیا اب وصیت پر عمل کرنا ضروری ہوگا؟

جواب: اگر قرض خواہ قرض معاف کردیں تو اب وصیت پر عمل کیا جائے گا۔جامع الرموز میں ہے''وقدم الدین علیھا ای الوصیۃ لان ادائہ لازم بخلاف الوصیۃ وفیہ اشعار بانہ لاتصح من مستغرق الدین الا بابراء الغرماء''

(جامع الرموز،کتاب الوصایا،حصہ 04،صفحہ 597،مطبوعہ نول کشور)

سوال: وہ کون سا قرض ہے جس کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے؟

جواب: اس قرض سے مراد وہ قرض ہے جو بندوں کا ہو،اُس کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔

(بہارشریعت،وراثت کا بیان،جلد3،حصہ20،صفحہ1111،مکتبۃ المدینہ ،کراچی)

سوال: تقسیم وراثت اور وصیت وغیرہ سے قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔تجہیز وتکفین قرض کی ادائیگی سے مقدم ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: تجہیز وتکفین قرض کی ادائیگی سے مقدم ہے۔الاوسط فی السنن والاجماع والا

خلاف میں ہے"ویدل علی أن الکفن یبدأ به علی الدین۔"ترجمہ:یہ(حدیث) تجہیز وتکفین کے ادائیگی قرض پر مقدم ہونے کی دلیل ہے۔

(الاوسط فی السنن والاجماع،ذکر تکفین المیت،جلد5،صفحہ 353،السعودیہ)

اس وجہ سے ہے کہ کفن مرنے کے بعد انسان کا لباس ہوتا ہے۔زندگی میں اس کے لباس کی اہمیت ایسی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کا مقروض ہو،وہ کام کاج کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہولیکن وہ قرضہ ادا نہ کر رہا ہوتو قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کے کپڑے بیچ کر دین(قرضہ)ادا کرے بلکہ اس کے کپڑے،ادئیگی دیون(قرض کی ادائیگی پر مقدم)ہیں۔اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی تجہیز کی جائے گی اور وہ چیز مقدم ہی رکھی جائے گی جو اس کی زندگی میں مقدم تھی۔

(رفیق الوراثت،شرح سراجی،صفحہ 47،شبیر برادرز،لاہور)

سوال: کیابندے پرواجب ہے کہ اپنے قرض کی ادائیگی کی وصیت کرکے مرے؟

جواب: ادائیگی قرض کی وصیت کرنا ضروری ہے کیونکہ جب حقوق اللہ کے معاملہ میں واجب ہے تو قرض کے معاملے میں بدرجہ اولی واجب ہے۔بہار شریعت میں ہے"وصیت کرنا مستحب ہے جب کہ اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی باقی نہ ہو،اگر اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی باقی ہے جیسے اس پر کچھ نمازوں کا ادا کرنا باقی ہے یا اس پر حج فرض تھا ادا نہ کیا یا روزہ رکھنا تھا نہ رکھا تو ایسی صورت میں ان کے لئے وصیت کرنا واجب ہے۔"

(بہار شریعت،وصیت کا بیان،جلد03،حصہ19،صفحہ 936،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال: زید بیمار تھا۔اس نے کسی سے کہا کہ میرے بچنے کی امید نہیں،تم میرا قرض ادا کر دینا۔تو جسے کہا،کیا اس پر واجب ہے کہ زید کے قرض کو ادا کرے؟

جواب: جی ہاں! مرنے والے نے جسے اپنے قرض ادا کرنے کی وصیت کی تھی اگر اس نے ذمہ داری قبول کر لی تو اس پر واجب ہے کہ زید کے قرض کو ادا کرے جبکہ زید اتنا مال چھوڑ کر مرا ہو کہ جس سے قرض ادا ہو سکے۔ اپنی جیب سے ادا کرنا واجب نہیں۔

سوال: اگر میت کی بہت ساری نمازیں و روزے قضا تھے۔ میت نے مرنے سے قبل ان کے فدیہ دینے کی وصیت کی۔ اب پہلے ان کا فدیہ دیں یا قرض ادا کریں؟

جواب: اگر میت نے کچھ نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی یا روزوں کے فدیہ کی یا کفارہ کی یا حج بدل کی تو تمام چیزیں ادائیگی قرض کے بعد ایک تہائی مال سے ادا کی جائیں گی۔ تہائی مال سے زیادہ سے فدیہ ادا کرنا وصی یا اقرباء پر لازم نہیں۔

(بہارِ شریعت، وراثت کا بیان، ج جلد3، حصہ20، صفحہ 1111، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: مرنے والا کوئی وصیت کر کے گیا تھا لیکن اس پر قرض ہی اتنا ہے کہ سارا مال قرض ادا کرنے میں ہی پورا ہو جائے گا۔ اب قرض ادا کریں یا وصیت پر عمل کریں؟

جواب: سوال میں ذکر کردہ صورت حال میں وصیت کرنا یا وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں بلکہ قرض ادا کیا جائے۔ متن بدایۃ المبتدی میں ہے "ومن أوصى وعليه دين يحيط بماله لم تجز الوصية إلا أن يبرئه الغرماء" ترجمہ: کسی شخص نے وصیت کی لیکن اس پر اتنا قرض ہے کہ اس کے پورے مال کو محیط ہے تو یہ وصیت جائز نہیں۔

سوال: کوئی رشتے دار ذی رحم محرم کی وفات پر ایصال ثواب، کفن دفن میں خرچ کرے تو کیا بعد میں واپس لے سکتا ہے؟

جواب: جو شخص وصی ہو (جسے وصیت کی جائے) نہ وارث (یعنی نہ تو میت کا بہت زیادہ قریبی رشتے دار ہے کہ شرعاً اس کا وارث بن سکے اور نہ اسے مرنے والے نے کہا تھا۔) اگر وارث کے کہنے کے بغیر مذکورہ خرچہ کرے تو ایک رتی واپس لینے کا حق دار نہیں ہوتا۔ اور اگر اسے میت کے ورثاء کہیں کہ تم خرچہ کرو بعد میں حساب کر لیں گے تو اب اس طرح کے معاملات پر کیا ہوا خرچہ لینا جائز ہوتا ہے۔ اور سوال وحالات زمانہ سے پر ظاہر کہ مسائل سے ناواقفی کی وجہ سے عموماً اس طرح کے موقع پر نہ تو وارث سے پوچھتے ہیں اور پوچھیں بھی تو یہ نہیں کہتے کہ خرچہ واپس لوں گا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی اس طرح کے معاملات میں خرچ کرے اور خرچ کرنے کا میت کے ورثاء کہیں اور ساتھ یہ بھی کہیں کہ تم خرچ کرو، بعد میں تم کو دے دیں گے، تو اب لینے کا حق دار ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں "اجنبی کہ نہ وارث ہو نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین بطور خود کرے تو اسے ترکہ میں رجوع کا اختیار نہیں وہ اس کا تبرع (احسان) ٹھہرے گا جب تک وارث کے اذن واجازت سے نہ ہوا۔ اور وارث کی اجازت بھی کافی نہیں جب تک اس کا امر نہ ہوا، اور تحقیقاً اس کا امر بھی کافی نہیں جب تک واپسی کی شرط نہ کر لی ہو۔ مثلاً زید نے وارث سے کہا میں اس کی تجہیز و تکفین کیے دیتا ہوں جو خرچ ہو گا ترکہ سے لے لوں گا وارث نے سکوت کیا زید نے اس کے کہنے پر لوگوں کو گواہ کر لیا اور اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ایک حبہ واپس نہ پائے گا کہ یہ بلا اذن وارث تھی یا زید نے وارث سے کہا میت میرا دوست یا میرا معظم تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کی تجہیز و تکفین میں خود کروں اس نے کہا اچھا، یا وارث ہی نے اس سے کہا کہ اگر تم اس کی تجہیز و تکفین کا ثواب لینا چاہو تو تمہیں اجازت ہے اس نے کہا منظور،

دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت ہوئی اور اختیار رجوع نہیں کہ بے امر وارث ہے، یا وارث نے کہا میت تمہارا دوست تھا یا تمہارا پیر یا استاد تھا تم پر بھی اس کا حق ہے اس کی تجہیز و تکفین تمہیں اپنے مال سے کرو، اس نے کہا بسر و چشم، اس میں وارث کا بھی امر ہوا اور رجوع نہیں کہ اس کی شرط نہ کی گئی، ہاں وارث نے کہا تم اس کی تجہیز و تکفین کر دو جو خرچ ہو گا ترکہ سے تمہیں دے دیا جائے گا تو اب بلاشبہہ اختیار رجوع ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان اوپر بیان کردہ پر کتب فقہ سے کئی ایک عبارات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "یہاں شرط رجوع درکنار امر زوجہ برکنار اجازت زوجہ کا بھی ثبوت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ شاہ محمد نے بطور خود یہ تجہیز و تکفین کی موصی نے اسی کے گھر میں وفات پائی اس کا اس کا یارانہ تھا اور اس نے اس پر احسان کیا کہ اپنے دونوں مکان اور جملہ اسباب خانہ داری اپنی زوجہ سے چھڑا کر اس کو وصیت کر گیا اور اس نے وصیت نامہ میں دو جگہ اس سے اپنی تجہیز و تکفین درخواست تھی اور سوال فتوائے دوم جس کی طرز ادا بتا رہی ہے کہ وہ شاہ محمد کا مرتب کرایا ہوا ہے اس میں یہ لفظ ہیں زید وصیت کر گیا کہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مالک عمرو ہے میری تجہیز و تکفین بھی کرے گا اور للہ میری ارواح بھی دے گا بعد وفات زید عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کر کے ایفائے امورات ایصاء میں لگ گیا جس سے صاف واضح کہ یہ تجہیز و تکفین بربنائے درخواست و وصیت نامہ تھی نہ بربنائے امر عالم خاتون، تو کوئی امر ایسا ثابت نہیں جس سے یہ خرچ اسے واپس دلایا جائے بلکہ اس کے خلاف کا ثبوت ظاہر ہے تو حکم واپسی نہیں ہو سکتا۔"

(فتاوی رضویہ ،جلد 25۔صفحہ 90-589،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: باپ نے اپنے مرنے یا دوسرے ملک جانے کی صورت میں کسی کو وصیت کی کہ

میری اولاد کی پرورش کرنا۔ اب وہ پرورش کرنے والا بچوں کا مال کسی کو قرض دے سکتا ہے؟

جواب: نہیں دے سکتا، ناجائز ہے۔ الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی لکھتے ہیں "عن صلة بن زفر قال: جاء إلى عبد الله بن مسعود رجل من همدان على فرس أبلق فقال: إن عمي أوصى إلي بتركته وأن هذا من تركته أفأشتريه؟ قال: لا ولا تستقرض من ماله شيئا. رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح" ترجمہ: صلہ بن زفر سے مروی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ہمدان کا ایک آدمی ابلق گھوڑے پر سوال ہو کر حاضر ہوا، اور کہنے لگا: میرے چچا نے مجھے اپنے ترکہ کے متعلق کچھ وصیت کی تھی اور یہ (گھوڑا) اُسی ترکہ میں سے ہے۔ کیا میں اسے خرید سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں اور نہ ہی قرض دے سکتے ہو۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد، باب فی الوصی یشتری ـــ، جلد 04، صفحہ 249، بیروت)

سوال: زید (جو کہ باشرع عالم دین تھا اُس) کی دو جائیدادیں تھیں۔ (وراثت کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی میں وراثت تقسیم کرنے کی خاطر) ایک جائیداد اس نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے کو دے دی اور کہا کہ اس میں سے بڑی بیٹی کو بھی حصہ دے دینا اور پھر ان کو قبضہ بھی دلا دیا۔ جبکہ دوسرا مکان جس میں وہ خود بھی رہتا تھا وہ اپنے چھوٹے بیٹے بکر کو 10 لاکھ روپے کے بدلے فروخت کر دیا اور رجسٹری بھی اس کے نام کروا دی اور قیمت کے بارے میں بکر سے کہا کہ لاکھ لاکھ روپے اپنے بھائیوں اور پچاس پچاس ہزار روپے اپنی بہنوں کو دے دینا۔ (پہلے جس بیٹے اور بیٹی کو دوسری جائیداد دی تھی وہ اس سے مستثنیٰ تھے) اور اس رقم میں سے ایک لاکھ روپیہ ایک بیٹے کو دلوا بھی دیا۔ بکر نے وہاں اپنا نیا مکان بھی بنا لیا۔ زید خود اور اس کی بیوی اپنے چھوٹے بیٹے بکر کے پاس ہی رہتے تھے۔ اور

بکر ہی اپنے والدین کا خرچہ اٹھاتا تھا اور 20 سے 30 ہزار ماہانہ تقریباً 12 سال تک خرچ کرتا رہا۔ زید کہا کرتا تھا کہ میں اپنے اس بیٹے سے خوش ہوں اور میں نے اپنا مکان اسے دے دیا ہے مالک کر دیا ہے۔ پھر کسی بات پر دیگر بھائیوں کا آپس میں اور والدین کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور انہوں نے چھوٹے بھائی بکر سے اپنے حصہ کا مطالبہ شروع کر دیا اس پر والد یعنی زید نے کہا: ''اس نے میری بہت خدمت کی ہے اگر حساب کیا جائے تو جو رقم اس نے مجھے دینی ہے اس سے کہیں زیادہ بن جاتا ہے لہٰذا میں نے یہ مکان اور رقم ہبہ میں دے دی ہے، اپنی خدمت کے بدلے میں اس (بکر) کو بخش دی ہے، اب اس میں کسی کا کوئی حق نہیں اور اب اس نے کسی کا کچھ نہیں دینا۔'' کچھ عرصے بعد زید بیمار ہو گیا اور پھر فوت ہو گیا۔ کیا مذکورہ صورت میں اب بکر پر لازم ہے کہ وہ پیسے اپنے بھائیوں کو ادا کرے؟

جواب: مکان کے 10 لاکھ روپے بکر پر زید کے لئے دین (قرض) تھے اور زید کے اس کہنے سے کہ یہ پیسے فلاں فلاں کو دے دینا، بکر کے بھائی و بہنیں ان پیسوں کے مالک نہ ہوئے سوائے اس بھائی کے کہ جس نے ایک لاکھ روپیہ لے کر اس پر قبضہ کر لیا تھا کہ وہ اس ایک لاکھ کا مالک ہو گیا، کیونکہ غیر مدیون کو دَین کا ہبہ اس وقت درست ہوتا ہے جب اسے قبضہ کرنے کی اجازت دے دی ہو اور قبضہ کرنے کے بعد وہ تام و مکمل بھی ہو جاتا ہے ورنہ نہیں چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ جامع الفصولین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ''ھبة الدين ممن ليس عليه لم تجز الااذا سلطه على قبضه فيصير كانه وهبه حين قبضه ولا يصح الا بقبضه'' ملتقطاً۔ ترجمہ: قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے، تو یوں قبضہ کر لینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کا قبضہ ہو جانے پر صحیح و مکمل ہو جائے گا۔''

(ردالمحتار، کتاب الھبہ، مسائل شتی، جلد5، صفحہ708، دار الفکر، بیروت)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں "روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے، عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیر مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا.... اس تقدیر پر یہ ھبة الدین عمن غیر من علیه الدین مع تسلیطه علی القبض (غیر مدیون کو قبضہ پر اختیار دے کر دین کا ہبہ کرنا) ہوا، متولیان مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اسکے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کیلئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملک عمرو پر تھا، صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملک مالک سے خروج کیا معنی.... اور صورت اولیٰ میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفید ملک موہوب لہ نہیں ہوتا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ5-244، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا ابھی تک 9 لاکھ روپے بکر پر زید ہی کے لازم تھے۔ پھر زید نے دیگر بھائیوں کے مطالبے پر جب یہ کہا کہ "... اب اس میں کسی کا کوئی حق نہیں اور اب اس نے کسی کا کچھ نہیں دینا۔" تو اس کہنے سے زید نے جو بکر کے بھائیوں کو رقم ہبہ کی تھی اس سے رجوع کر لیا اور چونکہ یہ رجوع رقم پر قبضہ دینے سے پہلے ہوا اس لئے درست تھا جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے "یجب أن یعلم بأن الهبة أنواع، هبة لذی رحم محرم وهبة لأجنبی أو لذی رحم لیس بمحرم أو لمحرم لیس بذی رحم وفی جمیع ذلك للواهب حق الرجوع قبل التسلیم هكذا فی الذخیرة سواء كان حاضرا أو غائبا أذن له

فی قبضه أو لم یأذن له کذا فی المبسوط" ترجمہ: ہبہ مختلف قسم کا ہوتا ہے مثلاً ذی رحم محرم کو ہبہ، اجنبی کو ہبہ، ذی رحم غیر محرم کو ہبہ یا محرم غیر ذی رحم کو ہبہ، ان سب صورتوں میں سپرد کرنے یعنی قبضہ دلانے سے قبل واہب کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے برابر ہے موہوب لہ موجود ہو یا نہ ہو اس کو قبضہ کرنے کی اجازت دے چکا تھا یا نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الہبہ، الباب الخامس، جلد4، صفحہ385، دار الفکر، بیروت)

یونہی زید نے یہ کہہ کر "میں نے یہ مکان اور رقم ہبہ میں دے دی ہے، اپنی خدمت کے بدلے میں اس (بکر) کو بخش دی ہے" بکر کو اپنے دین (قرض) سے بری کر دیا اور یہ برائت بھی درست ہے کیونکہ برائت کے لئے خاص لفظِ بری کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے ہم معنیٰ کوئی بھی لفظ ہو تو برائت درست ہے چنانچہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں کتب احناف کے حوالے سے ہے "یحصل إیجاب الإبراء بجمیع الألفاظ التی یتحقق بها المقصود منه، وهو التخلی عما للدائن عند المدیون علی أن یکون اللفظ واضح الدلالة علی الأثر (سقوط الحق والمبرأ منه) فیحصل بکل لفظ یدل علیه صراحة أو کنایة محفوفة بالقرینة سواء أورد مستقلا أم تبعا ضمن عقد آخر" ترجمہ: ابراء کا ایجاب ان تمام الفاظ سے ہو جاتا ہے جن سے ابراء کا مقصود یعنی مدیون کو دین سے بری کرنا حاصل ہوتا ہو بایں طور کہ لفظ اپنے اثر (حق کو ساقط کرنے و بری کرنے) پر واضح الدلالۃ ہو۔ لہٰذا ابراء حاصل ہو جائے گا ہر اس لفظ سے جو اس معنیٰ میں صریح ہو یا کنایہ ہو لیکن اس کے ساتھ قرینہ بھی ملا ہو نیز برابر ہے کہ یہ کلام خود مستقل ہو یا کسی عقد کے ضمن میں ہو۔

(موسوعہ فقہیہ کویتیہ، تحت لفظ ابراء، جلد1، صفحہ149، دار السلاسل، کویت)

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں "ولم ینص أحد منهم علی انحصار الصیغة فیما

أشاروا إليه ومن تلك الألفاظ التي تدور عليها صيغته الإسقاط، والتمليك، والإحلال، والتحليل، والوضع، والعفو، والحط، والترك، والتصدق، والهبة، والعطية" ترجمہ: فقہاء میں سے کسی نے لفظِ ابراء پر ابراء کے منحصر ہونے کی صراحت نہیں کی اور وہ الفاظ جس میں لفظ ابراء کا معنیٰ پایا جاتا ہے درج ذیل ہے ساقط کرنا، مالک کرنا، آزاد کرنا، چھوڑنا، معاف کرنا، ترک کرنا، صدقہ کرنا، ہبہ کرنا اور عطیہ کرنا وغیرہ۔

(موسوعه فقهيه كويتيه، جلد1، صفحه150، دار السلاسل، كويت)

خلاصہ یہ کہ سوال میں بیان کردہ صورت کے مطابق بکر پر لازم نہیں کہ اپنے بھائیوں کو رقم ادا کرے۔

❁.... کتاب المیراث ....❁

سوال: ادائے قرض مقدم یا تقسیم وراثت؟

جواب: ادائے قرض تقسیم وراث پر مقدم ہے، یعنی پہلے قرض ادا کریں گے پھر کچھ مال بچا تو تقسیم کاری ہوگی۔ السراجی میں ہے "حقوق اربعة مرتبة الاول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير ثم تقضي ديونه من جميع مابقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعدالدين ثم يقسم الباقي بين ورثته" ترجمہ: میت کے مال میں یکے بعد دیگر چار حقوق متعلق ہوتے ہیں:۔ مال کو اس کی تجہیز و تکفین میں متوسط انداز میں خرچ کیا جائے۔ اس کے بعد قرض ادا کیا جائے گا۔ تیسرے نمبر پر تہائی مال میں وصیت پر عمل ہوگا۔ اور آخر میں جو مال بچے گا اسے ورثاء کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن مجید کے چوتھے پارے میں سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کا ذکر چار مرتبہ فرمایا جس میں وصیت اور وراثت کو ادائیگی قرض کے بعد رکھا۔ المدیہ میں ہے "فـاذا

مات صار المال للورثة وحق العبد لاحتياجه مقدم بخلاف ديون العباد فإنهم أيضا محتاجون فيقدمون على الورثة لأن الدين مقدم على الإرث لقوله تعالى: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ عبارت کا مفہوم جواب سے واضح ہے۔

(المنیفه، کتاب الزکاۃ، جلد 01، صفحہ 60، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ)

سوال: اگر میت پر قرض بہت زیادہ ہو اتنا کہ میت کا سارا مال قرض ادا کرنے میں چلا جائے گا تو کیا کوئی وارث اس مال میں سے کچھ لے سکتا ہے؟

جواب: جب میت کا سارا مال قرض ادا کرنے میں چلا جائے گا تو کسی وارث کو قطعا اجازت نہیں کہ وہ میت کے مال سے کچھ لے کہ اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پہلے قرض ادا کیا جائے، کچھ بچے تو وہ وارثین میں تقسیم ہوگا۔ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان: جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر۔

(سورۃ النساء، آیت 12)

الاشباہ والنظائر میں ہے "والدين المستغرق للتركة يمنع ملك الوارث" یعنی جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملکیت سے مانع ہے۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، القول فی الملک، جلد 02، صفحہ 204، کراچی)

سوال: ایک شخص مرا جس کی جائیداد پانچ لاکھ تھی اور بیوی کا مہر بھی پانچ لاکھ تھا۔ بیوی کو مہر دیا جائے یا ورثہ میں تقسیم کیا جائے؟

جواب: جب جائیداد کی مالیت بیوی کے مہر برابر ہے تو پھر وہ مال ورثاء میں تقسیم کرنا ناجائز ہے۔ حکم شرع یہ ہے کہ پہلے میت کے قرضے اتارے جائیں اور مہر بھی دیگر قرضوں کی طرح قرض ہے لہٰذا وہ سارا مال بیوی کے مہر میں دیا جائے۔ ابو محمد محمد دیدار علی رضوی حنفی

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں: "یہ کل روپیہ دین مہر میں دیا جائے گا۔ ورثہ کو کچھ نہیں مل سکتا۔"

(فتاوی دیداریہ، فتوی نمبر 287، صفحہ 756، مکتبۃ العصر، گجرات)

سوال: باپ کی تجہیز وتکفین اور قرض کی ادائیگی میں جو خرچ کیا۔ بیٹا اُسے باپ کی وراثت سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: باپ کی تجہیز وتکفین میں بیٹے نے جو کچھ خرچ کیا اور کہہ دیا تھا کہ بعد میں ابا جان کے مال سے لوں گا تو اب لینا جائز ہے۔ اگر نیت صلہ واحسان وتبرع وخدمت والد تھی تو اب نہیں لے سکتا۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "جو کچھ باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بقدر سنت باپ کے کفن دفن میں اٹھایا وہ باپ کے مال پر اس کا قرض ہے (جسے یہ لے سکتا ہے)۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 144، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: اگر ورثاء ترکہ سے قرض ادا نہ کریں بلکہ اپنے پاس سے قرض ادا کردیں اور ترکہ سارا اپنے پاس رکھیں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر ورثاء میت کا قرض اپنی جیب سے ادا کریں اور ترکہ کا مال سارا خود رکھ لیں تو یہ جائز ہے بلکہ ان کا حق ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے "للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا۔" ترجمہ: وارث کو جائز ہے کہ ترکہ سے قرض ادا نہ کرے بلکہ اپنے پاس سے ادا کردے۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، القول فی الدین، جلد 02، صفحہ 215، کراچی)

شرح تلویح علی التوضیح میں ہے "یجوز للوارث أن یستخلص العین لنفسه ویقضی الدین من مال آخر بخلاف الورثة فإن حقهم یتعلق فیما بینهم بالمالیة

والعينية جميعا حتى لا يجوز لبعضهم أن يجعل شيئا لنفسه بنصيبه من الميراث ولا أن يأخذ التركة ويعطي الباقين القيمة۔"

(شرح تلويح على توضيح، جلد2، صفحه 370، دارالكتب العلمية، بيروت)

سوال: عورت نے اپنا زیور بیچ کر شوہر کا قرضہ ادا کیا، اس کے بعد شوہر مر گیا۔ کیا وہ شوہر کی جائیداد سے اتنی رقم لے سکتی ہے جتنی شوہر کا قرضہ اتارنے میں دی تھی؟

جواب: بیوی نے شوہر کا قرض اگر یہ کہہ کر اتارا تھا کہ بعد میں شوہر کو واپس کرنا ہوگا تو اب لے سکتی ہے۔ اور اگر اپنی طرف سے تبرعا اتارا تو اب واپس نہیں لے سکتی۔ جامع الفصولین میں ہے "ولو استغرقها دين لا يملكها بارث الا اذا ابرأ الميت غريمه اواداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لوادى من مال نفسه مطلقا بلاشرط تبرع او رجوع يجب له دين على الميت فتصير التركة مشغولة بدينه" ترجمہ: اگر قرض ترکہ کا احاطہ کر لے تو کوئی وارث بطور میراث اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری قرار دے دے یا کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کر دے اور ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط لگا دے لیکن اگر وارث نے مطلقا یعنی تبرع یا رجوع کی شرط کے بغیر اپنے مال سے قرض ادا کر دیا تو میت پر اس وارث کا قرض لازم ہو جائے گا اور ترکہ اس کے قرض میں مشغول ہو جائے گا۔

(جامع الفصولين، الفصل الثامن والعشرون، جلد02، صفحه32، پشاور)

سوال: زید فوت ہو گیا۔ اس کے کچھ بچے تھے۔ چچاؤں یا ماں یا کسی اور ساتھی نے قرض لے لے کر ان کی پرورش کی یا نابالغی میں ان کی شادی کی۔ کیا وہ قرض جوان بچوں کی وجہ سے لینا پڑا، وہ ان بچوں کے مال سے لے سکتے ہیں یا بالغ ہونے کے بعد اس قرض کا ان

بچوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں؟یا ان کے باپ کی وراثت سے لے سکتے ہیں؟

جواب: ایسا ہرگز نہیں کرسکتے ۔بلکہ نابالغوں پر ان کی طرف سے یہ احسان سمجھا جائے گا۔ردالمحتار میں ہے" والمختار للفتوی ما فی وصایاالمحیط بروایۃ ابن سماعہ عن محمد مات عن ابنین صغیروکبیروالف درھم فانفق علی الصغیر خمس مائۃ نفقۃ مثلہ فھو متطوع" ترجمہ:فتوی اسی پر جو امام محمد سے ابن سماعہ کی روایت وصایاالمحیط میں ہے کہ ایک شخص مرا اس کے دو بچے تھے ایک چھوٹا ایک بڑا اور مرنے والے کی جائیداد میں ایک ہزار روپیہ تھا بڑے نے چھوٹے پر خرچ کیا تو وہ نفلی ہوگا۔

(ردالمحتار، کتاب الوصایا،فصل فی شہادۃ الاوصیاء، جلد10،صفحہ462، کوئٹہ)

سوال: پانچ بھائیوں کا باپ مرگیا۔باپ نے کسی کو دس لاکھ قرض دیا ہوا تھا۔باپ کے مرنے کے بعد وہ انکاری ہوگیا لیکن بڑے بھائی یا کسی بھی بھائی نے ثابت کردیا کہ فلاں نے ہمارے والد کی اتنی رقم دینی ہے تو کیا یہ رقم صرف ثابت کرنے والے کی ہوگی یا اس میں سب کا بمطابق وراثت حصہ ہوگا؟

جواب: اس میں سب حصہ دار ہوں گے۔جس کا جتنا حصہ بنے گا اتنا ہی لے،زیادہ لینے کی شرعا اجازت نہیں۔خزانۃ المفتین میں ہے"لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذالوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل ویدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا۔"یعنی اگر وارث کی موجودگی میں میت پر دین کا دعوی ہوا تو یہ تمام ورثاء کے حق میں ثابت ہوگا۔اسی طرح اگر ورثاء نے ثابت کردیا کہ فلاں میت کا مقروض ہے تو تمام ورثاء اس میں شریک ہوں گے اور بقدر اپنے حصہ کے لینے کے حق دار ہوں گے۔

(خزانۃ المفتین، کتاب الدعوی،فصل دعوی المیراث ،جلد2،صفحہ82،قلمی نسخہ ماخوذازفتاوی رضویہ)

سوال: والدین کی وفات کے بعد جب تقسیم وراثت کا وقت آیا بڑا بھائی کہنے لگا کہ دکان پر قرض ہے وہ قرض کس کے ذمہ ہوگا؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) اگر دکان کا قرض اس وجہ سے ہے کہ بڑے بھائی نے تاجروں کی طرح کچھ مال ادھار خریدا اور ابھی تک رقم ادا نہ کی یا دکان میں خسارہ واقع ہوا جس کے سبب قرض ادا نہ ہوسکا تو یہ قرض سب پر ہوگا اور سب مل کر اس کو ادا کریں گے جبکہ بڑا بھائی قسم کے ساتھ بیان کرے کہ قرض ہے۔

(2) اور اگر یوں ہے کہ اس نے دکان بڑھانے کے لئے کسی سے کچھ روپیہ قرض لے کر سامان خریدا تو یہ صرف بڑے بھائی کے ذمہ ہوگا اور خود ہی اس کو ادا کرے گا۔ کیونکہ صورت مسئولہ کا تعلق شرکت ملک سے ہے اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے مگر یہاں تصرف باجازت و رضائے باقی شرکاء ہے لہٰذا یہ اپنے حصہ میں اصیل اور دوسرے کے حصہ میں وکیل ہے اور وکیل قرضوں (ادھار) خرید سکتا ہے لیکن قرض نہیں لے سکتا۔ (ملخص از فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ107،رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

سوال: دین مردہ یعنی جس قرض کے ملنے کی امید باقی نہ رہے کیا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی؟

جواب: اس میں دو صورتیں ہیں: اگر حیات مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلا توقع نہ رہی، مثلا ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا دین جب مردہ ہوجائے اس میں

توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہوتو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا۔

(رضویہ)

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مال وراثت تقسیم کر دیا جاتا ہے بعد میں کوئی قرض خواہ آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ مرنے والا میرا مقروض تھا اور یہ بات ثابت ہو جائے تو اب بھی ورثاء کو قرض ادا کرنا ہوگا نہ کریں تو حکم ہے کہ انہوں نے جو وراثت کی تقسیم کاری کی گورنمنٹ اسے ختم کر دے اور قرض ادا کرے پھر کچھ بچے تو ان میں دوبارہ تقسیم کیا جائے، ہاں اگر یہ قرض کی مقدار مال نکال کر سائیڈ پر رکھ دیتے ہیں کہ تا کہ قرض خواہ کو دیا جائے تو اب کوئی مسئلہ نہیں۔ایسا ہی عالمگیری ہے۔

سوال: مال وراثت کی تقسیم کاری ہو چکی اور اب قرض خواہ آتا ہے اور اپنا قرض ثابت کرتا ہے تو اس تقسیم کاری کو برقرار رکھ کر قرض کی ادائیگی کا کوئی اور حل ہے؟

جواب: اگر کسی نے میت کی طرف سے اپنی جیب سے قرض ادا کر دیا، یعنی اپنی خوشی سے، تو اب قرض خواہ کو حق نہیں ہے کہ قرض کی تقسیم کاری کو ختم کرائے۔

ولو تبرع إنسان بقضاء دين الميت لا يكون للغريم حق نقض القسمة كذا في الذخيرة (فتاوی ہندیہ، کتاب القسمۃ، الباب الثانی، جلد 5، صفحہ 222، دارالفکر، بیروت)

سوال: میت کے ورثاء میں سے ایک کہتا ہے کہ میت پر قرض تھا باقی سب انکاری ہیں تو اب کیا کیا جائے؟

جواب: وراثت میں سے سب کا جو حصہ بنتا ہے وہ انہیں دیا جائے گا اور جس نے میت

پر قرض کا اقرار کیا تھا اس کے حصے سے قرض ادا کیا جائے گا جبکہ اس کے حصے سے سارا قرض ادا کرنا ممکن ہو"وإن أقر أحد الورثة بدين على الميت وجحد الباقون قسمت التركة بينهم ويؤمر المقر بقضاء كل الدين من نصيبه عندنا إذا كان نصيبه يفي لكل دين كذا في فتاوى قاضي خان"

(فتاوی ہندیہ، کتاب القسمۃ، الباب الثانی، جلد5، صفحہ 221، دارالفکر، بیروت)

سوال: میت کے ورثاء میں سے کسی نے دوسرے ورثاء کو بتائے بغیر میت کا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیا تو اب وہ دیگر وارثین سے پیسے لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بالکل لے سکتا ہے چاہے اس نے دیتے وقت باقی ورثاء سے لینے کی شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو، ہاں اگر اس نے تبرعا دیا یعنی اس کی نیت دیگر ورثاء سے لینے کی نہیں تھی یا اس نے کہہ دیا کہ میت کا سارا مال اپنی جیب سے دوں گا، کسی سے کچھ نہ لوں گا اب باقی ورثاء سے نہیں لے سکتا۔"ولو قضى الدين بعض الورثة فله الرجوع على الباقين شرط أو لم يشرط إلا أن يتبرع"

(فتاوی ہندیہ، کتاب القسمۃ، الباب الثانی، جلد5، صفحہ 222، دارالفکر، بیروت)

۔۔۔ کتاب الحیل ۔۔۔

سوال: مقروض سے نفع لینے کی جوازی صورتیں ہیں یا نہیں؟

جواب: اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔

(1) ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار روپے لینے ہیں وہ چاہتا ہے کہ مجھے نفع حاصل ہو تو وہ یوں کرے کہ اس شخص سے ہزار کی کوئی شے خرید لے پھر اگرچہ کوئی برتن وکتاب ہی کیوں نہ پھر وہی شے اس کو دو ہزار میں بیچ دے اور رقم دینے کی کوئی مدت متعین ہو جائے۔

(2) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ سے کسی نے دس ہزار قرض مانگا اور کہا کہ واپس بارہ ہزار دوں گا یعنی سود تو سود لینے دینے کی بجائے یوں کیا جائے کہ جو قرض مانگ رہا ہے وہ اپنی کوئی چیز اس کو دس ہزار میں فروخت کرے وہ خریدے اور رقم اس کو اس کے ہاتھ میں دے پھر قرض لینے والا کہے اب آپ اسی شے کو مجھے بارہ ہزار میں بیچ دیں جو آپ کو اتنے عرصے بعد مل جائیں گے۔ اس طرح کرنے سے سود سے بھی بچ گئے اور قرض لینے والے کی شے بھی واپس آ گئی۔ یہ طریقہ پلاننگ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہم یوں یوں کر لیتے ہیں تا کہ دونوں کا مقصود حاصل ہو جائے۔

(3) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ شے بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی شے بھی بیچنے کو نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس کے بارہ ملیں تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی شے بارہ کو بیچے اور شے اس کو دے دے پھر قرض لینے والا اس کو کسی اور کے ہاتھ دس روپے کو بیچے اور وہ شے اس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو

دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا آتا تھا وہ اتر جائے گا اور وہ شے قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اس کے بارہ ہزار ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے۔

(4) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر بارہ روپے کو بیچے اور اس کو دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ (ختم) کرے پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اس پر بارہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی۔"رجل له على رجل عشرة دراهم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الى اجل قالوا يشترى من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الى سنة فيقع التجوز عن الحرام ومثل هذا مروى عن رسول الله صلى تعالى عليه وسلم انه امر بذلك۔الخ" اس کے علاوہ اور بھی چند ایک طریقے ہیں جن کی تفصیل فتاوی خانیہ میں موجود ہے۔

کتاب الوظائف

مقروض ہونے سے بچنے کی دعا

حدیث میں ہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ والمغرم "ترجمہ:اے اللہ گناہ اور قرض سے مجھے اپنی پناہ عطا فرما۔

(ارشادالساری،باب من استعاذ من الدین،جلد04،صفحہ469،دارالفکر-بیروت)

المستدرک کی حدیث میں ہے:"عن عائشة ، رضی الله عنها قالت : دخل علی أبو بكر ، فقال:هل سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاء علمنيه ؟ قلت:ما هو ؟ قال:كان عيسى ابن مريم يعلمه أصحابه قال:لو كان على أحدكم جبل ذهب دينا ، فدعا الله بذلك لقضاه الله عنه:اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ، كَاشِفَ الْغَمِّ، مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّينَ، رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا، أَنْتَ تَرْحَمُنِي، فَارْحَمْنِي بِرَحْمَةٍ تُغْنِينِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ۔قال أبو بكر الصديق رضی الله عنه: وكانت على بقية من الدين ، وكنت للدين كارها ، فكنت أدعو بذلك ، فأتاني الله بفائدة فقضاه الله عني ، قالت عائشة : كان لأسماء بنت عميس على دينار وثلاثة دراهم فكانت تدخل على فأستحيي أن أنظر في وجهها لأني لا أجد ما أقضيها ، فكنت أدعو بذلك فما لبثت إلا يسيرا حتى رزقني الله رزقا ما هو بصدقة تصدق بها علي ، ولا ميراث ورثته فقضاه الله عني ، وقسمت في أهلي قسما حسنا ، وحليت ابنة عبد الرحمن بثلاث أواق ورق وفضل لنا فضل حسن قد احتج البخاري بعبد الله بن عمر النميري ، وهذا حديث صحيح غير أنهما لم يحتجا بالحكم بن عبد الله

الأبلى" خلاصہ عبارت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے وہ دعا سنی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سکھلائی؟ اور فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم بھی اپنے اصحاب کو یہی دعا سکھایا کرتے تھے، فرمایا: جو کوئی یہ دعا پڑھے گا اگر کوہ احد کے برابر قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کردے گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ابھی کچھ قرض باقی تھا اور مجھے قرض سے نفرت تھی میں نے اس کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ادائیگی قرض کی راہ نکال دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کہ اسماء بنت عمیس کی میں مقروض تھی وہ میرے پاس آئی تو مجھے بڑی عار محسوس ہوئی کہ میرے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال نہیں تھا تو میں نے یہ دعا پڑھی تو تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ادائیگی قرض کی سبیل نکال دی۔

(المستدرک، کتاب الدعا، جلد 01، صفحہ 696، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قرض ادائیگی کیلئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عطا کردہ وظیفہ

کسی نے پوچھا: حضور! آج کل بہت پریشان ہوں، گزراوقات مشکل سے ہوتی ہے قرضدار بہت ہو گیا ہوں!

ارشاد فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِی بِفَضْلِكَ عَنْ مَنْ سِوَاكَ" ترجمہ: اے اللہ! مجھے حلال چیزوں میں کفایت کر حرام چیزوں سے دور رکھ اور تیرے ماسوا سے مجھے اپنے فضل سے غنی کردے۔

ہر نماز کے بعد 11،11 بار اور صبح وشام سو سو بار روزانہ اول و آخر درود شریف۔

اسی دعا کی نسبت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ "اگر تجھ پر مثل پہاڑ کے بھی قرض

ہوگا تو اسے (اللہ) ادا کر دے گا۔"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 439، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے بیان کردہ وظیفے سے متعلق فرماتے ہیں "جب تم پر قرض ہو تو یہ دعا مانگو۔" اور احیاء العلوم میں اس کا ذکر چند الفاظ دیگر کے ساتھ یوں کیا۔ "اللھم یا غنی یا حمید یا مبدیء یا معید یا رحیم یا ودود أغننی بحلالك عن حرامك و بفضلك عمن سواك یقال من داوم علی ھذا الدعاء أغناہ اللہ سبحانہ عن خلقہ و رزقہ من حیث لا یحتسب"

(احیاء العلوم، کتاب اسرار الصلوۃ، بیان آداب الجمعۃ، جلد 01، صفحہ 184، بیروت)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے خاص جمعہ کے بعد پڑھنے کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

عطار دامت برکاتہم العالیہ کے مریدین کے لئے قرض سے برأت کا اجازت یافتہ وظیفہ

بانی دعوت اسلامی حضرت علامہ مولینا محمد الیاس عطار قادری اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے بتائے ہوئے وظیفے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اس عمل کو شروع کرنے سے قبل 11 روپے حضور غوث پاک اور کام پورا ہونے کی صورت میں 25 روپے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ایصال ثواب کے لئے دینی کام میں خرچ کیجئے۔

(فیضان سنت جدید، احکام روزہ، صفحہ 1008، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سورۃ یٰس کی تلاوت ادائیگی قرض میں مجرب ہے

سورہ یٰس کی کثرت سے تلاوت کی جائے کہ یہ قرض کی ادائیگی میں انتہائی مفید و مجرب ہے۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورہ یٰس کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے

ہیں"وان کـان مدیونا قضی الله دینه من خزائنه۔ "ترجمہ:یٰس کی تلاوت کرنے والا اگر مقروض ہوگا تو اللہ عزوجل اپنے خزانہ غیب سے اس کا قرض ادا فرمادے گا۔

(تفسیر نسفی ،پارہ23،سورۃ یٰس،صفحہ 115،مکتبہ رحمانیہ ،اردو بازار لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی ایک اور کرم نوازی

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِوَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِالرِّجَالِ۔" صبح وشام ادائے قرض کے لئے گیارہ گیارہ بار پڑھے۔

(الوظیفۃ الکریمۃ،صفحہ 19،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حرفِ آخر

فقیر نے اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی،شرعی و اخلاقی و پروف ریڈنگ وغیرہ ہر معاملے میں خوب محنت کی،اس کے باوجود اگر قارئین کرام کو کسی حوالے سے کچھ غلطی نظر آئے تو ابتدائی صفحہ پر میرا وٹس ایپ نمبر،ای میل ایڈریس اور فیس بک آئی ڈی پیج کی مکمل معلومات دستیاب ہے۔چونکہ میری کوئی برانچ نہیں لہٰذا میری کوتاہیاں مجھے ہی بتائیں تا کہ ان کو دور کیا جا سکے۔عوام الناس میں واویلا مچانے یا اپنی ڈیڑھ انچ کی کلاس سجا کر کسی بھی سنی عالم کی کوتاہیاں بیان کرنا خودنمائی وشہرت کے طلبگار کا کام ہے۔دین ومسلک دوست کوتاہی دور کرنے میں سنجیدہ ہوں تو مصنف ہی سے رابطہ کرتے ہیں۔

0321-4061265

المصادر و المراجع

الف

(1)القرآن

تفسیر

(2)تفسیر رازی

(3)احکام القرآن لجصاص

(4)الجامع لاحکام القرآن

(5)تفسیر نسفی

(6)تفسیر قشیری (لطائف الاشارات)

(7)ابن العربي، أبوبكر محمد بن عبدالله: أحكام القرآن، دارالفکر، بیروت، ج 1، ص 327

(8)تفسیر خزائن العرفان

(9)تفسیر نور العرفان

حدیث

(10) صحیح بخاری، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت

(11) صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربي، بیروت

(12) سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت

(13) جامع الترمذی، بیروت

(14) سنن ابن ماجہ، بیروت

(15) سنن نسائی، مطبوعہ، حلب

(16)حلیۃ الاولیاء، دارالکتاب عربی، بیروت

(17)المعجم الکبیر للطبرانی، الموصل

(18)معجم اوسط طبرانی، دارالحرمین، القاہرۃ

(19)معجم صغیر، بیروت

(20)السنن الکبری للبیہقی، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ

(21)الترغیب والترہیب، وحیدی کتب خانہ، پشاور

(22)مسند البزار، بیروت

(23)بغیۃ الحارث، جلد 01، صفحہ 75، مکتبہ شاملہ

(24)کنز العمال، بیروت

(25)مصنف ابن ابی شیبہ، دار سلفیۃ، ہند

(26)مصنف عبد الرزاق، ، المکتب الاسلامی، بیروت

(27)سنن کبری للنسائی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(28)ریاض الصالحین، الفاروق فاؤنڈیشن، لاہور

(29)صحیح ابن خزیمہ، بیروت

(30)الاستذکار، بیروت

(31)مشکوۃ المصابیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(32)مسند ابی داؤد طیالسی

(33)موارد الظمآن

(34)موطا امام مالک

شروح حدیث

(35) التمہید لما فی الموطأ، وزارت الاسلامیۃ، المغرب
(36) شرح سنن ابن ماجہ - السیوطی وآخرون، کراتشی
(37) شرح معانی الآثار، کتاب البیوع، بیروت
(38) شرح طیبی، کراچی
(39) المستدرک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
(40) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، بیروت
(41) مرقاۃ المفاتیح، مطبوعہ رشیدیہ، کوئٹہ
(42) مرآۃ المناجیح، نعیمی کتب خانہ، گجرات
(43) حاشیہ سندی علی ابن ماجہ، بیروت
(44) ماہنامہ جامعہ اشرفیہ، ہندوستان
(45) ریاض الصالحین فاروق فاؤنڈیشن، لاہور
(46) نزہۃ القاری، شرح بخاری، فرید بک سٹال، لاہور
(47) انوار الحدیث، خزینہ علم وادب، لاہور
(48) المفہم شرح صحیح مسلم، مکتبہ توقیفیہ، مصر
(49) اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، فرید بک سٹال، لاہور
(50) ابن الاثیر الجزری، النہایۃ فی غریب الحدیث
(51) شرح السنہ للبغوی

فقہ

(51) اختلاف الائمۃ العلماء، دارالکتب العلمیۃ - لبنان، بیروت

(52) فتاوی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(53) موسوعہ فقہیہ کویتیہ، مطابع دار الصفوۃ، مصر

(54) وقارالفتاوی، بزم وقارالدین، کراچی

(55) فتاوی کبری، مکتبہ شاملہ

(56) فقہ السنۃ، دارالکتاب العربی، بیروت - لبنان

(57) مجمع الضمانات، دارالکتاب الاسلامی

(58) مجلۃ الاحکام العدلیہ، نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی

(59) ملتقی الابحر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(60) مناسک ملا علی قاری، مکتبۃ فاروقیہ، کوئٹہ

(61) ردالمحتار، مطبوعہ کوئٹہ

(62) بدائع الصنائع، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(63) فتاوی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(64) بہار شریعت، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(65) فتاوی ہندیہ، مطبوعہ کوئٹہ

(66) تبیین الحقائق، القاہرۃ

(67) وسیلۃ الظفر

(68) تنویر الابصار مسائل شتی، مطبوعہ کوئٹہ

(69)النتف فی الفتاوی، کراچی

(70)الہدایہ، لاہور

(71)المختصر من المختصر، بیروت

(72)شرح مسند امام اعظم، بیروت

(73)فتاوی رملی،، مکتبہ شاملہ

(74)اختلاف الفقہاء للطبری، مکتبہ شاملہ

(75)آداب الاوصیاء، کراچی

(76)فتاوی امجدیہ، دارالعلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ، کراچی

(77)فتاوی فقیہ ملت، شبیر برادرز، لاہور

(78)میزان الکبری، بیروت

(79)عنایہ شرح ہدایہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(80)الجوہرۃ النیرۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(81)عنایہ شرح ہدایہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(82)شرح وقایہ، کراچی

(83)المختصر القدوری، مطبوعہ کراچی

(84)المبسوط، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(85)منحۃ الخالق، کوئٹہ

(86)ملفوظات، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(87)بلوغ المرام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(88) فتاوی قاضی خان، کوئٹہ
(89) ذخیرہ
(90) الحدیقۃ الندیہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
(91) فتاوی دیداریہ، مکتبۃ العصر، گجرات)
(92) اسلام اور جدید بنک کاری، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی
(93) صحیفہ مجلس شرعی، دار النعمان، کراچی
(94) المحیط البرہانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
(95) رفیق الوراثت، شرح سراجی، شبیر برادرز، لاہور
(96) فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
(97) العقود الدریۃ، گندھار، افغانستان
(98) ماخوذ از فتاوی اہلسنت لاہور، غیر مطبوع
(99) حاشیہ طحطاوی، المطبعۃ الکبری الأ میریۃ بولاق
(100) غنیۃ المستملی، سہیل اکیڈمی، لاہور
(101) فتاوی فقیہ ملت، شبیر برادرز، لاہور
(102) شریفیہ شرح سراجی، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ
(103) فتاوی فیض الرسول، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور
(104) فتاوی مصطفویہ، باب القرض، صفحہ 428، شبیر برادرز، لاہور)
(105) الحدیقۃ الندیۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
(106) فتاوی نوریہ، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

(107) حبیب الفتاوی، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور

(108) تحفۃ الملوک، دار البشائر الاسلامیۃ - بیروت

(109) ملخص از تفہیم المسائل، ضیاء القرآن، لاہور

(110) درر الحکام شرح غرر الاحکام، بیروت

(111) رفیق الحرمین، مکتبۃ المدینۃ

(112) القول الراجح، بیروت

(113) البحر الرائق، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(114) خلاصۃ الفتاوی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(115) قاموس فقہی، دار الفکر، دمشق، سوریۃ

(116) فتاوی فقیہ ملت، شبیر برادرز، لاہور

(117) قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، شبیر برادرز، لاہور

(118) وقف کے شرعی مسائل، مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد

(119) فتاوی اہلسنت، مرکز الاولیاء، لاہور، غیر مطبوعہ

(120) فتاوی خیریہ، بیروت

(121) النافع الکبیر، بیروت

(122) مجمع الانہر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(123) اللباب فی شرح الکتاب، دار الکتاب العربی

(124) فتاوی نوازل، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور، پاکستان

(125) فتاوی بزازیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(126) البنایہ شرح ہدایہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(127) جامع الفصولین، اسلامی کتب خانہ کراچی

(128) شرح العینی، ادارۃ القرآن والعلوم، کراچی

(129) منحۃ الخالق، کوئٹہ

(130) فتاوی رملی، مکتبہ شاملہ

(131) فتاوی سبکی، مکتبہ شاملہ

(132) متن بدایۃ المبتدی، مکتبۃ الشاملہ

(133) حاشیہ طحطاوی علی الدر، مطبوعہ کوئٹہ، پاکستان

(134) فتاوی خلیلیہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، پاکستان)

(135) کتاب الکسب، دمشق

(136) النکت لسرخسی، بیروت

(137) مجمع الزوائد، بیروت

(138) المنیفہ، موسسۃ الکتب الثقافیۃ

(139) خزانۃ المفتین، قلمی نسخہ، ماخوذ از فتاوی رضویہ)

(140) جامع الرموز (قدیمہ)

(141) قواعد فقہیہ لابن رجب

(142) شرح وقایہ لملا علی قاری

(143) کتاب الآثار لامام محمد، مکتبہ امدادیہ، ملتان

(144) کتاب الآثار لامام ابی یوسف

(145) مجمع الضمانات

(146) اجماع (امام نیشاپوری)

(147) اختلاف العلماء

(148) اختلاف ابی حنیفۃ وابی لیلۃ

(149) اعلام الموقعین

(150) الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف

(151) کتاب الربا، القاہرۃ

(152) طلبۃ الطلبۃ فی اصطلاحات الفقہیہ

(153) فتاوی اہل سنت، سلسلہ اشاعت نمبر 6

اصول فقہ

(154) الاشباہ والنظائر، الفن الاول، ادارۃ القرآن، کراچی

(155) فصول الحواشی لاصول الشاشی، مکتبہ الحرم، لاہور

(156) التلخیص فی اصول الفقہ

(157) البحر المحیط فی اصول الفقہ

(158) العدۃ فی اصول الفقہ

(159) شرح القواعد الفقہیۃ

(160) شرح تلویح علی التوضیح

تصوف

(161) احیاء العلوم بیروت

(162) تذکرۃ الاولیاء

سیرت

(163) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ

لغت

(164) فیروز اللغات، فیروز سنز، اردو بازار لاہور

(165) مقاییس اللغۃ، دار الفکر، بیروت

(166) تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی

(167) الفروق اللغویہ للعسکری، مصر

(168) کتاب التعریفات، مکتبہ رحمانیہ، اردو، بازار، لاہور

(169) الفروق اللغویہ للعسکری، مصر

(170) معجم تصحیح لغۃ الاعلام العربی، مکتبہ شاملہ

(171) المنجد، خزینہ علم وادب، اردو بازار، لاہور

(172) القاموس المحیط

(173) تاج العروس من جواہر القاموس

(174) مغنی المحتاج

(175) لسان العرب

(176) حماد، معجم الاصطلاحات الاقتصادیۃ، صفحہ

منطق

(177) تسہیل المنطق

متفرقات

(178) ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 439، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(179) فیضان سنت جدید، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(180) الوظیفۃ الکریمۃ، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(181) الخرشی علی مختصر خلیل

(182) الفروع

(183) الصحاح

(184) کشف القناع

(185) ابن قدامہ، المغنی

(186) الانصاف

(187) نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج

(188) احسن الوعاء لآداب الدعاء، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی

(189) ذیل المدعا لاحسن الوعاء، حاشیہ احسن الوعاء، مکتبۃ المدینہ، کراچی

اظہارِ خیال!

مفتی محمد اظہر المدنی مدظلہ العالی کی تالیف بنام ''قرض کے احکام مع جدید مسائل'' جستہ جستہ مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ انتہائی علمی و تحقیقی تحریر ہے اور وقت کا تقاضا بھی ہے۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کرام کی روشنی میں قرض اور اس سے متعلقہ احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرض کے حوالے سے جدید شرعی مسائل کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ قرض دراصل عقد کی ایک ایسی صورت ہے جس میں دائن یعنی قرض دینے والا خالصتاً احسان وتبرع کی بنیاد پر ایک ضرورت مند کو اپنی رقم یا کوئی مثلی شے دے رہا ہوتا ہے اور اس سے کسی قسم کی زائد کا مطالبہ نہیں کرتا۔ لہٰذا قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی تعریف کی گئی ہے اور دینے والے سے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بوقت ضرورت قرض لینا اور اسی طرح ضرورت مندوں کو قرض دینا دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ سے ثابت ہیں۔ لیکن قرآن وحدیث کے بنظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں قرض لینے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور اس سے حتی الامکان دور رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جبکہ ضرورت مندوں کو قرض دینے کی حوصلہ افزائی اور اس پر دنیا وآخرت میں اجر عظیم کا وعدہ بھی۔ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ شہید بھی اس وقت تک داخل جنت نہ ہوگا جب تک اس کے ذمہ واجب الاداء قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

محترم مفتی صاحب نے اس کتاب میں قرض کے لین دین کی مختلف صورتوں کو زیب قرطاس کرکے ان کے جواز وعدم جواز پر بہت خوبصورت انداز میں دلائل وبراہین کی روشنی میں بحث کی ہے جو نا صرف علماء کرام اور مفتیان عظام کے لئے انتہائی سودمند ہے بلکہ ایک عام قاری کے لئے بھی قابل فہم ہے۔ سود عام طور پر قرض ہی پر لیا یا دیا جاتا ہے لہٰذا فاضل مصنف نے قرض پر سودی لین دین کو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قرض کی جدید صورتوں جو مختلف ناموں سے معاشرے میں رائج ہیں، پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور ان کے بارے شرعی حکم بھی بتایا گیا ہے۔ فقہ اسلامی کے مختلف عنوانات کے تحت الگ الگ قرض کے مسائل کو بیان کرنا بھی اس کتاب کی خصوصیت ہے۔ میری ناقص رائے میں اردو زبان میں قرض کے حوالے سے مارکیٹ میں جتنی کتابیں دستیاب ہیں، ان میں یہ جامع ترین کتاب ہے۔

اخیر میں میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ رب

کائنات مفتی محمد اظہر المدنی صاحب کی اس علمی وتحقیقی کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور اسے ہر خاص وعام میں مقبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

مدرس جامعہ نعیمیہ، شیئر شرعی ایڈوائزر ایم سی بی بنک
مفتی سید صابر حسین

اظہار خیال!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر عرصہ دراز سے حضرت علامہ مفتی اظہر مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا قریبی دوست ہے۔ موصوف ایک فقیہ جدید موضوعات پر لکھنے والے عالم ہیں۔ اس کتاب سے پہلے بھی ان کی دو نایاب علمی کتب چھپ چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''قرض کے احکام مع جدید مسائل'' آپ نے عوام وخواص کے لیے تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کے کثیر حصے کو مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے یہ کتاب بہت ہی اہم، نہایت ہی انمول اور بے حد مفید ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ صحیح ومعتمد مسائل کا لاجواب مجموعہ ہے۔ ماشاء اللہ عزوجل حضرت مولانا مفتی ابو اطہر مدظلہ العالی نے بہت محنت کے ساتھ قرض کے متعلقہ کثیر مسائل بہت خوبصورت اور آسان انداز میں پیش کیے ہیں۔ قرض کے متعلقہ احکام پر یہ پہلی تفصیلی کتاب ہے جس میں فقہ کے کثیر ابواب میں قرض کی مختلف صورتوں کو ایک علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ عام اذہان میں یہی ہے کہ قرض کا تعلق فقط پیسے لینے اور دینے وغیرہ کے ساتھ ہے، لیکن مولانا نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ قرض کے متعلق کثیر ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق ہمارے روزمرہ کے معاملات کے ساتھ ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب قرض کے متعلقہ احکام کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ موصوف نے قرض کے کئی جدید مسائل پر قلم اٹھایا ہے جو قارئین کو دیگر کتب فتاوی میں نہ ملیں گے۔ ہوسکتا ہے چند جدید مسائل میں دیگر مفتیانِ کرام اختلافِ رائے بھی کریں لیکن کوئی بھی مفتی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مولانا نے بغیر کتب فقہ پر نظر کیے کسی جدید مسئلہ میں اپنا موقف پیش کیا ہے۔ مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر وعمل وفیض میں برکت دے اور اس کتاب کو فقہ حنفی میں شائع ومعمول اور دُنیا و آخرت میں نافع ومقبول فرمائے۔ آمین۔

ابو احمد مفتی محمد انس رضا قادری
التخصص فی الفقہ السلامی، الشہادۃ العالمیۃ
ایم اے اسلامیات، ایم اے اردو، ایم اے پنجابی

کامیابی اللہ کی رحمت سے ادارہ فیضان شریعت کی طرف

(1) شرعی رہنمائی

سوشل میڈیا واٹس ایپ وغیرہ کے ذریعے بلا مبالغہ روزانہ سینکڑوں افراد کی شرعی رہنمائی کا سلسلہ جاری ہے۔جس میں لوگوں کو ایمان و کفر و عبادات و معاملات، نکاح و طلاق سے متعلق تحریری و زبانی فتاوی دیے جاتے ہیں اور انہیں قال اللہ وقال الرسول سے مکمل طور پر آگاہ کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

(2) اشاعت دین

یوں تو دین کی جملہ خدمات اشاعت دین کے تحت شامل ہیں مگر اس کے خاص شعبہ کتب کی تصنیف و تالیف جسے اشاعت دین میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔یہ بھی ادارہ فیضان شریعت کے تحت جاری و ساری ہے جس کے تحت مفتی محمد اظہر و دیگر صحیح العقیدہ علماء کی کتب کو اشاعتی مراحل سے گزار کر مسلمانوں تک پہنچایا جاتا ہے اور یوں مسلمان کتب کے ذخیرہ سے لامتناہی علمی موتی چنتے ہیں۔

(3) غرباء و مساکین کی خبر گیری

اس کے تحت غرباء و مساکین کی وسعت بھر خدمت کی جاتی ہے،جن میں گھریلو خشک راشن،دوائیاں وغیرہ،غریب،یتیم بچوں کی دینی وعصری تعلیم کے حصول میں مدد اور خاص کر خواتین کو ہنر سکھاؤ خود کفیل بناؤ کا عزم لئے فقیر سرگرم عمل ہے اور اللہ پاک کی رحمت سے دن بدن کامیابی کے زینے طے کرتا چلا جا رہا ہے۔

الحمد للہ تا وقت تحریر بھی ادارہ فیضان شریعت کے تحت یتیم و بے سہارا،بیوہ و معذور عورتوں کے لئے فری سلائی اور فیشن ڈیزائننگ کے کورس کو تقریبا دو ماہ سے زائد کا عرصہ ہو چکا۔اس وقت 22 سے زائد حاجت مند و غریب بچیاں مکمل پردے کے اندر اس فری کورس

سے مستفید ہو رہی ہیں۔ان میں سے تقریباً سات بہنوں نے دو ماہ کے انتہائی قلیل وقت میں یہ کورس مکمل کیا اور اس بڑی عید کے موقع پر ان کا بیان ہے کہ انہوں نے لوگوں کے کپڑے سلائی کر کے گھر کے ضروری اخراجات میں بوڑھے باپ یا سربراہ کا خوب ہاتھ بٹایا،ان کی فیملی با قاعدہ میرا شکریہ ادا کرنے میرے پاس آئی،جواباً میں نے کہا کہ میرا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ان افراد کے لئے خوب دعا کیجئے جن کے تعاون سے یہ کورس جاری وساری ہے۔ان کورس کرنے والیوں کی اکثریت کسی کے گھر میں جاڑو پوچے یا گھر سے باہر جا کر کام کرتی ہے،ان کا بیان ہے کہ ہمیں گھر سے باہر جا کر کام کرنے کی صورت میں مردوں کی طرف سے بری نظر اور عزت پر ہاتھ ڈالنے کے واقعات کا آئے دن سامنا کرنا پڑتا ہے،اس لئے ہم یہ کورس کرنے لگیں ہیں تا کہ گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر عزت سے دو وقت کا کھانا کھا سکیں۔اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ آج کے دور میں روزانہ صرف دو سوٹ سلائی کرنے پر ایک غریب گھر کا خرچہ سیدھا ہو جاتا ہے ۔جو با قاعدہ طور پر اس کورس سے مستفید ہونے والی بہنوں کا بیان ہے۔ یاد رہے کہ یہ کورس مکمل فری ہے اور صرف غریب و بے سہارا بہنوں کے لئے ہے۔اس کورس کی کامیابی کی دعا کی گزارش کے ساتھ ساتھ آپ سے گزارش ہے کہ ان مستحقین زکوۃ عورتوں کو مانگنے وزکوۃ لینے سے بچانے کے لئے اپنے عطیہ سے ان کو خود کفیل بنانے میں ہمارا ساتھ دیجئے تا کہ آئندہ یہ صدقات لینے و گھر سے باہر جا کر کام کرنے کی بجائے اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر عزت سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں اور اپنی جوان بیٹیوں کو بھی کسی کے گھر جاڑو پوچہ کی بجائے ان کو ہنر سکھا کر پردے میں رکھ سکیں،ایک ماں جانتی ہے کہ جوان بیٹی کا کسی کے گھر جاڑو پوچہ کے لئے جانا کس قدر تکلیف دہ امر ہے۔ہم انہی بے سہارا خواتین کے لئے بیوٹیشن کا کورس بھی سٹارٹ کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے پاس اس قدر وسائل نہیں ہیں۔ہمیں ایسے افراد کی تلاش ہے کہ جو اپنی توفیق کے مطابق ہمیں اس نیک کام میں ہر مہینے کچھ عطیہ دیں،تا کہ ان بہنوں کے لئے مستقل بنیادوں پر کام کیا جا سکے۔